فلسطین میں
موساد کی دہشت گردی
صبا ممتاز نور
PDFBOOKSFREE.PK
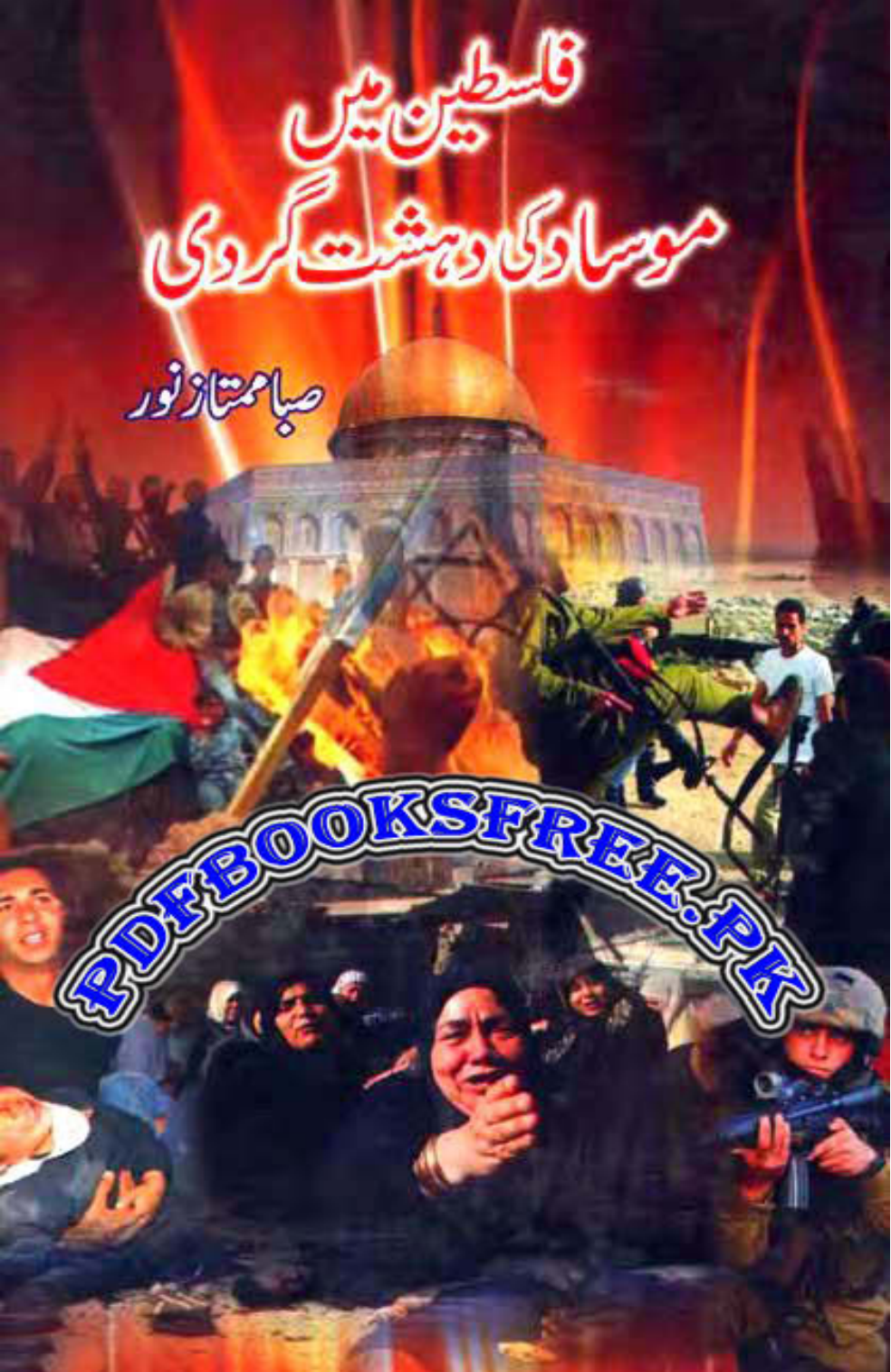
اپنی بات

اُمت مسلمہ کے مسائل پر لکھنے کے لئے صرف دلچسپی کا ہونا کافی نہیں بلکہ حقیقی تڑپ اور احساس کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مشرق وسطیٰ کے حالات اور فلسطینی عوام پر اسرائیلی بربریت کی سفاکانہ کارروائیوں سے دل دُکھتا تھا مگر ان سفاک سرگرمیوں سے آگاہی کے لئے کسی پلیٹ فارم کی ضرورت تھی اور وہ مجھے ندائے ملت اور نوائے وقت نے فراہم کیا۔

ندائے ملت میں آنے سے پہلے مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ ایک دن میں اُمت مسلمہ کے موضوع پر باقاعدگی سے لکھنے لگوں گی۔ زیرِ نظر کتاب بھی میری اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے اور اس کتاب کو تمام تحقیق و تجزیے کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ فلسطین میں سرگرم اسرائیل کی خفیہ ایجنسی ''موساد'' کے سفاکانہ کردار کو پوری اُمتِ مسلمہ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ میں اس خدائے بزرگ و برتر کی شکر گزار ہوں کہ آج میں نے قاری سے رائٹر بننے کا اعزاز حاصل کرلیا۔

آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ (آمین)

صبا ممتاز نور

اسرائیل نے اپنے ناجائز وجود کو برقرار رکھنے اور اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانے کیلئے موساد یعنی اسرائیلی سیکرٹ سروس ایجنسی کا جال پوری دنیا میں پھیلا رکھا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ تو خاص کر اس کا گڑھ ہے۔ موساد نے ظلم وستم کی ایسی ایسی داستانیں رقم کی ہیں کہ جو شکل سے مہذب نظر آنے والے صہیونیوں کی مکروہ شخصیات کو ہمارے سامنے لانے کیلئے کافی ہیں۔ حال ہی میں لبنان سے موساد کے ایجنٹوں کا ایک لشکر گرفتار ہوا ہے' جس کا مقصد حزب اللہ قیادت کا خاتمہ اور لبنان میں دہشت گردانہ کارروائیاں تھیں۔ گزشتہ سال موساد نے دمشق میں حزب اللہ کے سکیورٹی چیف عماد مغنیہ کو موت کے منہ میں دھکیلا۔ اخوان المسلمون کے حسن الصباح سے لے کر یاسر عرفات تک اور ''حماس'' کے سالار شیخ احمد یاسین سے لے کر لبنان کے سابق وزیراعظم رفیق الحریری سمیت سینکڑوں افراد کی ہلاکت کا خون موساد کے ہاتھوں سے ہوا۔ اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے ایجنٹ اپنے دشمنوں کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ایجنٹ' جاسوس چہار اطراف پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے ملک کو نہ صرف اطلاعات اور خفیہ معلومات مہیا کرتے ہیں، بلکہ یہ اسرائیل مخالف ملکوں میں عسکریت پسند گروہوں کی پشت پناہی بھی کرتے ہیں۔ موساد براہ راست وزیراعظم کو جوابدہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اسرائیلی خفیہ ایجنسی میں خدمات انجام دینے والے افسروں اور ایجنٹوں کا تعلق محکمہ دفاع سے ہوتا ہے' لیکن اس کے باوجود موساد کو ایک سول ادارے کا درجہ حاصل ہے اور اس کے کسی ایجنٹ کو ''ملٹری رینک'' تفویض نہیں کیا گیا۔ موساد کا سب سے اہم ونگ ''سپیشل آپریشنز ڈویژن'' ہے، جسے عرف عام میں "Metsada" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ مٹساڈا ونگ مختلف ریاستوں کو غیر مستحکم کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔ مٹساڈا کئی عرب رہنماؤں کے قتل کی سازش میں ملوث رہی ہے۔ موساد کو سب سے زیادہ پراسرار اور خفیہ انٹیلی جنس کہا جاتا ہے' یہ عبرانی زبان کی ایک عبارت کا مخفف ہے۔

The institute for intellegence and speceial assignment.

عربوں کے وسط میں گھری ہوئی ریاست اسرائیل کو ہرلمحہ اپنی بقاء وتحفظ کی فکر لاحق رہتی ہے' حالانکہ اس کی بقاء وتحفظ کیلئے یورپی ممالک اور خاص کر امریکہ اس کی پشت پر کھڑے ہیں۔ امریکہ نے اسے ایٹمی طاقت بنا کر اتنا طاقتور کر دیا ہے، کہ وہ صرف اپنا دفاع ہی نہیں کرسکتا، بلکہ عربوں کو للکار بھی سکتا ہے۔ یہ امریکہ کی دی ہوئی للکار ہی ہے کہ اسرائیل عربوں کو ناکوں چنے چبوا رہا ہے' اس لئے کہ یہ عرب اسے مل کر مشرق وسطیٰ سے نکال نہ دیں۔ اسرائیل نے مختلف جاسوس اداروں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ اسرائیل جیسی چھوٹی ریاست کی دفاعی صلاحیت کا انحصار اپنی جدید ترین ایئر فورس' نیوی اور آرٹلری پر ہے اور ان سب سے بھی زیادہ اپنی انٹیلی جنس موساد پر۔ ایک خطیر رقم موساد کے حوالے سے مختص کی جاتی ہے۔

یہ اتنی خفیہ ایجنسی ہے کہ اس کے بارے میں کوئی اہلکار اس کا تذکرہ نہیں کرتا' اس کا نام نہیں لیا جاتا۔ موساد کا ماٹو ہے۔

By way of deception thou shalt do war.

90ء کی دہائی کے دوران موساد کے معاملات کو شفاف بنانے کیلئے متعدد اقدامات کئے گئے۔ موساد کی تاریخ میں پہلی بار اس کے ڈائریکٹر کا نام منظر عام پر آیا۔ اسرائیل کی یہ خفیہ ایجنسی اپنے 67 برس محیط سفر میں بہت سی خونیاں کارناموں کی مالک بنی ہے۔ نازی رہنما ایڈولف اچمین کی گرفتاری' موساد کی اہم ترین فتح تھی۔ وہ ارجنٹائن میں ریکارڈو کلیمنٹ کے نام سے قیام پذیر تھا۔ اسرائیلی ایجنٹوں نے اسے گرفتار کیا اور خفیہ راستے سے اسرائیل لائے' جہاں اسے ٹرائل کے بعد پھانسی دی گئی۔ 1996ء میں موساد نے حماس کے ایک سینئر رہنما کو دھماکہ خیز موبائل فون کی مدد سے قتل کیا۔ حالیہ دنوں میں موساد ان یہودیوں کی مدد کر رہی ہے، جو اسرائیل میں پناہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کیلئے 1984ء میں آپریشن Mases شروع کیا گیا' جس کے تحت ایتھوپیا سے ہزاروں یہودیوں کو خفیہ راستے سے اسرائیل منتقل کیا گیا تھا۔ 2007ء میں اسرائیل نے موساد کے ایجنٹ کی اطلاع پر شام کے ملٹری انسٹالیشن مرکز پر بم پھینکا تھا۔ فارن پالیسی جرنل کے مطابق موساد دنیا کی پانچویں فعال ترین خفیہ ایجنسی ہے۔ 2006ء میں اسرائیل کو حزب اللہ کے خلاف جس شرمناک جنگ کا سامنا کرنا پڑا تھا' اب وہ پوری طرح سے حزب اللہ کی تاک میں ہے۔ 2006ء میں حزب اللہ کے مٹھی بھر جانبازوں نے لبنان پر حملہ کرنے والی اسرائیلی فوجوں کو 36 روزہ جنگ میں عبرتناک شکست کا ذائقہ چکھایا۔ تب سے موساد کے ایجنٹ لبنان میں حزب اللہ کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے اور حسن نصر اللہ کے ٹھکانوں کی تلاش میں منظم انداز میں کام کر رہے ہیں۔ حسن نصر اللہ کو قتل کرنے کیلئے کئی سازشیں کی گئیں، جو ناکام رہیں۔

لبنان میں جو ڈیوائسز (آلات) پکڑے گئے ان کے ذریعے حزب اللہ کے خفیہ مقامات کی نگرانی کی جاتی تھی۔ ان ڈیوائسز کے ذریعے ویڈیو فلمیں بنا کر موساد کے ہیڈکوارٹر روانہ کی جاتی تھیں۔ بیروت میڈیا سنٹر کی رپورٹ کے مطابق موساد کے ایجنٹوں کی شاطرانہ جاسوسی کا آغاز 1986ء میں ہوا۔ حزب اللہ کو موساد کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان اپنے سکیورٹی جرنیل عماد مغنیہ کی ہلاکت کی صورت میں سہنا پڑا۔ امریکہ نے مغنیہ کو بیروت کے ''ٹائم میری'' بم دھماکوں اور 1983ء میں اپنے سفارتخانے میں ہونے والے حملوں کا ملزم قرار دیا تھا۔ اسرائیلی سیکرٹ سروس انتہائی ظالمانہ طریقے استعمال کرتی ہے۔ مائیکروچپ کا استعمال عام ہے' چپ کی موجودگی میں موساد کے ہیڈکوارٹر میں اس شخص کی حرکات وسکنات دیکھی جاسکتی ہیں اور مناسب موقع پر میزائل حملے سے اسے راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ''مڈل ایسٹ اسٹڈی سنٹر'' کی رپورٹ کے مطابق موساد نے موبائل فون کے ذریعے مخالفین کو گھیرنے کی صلاحیت حاصل کرلی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی جہاد کے کمانڈر کو سرکاری فون ایجنسی کے نمبر سے فون کال موصول ہوئی۔ کال کرنے والی شخصیت نے کمانڈر کو باتوں میں مصروف رکھا اور پھر دو منٹوں بعد کمانڈر پر میزائل حملہ ہوگیا۔ یہ واردات موبائل شعاعوں کی مدد سے لیزر گائیڈڈ میزائل سے کی گئی۔

اسرائیل نے ہمیشہ دورخی پالیسی کو اپنایا ہے۔ ایک طرف اسرائیل تامل ٹائیگرز کو ختم کرنے کیلئے سری لنکا حکومت کو اسلحہ فروخت کرتا رہا' دوسری طرف اسرائیلی سیکرٹ ایجنسی موساد تامل ٹائیگرز کو ناجائز اسلحہ مہیا کرتی رہی۔ عراق میں موساد نے بہت تخریبانہ کردار ادا کیا ہے۔ عراق میں فرقہ وارانہ فساد بھڑکانے میں موساد پوری طرح سرگرم ہے تاکہ عراق میں خانہ جنگی کا سا ماحول رہے اور خانہ جنگی کے اس ماحول میں عراق کو وہاں قیام کرنے کا موقع مل سکے۔ یہ صورتحال امریکہ اور اسرائیل کو فائدہ اٹھانے اور مفادات حاصل کرنے میں مددگار ہے۔ اسرائیل ایک تیر سے کئی شکار کرنا چاہتا ہے۔ عراق پڑوسی ممالک کے خلاف اسرائیلی جاسوسی کا ایک اہم ٹھکانہ ثابت ہو رہا ہے' کیونکہ اسرائیلی کارندوں کیلئے عراقی سرحدوں میں قائم اپنے جاسوس ٹھکانوں کے ذریعہ پڑوسی عرب ممالک کی جاسوسی کرنا آسان ہے۔ بالخصوص اسرائیل کے دشمن ممالک شام' ایران اور حزب اللہ کے خلاف جاسوسی سرگرمیاں ممکن ہیں۔ موساد کی کارروائیاں عراق میں بہت زیادہ ہے۔ عراق میں اسرائیلی کی وسیع تر سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت عراق میں 25 سے زائد اسرائیل کی فوجی واقتصادی کمپنیاں قائم ہیں۔ بالواسطہ طور پر مختلف ناموں سے کام کرنے والی اسرائیلی کمپنیوں کی تعداد شمار وقطار سے باہر ہے۔ یہ ساری کمپنیاں موساد کیلئے ڈھال کا کام کر رہی ہیں۔ شمالی عراق میں اسرائیل کی سرگرمیاں بہت زیادہ ہیں۔ اسرائیل شمالی

عراق کے موصل علاقہ میں پٹرول سے مالا مال علاقہ کی خریداری کر رہا ہے۔ امریکہ کی قابض افواج نے اسرائیلی کمپنیوں کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر رکھی ہیں۔ اسرائیل شمالی عراق کے کردوں کے ساتھ بھی روابط بڑھا رہا ہے۔

ان سازشوں اور تانے بانے کے پیچھے موساد پوری طرح سرگرم اور فعال ہے۔ اسرائیل عراق میں متعدد سیاسی نوعیت کے اہم مقاصد کی تکمیل کیلئے کوشاں ہے' جن میں سب سے اہم عراق تا اسرائیل پٹرول اور پانی کی پائپ لائن ہے تاکہ اسرائیل کے پانی اور پٹرول کی قلت پر قابو پایا جائے۔

عراق میں شورش دراصل عراق کی تقسیم کی نسبت سے برپا کی جا رہی ہے اور یہ شورش موساد کے ذریعے کروائی جا رہی ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ہر اس ملک کو، جو مستقبل میں اسرائیل کیلئے خطرہ بن سکتا ہو' ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی طاقت کو منتشر کر دیا جائے۔ عراق میں موساد کو سرگرم رکھنے کا مقصد اسرائیل کو اقتصادی استحکام بھی عطا کرنا ہے۔ علاقہ میں خود کو بالاتر سطح پر رکھنے کیلئے اسرائیل خود کو ایک ناقابل تسخیر معاشی طاقت بنانا چاہتا ہے' جس کیلئے عراق سے بہتر کوئی زرخیز علاقہ نہیں ہو سکتا' چنانچہ امریکی اشتراک کے ساتھ عراقی پٹرول کو ہتھیانے کا سلسلہ جاری ہے۔

اسرائیل تقریباً ہر اس ملک میں موجود ہے، جو مسلم ہے اور اسلام کا نام لیوا ہے' جو اسرائیل کو ایک ناجائز مملکت تصور کرتا ہے اور اس کے وجود کو مجبوراً برداشت کر رہا ہے۔ سوڈان میں مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے عیسائی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ ان عیسائی مشنریوں کو موساد کی پوری حمایت حاصل ہے بلکہ موساد کی حدود سے ہی یہ بلاخوف اپنے سازشی کردار کو پھیلائے ہوئے ہیں۔ سوڈان میں خانہ جنگی کو بھڑکانے میں بھی موساد کا ہاتھ ہے۔ سوڈان اور خرطوم کے باغی گروپوں کو اسرائیل نہ صرف تربیت، بلکہ پیسہ بھی دیتا ہے۔

موساد انڈیا کے ساتھ مل کر مسلمان ممالک کے خلاف بہت سی سازشوں میں ملوث ہے۔
موساد نے مسلمانوں کے خلاف پوری دنیا میں ایک جال پھیلا رکھا ہے۔ بم دھماکے' اہم عمارات کی تباہی' خانہ جنگی' باغی گروپوں کی مدد' اسلحہ اور مال کی فراہمی' اہم شخصیات کا خاتمہ۔ موساد کے ہاتھ خون و فساد میں رنگے ہوئے ہیں۔ موساد پاکستان کے خلاف بھی پوری طرح سرگرم ہے۔
پاکستان میں تخریبی کارروائیوں میں بھی موساد کا ہاتھ ہے۔ موساد اور را پاکستان کو سکھ کا سانس لینے دینا نہیں چاہتیں۔ اس وقت موساد اور را کے نیٹ ورک نے پاکستان کو دہشت گردانہ کارروائیوں کیلئے ہدف بنا رکھا ہے۔ موساد کا طریقہ واردات انتہائی خفیہ اور پراسرار اور اس کے ہتھکنڈے بہت ظالمانہ ہیں۔ مسلمان ممالک کو پارہ پارہ کر دینے کیلئے کام کرنے والی موساد کا مقابلہ صرف

اپنی ایجنسیوں کو فعال بنا کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ موساد مسلمان ممالک کو لے ڈوبے گی' ان کے اداروں اور شخصیات کو تباہ کر دے گی۔ موساد کے توڑ کیلئے ہمیں اپنے ذہین اور حاضر دماغوں کو تیار کرنا ہوگا' جو اپنی ذہانت سے موساد پر بھاری پڑنے کے اہل ہوں۔

❖◆❖

اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کی شرانگیزیوں سے عرب اور مسلم ممالک کبھی بھی محفوظ نہیں رہے۔ اس کا دائرہ کار پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ موساد یہودی پناہ گزینوں کی مخفی تحریکوں کا بھی ذمہ دار ہے۔ جو شام' ایران اور ایتھوپیا کے باہر موجود ہیں۔ مغرب اور اقوام متحدہ میں موجود کئی سابقہ کمیونسٹ ممالک میں موساد کے ایجنٹ متحرک ہیں۔ موساد کا ہیڈ کوارٹر تل ابیب میں ہے۔ 1980ء میں سامنے آنے والے اعداد و شمار کے مطابق اس تنظیم کے اراکین کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے دو ہزار کے قریب تھی۔ مگر حالیہ دنوں میں سامنے آنے والے اعداد و شمار کے مطابق اس کے خاص اراکین کی تعداد 1200 ہے۔ دنیا بھر میں موجود اس کے ایجنٹوں کی تعداد 35 ہزار ہے' جن میں سے 20 ہزار متحرک ایجنٹ ہیں اور 15 ہزار غیر متحرک ایجنٹ ہیں، جنہیں ضرورت پڑنے پر کام میں لایا جاتا ہے۔

تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کیلئے ضروری ہے کہ عوامی سطح پر اس کی شناخت نہ ہو' لہٰذا موساد کے ڈائریکٹر کیلئے یہ شرط زیادہ کڑی سمجھی جاتی رہی ہے' مگر مارچ 1996ء میں اسرائیلی حکومت نے میجر جنرل ڈینی یاطوم شبتائی شاوت کی جگہ تقرری کا باقاعدہ اعلان کیا۔ شبتائی نے 1996ء کے آغاز میں اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اس تنظیم کو عام طور پر مرکزی ادارہ برائے اتحاد مرکزی ادارہ برائے حفاظت اور اطلاعات کے طور پر جانا جاتا ہے۔

موساد یکم اپریل 1951ء کو وجود میں آئی۔ اس کو اس وقت کے اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بین گورین نے بنایا تھا۔ جن کا کہنا تھا کہ اس تنظیم کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ اسرائیل کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ بظاہر اسرائیلی مفادات کے تحفظ کیلئے بنائی جانے والی یہ تنظیم اس وقت دنیا بھر میں دہشت گردی پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اس تنظیم کے آٹھ ڈیپارٹمنٹ ہیں۔ اگرچہ اس تنظیم سے متعلق بہت سی باتیں ابھی بھی مخفی ہیں۔

کولیکشن ڈیپارٹمنٹ اس کا سب سے بڑا شعبہ ہے۔ جس کی ذمہ داری میں بیرون ممالک سرکاری دفاتر اور سفارتخانوں کی جاسوسی شامل ہے۔ یہ شعبہ مختلف ڈیسکوں پر مشتمل ہے، جس پر ایک مخصوص جغرافیائی علاقے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے جاسوس اسے کنٹرول کرتے ہیں۔ سال 2000ء کے آغاز میں موساد نے کولیکشن آفیسرز کی بھرتی کیلئے باقاعدہ اشتہار

دیا تھا۔

پولیٹیکل ایکشن اینڈ لائسنس ڈیپارٹمنٹ کے نام سے موساد کے ایک اور شعبے کا کام غیر ملکی خفیہ سروس کے ساتھ دوستی اور سیاسی سرگرمیوں پر نظر رکھنا ہے اور ایسے ممالک، جن کے اسرائیل کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں ان کے ساتھ میل ملاپ بڑھانا ہے تا کہ ان ممالک سے ان کے ایجنٹ مفید معلومات اکٹھی کرسکیں۔

سپیشل آپریشن ڈویژن میں موجود اراکین انتہائی حساس قتل کرنے' تباہی و بربادی کی تحریکیں چلانے' پیراملٹری اور نفسیاتی جنگ وجدل کے منصوبوں پر کام کرنے پر مامور کئے جاتے ہیں۔

لیپ ڈیپارٹمنٹ نفسیاتی جنگ وجدل' پراپیگنڈہ اور دھوکہ دہی جیسے امور پر کام کرتا ہے۔

موساد کا ایک اور شعبہ ہے، جو تحقیق سے وابستہ ہے اور اسے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کا نام دیا گیا ہے۔ جس کی ذمہ داری میں روزانہ کی صورتحال کی رپورٹ' ہفتہ وارانہ اور ماہانہ رپورٹیں شامل ہیں۔ یہ شعبہ 15 جغرافیائی سیکشنوں (ڈیسک) میں تقسیم ہے۔ جن میں امریکہ' کینیڈا' مغربی یورپ' لاطینی امریکہ' سابق سوویت یونین' چین' افریقہ' مراکو' الجیریا' تیونس' لیبیا' عراق' اردن شام' سعودی عرب' متحدہ عرب امارات اور ایران شامل ہیں۔ ایک ''نیوکلیئر'' نامی ڈیسک بھی یہاں موجود ہے جس کا کام دنیا بھر کے نیوکلیائی ایشوز پر توجہ مبذول کرنا ہے۔

ٹیکنالوجی ڈیپارٹمنٹ کا کام جدید ٹیکنالوجی جو کہ موساد کے مختلف آپریشنز میں مددگار ثابت ہوسکتی ہو، کو حاصل کرنا ہے۔ اپریل 2001ء موساد نے اخبار میں ''مدد چاہئے'' کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا تھا۔ جس میں الیکٹرونکس انجینئر اور کمپیوٹر سائنسدان مانگے گئے تھے، جو موساد کے ٹیکنالوجی یونٹ کو چلاسکیں۔

اسرائیل دنیا بھر کی کئی اہم شخصیات کے قتل کی سازشوں میں ملوث رہا ہے۔ حماس کے رہنما خالد مشعل کو بھی موساد نے زہر دے کر قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اہم فلسطینی رہنماؤں کے قتل میں اسی تنظیم کا ہاتھ رہا ہے، جس میں احمد یاسین اور یاسر عرفات جیسے اعلیٰ پائے کے لیڈر بھی شامل ہیں۔

دنیا بھر کے کئی اغواء' دھماکے اور سیاسی ہنگاموں کے پیچھے بھی موساد کے ایجنٹ کارفرما ہوتے ہیں۔

گزشتہ کچھ عرصہ سے موساد کی سازشی تحریک کا محور عراق بنا ہوا ہے۔ عراق میں موساد کی کارروائیوں کے حوالے سے بہت سے حقائق سامنے آچکے ہیں۔ عراق میں موساد کی بڑھتی ہوئی کارروائیاں کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ جس وقت سے صدر بش نے عراق پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت سے اسرائیل عراق میں سرگرم ہے۔ عراق میں بڑھتی ہوئی خون ریزی اور روز کے

پرتشدد واقعات کے متعلق سے اخبارات میں جو کچھ شائع ہوتا ہے، امریکہ انہیں القاعدہ یا لسانی و گروہی تصادم کا رنگ دے کر پیش کرتا ہے۔ لیکن حالیہ دنوں میں مختلف شواہد کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عراق میں جاری دہشت گردی کی کارروائیوں کے پیچھے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کا ہاتھ ہے۔ موساد کی جانب سے ان کارروائیوں کا جہاں بے گناہ عراقیوں کو تشدد کا نشانہ بنانا ہے وہیں دوسری طرف ان عراقی مزاحمتی تحریک کو بے اثر کرنا بھی شامل ہے تا کہ عوامی اعتماد کو مجروح کیا جاسکے۔

دلائل اور شواہد کی روشنی میں یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ موساد امریکہ کی قبضہ گیر افواج کے اشتراک سے عراق میں زبردست خون خرابہ کر رہی ہے۔ کسی ایک گروہ کے خلاف پرتشدد کارروائیاں انجام دے کر موساد دوسرے گروہ میں عداوت کے جذبات بھڑکا رہی ہے تا کہ شیعہ سنی آپس میں باہم دست وگریبان ہو جائیں۔ موساد عراق میں فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے کی پالیسی پر گامزن ہے تا کہ عراق میں خانہ جنگی کا ماحول پیدا ہو جائے اور خانہ جنگی کی آگ پورے عراق کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ چنانچہ اس وقت عراق میں وسیع پیمانے پر جاری نسلی تطہیر موساد کی طویل کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اسرائیل اپنے اس اقدام کے ذریعے ایک تیر سے کئی شکار کرنے کا خواہاں ہے' ان پرتشدد کارروائیوں کے ذریعے اسرائیل پہلا مقصد یہ حاصل کرنا چاہتا ہے کہ عراق کی تاریخی سرزمین جو تاریخی لحاظ سے اسرائیل کیلئے کافی اہمیت کی حامل ہے، ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ مسلکی اور گروہی تنازعات کو بنیاد بنا کر اس کو منظر سے غائب کر دیا جائے۔ اسرائیل کیلئے عراق کی تقسیم انتہائی اہمیت کی حامل ہے' کیونکہ اس کے بغیر نیل سے فرات تک عظیم تر اسرائیلی سلطنت کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اسرائیل عراق کے حصے بخرے کرنے کیلئے امریکہ کو بھرپور طریقہ سے استعمال کر رہا ہے۔ اس ضمن میں امریکہ میں عراق کی تقسیم سے متعلق قرارداد بھی منظور کی جاچکی ہے۔ جس کے مطابق عراق کا ایک حصہ سنی طبقہ کا ہوگا' دوسرا شیعہ اور تیسرا کرد قبائل کو دیا جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کوئی غاصب ملک کس طرح خودمختار ملک تقسیم کا حق رکھتا ہے۔

امریکہ کی اس ضمن میں ساری کوششیں اسرائیل کیلئے ہیں۔ کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ ہر وہ ملک، جو مستقبل میں اسرائیل کیلئے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے اس کو طاقت کے ذریعے ختم کر دیا جائے۔ عراق میں جاری شورش کا تیسرا اہم مقصد یہ ہے کہ عراق پڑوسی ممالک کے خلاف اسرائیلی جاسوسی کا ایک اہم ٹھکانہ ثابت ہوگا۔ موساد کے اہلکاروں کیلئے عراقی سرحدوں میں قائم اپنے جاسوس ٹھکانوں کے ذریعہ پڑوسی عرب ممالک کی جاسوسی کرنا آسان ہوگا۔ خاص طور پر اسرائیل کے دشمن ممالک

شام ایران اور حزب اللہ کے خلاف جاسوسی سرگرمیاں ممکن ہوں گی۔

عراق میں موساد کو سرگرم رکھنے کا یہ ایک اہم مقصد ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر اسرائیل عراق میں اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ عراق میں اسرائیلی سرگرمیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کسی بھی تجزیہ نگار کیلئے عراق میں جاری اسرائیلی سرگرمیوں کی وسعت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ عراق میں اسرائیل کی وسیع تر سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت عراق میں 25 سے زائد اسرائیل کی فوجی و اقتصادی کمپنیاں قائم ہیں۔ دیگر شعبوں میں بالواسطہ طور پر مختلف ناموں سے کام کرنے والی اسرائیلی کمپنیوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔

یہ تمام کمپنیاں موساد کیلئے ڈھال کا کام کر رہی ہیں۔ اس ضمن میں ایک بھارتی اخبار نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ عراق میں جاری اسرائیلی سرگرمیوں کی حقیقت تک رسائی کیلئے ماضی کا احاطہ کرنا ضروری ہے۔ ستمبر 2003ء میں ایک عراقی سفارتکار نے اسرائیل میں ایک اسرائیلی صنعتکار کے یہاں بطور مہمان قیام کیا۔ تل ابیب میں قائم پلاسٹک مصنوعات کی ایک نمائش کے موقع پر عراقی سفارتکار کا قیام تُسفی طینی نامی اسرائیلی صنعتکار کے پاس ہوا۔ عراق میں امریکی یلغار کے بعد سے یہ سفارتکار مسلسل اسرائیل کے دورے کر رہا ہے۔ یہ شخص اپنے دوروں میں اسرائیل کے مختلف سیاسی قائدین سے ملاقات کرتا ہے اور ان کے ساتھ مختلف موضوعات پر معاہدے کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی عراقی قائد ہی ہو سکتا ہے، جو امریکہ کے اشارے پر سفارتی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ حالیہ دنوں میں اس بات کا انکشاف بھی ہوا کہ مارک زال نامی ایک اسرائیلی وکیل جو اسرائیل میں حکمران لیکوڈ پارٹی سے قریبی روابط رکھتا ہے۔ عراق میں جاری عالمی سرمایہ کاری پر اس کا کنٹرول ہے۔ عراقی حکومت سے قریبی روابط رکھنے والی عراقی کمپنی کے مشیر کی حیثیت سے اس کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ اسرائیل کی کمپنیوں کے عہدیدار عراق میں مقیم اسرائیلی وکیل مارک زال کے توسط سے اپنی کمپنیوں کی مصنوعات عراق میں کھپت کرتی ہیں۔

اسرائیل عراق میں متعدد سیاسی نوعیت کے اہم مقاصد کی تکمیل کیلئے کوشاں ہے، جن میں سب سے اہم عراق تا اسرائیل پٹرول اور پانی کی پائپ لائن ہے تا کہ اسرائیل کے پانی اور پٹرول کی قلت پر قابو پایا جا سکے۔ اسرائیل موساد کے ذریعے دنیا بھر میں اپنے پنجے گاڑنا چاہتا ہے تا کہ وہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

❖♦❖

فلسطینیوں کی سچی خیرخواہ اور ہمدرد تحریک اسرائیل کیلئے وبال جان بنی ہوئی ہے۔ اپنی فوجی برتری کے باوجود بھی اسرائیل حماس پر سبقت حاصل کرنے اور اسے نیچا دکھانے میں کامیاب نہیں

ہو سکا۔ اسرائیل غزہ کے باسیوں پر جتنے ظلم ڈھاتا ہے اور حماس کے کارکنوں کو جتنی ایذائیں دیتا ہے، وہ حماس کے کارکنوں کے حوصلے پست کرنے کے بجائے ان کو مزید حوصلوں اور جذبوں سے آراستہ کر دیتا ہے۔ یہ سب حماس کی سچی لگن اور نیک ارادے ہیں کہ وہ غاصب کے سامنے جھکنے یا اپنے موقف میں ذرہ بھر بھی تبدیلی کیلئے تیار نہیں۔

حال ہی میں حماس کے ایک اہم کمانڈر کا دبئی میں قتل بھی دراصل اسرائیل کی فلسطینی مجاہدوں کے خلاف سازشوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ پچاس سالہ محمد المحمود مجوح نے عزالدین قسام بریگیڈ کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان کی موت 20 جنوری کو دبئی کے ایک ہوٹل میں پراسرار طور پر ہوئی اور وہ شہادت پا گئے۔ حماس نے ان کی شہادت پر کہا ہے کہ یہودیوں کے اس جرم کا مناسب موقع آنے پر بدلہ لیا جائے گا۔

مجوح شام میں کافی عرصہ سے رہ رہے تھے۔ ان پر 1979ء میں دو اسرائیلی فوجیوں کو اغوا کر کے ان کے قتل کے منصوبے میں شریک ہونے کا الزام تھا۔ حماس کے ایک سیاسی رہنما عزت الرشق کے مطابق محمد کی موت اس دن اچانک ہوئی، جس دن وہ دبئی پہنچے۔ حماس قیادت معاملے کی مزید جانچ پڑتال کیلئے متحدہ عرب امارات کی انتظامیہ کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہے۔

عزالدین قسام گروپ کافی عرصہ سے اسرائیلیوں کے نشانے پر تھا۔ اس نے اسرائیلیوں کو نشانہ بنانے کیلئے بہت سے حملے بھی کئے ہیں۔ اسرائیل نے حماس کے کمانڈروں اور کارکنوں دونوں کے خاتمے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ فلسطینی رہنماؤں کی گرفتاری اور ان کی نامعلوم مقام پر منتقلی اسرائیل کا وطیرہ بن چکا ہے۔

گزشتہ دنوں اسرائیل اور حماس کے درمیان قیدیوں کے تبادلے پر بات چیت ناکام ہونے کے بعد بھی صیہونی قیادت نے حماس کے دس کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ حراست میں لینے کے بعد ان کو نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا۔ حماس کے کارکنوں کو ناجائز حراست میں رکھنا اسرائیل کا وطیرہ بن چکا ہے۔ اسرائیل حماس کے کارکنوں کو حراست میں لینے کے بعد ان پر سنگین الزامات عائد کرتا ہے اور ان کو دہشت گرد قرار دیتا ہے۔ اسرائیلی فوج کے ترجمان نے ان رہنماؤں کو بھی دہشت گرد قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ افراد حماس کو دہشت گردی کی تنظیم بنانے میں شامل ہیں۔

حماس کے مطابق حراست میں لئے افراد میں اسمبلی کے چار ممبران اور سابق نائب وزیراعظم بھی شامل ہیں جبکہ ایک فرد کا تعلق علم و ادب کی دنیا ہے۔ حراست میں لئے گئے افراد میں ناصر شعیر بھی شامل ہیں، جو 2006ء میں فلسطینی اتھارٹی نائب وزیراعظم رہے ہیں۔ ان کو نابلس میں حراست میں لیا گیا جبکہ چار دیگر افراد کو جنین کے علاقے سے حراست میں لیا گیا۔ نامہ نگاروں

کا کہنا ہے کہ اسرائیل کا یہ عمل حماس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش ہے تا کہ حماس اسرائیلی فوجی گیلاد شالت کو رہا کرے۔ یہ سب حرکتیں حماس کو بلیک میل کرنے کی کوششیں ہیں۔

اسرائیل نے گیلاد کی حماس کے ہاتھوں حراست کے بعد حماس کے 30 سے زائد ممبران اسمبلی اور فوجی گروپ کے کارکنوں کو حراست میں لیا ہے۔ حماس کا مطالبہ ہے کہ گیلاد کے بدلے میں 400 فلسطینی قیدی رہا کیے جائیں۔ اسرائیل حماس کے قیدیوں کو رہا نہیں کرنا چاہتا۔ وہ ان کی رہائی کے بجائے حماس کے کارکنوں کی پکڑ دھکڑ میں لگا ہوا ہے۔

اسرائیل اور اسرائیل نواز ممالک حماس کو دہشت گرد تنظیم گردانتے ہیں۔ حماس کی جدوجہد عملی اور حقیقی ہے جو کہ فلسطینی ریاست کی آزادی کیلئے ہے نہ کہ مفادات کے حصول کیلئے۔ حماس نے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور مسلسل سفارتی جدوجہد سے اپنے وجود کو مغرب سے منوالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل تک حماس کا ناطقہ بند کرنے والے اور اسے ممنوعہ قرار دینے والے بیشتر مغربی ممالک بشمول امریکہ اور برطانیہ اب اس سے بات چیت کی ضرورت کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ کیونکہ انہیں اس حقیقت کا اچھی طرح ادراک ہو چکا ہے کہ حماس سے بات چیت کئے بغیر مسئلہ فلسطین حل نہیں ہوسکتا۔ خود اسرائیل نے حال ہی میں بالواسطہ طور پر حماس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ اسرائیل وزیر خارجہ نے کھلے الفاظ میں ''الفتح'' کو اسرائیل کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ صرف ''الفتح'' سے مذاکرات مسئلہ فلسطین کے حل میں مددگار ثابت نہیں ہوسکتے۔ الفتح مسئلہ فلسطینی کے حقیقی حل میں معاون ثابت نہیں ہوسکتی۔

حماس کے رہنماؤں نے بات چیت کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں کیا۔ خالد مشعل نے بارہا کہا ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ حماس کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں۔ 2009ء میں انہوں نے عرب سیٹلائٹ ٹی وی چینل سے بات چیت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ'' حماس کو ختم کرنے کیلئے تین سال کی کوششیں کافی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ حماس کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں کیونکہ حماس نے یہ حق اپنی جدوجہد سے حاصل کیا ہے۔ حماس اب ایک قانونی سیاسی طاقت ہے۔

حماس نے اسرائیل کی فوجی سبقت کے باوجود اس کے حملے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ یہ پہلی جنگ (غزہ حملہ) ہم نے جیتی ہے۔ پہلی اصلی اور حقیقی جنگ اور یہی وجہ ہے کہ یہ جنگ یہودیوں کے خلاف جدوجہد میں اہم موڑ تھا۔ لیکن ابھی بھی مزید دو معرکے باقی ہیں۔ ایک تو محاصرہ ختم کرنا ہے اور دوسرا سرحدی کراسنگ کھلوانی ہے۔ خصوصاً رفاع کی سرحدی چوکی۔''

جون 2007ء سے جب غزہ پر حماس کی حکومت قائم ہوئی تھی، تب سے اسرائیل نے غزہ کا

محاصرہ کیا ہوا ہے۔ اسرائیل نے غزہ میں امدادی اور تعمیر سامان کے آنے پر بھی پابندی لگا رکھی ہے۔ حماس کا مشن ہے کہ وہ فلسطین کو آزاد کرائے۔ حماس کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ'' خدا نے چاہا تو ہم فلسطین کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ فلسطین کی آزادی اب خواب نہیں رہی بلکہ ایک حقیقت بن چکی ہے۔''

حماس کے اسی عزم و جذبے کے اسرائیل خلاف ہے اور مسلسل شیطانی کارروائیاں کر رہا ہے۔ حماس کمانڈر کا قتل بھی اسی سازش کا حصہ ہے۔ دبئی پولیس چیف نے حماس کمانڈر کے قتل میں موساد اسرائیلی خفیہ ایجنسیوں کے ملوث ہونے کا امکان ظاہر کیا ہے۔ حماس نے اس قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل کے سوا اور کون ہوسکتا ہے جو کہ حماس کارکنوں کے خاتمے کے درپے ہو۔ جبکہ پولیس سربراہ نے کہا ہے کہ'' میں ذاتی طور پر اس قتل میں کسی پارٹی کو فریق نہیں بناتا مگر اس ہلاکت کیلئے تفتیش کی رو سے موساد کے ملوث ہونے کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر موساد ملوث ہوئی تو اسرائیلی وزیراعظم کو گرفتار کریں گے۔ اسرائیلی وزیراعظم وہ پہلے شخص ہوں گے، جنہیں انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے گا' کیونکہ حماس کے رہنما کی موت پر دستخط کرنے والے بھی وہی ہوں گے۔ مبحوح کے قتل میں جن مشتبہ افراد کو پکڑا گیا ہے ان میں سات یا زائد لوث ایسے ہیں جو کہ مختلف یورپی ممالک کے پاسپورٹ رکھتے ہیں۔ ہم ان ممالک سے ان افراد کی شناخت کی تصدیق کے رابطے میں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ مبوح حماس کیلئے ہتھیاروں کی خریداری کیلئے گئے تھے۔ پولیس نے قتل کے متعلق امکانات ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ زیادہ تر امکان یہی ہے مبحوح نے دروازہ کھولا تو قاتل اندر داخل ہو گیا اور اس نے ان کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔ پولیس چیف خلعان کے مطابق مبحوح اپنے قتل سے ایک دن قبل عرب امارات آئے۔ ان کے پاس جو پاسپورٹ تھا اس پر ان کا خاندانی نام درج نہیں تھا۔ ہمیں ان کی دبئی آمد سے بے خبر رکھا گیا۔ حماس نے ہمیں اس سے مطلع نہیں کیا۔ یہ بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ اتنا اہم شخص تنہا سفر کر رہا تھا۔ پولیس چیف نے فلسطینی گروپ حماس کو یقین دلایا کہ معاملے کی پوری تحقیق کی جائے گی اور ملزموں کی گرفتاری کیلئے دن رات ایک کر دیا جائے گا۔ اسرائیلی اخبارات نے حماس کمانڈر کے قتل کو' برائی کے محور کے طور پر ایک اور ضرب قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ حماس کیلئے غزہ میں جدوجہد کو اور مشکل بنا دے گا۔ ٹائمز آف لندن کے مطابق مبحوح کی لاش کا البستان روٹانہ ہوٹل میں پایا جانا، حماس تحریک کے ایک اور باب کا خاتمہ ہے۔ مبحوح نے جعلی پاسپورٹ پر سفر کیا اور جب وہ دبئی پہنچے تو مقامی پولیس کی تحقیقات کے مطابق دو آدمی ان سے ملنے آئے جو کہ یورپ کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے

مجوح کو نشہ آور انجکشن لگایا جو کہ ہارٹ اٹیک کا سبب بنا۔ انہوں نے ان کے بریف کیس میں موجود تمام دستاویزات کی تصاویر کھینچیں اور دروازے پر ''ڈوناٹ ڈسٹرب'' کا بورڈ لگا کر چلے گئے۔ اخبار کے مطابق حماس کے مذکورہ لیڈر ایران سے اسلحہ خریداری کیلئے دبئی آئے تھے اور اسی لمحے ان کا تعاقب شروع ہو گیا تھا' جب وہ امارات کی فلائٹ نمبر EK912 پر 18 جنوری کو دمشق سے چلے۔ مجوح حماس کے فوجی شعبہ کے بانی ہیں اور گروپ کیلئے اسلحہ خریداری کا کام بھی سرانجام دیتے تھے۔

اسرائیل نے حماس قیادت کے خلاف ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ 2004ء میں حماس بانی شیخ احمد یاسین کو غزہ میں اسرائیلی کاپٹروں کے ذریعے نشانہ بنایا گیا جس میں وہ شہید ہو گئے۔ ایک ماہ بعد غزہ میں حماس کے دوسرے لیڈر عبدالعزیز رنتیسی کو ہلاک کر دیا گیا۔ ان کی کار کو دو میزائلوں نے نشانہ بنایا۔ اسرائیل نے اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں کے باہر فلسطینی لیڈروں کو ٹارگٹ کیا۔

1997ء میں اسرائیل ایجنٹوں نے حماس لیڈر خالد مشعل کو عمان میں زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی جبکہ 1995ء میں موساد اسلامی جہاد کے سربراہ صحتی شفقی کا مالٹا میں قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ 1988ء میں اسرائیلی کمانڈوز نے تیونس میں یاسر عرفات کے دست راست ابوجہاد کو قتل کر دیا۔ 1973ء میں موجودہ وزیر دفاع ایہود باراک نے تحریک آزادی فلسطین کے تین رہنماؤں کو بیروت میں قتل کروا دیا۔ دبئی میں حالیہ سالوں میں مختلف اہم شخصیات کے قتل کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔

❖♦❖

روسی حمایت یافتہ چیچن لیڈر رمدان کردو کے بدترین دشمن سلم یامو بو کو مارچ 2009ء میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ جنوری 2003ء میں دبئی کے بزنس مین شیر ادشیٹی کو انڈین انڈرورلڈ ڈان داؤد ابراہیم سے خاص تعلق کے شبہ میں دبئی انڈیا کلب میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ لبنانی گلوکار سوزانے جولائی 2008ء میں دبئی میں واقع ان کے گھر میں مردہ پایا گیا۔ اب دبئی میں حماس لیڈر کے قتل نے اسے غیر محفوظ جگہ بنا دیا ہے۔ جہاں کلب اور گھر تو ایک طرف رہے ہوٹلز تک بچے ہوئے نہیں۔

اسرائیل نے اپنی ان سازشوں میں مصر کو بھی شریک کر لیا ہے۔ آہنی دیوار کی تعمیر اور مصر کے حکام کا فلسطینی رہنما خان یونس کو گرفتار کرنا بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اسرائیل کی فلسطین کی آزادی کیلئے آواز اٹھانے والوں کے خلاف سرگرمیاں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ ایک آزاد اور

خودمختار فلسطینی ریاست صرف حماس کا ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام کا خواب ہے۔ اسرائیلی فوجیوں کا فلسطینیوں کے اعضاء چوری کرنے کا مسئلہ بھی کچھ کم سنگین نہیں۔ فلسطینی حکومت نے اس مسئلے کو عالمی عدالت میں اٹھانے کیلئے کہا ہے کہ مصر کے 86 جید علمائے کرام نے اپنے ایک فتوے میں غزہ کی سرحد کو بند کرنے اور مصر کی طرف سے فولادی دیوار کی تعمیر کرنے کے اقدامات کو غیر اسلامی اور غیر شرعی قرار دیا ہے۔

اسرائیل کے بڑھتے ہوئے مظالم اور حماس کمانڈر کے قتل پر حماس کے عسکری ونگ القسام بریگیڈ کے ترجمان ابوعبیدہ کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے محمد مجوح کو شہید کر کے جنگ مقبوضہ فلسطین سے باہر منتقل کر دی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ حماس اسرائیلی اقدامات کا ضرور وقت آنے پر جواب دے گی۔ عرب ممالک کو اسرائیل کا نوٹس لینا چاہئے۔ اسرائیل کا الزام ہے کہ حماس نے انتخابات میں کامیابی کے بعد الفتح کے ساتھ حکومت سازی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس عرصے میں اس نے نہ صرف ہتھیار جمع کئے بلکہ اپنے عسکریت پسند کارکنوں کو جدید اسلحے استعمال کی تربیت دی۔ اب حماس کے پاس طیارہ شکن اور ٹینک تباہ کرنے والے ہتھیار بھی ہیں اور یہ گوریلے ہتھیاروں کا استعمال بھی جانتے ہیں۔ اسرائیل کے افسران نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ حماس کے پاس ایسے راکٹ موجود ہیں، جن سے 20 سے 30 کلومیٹر دور واقع اسرائیلی شہروں کو بھی نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

اسرائیل کی کوشش ہے کہ حماس کے فوجی رہنماؤں' عسکری لیڈروں کو چن چن کر قتل کر دیا جائے' غزہ سے مصر کے درمیان سرنگوں کا وسیع جال بھی اس کا نشانہ ہے' جسے وہ ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی کی برتری کے باوجود تباہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ حماس کے مجاہدین نے ٹینک شکن ہتھیاروں سے اسرائیل کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ اسرائیلی قید خانوں میں نظر بند قیدیوں کی رہائی ہو یا مختلف محاذوں پر اسرائیل کے ساتھ جنگ' عزالدین قسام گروپ نے ہمیشہ بہتر انداز سے اس سے نبٹا۔ اسرائیل حماس کے کارکنوں کو قید میں رکھ کر ایذا رسانی کی مشق جاری رکھے ہوئے ہے۔ سخت ترین وحشیانہ سزائیں' عقوبتیں' طبی لاپروائی اور علاج سے محرومی' گرفتاری کے بعد قصد وارادہ سے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دینا۔

اسرائیل پوری طرح سے حماس کے خاتمے کے درپے ہے۔ پہلے انتفاضہ کے دوران شہید ہونے والے بیشتر قیدی، جن کی تعداد 23 تھی' کی موت عقوبتوں اور سخت سزاؤں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ انتفاضہ ثانیہ کے دوران جن قیدیوں کو شہید کیا گیا ان کی تعداد 50 تھی۔ ان کی شہادت کی وجہ جان بوجھ کر منصوبہ بند طریقوں پر انہیں قتل کرنا تھا، جس کے ثبوت وشواہد وزارت امور

قیدی کے پاس موجود ہیں کہ کس طرح اسرائیل نے صفایا مہم کے منصوبے کے تحت گرفتاریوں کے بعد ان کو قتل کیا۔ بالقصد قتل کر کے پیچھا چھڑانے کا تناسب اسرائیلی فوج میں پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے۔

حماس کے خلاف کارروائی اور حماس قیادت کے خاتمے کیلئے اسرائیل کو امریکہ کی حمایت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ کی جانب سے اشارہ ملنے کے بعد ہی اسرائیل نے حماس کے خلاف اپنی کارروائیوں میں اضافہ کیا۔ اسرائیل کا بنیادی مقصد حماس کی جنگی طاقت اور عسکری قیادت کا مکمل خاتمہ ہے۔ غزہ پر حماس کا کنٹرول اسرائیل اور اسرائیل نواز طاقتوں کو برداشت نہیں۔ حماس کو انتفادہ تحریک کے دوا دوار کے دوران زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ تنظیم کا قلیل المیعاد مقصد مقبوضہ فلسطینی علاقوں سے اسرائیل کا مکمل انخلاء ہے جبکہ طویل المیعاد ہدف ایسی فلسطینی ریاست کی تشکیل ہے، جو ان علاقوں پر مشتمل ہو، جن کا بیشتر علاقہ 1948ء میں یہودی ریاست کے قیام کے بعد سے اسرائیل کا حصہ ہے۔

حماس کے دو دھڑے ہیں۔ ایک دھڑا مذہبی اور سماجی خدمات انجام دیتا ہے۔ دوسرا دھڑا عزالدین قسام بریگیڈ کہلاتا ہے جو عسکری گروپ ہے۔ حماس کے شہید ہونے والے رہنما مجوح بھی اسی دھڑے سے تعلق رکھتے تھے بلکہ اس کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

دبئی کی پوری انتظامیہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسرائیلی قاتلوں کا یہ ٹولہ بڑے آرام سے ملک سے فرار ہو گیا اور امارات کی پولیس اور اس کی انٹیلی جنس ایجنسیاں ان قاتلوں کے نام، تصاویر اور ویڈیوز ہونے کے باوجود ان کو گرفتار نہ کر سکیں۔ اسرائیلی ایجنٹوں کی دبئی میں اس کارروائی کے مختلف مقاصد ہو سکتے ہیں۔ ایک مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے دبئی کے امن وامان کی صورتحال کو تہ بالا کرنا، دوسرا دبئی کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کی سازش ہو سکتی ہے، تیسرا عرب امارات میں دہشت گرد کارروائیاں کرنے کیلئے دبئی کو اپنا مرکزی اڈا بنانا مقصود ہو سکتا ہے اور چوتھا یہ کہ حملہ کر کے دبئی کی پوری انتظامیہ کو چیک کرنا مقصود ہو کہ ایسے حالات سے نمٹنے کیلئے اس میں کتنی استعداد موجود ہے اور وہ ایسے معاملات کو حل کرنے کیلئے کیا کچھ کر سکتی ہے تاکہ اس کے مطابق دبئی میں اپنے مرکز کو فعال کیا جائے اور اپنی ازلی اسلام مخالف دشمنی کے باعث عرب ممالک میں افراتفری اور دہشت گردی مچا کر اس کو کمزور کیا جائے اور اس کی دولت کو سمیٹ کر ان کو بے دست و پا کر دیا جائے۔ ایسے حالات دبئی انتظامیہ کیلئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ محمود المجوح شہید کے قاتل کو کب اور کس طرح گرفتار کرتے ہیں۔ آزادی فلسطین کی سب سے بڑی تنظیم حماس کے ملٹری ونگ کے کمانڈر محمود المجوح شہید جنہوں نے فلسطین کو آزاد کروانے کیلئے بہت سی

قابل قدر اور بہادرانہ کارنامے انجام دیئے۔ ان کا خون عالم صیہونیت پر لعنت اور فلسطین کی آزادی کیلئے مشعل راہ ہے۔

14 فروری 1960ء کو مجاہد محمود المبوح فلسطین میں (جبالیا) خیمہ کے بلاک نمبر 9 میں پیدا ہوئے جو کہ چشمہ (برکتہ ابوراشد) کے قریب ہے۔ آپ کا خاندان بہت ہی اصول پرست، سلیقہ شعار اور دیندار تھا، جس کی نسبت فلسطین کے مشہور خاندان (بیت طیما) سے ملتی ہے، جن کو 1948ء کو اپنے ہی ملک میں خانہ بدوشی اور پناہ گزینی پر مجبور کیا گیا۔ آپ بچپن سے ہی اسرائیلی قبضہ کو ناپسند کرتے تھے اور ہمیشہ یہ ارادہ رکھتے تھے کہ بڑے ہو کر فلسطین پر تسلط ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیں گے۔ آپ چھوٹی عمر سے ہی پڑھائی اور کھیل کی سرگرمیوں میں سب سے ممتاز تھے۔ تمام غزہ میں اس وجہ سے آپ کا نام کافی مشہور تھا۔ اجتماعی اور گھریلو زندگی میں آپ کے والد کے 14 بیٹے تھے اور 2 بیٹیاں تھیں اور بھائیوں میں آپ کا نمبر پانچواں تھا۔ 1980ء میں آپ نے تعلیم مکمل کی اور 1983ء میں آپ رشتہ ازدواج سے منسلک ہو گئے۔ آپ کے 4 بچے ہوئے جو کہ بالترتیب ہنی 24 سال، عبدالرؤف 21 سال، مجد 11 سال اور ریتم 7 سال کے ہیں۔ 1986ء میں فلسطین کی آزادی کی سرگرمیوں کی وجہ سے آپ (تل الزعتر) کے خیمہ میں منتقل ہو گئے۔ محمود المبوح بچپن سے ہی جسمانی ورزش، باڈی بلڈنگ، باڈی فٹنس اور فوجی ٹریننگ کا شوق رکھتے تھے، آپ کو اسلحہ کا استعمال اور اس کے متعلق معلومات کا بے حد شوق تھا، آپ ہمیشہ کہتے تھے کہ اسرائیل سے اگر جنگ جیتنی ہے تو اسلحہ کی تربیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ 1986ء کو ایک سال غزہ کے مرکزی جیل میں کلاشنکوف رکھنے کے الزام میں قید کی صعوبتیں برداشت کیں اور جیل سے نکلنے کے بعد آپ کی جہادی سرگرمیاں اور زیادہ تیز ہو گئیں اور آپ کے تعلقات شیخ احمد یاسین سے بہت مضبوط ہوئے اور اس کے ساتھ عزالدین القسام بریگیڈ کے ابتدائی سربراہ صلاح شحادہ سے بہت قریبی رابطہ ہو گیا۔ پھر آپ نے فوجی تربیت حاصل کی اور اس کے ساتھ فوجی تربیت دینی شروع کی اور ملٹری ونگ کے نمایاں کمانڈر بن گئے۔ اس سے قبل آپ پہلی فوجی جماعت کے رکن تھے جس کی بنیاد (محمد الشراتحتہ) نے رکھی تھی۔

1988ء میں محمود المجوح نے اپنے فوجی ساتھیوں کی مدد سے اسرائیل کے علاقہ میں داخل ہو کر 2 اسرائیلی فوجی کمانڈروں کو پکڑا اور ان کے کاغذات اور اسلحہ چھیننے کے بعد ان دونوں کو قید کر دیا۔ پہلے (آفی سپورٹس) کو پکڑا اور اس کے بعد 3 مئی 1989ء کو (ایلان سعدون) کو قید کیا۔ 11 مئی 1989ء کو اس بات کے مشہور ہونے کے بعد جس میں آپ نے اپنے 400 فلسطینی ساتھیوں کی رہائی کے بدلے ان دونوں کو چھوڑنے کا اعلان کیا تھا۔ ایک سپیشل اسرائیلی

فورس نے آپ کے گھر پر قبضہ کرلیا اور پھر گھر کو مسمار کر دیا۔

اسرائیلی فوجی پہلے گھر کی چھت پر اترے، پھر دستی بم نیچے گرائے، پھر دروازے توڑے اور گھر کے تمام افراد کو قید کر کے گھر کو مسمار کر دیا۔ 1990ء کو آپ پر اسرائیلی فوجیوں کے یرغمال بنانے کا الزام لگایا گیا اور اسرائیل کی مطلوبہ افراد کی فہرست میں آپ کا نام سرفہرست آ گیا۔ بڑی تگ ودو کے بعد اپنی فیملی کو لے کر غزہ سے مصر چلے گئے اور پھر مصر سے لیبیا اور لیبیا سے پھر شام چلے گئے اور وہاں مستقل رہائش اختیار کی۔ اپنے جہادی کاموں کی وجہ سے مسلسل سفر میں رہنے والے محمود المبحوح دمشق سے سفر پر روانہ ہوئے، دوران سفر کسی کام کی وجہ سے دبئی کے فائیو سٹار ہوٹل (بستان روتانا) میں رات ٹھہرنا پڑی۔ اسرائیلی ایجنٹ ابتدائے سفر سے ہی آپ کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ (19-1-2010) کو اسرائیلی ایجنٹوں نے آپ کو ہوٹل میں دھوکے سے شہید کر دیا اور آپ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر فلسطین کو اسرائیل کے پنجہ استبداد سے بچانے کے سفر میں رتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ دبئی پولیس کے سربراہ ''ضاحی خلفان'' نے ایک پریس بریفنگ میں انکشاف کیا ہے کہ 19 جنوری 2010ء کو دبئی کے فائیو سٹار ہوٹل ''بستان روتانا'' میں حماس ملٹری ونگ کے اہم کمانڈر ''محمود المبحوح'' کو قتل کرنے کی واردات میں اسرائیلی انٹیلی جنس ''موساد'' کے ایجنٹ شریک تھے اور انہوں نے محمود المبحوح کو دبئی میں قتل کرنے کیلئے کافی تیاری کی ہوئی تھی۔ دبئی پولیس کے سربراہ کا کہنا ہے کہ برطانوی آئرش، فرانسیسی اور جرمن پاسپورٹوں کے حامل قاتلوں نے دبئی میں حماس کمانڈر کو ہلاک کرنے کیلئے غیر ملکی پاسپورٹوں کا استعمال کیا۔ جس میں اسرائیلی ایجنٹوں کو مختلف ممالک کا باشندہ ظاہر کیا گیا۔ برطانوی اخبار ''ٹائمز آن لائن'' کے مطابق اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کے ایجنٹوں نے دبئی کے سفر کیلئے یہ پاسپورٹ برطانیہ سے چوری کئے تھے۔ برطانوی اخبار کی یروشلم میں موجود نمائندہ خاص ''شیلا فرینکل'' اور دبئی میں موجود نامہ نگار ''بگ ٹام لنسن'' کے کہنے کے مطابق موساد کی جانب سے حماس کے ملٹری کمانڈر کو قتل کئے جانے کے پس پردہ وہی عام اسرائیلی تکنیکی استعمال کی گئی، جس پر برسوں سے عمل کیا جا رہا ہے۔ دبئی پولیس کے سربراہ نے اپنی پریس بریفنگ میں نہ صرف اس سازش سے پردہ اٹھایا ہے بلکہ اس بارے میں اہم شواہد اور سیاحوں کے بہروپ میں برطانوی پاسپورٹ پر دبئی میں داخل ہونے والے افراد کے نام اور تصاویر بھی جاری کیں اور ان افراد کی جانب سے ہوٹل میں داخلے اور ''محمود المبحوح'' کے کمرے میں داخلے کے شواہد بھی دکھائے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تعداد میں گیارہ ان افراد نے اسرائیلی انٹیلی جنس موساد سے ملنے والی خاص ٹریننگ کی مدد سے صرف 20 منٹوں میں بغیر کسی اسلحہ کے محمود المبحوح کو ہلاک کر دیا اور کامیابی سے کام مکمل کرنے کے بعد خاموشی سے دبئی

سے فرار ہو گئے۔ دبئی پولیس چیف کا کہنا ہے کہ قاتلوں کی کل تعداد گیارہ ہے، جن میں ایک خاتون بھی شامل ہے، جس کا تعلق آئرلینڈ سے بتایا جاتا ہے۔ ان گیارہ قاتلوں میں سے چھ کے پاس برطانوی پاسپورٹ تھے۔ تین کے پاس آئرلینڈ کے اور دو کے پاس جرمن پاسپورٹس اور ایک قاتل کے پاس فرانس کا پاسپورٹ تھا، جس کی مدد سے یہ افراد دبئی میں داخل ہوئے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان افراد کے پاس تمام دوست ممالک کے پاسپورٹ تھے۔ ''خلیج ٹائمز'' اور ''الجزیرہ'' کی رپورٹس میں بتایا گیا ہے کہ برطانوی پاسپورٹ کے حامل قاتلوں میں (ہال جون کیلئے، مالون ایڈم اسٹیوڈ بینیل، جیمز یونارڈ کلارک، جوناتھن لوئیس، مائیکل لارینس بارلے) اور فرانسیسی پاسپورٹ کا حامل (پیٹرایل ونگر) جرمن پاسپورٹ کے حامل افراد میں (مائیکل بوڈن) آئرش پاسپورٹ کے حامل افراد میں (کیون ڈاورون) گیل فولیارڈ) اور (ایوان ڈینیگال) شامل ہیں۔ دبئی پولیس کی جانب سے کی جانے والی تحقیق اور ہوٹل کے اندر موجود خفیہ کیمروں کی ویڈیوز سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق سیاحوں کے بہروپ میں دبئی آنے والے ان قاتلوں کو 19 اور 20 جنوری کی رات حماس کمانڈر محمود المبحوح کمرے میں تھے، ویٹرس کے روپ اور کپڑوں میں ملبوس قاتل گروہ کی واحد خاتون نے کمرے کا دروازہ کھول کر اس گروہ کے افراد کو اندر بلایا تھا اور پھر انہوں نے محمود المبحوح پر دھاوا بول دیا تھا، اس کارروائی میں چار قاتلوں نے محمود المبحوح کو قابو کیا اور پانچ افراد نے ان کے گلے سے دبوچا اور ان کے سر پر تولیہ ڈالا اس کے بعد قاتلوں نے ''محمود المبحوح'' کو قابو کرنے کے بعد اس کو ایک ایسا انجکشن لگایا جس سے اس کو دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ اسی دورے میں ہلاک ہو گئے۔ برطانوی جریدے ''ٹائمز آن لائن'' نے انکشاف کیا ہے کہ دبئی میں حماس کے رہنما کا قتل اسرائیلی وزیراعظم کے ایما پر ہوا جبکہ برطانوی وزارت داخلہ نے انکشاف کیا ہے کہ قتل میں ملوث افراد کیلئے اسرائیل نے برطانوی پاسپورٹ کی نقل تیار کی۔ ''ٹائمز آن لائن'' کے مطابق حماس کے جہادی رہنما محمود المبحوح کے دورہ دبئی کی اطلاع پر اسرائیلی خفیہ کا اجلاس ہوا۔ جس میں وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے مشن کی منظوری دی، قتل سے پہلے خفیہ ٹیم کے ارکان نے دبئی کے ہوٹل میں منصوبے کے بارے میں باقاعدہ مشق کی، جس کے بارے میں ہوٹل مالکان کو مطلع نہیں کیا گیا جس کا راز ہوٹل میں لگے کلوز سرکٹ کیمروں نے فاش کر دیا۔ دبئی پولیس کو چاہئے کہ اس کیس کے تمام شواہد جمع کر کے اس میں شامل تمام اسرائیلی ایجنٹوں پر کیس چلایا جائے اور ان کے جرم کی دبئی کے قانون کے مطابق پوری سزا دی جائے اور اس مشن کی منظوری دینے والے اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو پر عالمی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور اسے سرعام پھانسی دی جائے۔

❖♦❖

گزشتہ دنوں امریکہ کے اخبار ''واشنگٹن پوسٹ'' میں اس حوالے سے ایک رپورٹ شائع ہوئی، جس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ موساد کے ڈیتھ سکواڈ جو محمود المجوح کی شہادت میں ملوث ہیں کے دو افراد امریکہ میں موجود ہیں۔ امریکہ میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری صیہونی تنظیموں پر ہے۔ چند روز پہلے امریکہ میں موجود تمام صیہونی تنظیموں کے سربراہان کا اجلاس ہوا، جس میں اسرائیل کے حوالے سے مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دیا گیا۔ امریکہ میں اس وقت 52 کے قریب چھوٹی بڑی صیہونی تنظیمیں برسرپیکار ہیں، اس اجلاس کو ''پی ایم اے جے او'' (President of Major American Jewlsh Oragnizations)(PMAJO) کا نام دیا گیا، اس میں اسرائیل کی جانب سے کی جانے والی ہر مذموم کارروائی کو جائز قرار دلوانے اور عالمی سطح پر اسرائیل کے تحفظ کیلئے امریکہ کو استعمال کرنے کے حوالے سے تفصیلاً بات چیت کی گئی۔ حیران کن امر یہ ہے کہ ایک صیہونی تنظیم جو کہ امریکی پارٹی ڈیموکریٹ کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی ہے، اور دوسری صیہونی تنظیم جو کہ ری پبلکن پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی ہے دونوں اس اجلاس میں موجود تھیں اور دونوں کا ایجنڈا ایک تھا۔ امریکہ میں کسی بھی پارٹی کی حکومت ہو اسرائیل کی حفاظت حکومت کی کلیدی ذمہ داری ہوگی۔ امریکہ کے وائٹ ہاؤس اور کانگریس میں موجود نمائندے ان صیہونی تنظیموں کے اراکین ہیں جو کسی صورت بھی وہ بل پاس نہیں ہونے دیتے جو اسرائیل کے مفادات کے منافی ہو۔

امریکہ میں ہونے والے اجلاس جس میں امریکہ کی تمام سرکردہ صیہونی تنظیموں کے سربراہان نے شرکت کی تھی، میں جنوری 2010ء میں موساد کی جانب سے کی جانے والی کارروائی کو جائز قرار دیا گیا ہے، جس میں یہ ایجنڈا پاس کیا گیا تھا کہ اسرائیل اپنے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا میں کسی بھی جگہ کارروائی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس اجلاس میں موساد کی جانب سے ماضی میں بھی کی جانے والی مذموم کارروائیوں کو جائز قرار دیا گیا ہے اور موساد اپنے مذموم عزائم کیلئے کسی بھی انتہائی اقدام تک جاسکتی ہیں، جس میں کسی دوسرے ملک کے تحفظات اور خدشات کا خیال رکھنا بھی ضروری نہیں۔ حالیہ واقعہ میں موساد کے ڈیتھ سکواڈ نے برطانوی، آئرش، جرمن، آسٹریلوی اور فرانسیسی نقلی پاسپورٹس اور دستاویزات کا استعمال کیا اور اس آپریشن میں امریکی بینک (Meta Bank) نے مجرموں کی بھرپور مدد کی تھی۔ جن یورپی ممالک کے تشخص کو عالمی سطح پر پامال کیا گیا ہے وہ اسرائیل کے حلیف ممالک ہیں۔ حماس کے رہنما محمود المجوح کو شہید کرنے کیلئے موساد کا ڈیتھ سکواڈ، جو دبئی میں داخل ہوا تھا ان میں سے 12 افراد نے برطانوی، تین افراد

نے آسٹریلوی، تین نے فرانسیسی، ایک نے جرمن اور 6 افراد نے آئرش پاسپورٹس استعمال کئے تھے۔ تحقیقات کے مطابق استعمال ہونے والے تمام کے تمام پاسپورٹس جعلی تھے۔ ماضی میں بھی ہونے والی تمام کارروائیوں میں موساد نے یورپی ممالک کی شناخت کو استعمال کیا تھا۔

ڈیتھ سکواڈ کو امداد امریکہ سے منتقل کی گئی ہے، پھر بھی (PMAJO) امریکہ کو یہ حق نہیں دے گی وہ موساد کے عزائم میں رکاوٹ ڈال سکے۔ امریکی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق ہی یہ بات بھی اب منظر عام پر آئی ہے کہ محمود المجوح کی شہادت کے فوراً بعد موساد کے 26 میں سے 2 اہلکار جو آئرش اور برطانوی جعلی پاسپورٹ رکھتے تھے امریکہ پہنچ چکے ہیں اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری (PMAJO) کی ہے۔ امریکی حکومت بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بلکہ موساد کے ڈیتھ سکواڈ کی سب سے محفوظ پناہ گاہ امریکہ ہی ہے۔ 22 فروری 2010ء کو ڈیلی الرٹ (DA) میں محمود المجوح کی شہادت کے حوالے سے دو مضامین شائع ہوئے، جس میں کہا گیا تھا کہ موساد پچھلے ایک ماہ سے محمود المجوح کی نقل و حرکت کو واچ کر رہی تھی، اس دوران محمود المجوح کو شہید کرنے کی 6 ناکام کوششیں بھی کی گئی تھیں۔ آخر کار ان کو دبئی کے فائیو سٹار ہوٹل میں موقع مل گیا اور دبئی پولیس نے موساد کا نام شواہد کی روشنی میں لیا اور مکمل اور ٹھوس ثبوت عالمی منظرنامے پر فراہم کئے کہ اس کارروائی میں حصہ لینے والے موساد کے ڈیتھ سکواڈ (Secret Police) کے اہلکار ہیں، جن کے پاس جعلی پاسپورٹس ہیں۔ اگر دنیا یہ چیز مان بھی لیتی ہے کہ اسرائیل کے دشمن کو دنیا میں کہیں بھی جانے کیلئے اپنی سیکیورٹی کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے، اگر اس بندے کی سیکیورٹی ناقص ہے تو اس کی جان کو خطرہ ہے اور موساد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مفادات کیلئے کسی کا بھی اور کہیں بھی قتل کرنے کا حق رکھتی ہے اور یہ کہنا بجا نہیں ہوگا کہ تہذیب کا نعرہ لگانے والے ممالک میں جنگل کا قانون رائج ہے، جہاں پر حکومت یہودیوں کی ہے جن کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔ امریکہ میں ہونے والے صیہونی تنظیموں کے اجلاس میں یہ بات بھی کی گئی تھی کہ جو کوئی بھی اسرائیل کی آبادکاری اور مذموم توسیع پسندانہ عزائم کا مخالف ہوگا وہ دنیا میں تمام صیہونیوں کا دشمن قرار پایا جائے گا اور اس کے خلاف کسی بھی قانون کے برعکس کارروائی کرنے کا حق موساد کو حاصل ہوگا۔ دبئی میں ہونے والی کارروائی میں باقاعدہ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کی رضامندی شامل تھی بلکہ موساد کے چیف سے ملاقات کر کے محمود المجوح کو شہید کرنے کیلئے باقاعدہ ٹاسک نیتن یاہو نے ہی موساد کو دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دبئی پولیس عدالت سے نیتن یاہو کی گرفتاری کی ڈیمانڈ کر رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ موساد کے چیف میئر ڈیگان Meir Degan اور اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کے ریڈ وارنٹ گرفتاری جاری کئے جائیں اور ان کی گرفتاری کیلئے فوری طور پر انٹرپول سے رابطہ کیا جائے۔

امریکہ میں ہونے والے اجلاس میں برملا طور پر امریکی انتظامیہ کو بلیک میل بھی کیا گیا۔ بلکہ موساد کی مذموم کارروائیوں کو مدنظر رکھ کر ہی امریکی خفیہ ایجنسیاں سی آئی اے اور ایف بی آئی دنیا میں کارروائیاں کر رہی ہیں۔ اسرائیل کو تحفظ دینے اور حماس کے لیڈر کی شہادت کی وجہ سے موساد کی عالمی سطح پر بدنامی کو کم کرنے کیلئے صیہونی میڈیا سرگرم ہو چکا ہے' جو کہ مختلف قسم کے جھوٹے واقعات اور موساد کی کارروائی کو جائز قرار دینے کیلئے رپورٹس شائع کر رہا ہے' مگر شواہد نے صیہونی میڈیا کے پروپیگنڈا کو بھی ناکام کر دیا ہے' کیونکہ اتنے ٹھوس شواہد کے ہوتے ہوئے اب صیہونی میڈیا دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا اور امریکہ میں ڈیتھ سکواڈ کے اہلکاروں کی باحفاظت آمد اور تادم تحریر موجودگی اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اس کارروائی میں اسرائیل کے ساتھ ساتھ یورپ اور امریکہ بھی برابر کا شریک ہیں۔ محمود المجوح کو حادثاتی طور پر نہیں بلکہ مکمل منصوبہ بندی کے تحت شہید کیا گیا اور دبئی کا انتخاب بھی سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ دبئی پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے حکام کے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ موساد کے ڈیتھ سکواڈ کو جعلی دستاویزات اور پاسپورٹس یورپی صیہونیوں نے فراہم کئے تھے۔ ہوٹل میں بکنگ' ہوائی جہاز کے ٹکٹ اور اخراجات کیلئے رقم کریڈٹ کارڈز کے ذریعے ادا کی گئی تھی اور یہ کریڈٹ کارڈز امریکہ سے ایشو کروائے گئے تھے۔ اس بات کا ٹھوس ثبوت امریکی انتظامیہ کے پاس بھی موجود ہے کہ ڈیتھ سکواڈ کے دو ارکان امریکہ پہنچ چکے ہیں اور صیہونیوں کے زیر سایہ بحفاظت امریکہ میں موجود ہیں۔ امریکہ ان کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرنے سے قاصر ہے۔ (PMAJO) کے ایجنڈے کے مطابق امریکہ اس وقت تک دنیا کے نقشے پر امیر' طاقتور اور ترقی یافتہ ملک رہے گا، جب تک وہ اسرائیل کا تحفظ کرتا رہے گا۔ آئرش پاسپورٹس ہولڈر موساد کا ایجنٹ جنوری کے آخر میں اور برطانوی پاسپورٹ ہولڈر موساد کا اہلکار فروری کے آخری عشرے میں امریکہ میں داخل ہوئے۔ امریکی حکام کے مطابق موساد کے دونوں اہلکار ابھی تک امریکہ میں ہی ہیں۔

امریکہ میں اس وقت 52 کے قریب صیہونی تنظیمیں ہیں، جن کا مقصد صرف وصرف اسرائیل کا تحفظ کرنا اور امریکہ کو اسرائیل کی حفاظت کرنے کیلئے مجبور کرنا ہے' ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1- AMEINU
2- AMERICAN FRIENDS OF LIKUD
3- AMERICAN GATHERING
4- AMERICAN ISREAL FRIENSHIP LEAGUE

5- AMERICAN ISREAL PUBLIC AFFAIR COMMITE
6- AMERICAN JEWISH COMMITTE
7- AMERICAN JEWISH CONGRESS
8- AMERICAN JEWISH JOINT DISTRIBUTION COMMITTE
9- AMERICAN SEPHARDI FEDERATION
10- AMERICAN ZIONIST MOVEMENT
11- AMERICAN FOR PEACE NOW
12- AMIT
13- ANTI-DEFAMATIONLEAGUE
14- ASSOCIATION OF REFORMS ZIONIST OF AMERICA
15- B,NAIB,RITH INTERNATIONAL
16- BNAIZION
17- CENTERAL CONFERENCE OF AMERICAN RABBIS
18- EMUNAH OF AMERICA
19- COMMITTE FOR ACCURACY IN MIDDLE-EAST REPORTING IN AMERICA
20- DEVELOPMENT CORPORATION FOR ISREAL
21- FRIENDS OF ISREAL FORCE
22- WOMEN,S ZIONIST ORGANIZATION OF AMERICA
23- HEBREW IMMIGRANT AID SOCIETY
24- THE FOUNDATION FOR JEWISH CAMPUS LIFE
25- JEWISH COMMUNITY CENTERS ASSOCIATION
26- JEWISH COUNCIL FOR PUBLIC AFFAIRS
27- THE JEWISH FEDERATION OF NOTH AMERICA

28- JEWISH INSTITUTE FOR NATIONAL SECURITY AFFAIRS

29- JEWISH LABOUR COMMITTE

30- JEWISH NATIONAL FUND

31- JEWISH WAR VETERANS OF THE USA

32- JEWISH RECONSTRUCTION FEDERATION

33- JEWISH WOMEN INTERNATIONAL

34- ZIONIST ORGANIZATION OF CONSERVATIVE MOVEMENT

35- NA,AMATUSA

36- ADVOCATES ON THE BEHALF OF JEWS IN RUSSIA, UKRINE, THE BALTIC STATES AND EURASIA

37- NATIONAL COUNCIL OF JEWISH WOMEN

38- NATIONAL COUNCIL OF YOUNG ISREAL

39- ORT AMERICA

40- RABBINIAL ASSEMBLY

41- RABBINICAL COUNCIL OF AMERICA

42- RELIGIOUS ZIONIST OF AMERICA

43- UNION FOR REFORM JUDAISM

44- UNION OF OTHODOX JEWISH CONGREGATION OF AMERICA

45- UNITED SYNAGOGUE OF CONSERVATIVE JUDAISM

46- WIZO

47- WOMEN,S LEAGUE FOR CONSERVATIVE JUDAISM

48- WOMEN OF REFORM JUDAISM

49- WORKMEN,S CIRCLE

50- WORLD ORT

51- WORLD ZIONISTEXECUTIVE, USA

52- ZIONIST ORGANIZATION OF AMERICA

یہ صہیونی تنظیمیں امریکہ میں سرگرم ہیں، جن کا مقصد امریکہ اسرائیل کے حوالے سے دبانا ہے اور کچھ نہیں' امریکہ میں صدارتی الیکشن ہوں یا پھر کانگرس کو کوئی بل پاس کروانا مقصود ہو، اس کیلئے ان صہیونی تنظیموں کی رضامندی لازمی ہے۔ان حالات وواقعات کے پیش نظر اگر یہ توقع کی جائے کہ امریکہ موساد کے اہلکاروں کو پکڑ کر کارروائی کرے گا تو یہ بات دیوانے کے خواب کے مترادف ہوگی۔ موساد کے ڈیتھ سکواڈ کی سب سے محفوظ پناہ گاہ امریکہ ہے جہاں پر ان پر کسی قسم کی فرد جرم عائد نہیں کی جاسکتی۔ موساد ماضی میں بھی بے شمار غیر معمولی شخصیات کی ہلاکتوں میں براہ راست ملوث رہی ہے۔ موساد کا ڈیتھ سکواڈ نہایت ہی تیزی اور پھرتی سے کارروائی کرتا ہے۔ یہ تو موساد کی بدقسمتی تھی کہ دبئ میں کی جانے والی مذموم کارروائی کی فوٹیج اور شواہد منظر عام پر آ گئے اور موساد کے متعلق ماضی میں جنم لینے والے شک وشبہات نے حقیقت کا روپ دھار لیا' یہی وجہ ہے کہ محمود المجوح کی شہادت کے حوالے سے اسرائیلی حکام خاموش ہیں اور منہ میں انگلیاں لئے ہوئے فرار کا راستہ کر رہے ہیں۔ سی آئی اے کے سابق فیلڈ آفیسر رابرٹ بیئر (Robert baer) نے حال ہی میں دبئ میں ہونے والی موساد کی کارروائی کے حوالے سے "وال سٹریٹ جرنل" کو انٹرویو دیا تھا، جس میں انہوں نے برملا طور پر محمود المجوح کی شہادت میں موساد کو ملوث کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ موساد کی پہلی کارروائی نہیں' ماضی میں بھی موساد نے غیر معمولی شخصیات کو ہلاک کرنے میں غیر معمولی کارروائیاں کی ہیں لیکن شواہد پہلی مرتبہ منظر عام پر آئے ہیں۔

2005ء میں موساد نے بڑی صفائی اور ہوشیاری سے لبنانی وزیر اعظم رفیق الحریری کو شہید کیا اور شام پر اس کا الزام لگا دیا۔ اقوام متحدہ کے تحقیقاتی کمیشن نے بھی شام کو مجرم ٹھہرایا' لیکن 5 سال بعد رفیق الحریری کی شہادت کی کڑی موساد سے جا ملی۔

عالمی منظر نامے پر واضح ثبوت ہیں کہ رفیق الحریری کو بھی موساد کے ڈیتھ سکواڈ نے شہید کیا' جس کا مقصد شام اور لبنان کے تعلقات کو خراب کرنا تھا۔

2006ء میں روس کی خفیہ ایجنسی "کے جی بی" (KGB) کے اہلکار الیگزینڈر لیٹوینکو (Alexander Litvinenko) کی لندن کے فائیو سٹار ہوٹل میں پراسرار ہلاکت ہوئی۔ تفتیش کے مطابق اس شخص کو زہر دے کر قتل کیا گیا تھا۔ کے جی بی کے اہلکار اور محمود المجوح کی شہادت میں

کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ 2006ء میں روسی حکام نے اس کارروائی کو موساد کے ساتھ جوڑا تھا لیکن شواہد ناکافی تھے۔ 2004ء میں یوکرائن کے صدر ''وکٹر'' کو بھی زہر دیا گیا تھا مگر وہ بھی کرشماتی طور پر محفوظ رہے۔ اس کارروائی کا مقصد روس اور یوکرائن کے تعلقات کو کشیدہ کرنا تھا۔
1997ء میں موجودہ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے حماس کے رہنما خالد مشعل کی شہادت کے حکم نامے پر دستخط کئے گئے' مگر وہ بھی موساد کی مذموم کارروائیوں سے ابھی تک محفوظ چلے آ رہے ہیں۔
1988ء میں سکاٹ لینڈ میں پین ایم 103 جہاز کو بارود سے اڑایا گیا تھا' جس کا الزام لیبیا پر لگا کر اس پر پابندی عائد کی گئی تھی۔ 8 سال بعد یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ اس طیارے کو اڑانے میں موساد ملوث تھی، جس نے دنیا کے بڑے بڑے ایئرپورٹس پر موجود اپنے اہلکاروں کی مدد سے اس طیارے کو اڑا کر لیبیا پر پابندیاں لگوادی تھیں' طیارے کے تباہ ہونے کے بعد امریکہ نے لیبیا پر حملہ بھی کیا تھا جس میں معمر قذافی محفوظ رہے تھے۔ 1997ء میں بھی نیتن یاہو ہی وزیراعظم تھا جب حماس کے موجودہ لیڈر خالد مشعل کو شہید کرنے کا ٹاسک موساد کو سونپا گیا تھا۔ اردن کی ایک گلی میں چلتے ہوئے خالد مشعل کے کان میں زہر ڈال دیا گیا اور وہ معجزاتی طور پر محفوظ رہے۔ دبئی میں داخل ہونے والے موساد کے ایجنٹوں کے پاسپورٹ یورپی تھے اور وہ جعلی بھی تھے' جس کی وجہ سے یورپی سطح پر ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا اور آئر لینڈ' جرمنی' برطانیہ' فرانس اور آسٹریلیا میں موجود اسرائیلی سفارتکاروں کو اس مذموم ہتھکنڈے کی وضاحت کیلئے طلب کرلیا گیا تا کہ عالمی سطح پر ان ممالک کے ملوث ہونے کے خدشات کو رد کیا جا سکے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان یورپی ممالک میں موجود اسرائیلی سفارتکار اس معاملے میں ملوث نہ ہوں۔ عین ممکن ہے کہ یہ ممالک جو کہ دہشت گردی کے نام پر جاری جنگ میں امریکہ کے اتحادی ہیں کو اس کارروائی کیلئے آگاہ کر دیا گیا ہو اور بعد میں دبئی آپریشن پر عمل کیا گیا ہو؟ تاریخ شاہد ہے کہ پہلی جنگ عظیم کی وجہ بھی صہیونی بنے' دوسری جنگ عظیم کی وجہ بھی صہیونی ہی تھے اور 9/11 کروانے والے صہیونی تھے، جنہوں نے افغانستان پر حملے کیلئے امریکہ کو مجبور کیا۔ دنیا میں تباہی پھیلانے کا ٹھیکہ ان کے پاس ہے۔ عالم اسلام صہیونی منصوبوں کے راستے میں سب سے بڑی دیوار ہے، جس کے ہوتے ہوئے صہیونی اپنے عزائم کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ محمود المجوح کی شہادت میں خفیہ اداروں کی رپورٹس کے مطابق 27 افراد شامل تھے۔ 27 واں شخص امریکی پاسپورٹ ہولڈر تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سی آئی اے کا ایجنٹ ہو۔ امریکہ میں لاتعداد ایسے صہیونی رہتے ہیں، جن کے پاس بیک وقت اسرائیل اور امریکہ دونوں کی قومیت موجود ہے۔ امریکی صہیونیوں کی کثیر تعداد اسرائیلی فوج میں موجود ہے۔ اسی طرح یہ صہیونی سی آئی اے' ایف بی آئی اور امریکی فوج میں بڑی اہم جگہوں پر تعینات ہیں،

جہاں بیٹھ کر وہ اسرائیل کے حق میں فیصلے کرتے ہیں۔
خفیہ ذرائع کے مطابق دو افراد جو امریکہ میں داخل ہوئے اور محمود المجوح کی شہادت میں ملوث ہیں ان میں سے ایک کے پاس آئرش پاسپورٹ ہے اس کا نام ایوان ڈیننگز (Evan Dennings) بتایا جاتا ہے۔ یہ شخص 21 جنوری 2010ء کو امریکہ میں داخل ہوا تھا۔ دوسرا شخص برطانوی پاسپورٹ کے ساتھ 24 فروری 2010ء کو امریکہ میں داخل ہوا۔ اس کا نام ''رائے ایلن کے نون'' (Roy Allan Cannon) بتایا جاتا ہے۔ دبئی پولیس کے سربراہ کے مطابق مجرموں نے کریڈٹ کارڈ امریکی بنک (Meta Bank) کے استعمال کئے تھے جن کو ایشو ایک امریکی کمپنی (Payoneer) نے کروایا تھا۔ Payoneer کمپنی رجسٹرڈ امریکہ میں ہے مگر اس کے سب سے زیادہ دفاتر اسرائیل میں ہیں۔ اس کا ہیڈ آفس بھی اسرائیل میں ہے۔ اسرائیل میں اس کمپنی کو ''یوول تال'' (Yuval Tal) نامی یہودی چلاتا ہے۔ 2006ء میں سابق اسرائیلی خفیہ ادارے کے ملازم نے ''فاکس نیوز'' کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ قبول کیا تھا کہ موساد اور مسٹر تال کے درمیان بہت زیادہ قریبی روابط موجود ہیں۔ ان تمام شواہد کے باوجود اسرائیل کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ عالم اسلام کیلئے لمحہ فکریہ ہے' دنیا کو پرامن بنانے کیلئے تو دور کی بات ہم اپنے مذہب کو تحفظ فراہم کرنے سے بھی قاصر ہیں' ورنہ یہود و نصاریٰ کی کیا جرأت کہ اسلام کے خلاف مذموم منصوبہ بندی کر سکیں۔

❖♦❖

مشرق وسطیٰ کے بحران کے حل اور خطے میں امن کی کوششوں کو آگے بڑھانے کیلئے عرب لیگ کے دورکنی وفد کے اسرائیلی دورے کو کسی طور با مقصد مذاکرات کی طرف پیش رفت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بظاہر عرب لیگ کا یہ دو رکنی وفد عرب ممالک کے امن منصوبے کو آگے بڑھانے کیلئے اسرائیل گیا اور تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ عرب لیگ نے اپنا ایک وفد اسرائیل بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے پہلے امن کے قیام کیلئے جتنے منصوبے یا تجاویز پیش کی گئیں' انہیں مشترکہ اعلامیے کی صورت میں حاصل تھی یا عرب لیگ ایجنڈے کی، جو کسی نہ کسی پلیٹ فارم سے پیش کیا جاتا رہا۔ گویا پہلی دفعہ امن کے قیام کیلئے عرب لیگ اسرائیل کی دہلیز پر پہنچ گئی۔ مگر عرب ممالک کی طرف سے اٹھائے جانے والے اس قدم کو مثبت یا خوشگوار قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کے نتائج حوصلہ افزا برآمد ہونے کی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی۔ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے حوالے سے جانے والا یہ وفد مصر کے وزیر خارجہ ابوالغیط اور اردن کے ہم منصب عبداللہ الخطیب پر مشتمل تھا۔ عرب لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے جانے والے وفد کے یہ دونوں ارکان اپنے اپنے ممالک کی انٹیلی جنس کے سربراہ رہ چکے ہیں۔ عرب ممالک کے اکثر وزرائے خارجہ ان ممالک کے انٹیلی جنس چیف کی حیثیت سے خدمات انجام دینے والے اشخاص رہے ہیں۔ وفد میں اردن کے وزیر خارجہ سابق انٹیلی جنس چیف اردن کے بھیجے کو دوحہ میں حماس کے سیاسی رہنما خالد مشعل کے متعلق معلومات پر مبنی فائل موساد کو دیتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا۔ اس واقعہ سے وفد کے ارکان کا ماضی میں کردار اور عرب ممالک کیلئے مخلصانہ جذبات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ماضی میں عرب ممالک کے یہ انٹیلی جنس چیف مشرق وسطیٰ میں وسیع تر امن کے قیام پر صہیونی انٹیلی جنس کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔

یہودیوں کے مفادات کیلئے سرگرم صہیونی انٹیلی جنس کا عرب اور مسلم ممالک سے بغض اور کینہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ فلسطینیوں پر مظالم ڈھانے اور صہیونی ریاست کے قیام سے لے کر

عرب ممالک بشمول تمام مسلمان ممالک کے خلاف اس کی سرگرمیاں ہر دور میں عروج پر رہی ہیں' تاکہ مسلمان ممالک کو زیادہ سے زیادہ زک پہنچائی جائے اور انہیں مکمل طور پر مغربی اور یہودی طاقتوں کے زیرنگیں ہونے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس کیلئے صہیونی انٹیلی جنس مختلف ہتھکنڈے آزماتی رہی ہے۔ ماضی میں مشرق وسطیٰ میں قیام امن کیلئے صہیونی انٹیلی جنس کا تعاون مشکوک تھا اور اب امن کی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے عرب لیگ کا یہ نمائندہ وفد مسلمہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اسرائیل جانے والے مصر اور اردن کے وفد کو عرب لیگ نے مینڈیٹ دے کر بہت بڑی غلطی کی۔ اسرائیل کیلئے خدمات سرانجام دینے والے اس وفد کو کس طرح قابل اعتبار قرار دیا جا سکتا ہے' جبکہ ماضی میں ان کا منافقانہ' دوغلا کردار اور عرب پالیسی یا منشور کے خلاف سرگرمیاں شک وشبے سے بالا نہیں۔ مصر اور اردن کے اس وفد کو عرب عوام کی حمایت حاصل نہیں' اس لئے اس وفد کو اسرائیل جا کر بات چیت کی اجازت دینے کا مطلب مقبوضہ بیت المقدس کے قبضے کو تسلیم کرانے والی بات ہے۔ دشمن کے گھر جانے کا مطلب اس کے سامنے سر جھکانا ہے' نہ کہ اپنے مطالبات منوانا۔ کیا عرب ممالک یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسرائیل سے اس طرح اپنے مطالبات منوا سکیں گے' اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ دونوں عرب وزرائے خارجہ کو مقبوضہ علاقوں سے اسرائیلی فوج کی واپسی' فلسطینی ریاست کے قیام اور فلسطینی پناہ گزینوں کے مسئلے کے حل کیلئے تمام عرب ممالک سے دوطرفہ تعلقات کی تجویز دے کر بھیجا گیا ہے۔ مگر در پردہ جو آثار نظر آ رہے ہیں ان کے مطابق امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس اور مشرق وسطیٰ میں قیام امن کیلئے کوششوں میں مصروف امریکہ' روس' یورپی یونین کی جانب سے مقرر کئے گئے ایلچی ٹونی بلیئر اسرائیل کے مطالبات کے مطابق ترامیم کرانے کیلئے عربوں کو رضامند کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔

عرب قیادت بظاہر تو یہی کہہ رہی ہے کہ وہ اس تجویز میں کسی ترمیم کیلئے تیار نہیں اور عربوں کی جانب سے پیش کی گئی تجاویز کو قبول کرنے کی صورت میں ہی اسرائیل کو تسلیم کیا جائے گا' لیکن ساتھ ہی عرب مؤقف میں نرمی کے اشارے بھی مل رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اردن کے شاہ عبداللہ دوم کے امن کے عمل کو آگے بڑھانے کے منصوبے پر عرب دنیا کے اتفاق رائے کے بیان کو لچک کی علامت قرار دیا جا رہا ہے۔ ایسے میں اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے اس پیشکش کو ''اعتدال پسند عربوں سے امن مذاکرات کی تجدید کی بنیاد'' قرار دیا ہے۔ اسرائیل کے نزدیک یہ اعتدال پسند عرب ممالک وہی ہیں، جو کہ اسرائیل سے کچھ بھی منوائے بغیر اسے من وعن تسلیم کرنے پر رضامند ہیں۔ عرب لیگ کا مذاکراتی ایجنڈا ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی اسی راستے پر چل رہے ہیں جو بش کے دوریاستی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی طرف جاتا ہے۔ جارج بش یا ٹونی

بلیئر سے مسلمانوں کی بہتری کی توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے' جن کا اولین مقصد ہی اسلامی دنیا کو شکست وریخت سے دوچار کرنا ہے۔ٹونی بلیئر جو خود مشرق وسطیٰ میں تباہی کا سبب ہے' اسے عالمی طاقتوں کی جانب سے ایلچی کی حیثیت سے مشرق وسطیٰ میں تعینات کرنے کے بعد اب عرب لیگ کا نمائندہ وفد اسرائیل بھیجنا انتہائی معنی خیز ہے۔ اس کے پس پردہ محرکات کچھ اور ہیں' اس ایجنڈے سے مغرب کے مذموم ارادے جھلک رہے ہیں۔عرب لیگ کا اسرائیل جانا' انور سادات کے تل ابیب جانے اور اسرائیلی پارلیمنٹ سے خطاب کے بعد دوسرا بڑا واقعہ ہے' جس کا نتیجہ انور سادات نے اپنے ہی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن کر بھگتا۔سوال یہ ہے کہ امریکہ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کیلئے اس قدر متحرک یا فکر مند کیوں ہے؟ جبکہ وہ ابھی افغانستان اور عراق کے مسئلے میں ہی بری طرح الجھا ہوا ہے اور اس کا ایک قدم ایران کے ساتھ ممکنہ جنگ کی طرف بھی بڑھ رہا ہے۔ اس لئے کہ اس کے مفادات کی تکمیل کیلئے اسرائیل سے بہتر حلیف کوئی اور نہیں ہوسکتا۔اور یہ کردار اسرائیل اسی وقت مؤثر طریقے سے ادا کرسکتا ہے جب تمام مسلمان ممالک اسے تسلیم کرلیں۔ اس طرح وہ سفارتی' معاشی' معاشرتی' تجارتی روابط کو مسلم ممالک سے بڑھانے کی آڑ میں امریکی مفادات کے آلہ کار کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔امریکی کیلئے اسرائیل کو عرب ممالک کیلئے خطے کی علامت بنا کر پیش کرنا بھی بہت ضروری ہے' علاقے میں اس کا اثرورسوخ قائم رہے' لہٰذا مشرق وسطیٰ میں اس چودھراہٹ کو برقرار رکھنے کیلئے وہ ایسے کسی مذاکرات کو کامیاب نہیں ہونے دے گا جس کا نتیجہ فلسطینیوں کے حق میں اچھا ہو اور اس سے اسرائیل کا تسلط علاقے پر کمزور ہو۔اسرائیلی وزیر خارجہ زپی لیونی نے مصر اور اردن کے وزرائے خارجہ کے دورہ اسرائیل کو عرب اسرائیل تعلقات کے حوالے سے تاریخی موقع قرار دیا ہے۔یاد رہے کہ اردن اور مصر ہی وہ دو عرب ممالک ہیں، جو کہ اسرائیل کو تسلیم کرچکے ہیں۔اسرائیل کو تسلیم کرنے والے ان دونوں ممالک کے وزرائے خارجہ کو عرب لیگ کا نمائندہ وفد قرار دے کر اسرائیل بھیجنا قیام امن کے بجائے مزید انتشار کا سبب بنے گا۔

امریکہ عرب حکومتوں کے ذریعے ایسے اقدامات کروا رہا ہے جس میں عرب ممالک کے عوام کی خوشی ہرگز شامل نہیں۔ایسے اقدامات کے ذریعے امریکہ عرب حکومتوں کو آلہ کار بنا کر عرب اور مسلمان دنیا کے عوام کی امنگوں کا گلا گھونٹنے کا بندوبست کررہا ہے' حالانکہ امن کی بحالی کیلئے عرب ممالک کی طرف سے یہ پہلی کوشش ہرگز نہیں' اس سے پہلے عرب لیگ کے 19 ویں سربراہی اجلاس میں مشرق وسطیٰ میں امن قائم کرنے کیلئے اسرائیل سے مذاکرات پر زور دیا گیا تھا۔اس اجلاس میں مشرق وسطیٰ کو بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں سے پاک

کرنے' پرامن جوہری توانائی کے حصول کا حق تسلیم کرنے اور مسلمانوں کے عقائد' مذہبی مقامات اور شخصیات کے احترام اور عظمت کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے کا عزم ایسے نکات تھے، جن پر تمام عرب ممالک نے مشترکہ اعلامیہ جاری کیا تھا۔اس مشترکہ اعلامیے میں تمام مسلمان ممالک کی رضامندی کا عنصر بھی شامل حال تھا۔بنیادی طور پر عرب لیگ کی یہ کانفرنس دراصل 2002ء میں بیروت کانفرنس میں پیش کئے جانے والے امن منصوبے کو آگے بڑھانے کی ایک کوشش تھی۔ زمین کے بدلے امن کے اصول پر مبنی یہ فارمولا پانچ سال قبل سعودی عرب نے پیش کیا تھا' اس کے روح رواں شاہ عبداللہ تھے۔عرب لیگ کی جانب سے مارچ 2002ء میں امن کے قیام کیلئے اس پیشکش میں کہا گیا تھا کہ اگر اسرائیل ان عرب علاقوں کو خالی کردے، جن پر اس نے 1967ء کی جنگ کے دوران قبضہ کیا تھا اور غزہ اور غرب اردن کے اس پورے رقبے پر آزاد فلسطینی ریاست کے قیام اور مشرقی یروشلم کو فلسطینی ریاست کا دارالحکومت بنائے جانے پر تیار ہوجائے اور اقوام متحدہ کی قرارداد نمبر 194 کے مطابق اسرائیل کے مظالم کی وجہ سے وطن چھوڑ جانے والے فلسطینیوں کی وطن واپسی کے حق کو تسلیم کرلے تو عرب ممالک اسرائیل کو ایک جائز مملکت کی حیثیت سے تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔اسرائیلی حکام نے عرب لیگ کی اس پیشکش کو مکمل طور پر مسترد کردیا اور مسئلہ فلسطین کو سلجھانے کی کسی تجویز سے اتفاق نہیں کیا' حالانکہ عرب لیگ کی اس پیشکش کو اس وقت عالمی پیمانے پر سراہا گیا تھا۔ امریکہ' روس' یورپی یونین اور اقوام متحدہ نے اپریل 2003ء میں فلسطین اسرائیل کے تنازع کیلئے جو روڈ میپ تیار کیا اس میں عرب لیگ کی امن کی تجویز کا ذکر ''امن کی بنیاد'' کے طور پر کیا تھا۔

امن کی تمام کوششوں اور مشرق وسطیٰ کے بحران کے حل کیلئے پیش کی گئی تجاویز کو کبھی بھی اسرائیلی حکومت کی طرف سے سراہا نہیں گیا' بلکہ اس ضمن میں اسرائیل کا رویہ ہمیشہ منفی رہا ہے۔ عالم اسلام کی قیادت حالات کو بہتر بنانے میں قطعی طور پر ناکام ہے۔وہ امریکی اور صہیونی عزائم کو پوری طرح سمجھنے کے باوجود بھی ان کے ایجنڈے اور تھنک ٹینک کے مشوروں پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔امریکہ اور اسرائیل کے ہر ناجائز مطالبے کو ماننے اور انہیں خوش رکھنے کے بجائے اسلامی ممالک کو آپسی اتحاد و یگانگت کو فروغ دینا چاہئے۔امریکہ کی آشیرباد سے اسرائیل جانے والا یہ وفد درپردہ امریکی اور صہیونی عزائم کی تکمیل کے مشن کو آگے بڑھانے گیا تھا۔آنے والا وقت اس حقیقت کو ظاہر کردے گا کہ مصر اور اردن کا یہ وفد مشرق وسطیٰ کے بحران کے حل کیلئے ٹھوس اور مؤثر مذاکرات کے بجائے اسرائیل اور اس کے مطالبات کو تسلیم کئے جانے کا ایجنڈا لے کر لوٹا ہے' جس میں بش کا دوریاستی تصور تو تکمیل پاتا نظر آتا ہے مگر آزاد و خودمختار فلسطین نہیں۔

❖♦❖

آج کا امریکہ' سپر پاور' پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب لئے' اس خواب کی تعبیر کیلئے بہت سے ممالک کا تختہ الٹنے اور اپنے حکم سے انکار کرنے والی اقوام کو نیست و نابود کرنے میں مصروف ہے۔ آج کے امریکہ اور قدیم مغربی امریکہ میں فرق واضح ہے' قدیم مغربی امریکہ میں اچھے اور برے لوگ دونوں ہی نظر آتے تھے' مگر اچھے لوگ وہ ہیں، جو کہ امریکہ کے باسی ہیں اور امریکہ کے سرسبز خطوں کو اپنے وجود سے رونق بخش رہے ہیں' جبکہ اس کے برعکس برے لوگ کون ہیں' انڈین جنہیں وہ کبھی کالے' کبھی اجڈ' گنوار اور وحشی کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان امریکن اور انڈین کے درمیان ہیرو وہی کاؤبوائے چرواہا جو کہ بڑا نیک' شریف اور رحم دل ہے۔ اس کے پاس ایک ریوالور ہے، جس سے ہر وقت اپنا اور سب کا دفاع کرنے کیلئے تیار رہتا ہے۔

یہ وہ قصہ ہے جو صدیوں سے نسل در نسل چلا آرہا ہے' اسی قصے کی پیروی کرتا ہوا ایک کردار جارج بش تھا' وہ اپنے آپ کو کاؤبوائے کے روپ میں دیکھتا اور سمجھتا تھا کہ وہ سپر پاور امریکہ کا صدر ہونے کی حیثیت سے پوری دنیا کا لیڈر ہے۔ لیڈر ہونے کے ناطے وہ دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کیلئے اور خاص کر امریکہ کو محفوظ اور سلامت رکھنے کیلئے شاندار مہمات سرانجام دے رہا تھا۔ جارج بش کا یہ خیال اب نظریے کی صورت تقویت پکڑتا جارہا تھا مگر یہ احمقانہ خیال خام خیالی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب مغرب میں اچھے لوگ وہ ہیں جو کہ اعتدال پسند ہیں اور یہ اعتدال پسند کون ہیں' وہ جو کہ مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے اتحادی ہیں۔ اتحادیوں سے کون واقف نہیں' اسرائیل' محمود عباس اور امریکہ کی حلیف عرب ریاستیں۔ برے لوگ کون ہیں' حماس' حزب اللہ' ایران' شام اور القاعدہ' کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کی سربلندی کیلئے برسرپیکار ہیں اور امریکہ کے ناپاک عزائم کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو یہ ایک آنکھ نہیں بھاتے اور وہ ان کا وجود دنیا سے ختم کرنے کے درپے ہے۔

یہ کوئی الجھی ہوئی بات نہیں کہ امریکہ ان کا دشمن کیوں ہے؟ اس بات کو تو آٹھ سالہ بچہ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے وسائل پر قبضہ جمانے اور عیسائیت کا پرچم سربلند کرنے میں' یہ لوگ امریکہ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعتدال پسندوں کو امریکہ سپورٹ کررہا ہے اور انتہا پسندوں کو اپنے تلوے چاٹنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ امریکہ کا صدر جارج بش تمام مسلمان ممالک کے وسائل پر قبضہ جمانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کا نام تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے۔ یہی وہ خواب ہے جس کی خاطر جارج بش دنیا میں فساد برپا کروا رہا ہے۔ وہ قدیم زمانے کے ہیرو سے متاثر تو نظر آرہا ہے مگر اسے سوچنے کی

ضرورت ہے کہ قدیم مغرب میں بلاشبہ امریکہ کے آبادکاروں اور انڈینز باشندوں کے درمیان اختلاف نظر آتا ہے مگر ایسا کوئی ہیرو یا بانی نہیں جو کہ انڈینز سے ان کی زمینیں چھین کر' ان کی املاک کو نقصان پہنچا کر' ان کے گھروں کو جلا کر اور مردوں' عورتوں اور بچوں کا قتل عام کر کے خود کو ہیرو کا درجہ دلوانے پر مصر ہو۔

آج امریکہ کی حکومت انڈین اقوام کے ساتھ کیا کررہی ہے؟ تباہی اور وہ بھی ایسی کہ ان ممالک کے بچے کھچے ٹکڑوں کو بھی ویرانوں اور اجاڑ گاہوں میں بدل دیتی ہے۔ اس کیلئے یہ اصطلاح استعمال کی جارہی ہے کہ "نسلی صفائی" یعنی قوموں' علاقوں یا گروہوں کی صفائی۔ کیا کبھی تباہی و بربادی کو بھی صفائی کے زمرے میں لایا جاسکتا ہے' مگر یہ تو ہیرو جارج بش کی اصطلاح تھی جسے وہ جب اور جس وقت چاہے' کسی کیلئے بھی استعمال کرسکتا تھا۔ کبھی وہ "برائی کا محور" اور کبھی "نسلی صفائی" کا لقب دے کر کسی بھی ملک یا قوم کو تباہ و برباد کرنے کا سامان کرسکتا تھا۔

قدیم مغرب اور جدید مغرب میں اچھے اور برے لوگوں کا یہ نظریہ اب چہار سمت نظر آتا ہے۔ اسے پھیلانے والا ہے امریکہ۔ فلسطینی علاقے میں بھی اعتدال پسندوں اور انتہا پسندوں کے درمیان جنگ و جدل جاری ہے۔ انتہا پسند جو امریکہ کے نزدیک قاتل ہیں مگر وہ قاتل کیوں ہیں' اس لئے کہ جب وہ آنکھ کھولتے ہیں ظلم دیکھتے ہیں تو یہ چیز ان کی فطرت میں شامل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے خلاف ہونے والے مظالم کا بدلہ لیں اور آزادی کیلئے لڑیں۔ وہ پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ مجبوراً اس جنگ کا حصہ بنیں۔ اور اعتدال پسند اعتدال پسند اس لئے ہیں کیونکہ یہ لوگ ماحول میں آزادی لے کر پیدا ہوتے ہیں' برائی کی طرف جانے کا انہیں موقع نہیں ملتا۔ اس لئے کہ انہیں کسی جنگ کا حصہ بننے یا مظالم کا بدلہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس نظریے کے تحت وہ فلسطینیوں کو قاتل قرار دیتا ہے' کیونکہ وہ انتہا پسند ہیں' کیونکہ انہیں اپنے مذہب اور اپنے ملک سے محبت ہے' وہ آزادی اور امن کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ فلسطینی بچے پیدا ہوتے ہی ظلم کی اس فضا میں آنکھ کھولتے ہیں جو کہ اسرائیلیوں نے عرصہ دراز سے ان پر روا رکھا ہوا ہے۔ اس ظلم سے نجات کیلئے وہ جدوجہد کرتے ہیں' اس لئے وہ امریکہ کی نگاہ میں قاتل ہیں اور برے لوگ ہیں۔ اسرائیلی یہودی ان مجاہدوں کے خلاف ہیں، جو آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں اور جانیں قربان کررہے ہیں۔ اعتدال پسند صہیونیت اور عیسائیت کے علمبردار ہیں' اور انہیں امن و سکون کی زندگی میسر ہے۔ یہی لوگ تھے جو صدر جارج بش کی نگاہوں میں اچھے تھے۔

مسئلہ فلسطین جارج بش کیلئے بھی مسئلہ تھا' اب اسے فیصلہ کرلینا چاہئے کہ اسے اعتدال پسندوں کا ساتھ دینا ہے یا انتہا پسندوں کا۔ اگر وہ انتہا پسندوں کا ساتھ دیتے ہیں تو انہیں وہ سب

کچھ نہیں مل سکے گا جس کے وہ خواہاں ہیں۔ ہاں اعتدال پسندوں کا ساتھ دینے کی صورت میں ہر وہ چیز حاصل کر سکتے ہیں جس کا خواب انہوں نے دیکھا۔ پیسہ' وسائل اور منوں کے حساب سے دہسکی۔

انتہا پسندوں کو منتخب کرنے سے انہیں کیا ملے گا عبرتناک انجام۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اعتدال پسندوں اور روشن خیالوں کی بھرپور پشت پناہی کر رہے تھے' کیونکہ انہی روشن خیالوں اور اعتدال پسندوں کے ذریعے ان کی سفلی خواہشات اور مذموم ارادوں و مفادات کی بقا تھی۔ امریکہ کو اچھے اور برے لوگوں کو منتخب کرنے کا مسئلہ ضرور پیش ہے مگر اسرائیل کے یہودیوں کو یہ مسئلہ درپیش نہیں' کیونکہ ان کے درمیان برے لوگ تو ہیں ہی نہیں' وہ تو بس اچھے ہیں۔ انہیں اچھے فلسطینیوں کی مدد کرنی چاہئے' اچھے فلسطینی جو کہ ٹیکس ادا کرتے ہیں مگر فلسطینی حکومت کو نہیں بلکہ بش کے چہیتے' اسرائیل کے وزیراعظم سلیم فیاد کو یعنی وہ فلسطینی شہری جو فلسطین کو یہودی علاقہ تسلیم کرتے ہیں اور ایک شہری کی حیثیت سے یہودی ریاست کے سربراہ کو ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ فلسطینی ریاست کو اپنا محکوم و تابع بنانے کیلئے اسرائیلیوں کو کچھ اور بھی کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ جنگ و جدل یا جبر سے ہٹ کر کچھ اور سوچیں۔ ان کا محفوظ مستقبل نیگیو اور گلیلی جیسے ترقی پذیر علاقوں میں ہے نہ کہ مغربی کنارے پر قبضہ برقرار رکھنے میں۔ اب یہی وقت ہے جب انہیں مظلوم فلسطینیوں کے دکھوں کا مداوا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسرائیلیوں کو چاہئے کہ وہ غیر قانونی چوکیوں اور ناجائز طور پر ہتھیائے گئے علاقوں کا قبضہ چھوڑ دیں۔ اگر وہ عقل و دانش سے کام لیں تو وہ اپنی سکیورٹی کو کم کئے بغیر بھی مغربی کنارے غزہ کی پٹی پر اپنے قدموں کے نشان چھوڑ سکتے ہیں۔ قبضہ ضروری نہیں کہ جبر و استحصال اور ظلم سے کیا جائے بلکہ اگر قوموں کے ساتھ رحم دلی' نرمی کا سا سلوک کیا جائے تو یہ قبضہ اس قبضے سے زیادہ مؤثر اور طاقتور ہوتا ہے' کیونکہ اس کا مرکز و محور دل ہوتا ہے۔ دلوں پر راج کرنے کا قبضہ ہمیشہ بہت نفیس اور پائیدار ہوتا ہے۔

کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ اقوام متحدہ میں تمام تصفیوں کو غیر قانونی قرار دینے پر غور کیا گیا۔ جب اسرائیلی وزیراعظم نے حیل وجحت سے کام لیا تو بش کے ماتحت ریاست کے سیکرٹری جیمز بیکر نے اسرائیل پر اقتصادی پابندیاں عائد کر دیں۔ بش کے بیٹے نے سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کیا کہ جنوری 2001ء کے بعد کئے گئے تمام تصفیوں کو کالعدم قرار دیا جائے' غیر قانونی چیک پوسٹوں کو ختم کیا جائے۔ نئے نقشے میں اسرائیلیوں کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنے علاقوں کو مزید وسعت دینے کے بجائے موجودہ تک ہی محدود رہیں۔ اس کیلئے وہ غیر قانونی چیک پوسٹوں کے خاتمے کیلئے اسرائیل پر پابندیاں عائد کرنے کی درخواست پر بھی رضامند ہو گیا۔ اسرائیلی حکومت

کی انتظامیہ اور عہدیداران کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس نے اسرائیل کو اپنی حد میں رکھنے کیلئے کچھ شرائط و ضوابط عائد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چند سالوں میں صرف ایک ایسی فوجی چوکی ''امونا'' کو ختم کیا گیا اور ایہود المرٹ نے فیصلہ کیا کہ وہ پولیس پر حملہ کرنے والوں کو معاف کر دے' کیونکہ اسرائیلی حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ بش اب ان کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ زبانی کلامی ان کا ساتھ دینے کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر عملی طور پر وہ اب ان کے ساتھ نہیں ہے۔ کیا ایسا واقعی ہوا ہوگا یا ہو سکتا ہے بس یہ ایک خواب ہی تو ہے' کیونکہ جارج بش کا حل ایسا نہیں کہ مظلوم فلسطینیوں کے دکھ کا مداوا ہو سکے۔ قدیم مغرب کے بہت سے حصوں میں ہمیں ایک شخص ایسی دوا فروخت کرتا نظر آتا ہے جو تمام زخموں اور بیماریوں کا علاج ہے۔ بخار' سردرد' جریان خون' تپ دق' آتشک' اس ایک دوا میں معجزاتی یا کرشماتی طور پر تمام بیماریوں اور زخموں کا علاج پایا جاتا ہے۔ جارج بش کی تقریریں کبھی آپ نے سنیں بلکہ بارہا آپ نے ان تقریروں کو سنا ہوگا۔ ان تقریروں میں وہ ایک واویلا بار بار کرتا ہے کہ اس کے پاس بھی وہ دوا یعنی دنیا کے تمام مسائل کا حل موجود ہے جو تمام دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دے گا اور اس کی وجہ سے آخرکار اندھیرا چھٹ جائے گا اور روشنی کو فتح نصیب ہوگی۔

اس دوا کا نام ہوگا ''فلسطینی علاقوں کی آبادکاری' یا فلسطینی علاقوں کی تعمیر نو'' مگر کاش کہ جارج بش مخلصانہ انداز میں اس پر سوچتے۔ لیکن وہ تو سوچ رہا تھا دو ریاستی منصوبہ۔ فلسطینی مسئلے پر اتنے سالوں سے سوچنے کے بعد بھی ہم کوئی حل نہیں نکال سکے' مگر جارج بش نے یہ حل سوچا تھا یہ کولمبس کی دریافت امریکہ ہے' جس نے اس پیچیدہ مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالا ہے مگر حل' فلسطینی تو کوئی علاقہ ہی نہیں رکھتے۔ ان کا تو کوئی وطن ہی نہیں' وطن تو یہودیوں کا ہے جسے وہ فلسطینیوں کے تسلط سے چھڑا رہے ہیں۔ جارج بش کیلئے اس ریاست میں دو اچھے لوگ تھے' ایک صدر محمود عباس' دوسرا وزیراعظم فیاد' اس لئے کہ فلسطینی ریاست کے تصور سے کنارہ کشی کر کے جدید جمہوریت کا تصور لئے یہ دونوں حضرات ہی تو جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ جدید جمہوریت جس میں وزراء اور دیگر افسران بدعنوانی کے بغیر اپنی خدمات سرانجام دیتے نظر آتے ہیں۔ جدید جمہوریت کا یہ وہ قدم ہے جس میں فلسطینی لوگوں کے جذبات کی پروا کئے بغیر قانون کی حکمرانی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ وہ جمہوری خاکہ جو بش کی منظوری سے طے پاتا تھا جسے صدر عباس اور وزیراعظم فیاد فلسطینی لوگوں کی طویل جدوجہد کی پروا کئے بغیر پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کوشاں ہیں۔ جمہوری ریاست کے قبضے کے بعد تمام سڑکوں' دیواروں' باڑوں' جنگلوں حتیٰ کہ بڑی شاہراہوں پر بھی سلاخیں لگا دی جائیں گی' تاکہ فلسطینی اس نئی ریاست میں داخل نہ ہو سکیں۔ مغربی کنارے کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

گا اور اس کا رابطہ دنیا کے دوسرے حصوں سے منقطع کر دیا جائے گا۔ اگر یہ واقعہ ہوتا ہے تو اس صورتحال میں بھی بش ہرگز پریشان نہیں' اس کے پاس ایک اور حل ہے اور وہ حل ہے کہ تمام فلسطینیوں کو مستقبل میں اردن اور مصر بھیج دیا جائے۔ اسرائیل کی سرزمین کو ان کے وجود سے نجات دلا دی جائے یا فلسطینیوں کو اسرائیل سے رہائی دلا کر دوسرے ممالک میں درآمد کر دیا جائے۔ ''فلسطینی ریاست کی تعمیرنو'' کے تصور کو بھرپور عملی شکل دینے کیلئے بش اپنے خاص پالتو جانور بھی بھیجے گا، جن میں ایک نام ٹونی بلیئر کا بھی ہے' جو ایک مضبوط اور طاقتور معاشرے کی تشکیل کیلئے بین الاقوامی امور پر فلسطینیوں کی مدد کرے گا جس سے بین الاقوامی رائے عامہ کو فلسطینیوں کے حق میں ہموار کرنے اور مضبوط فلسطینی ریاست کے قیام کیلئے ان سے مدد لینے میں آسانی ہوگی۔ بش اور ٹونی بلیئر کا یہ ساتھ فلسطینی کیلئے ایسا بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مصر' سعودی عرب' اردن' پاکستان' مراکو یا شاید عراق کی طرح کا۔ اس کے ساتھ ہی یہ امید بھی کرتے ہیں کہ فلسطینی اپنی پارلیمنٹ کے انتخاب کیلئے آزادانہ الیکشن بھی کروا سکیں گے اور وہ بھی صدر جمی کارٹر کی سخت نگرانی میں۔ جہاں تک صدر بش کا تعلق ہے وہ تو صرف اس صورت انتخابات کے حق میں ہیں جب محمود عباس کو بغیر کسی مخالفت کے صدر منتخب کرلیا جائے' مگر اس کیلئے ضروری ہے کہ لوگوں کی اکثریت حماس کے ساتھ نہ ہو۔ لیکن ابھی تک یہ ممکن نہیں ہوا کہ لوگوں کی اکثریت کو حماس کو ووٹ دینے کے بجائے محمود عباس کی صدارت کیلئے راضی کیا جائے۔ پھر بھی جارج بش کی کوشش تھی کہ گزشتہ تلخیوں کو یکسر بھلا دیا جائے اور ماضی کی تختی سے مظالم کو مٹا کر نئی تاریخ رقم کی جائے' جو نئے مظالم پر مبنی ہو۔ یہ وہ حل ہیں جن کے حقوق بش کے پاس محفوظ تھے اور یہ ہے اس دور کا جدید اپ ٹو ڈیٹ نظریہ ''جمہوری فلسطینی ریاست'' جس کا سنگ بنیاد جلد رکھ دیا جائے گا۔ بدعنوانی سے آزاد حتیٰ کہ امریکہ اور اسرائیل کی دخل اندازیوں سے بھی آزاد جس میں صرف اہل سکیورٹی فورسز کام کریں گی جبکہ حماس کی شرکت نہیں ہوگی اور مسلح افواج کو چوکس کیا جائے گا۔ اسرائیلیوں پر حملے بند کردیئے جائیں گے' اسرائیل کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے گا اور اسرائیل کے خلاف ہر طرح کی بغاوت کو کچل دیا جائے گا۔ ہر شخص کو اسرائیل کو ایک صہیونی ریاست کے طور پر تسلیم کرنا ہوگا۔ صہیونی ریاست جس میں صرف یہودیوں کو رہنے کا حق حاصل ہوگا۔ ایسی آزاد' خودمختار اور مضبوط صہیونی ریاست کے قیام کے بعد ہی ایک فلسطینی ریاست کی تخلیق کے متعلق سنجیدہ بات چیت آگے بڑھائی جاسکتی ہے۔ آزاد صہیونی ریاست ہی آزاد فلسطینی ریاست کے قیام میں مدد دے سکتی ہے۔ یہ ہے وہ مغرب کا جدید نظریہ، جو کہ وہ ہمارے اذہان میں راسخ کرنے کی فکروں میں ہے' تا کہ ہمیں ایک آزاد و خودمختار صہیونی ریاست کیلئے ذہنی طور پر تیار رکھا جائے۔ باقی رہی بات

فلسطینی ریاست کی تو اس کیلئے اندیشے کی کیا ضرورت ہے۔ امریکہ نے اس کی پلاننگ کر رکھی ہے' جس کیلئے اسے کسی قسم کی گفت وشنید یا مذاکرات کی ضرورت نہیں۔ امریکہ کے ایما پر ایک فلسطینی ریاست معرض وجود میں آسکتی ہے مگر اس کیلئے چاہے کچھ بھی نہ کیا جائے' مگر متفقہ سرحدوں کا تعین ضرور ہوگا۔ متفقہ بارڈر' وہ متفقہ سرحد جو باہمی تصفیے سے طے پائی جس میں فلسطین کو اسرائیل کا ایک حصہ تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ اس بے رحمانہ تقسیم کے سوا جارج بش سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی تھی۔ فلسطین کے ساتھ وہی کچھ ہوگا جو کہ ماضی میں تھا' مستقبل میں بھی وہی سرحدیں' وہی تصفیہ کہ فلسطینی فلسطینیوں کیلئے نہیں بلکہ یہودیوں کیلئے ہے۔ صہیونی ریاست جس میں فلسطینی قوم کیلئے جگہ نہیں' اس تقسیم میں کوئی نئی رحم دلانہ شق نظر نہیں آتی۔ اگر کسی نے اس پر اعتراض کیا یا چند اندیشے پیدا ہوئے تو اس صورتحال پر میڈیا ایڈوائزر کو مسٹر صدر کو مشورہ تو دینا پڑے گا کہ کچھ دنیا کو دکھانے کیلئے ہمیں کچھ نیا اضافہ کرنا پڑے گا۔ وہ نیا بے شک نیا نہ ہو یعنی اس میں فلسطین کا کوئی حل ہو یا نہ ہو' مگر ایسا لگے کہ جیسا ہم نے کوئی حل پیش کیا ہے۔ اس کیلئے بین الاقوامی میٹنگ کا انعقاد کرنا بہت ضروری ہوگا۔

میڈیا ایڈوائزر کے ان مشوروں کے بعد صدر بش مختلف ممالک کے ان رہنماؤں کا اجلاس طلب کریں گے جن کی ساکھ اپنی قوم کی زوال پذیر ہو' کیونکہ یہی وہ لوگ ہوں گے' جو بلا حیل و حجت صدر بش کی حمایت کریں گے اور دو ریاستوں کے تصور کی حمایت کریں گے۔ اس اجلاس کے اہم ارکان اسرائیل' فلسطین اور ان کے ہمسایہ ممالک ہوں گے۔ اس اجلاس کی صدارت کا فریضہ سیکرٹری رائس کو سرانجام دینا ہوگا۔ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ فلسطین کے مسئلے کے حل کیلئے کوئی میٹنگ اور وہ بھی وقت پر' کیونکہ کسی بھی ملک کے متعلق فیصلہ کرنے کیلئے امریکہ کو میٹنگ کی ضرورت نہیں۔ مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے کوئی اجلاس منعقد نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہو بھی جاتا ہے تو ہمیشہ کی طرح اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ اس اجلاس کے بعد وہی ہوگا جو ہوتا آیا ہے۔ ایک رسمی سا بیان سامنے آئے گا کہ مس کنڈولیزا رائس اور ان کے رفقائے کار اس رپورٹ کا بغور مطالعہ کریں گے جس میں کہ فلسطینی ریاست کے قیام کی تجویز دی گئی ہے۔ وہ اس رپورٹ کے بغور مطالعے کے بعد اس نتیجہ خیز اور مؤثر بنانے کی حمایت کریں گے اور اس ضمن میں مزید تجاویز کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔ دو طرفہ مذاکرات اور بات چیت کے بعد مسئلے کے حل کیلئے دونوں فریقین کی سفارتی سطح پر حمایت کی جائے گی تا کہ ایک آزاد فلسطینی ریاست کے راستے پر کامیابی سے قدم بڑھایا جائے۔ مگر اس اجلاس میں فوجی چوکیوں کے خاتمے کی کسی تجویز پر غور نہیں کیا جائے گا۔ اس کیلئے وہ سعودی عرب کے سرکردہ نمائندگان سے ملے گا' سب سے اہم عرب ملک جس کے ساتھ وہ

سرکاری سطح پر بات چیت کرے گا۔ مگر یہ بات چیت اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کیلئے نہیں ہوگی بلکہ بے مقصد مذاکرات جس کا نتیجہ ہمیشہ کی طرح بے معنی ہوگا۔ مگر اس خواہش کا پورا ہونا بھی مشکوک ہے' کیونکہ سعودی بہت محتاط ہو چکے ہیں اور وہ علاقے کی کسی جماعت کے ساتھ جھگڑا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ شام کے ساتھ بھی نہیں' جسے کہ ان مذاکرات میں مدعو نہیں کیا جائے گا۔ اگر چہ وہ اسرائیل اور فلسطینیوں دونوں کا ہمسایہ ہے اور نہ ہی وہ حماس کے ساتھ تعلقات خراب کرنا چاہتے ہیں۔ مصر' اردن اور فلسطینی حکام کے برعکس سعودی عرب کو روپے پیسے کا لالچ یا رشوت بھی نہیں دی جاسکتی' کیونکہ پیسہ اس کے پاس خود بہت ہے۔ آخرکار امریکہ یا جارج بش فلسطین کے مسئلے کا حل کیا نکالیں گے' وہی ''دو ریاستوں کی تشکیل۔'' یہ حل مسئلہ فلسطین کے حقیقی مقصد سے بہت دور ہے۔ یہ وہی سیاسی چال تھی جس کا مطلب اس مسئلے کو التواء میں ڈالنا ہے نہ کہ اس کے حل کی طرف قدم بڑھانا۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر آپ میں سچائی سننے کی ہمت ہے تو پھر سچ تو یہ ہے کہ بددیانت اور بدعنوان افراد نے دو ریاستوں کے تصور کا نظریہ دے کر بے وقوفوں کیلئے ایک جال تیار کیا ہے۔ اسرائیلیوں کا ایک بہت چھوٹا گروپ ہے' جس نے 50 سال قبل سے دو ریاستوں کی تشکیل کا جھنڈا اٹھا رکھا ہے۔ اب اسے جارج بش کے حوالے کر دیا تھا۔ جارج بش جس میں سچائی سرے سے ہی نہیں تھی' وہ دھوکے' جھوٹ' فریب زدہ بیانات اور نعروں سے بہلاتا تھا' وہ جارج بش جس کی بات پر کوئی عقل مند شخص یقین نہیں کر سکتا' صرف ایک بے وقوف ہی اس دھوکے میں آئے گا۔ اس لئے صدر بش کے مسئلہ فلسطین کے حل کے کسی منصوبے پر یقین نہ کیجئے گا۔ خاص کر مسلمان ممالک اور فلسطینی زعماء کیلئے ضروری ہے کہ وہ مسئلہ فلسطین کیلئے جارج بش کے حل پر ہرگز اتفاق نہ کریں۔

چیم ویز مین' مشہور صہیونی رہنما اور اسرائیل کے پہلے صدر نے ایک دفعہ کہا تھا کہ لوگوں کو ملک یا ریاست چاندی کی پلیٹ میں پیش نہیں کی جاتی۔ اس لئے فلسطینیوں کو بھی اس کیلئے جدوجہد کرنا ہوگی۔ اگر وہ سوچتے ہیں کہ کوئی انہیں یہ تحفتاً دے گا یا صدر بش انہیں بخشش میں دے دیں گے یا اولمرٹ کے اشارے پر انہیں یہ عنایت کر دی جائے گی تو ایسا نہیں ہوگا۔ قومیں ہمیشہ اپنی آزادی سیاسی اور فوجی جدوجہد سے حاصل کرتی ہیں۔ ہر وہ جدوجہد جس میں تشدد ہو یا نہ ہو مگر طاقت ضرور ہو اور یہ طاقت ہے اتحاد کی جسے شکست دینا بہت مشکل ہوتا ہے' کیونکہ اقوام ہمیشہ اتحاد کے بل بوتے پر ہی کامیابی حاصل کرتی ہیں۔ اگر فلسطینی قوم متحد رہتی ہے اور مسلسل آزاد و خودمختار فلسطینی ریاست کیلئے جدوجہد کرتی ہے تو یقیناً ایک دن فتح اتحاد کی ہوگی' مگر اس اتحاد میں

تمام مسلم ممالک کا ساتھ بھی ضروری ہے۔ یہ وہ اتحاد ہے جو ان کا ایک ہی حل پر ہونا چاہئے اور وہ آزاد و خودمختار فلسطینی ریاست کے قیام کا حل ہے۔

❖♦❖

مشرق وسطیٰ سمیت پوری مسلم امہ میں آئے دن بدلتے ہوئے سیاسی حالات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ امریکہ اپنے مفادات کیلئے مسلم دنیا کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے۔ اس کیلئے اس نے ایک طویل المدتی منصوبہ بندی تیار کر رکھی ہے اور اس حکمت عملی کے مطابق وہ اپنی سازشوں کا دائرہ وسیع کرتا چلا جا رہا ہے۔ فلسطین میں اسرائیلی سلطنت کو دوام بخشنے کیلئے وہ ہر اس رکاوٹ کو ختم کر دینا چاہتا ہے جو کہ خطے میں اسرائیل کیلئے مزاحمت کا باعث بنے۔ اس وقت فلسطین میں اسرائیلی حکومت کیلئے سب سے بڑی مزاحمت حماس کی طرف سے ہی ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران حماس حکومت کے خاتمے کیلئے بھرپور سازشیں کی گئیں' حالانکہ ڈیڑھ سال قبل فلسطین میں قومی انتخابات میں جب حماس نے اکثریت سے کامیابی حاصل کی تو پوری دنیا بشمول امریکہ نے بھی انتخابات کے صاف وشفاف ہونے کی تائید کی' مگر انتخابات کے نتائج کو اس لئے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ حماس نے بھاری اکثریت سے اس میں کامیابی حاصل کی۔ امریکہ اور اس کے حلیفوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور نئی حکومت کے خلاف اقتصادی پابندیاں عائد کر دیں اور سازشوں کا تانا بانا بنتا رہا' جس کے نتیجے میں بالآخر صہیونی ایجنٹ اور موجودہ فلسطینی صدر محمود عباس نے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا اور اس کے متبادل سلام فیاض کی سربراہی میں رام اللہ میں نئی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ وزیراعظم ایہود اولمرٹ کا کہنا تھا کہ حماس کے بغیر بننے والی حکومت کو وہ تسلیم کرلے گا' اس سے امن کو فروغ حاصل ہوگا۔

امریکہ اور اس کے سازشی حلیفوں کی تمام تر حمایت اور سرپرستی الفتح کو حاصل ہے۔ امریکی حکومت کے ایماء پر الفتح کے صدر محمود عباس نے حماس کی حکومت کا خاتمہ تو کر دیا مگر اس کے ردعمل کے طور پر حماس نے غزہ شہر کا کنٹرول سنبھال لیا۔

حماس کے کنٹرول سنبھالنے کے بعد غزہ میں امن و امان کو گزشتہ پچاس سالوں میں مثالی قرار دیا گیا' جس کی وجہ ایک تو حماس کا بہترین انتظام و انصرام اور دوسرا حماس کی فلسطینی عوام میں مقبولیت ہے۔

ابو ماذن محمود عباس الفتح کے صدر کا تعلق بہائی فرقہ سے ہے۔ حماس حکومت کے خاتمے کے بعد محمود عباس نے القدس ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ یہودیوں پر حملہ کرنا حرام ہے۔ محمود عباس کے اس بیان کی وجہ یہ تھی کہ بہائیت اور یہودیت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس عقیدے

کی رو سے وہ جہاد مخالف تصور کئے جاتے ہیں۔ سعودی حکومت کی دعوت پر الفتح اور حماس کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں جب قومی حکومت تشکیل دی گئی تو محمود عباس نے اسماعیل ہانیہ کو وزیر اعظم بنانے پر قطعاً اعتراض نہیں کیا، مگر بعد میں یہی ہانیہ ان کو کھٹکنے لگے۔ 40 سالوں کے دوران فلسطین میں امن و امان قائم کرنے کیلئے متعدد دفعہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان بات چیت اور مذاکرات پر زور دیا گیا، لیکن اسرائیل کے منفی رویے کے باعث مسئلے کے حل کیلئے پیش رفت ممکن نہ ہوسکی، حتیٰ کہ اسرائیل نے 1978ء کے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے اور اوسلو معاہدہ 1993ء کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اب عرب ممالک کی طرف سے مصر اور اردن کو مینڈیٹ دے کر اسرائیل بھیجنا اس سلسلے کی ایک کڑی تو کہی جاسکتی ہے، مگر اس کے پس منظر میں امریکی اور صیہونی ایجنڈا پوری طرح سرگرم ہے۔ ماضی میں کئے گئے معاہدوں میں 1993ء میں اوسلو سمجھوتے کے بعد فلسطین میں حالات بہتر ہونے کے بجائے مزید خراب ہوگئے تھے۔ اسرائیل نے بستیوں کی تعمیر اور زمینوں پر قبضے کی رفتار بڑھادی تھی۔ نسلی عصبیت کو ہوا دینے کیلئے اسرائیل نے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ دیوار کی تعمیر کا کام بھی جاری رکھا، تاکہ اس دیوار کی آڑ میں مزید فلسطینی علاقے کو اسرائیل کا حصہ بنادیا جائے اور اسرائیلی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ حماس کا مؤقف یہ ہے کہ تمام علاقے پر فلسطینی ریاست کا قیام ہو، جس پر اسرائیل نے 1967ء میں قبضہ کیا تھا۔ مغربی کنارے پر تعمیر شدہ تمام یہودی بستیاں ختم کی جائیں۔ اسرائیل کی جیلوں میں قید فلسطینیوں کو رہا کیا جائے۔ اسرائیل فلسطینیوں کے تمام حقوق تسلیم کرے اور فلسطینی پناہ گزینوں کو اپنے گھروں میں آنے کی اجازت دے۔

امریکہ، اس کے اتحادی اور اسرائیل کی حکومت محمود عباس کی زیر صدارت بننے والی حکومت کو تو تسلیم کرنے کو تیار ہیں، مگر وہ اس میں سے حماس کو کسی قسم کا کردار دینے کے حق میں نہیں، جبکہ وہ فلسطینی عوام میں حماس کی مقبولیت اور علاقے میں حماس کے اثرات سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔ امریکہ اور صیہونیوں کی طرف سے سلام فیاض کی حکومت کو مالی و اقتصادی امداد بھی دی جا رہی ہے۔ فلسطینی میڈیا پر نشر ہونے والی خبروں کے مطابق مغربی کنارے پر نابلس اور رملہ کے درمیان ایک نیا شہر تعمیر کرنے کا منصوبہ بھی بنایا جارہا ہے۔ ایک اخبار کے مطابق یہ قومی نوعیت کا منصوبہ ہوگا، نیا عرب کا شہر، یعنی نیو عرب سٹی۔ اس کیلئے امریکہ اور سعودیہ فنڈز فراہم کریں گے جس سے بیروزگار فلسطینیوں کو روزگار بھی ملے گا، لیکن اس اعلان کے بعد اسرائیل کے ایک بیان نے تنازع کو اور شدید کردیا۔ جس میں اس نے اعلان کیا کہ وہ صرف چند ہزار فلسطینی مہاجرین کو آنے کی اجازت دے گا جو کہ مغربی کنارے سے عراق ہجرت کر گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے

مہاجرین اردن اور شام کی سرحدوں پر بنائے گئے، عارضی کیمپوں میں رہائش پذیر ہیں۔ اسرائیل ان سب کو اپنے وطن میں آباد ہونے کی اجازت دینے کے حق سے محروم رکھ رہا ہے۔ گزشتہ 60 سالوں میں تقریباً تمام فلسطینی سیاسی رہنما اپنے بیانات میں متعدد بار ان مہاجرین کو فلسطین کے علاوہ کسی اور سرزمین پر بسانے کے نظریئے کو مکمل طور پر رد کرچکے ہیں۔

حماس کے رہنماؤں نے عراق میں پناہ گزین مہاجرین کو یو این سرٹیفکیٹ ترک کرنے کی بھی شدید مخالفت کی، کیونکہ یو این سرٹیفکیٹ کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں فلسطین کے علاوہ بھی دنیا کے کسی حصے میں آباد کیا جاسکتا ہے۔ الفتح اور دوسرے فلسطینی گروہوں کے بہت سے ارکان نے فلسطینی مہاجرین کے معاملے میں حماس کے کردار کو سراہنے کے ساتھ ساتھ دنیا کے کسی اور حصے میں بسانے کی مذمت کی۔

حماس کا فلسطین کے معاملے میں متحرک کردار نہ صرف عسکری یا سیاسی سطح پر ہے، بلکہ سماجی سطح پر وہ بہت فعال اور ہردلعزیز پارٹی ہے۔ گزشتہ دنوں حماس کے ترجمان سیاسی مشیر احمد یوسف نے برملا واضح کیا کہ حماس کی مرضی کے بغیر فلسطین پر مسلط کی جانے والی کسی بھی پالیسی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

یہ صورتحال صرف انتخابات میں ہی نہیں بلکہ دوسرے سیاسی معاملات اور مہاجرین کی آبادکاری سے لے کر فلسطین میں خوشحالی تک کے سفر پر مبنی ہے کہ فلسطین سے متعلقہ کسی بھی مسئلے پر حماس کی شرکت کے بغیر مذاکرات کا کسی نتیجے پر پہنچنا بے معنی اور بے سود رہے گا، کیونکہ ایسے مذاکرات کی کامیابی کے قطعاً کوئی امکانات نظر نہیں آتے، جن میں حماس کو باہر رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ حماس کے رہنما احمد عباس نے پی اے پارلیمنٹ اور چیئرمین شپ عمومی انتخابات میں حصہ لینے کا بھی اعلان کیا ہے۔ اگر حماس کی اس سلسلے میں مخالفت کی گئی تو یقیناً اس کا شدید ردعمل سامنے آئے گا۔ وہ غزہ کی پٹی پر انتخابات کے انعقاد کو غیر یقینی بنادے گا۔ اگر حماس ان انتخابات کا بائیکاٹ کرتی ہے تو اسے مغربی کنارے پر بھی کروانا ناممکن ہوجائے گا۔ ایسی صورت میں فلسطین میں امن کی بحالی کا منصوبہ صرف خواب بن کر رہ جائے گا۔ فلسطین کے مسئلے پر اگر تمام گروپوں کے درمیان کوئی موافقت ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ 1967ء کی سرحدوں کے مطابق ایک فلسطینی ریاست تشکیل دی جائے۔ مشرقی یروشلم کو اس کا دارالخلافہ قرار دیا جائے۔ مہاجرین کا مسئلہ باہمی رضامندی سے طے کیا جائے، حتیٰ کہ حماس بھی ایسی ڈیل کیلئے تیار ہوسکتی ہے۔ اس کے بدلے میں اسرائیل کو سرکاری سطح پر تسلیم کئے بغیر بھی طویل المدتی جنگ بندی اور اسرائیل کے ساتھ تعاون واشتراک کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ غزہ میں امن وامان کی مثالی صورتحال ظاہر کرتی ہے کہ

حماس ایک اچھی حکومت بنانے اور اسے چلانے کی اہل ہے۔ گزشتہ ہفتے اس نے غیر ملکی صحافیوں کو خاص طور پر غزہ میں مدعو کیا کہ وہ دیکھیں کہ وہاں امن و امان کی صورتحال کیسی جا رہی ہے؟ ان کی انتظامی صلاحیتوں کا جائزہ لیں۔ صحافیوں نے اس دورے کے بعد غزہ کے امن و امان کو مثالی قرار دینے کے ساتھ ساتھ حماس کی انتظامی صلاحیتوں کی تعریف کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حماس کی شرکت کے بغیر فلسطین میں کسی حکومت کا قیام علاقے میں امن و امان کو تباہ کر دے گا۔ جب حماس کو یقین ہو جائے گا کہ محمود عباس ان مطالبات کو منوانے میں ناکام ہیں، جس کیلئے فلسطینی عرصہ دراز سے برسرپیکار ہیں تو تشدد اور خونریزی کی فضا مزید پروان چڑھے گی۔ دوسرے الفاظ میں تمام سیاسی سرگرمی اور سیاسی مذاکرات کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔ سارے مذاکرات، فیصلے یا حل دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ 26 جنوری 2006ء کو فلسطین کے پارلیمانی انتخابات میں حماس کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ حماس وہ اسلامی مزاحمتی تحریک ہے جس کی بنیاد غزہ اور غرب اردن میں اسرائیلی قبضے کے خلاف 1987ء میں رکھی گئی۔

اس تنظیم کے قیام کا بنیادی مقصد اسرائیلی فوج کو فلسطین کی سرزمین سے باہر کرنا اور اسلامی ریاست کا قیام ہے۔ اس مقصد کیلئے اس نے اسرائیلی فوج اور یہودی آبادکاروں پر حملے بھی کئے۔ گزشتہ سال غزہ سے اسرائیلی آبادکاروں اور فوجی دستوں کا انخلاء اس کی پالیسی کی فتح ہے۔ دسمبر 2002ء میں غزہ شہر میں حماس کے قیام کی پندرھویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ ریلی میں 40 ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔ 2004ء میں تنظیم کے رہنما شیخ احمد یاسین اور ان کے جانشین عبدالعزیز کے قتل کے بعد ہزاروں افراد سڑکوں پر نکل آئے۔ حماس بنیادی طور پر دو گروہوں میں تقسیم ہے۔ پہلا معاشرتی امور پر مامور ہے جس میں سکولز، ہسپتال اور مذہبی اداروں کی تعمیر اور انتظام و انصرام سنبھالنا ہے۔ دوسرا عسکریت پسند گروہ، امریکی پشت پناہی سے قیام امن کی کوششوں کے سلسلے میں ہونے والے اوسلو معاہدے کی مخالفت میں بھی حماس پیش پیش تھی۔ اس معاہدے میں اسرائیلی ریاست کے تحفظ کی گارنٹی کے بعد اسرائیل کا مقبوضہ علاقوں سے انخلاء کی شق تھی۔ حماس نے مہاجرین کے کیمپوں اور گاؤں میں کلینک اور سکول قائم کر رکھے ہیں۔ حماس نے اسرائیلی فوج کے انخلاء کو انتخابی مہم کے دوران بنیادی نکتے کے طور پر استعمال کیا۔ حماس کا کہنا ہے کہ انتخابات سے ان کی تحریک کو قوت ملی اور انہیں فلسطینی عوام میں مقبولیت کا حقیقی ادراک ہوا، جس کی بنیاد یقیناً فلسطینی عوام کی وہ خواہشات اور مطالبات ہیں جو حماس کا ایجنڈا ہیں۔ غزہ میں حماس کی پوزیشن نہایت مضبوط ہے جبکہ مغربی کنارے پر الفتح کا کنٹرول ہے۔ مغربی کنارے پر

20 لاکھ اور غزہ میں 14 لاکھ فلسطینی آباد ہیں۔ الفتح کا انحصار امریکہ، یورپ، جاپان اور سعودی عرب ہے جبکہ حماس کو ایران، امریکہ، خلیج اور یورپ کی اسلامی تنظیمیں بھرپور مالی امداد دے رہی ہیں۔ یاسر عرفات کی الفتح، اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کر کے نوبل انعام بھی حاصل چکی ہے۔ حماس کو اسرائیل کے خلاف سخت مؤقف رکھنے کی وجہ سے ناپسند کیا جاتا ہے مگر حماس کا یہی سخت مؤقف اور جارحانہ پالیسی عوام میں اس کی مقبولیت کا باعث بنی ہے۔ اسی وجہ سے جنوری 2006ء میں ہونے والے انتخابات میں حماس نے 132 میں سے 74 نشستیں حاصل کیں، مگر جس طریقے سے حماس کی حکومت کو ختم کیا گیا۔ اس سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ اگلے الیکشن میں حماس پہلے سے بھی زیادہ بھاری اکثریت لے کر کامیابی حاصل کر لے گی۔ حماس ان 11000 فلسطینیوں کی رہائی کیلئے بھی کوشاں ہے جو کہ اسرائیلی جیلوں میں بند ہیں۔

حماس کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ ہمارا مقصد بہترین اصلاحات رائج کرنا، بدعنوانی کا خاتمہ اور اپنے لوگوں کو مالی و اقتصادی طور پر خوشحال کرنا ہے۔ فلسطینیوں کے حقوق کا حصول اور اچھی حکومت کا قیام سرفہرست ہے لیکن ہم اس کیلئے فلسطین کا سودا کرنے کو بالکل تیار نہیں۔ ہم فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی مخالفت کرتے ہیں اور طویل المدتی امن سمجھوتے کے خواہاں ہیں، لیکن یہ سب اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بین الاقوامی برادری حماس سے مذاکرات نہیں کرتی۔'' حماس کے رہنماؤں کے بیانات کو قطع نظر رکھ کر دیکھا جائے تو بھی علاقے میں کشیدگی کے خاتمے کیلئے اسرائیل سے مذاکرات سے پہلے ضروری ہے کہ الفتح اور حماس کے درمیان مذاکرات ہوں، جب دونوں فریقین کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو اسرائیل حکومت سے معاملات طے کئے جائیں، لیکن یہ سب کچھ ہوتا اس لئے نظر نہیں آتا کہ الفتح کو یورپی طاقتوں کی سپورٹ اور اسرائیل کی تائید و حمایت حاصل ہے، جبکہ حماس کو مسلم دنیا کے ساتھ ساتھ فلسطینی عوام کی بھرپور سپورٹ ہے، کیونکہ وہ حماس کو اپنی امنگوں کا ترجمان سمجھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حماس کو صرف غزہ میں ہی نہیں بلکہ الفتح کے مغربی کنارے کے عوام میں بھی یکساں مقبولیت حاصل ہے۔ مذاکرات کے اس کھیل میں اگر حماس کو باہر رکھا گیا تو مشرق وسطیٰ کا مسئلہ کبھی بھی حل نہیں ہوگا، بلکہ فلسطین کے دو متحارب دھڑوں کے درمیان مخالفت شدت اختیار کر جائے گی۔ حماس کو مذاکرات یا گفت و شنید سے باہر رکھ کر امریکہ شاید یہی کروانا چاہتا ہے، ورنہ فلسطینی صورتحال کے تناظر میں حماس کے سیاسی اثرات اور عوامی کردار کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی فریق اسے خاموش کردار سونپ کر

خطے میں اسرائیل سے مصالحت و مفاہمت کی راہ ہموار نہیں کر سکتا۔ حماس کو مذاکرات کی اس گیم سے باہر رکھنے سے مذاکرات کا رخ بدل جائے گا۔ عالمی طاقتوں کا بنا بنایا کھیل عبرت ناک شکست سے دوچار ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ حماس کی شمولیت کے بغیر انہیں مذاکرات نہیں کہا جا سکتا۔ اگر حماس مذاکرات میں شامل نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

❖♦❖

کسی پرندے کا آشیانہ اجاڑ دیا جائے یا کسی انسان کو زبردستی اس کے گھر سے نکال دیا جائے یا پھر نکل جانے پر مجبور کر دیا جائے' تو محرومی کا درد اور حالات کا عذاب زندگی گزارنا مشکل سے مشکل تر کرتا جاتا ہے۔ یہی وہ دکھ ہے، جو عذاب بن کر ہزاروں لاکھوں فلسطینیوں کی زندگی کو تباہ و برباد کرنے کا باعث بنا ہوا ہے۔ فلسطینی مہاجرین صرف اپنے گھر سے بچھڑ جانے کا دکھ ہی برداشت نہیں کر رہے بلکہ اپنے وطن سے دوری بھی سہہ رہے ہیں اور یہ آج یا کل کی بات نہیں' مظلوم فلسطینی برسوں سے اپنے گھر اور اپنے وطن سے دوری کا کڑوا گھونٹ نگلنے پر مجبور ہیں۔ 1948ء سے یہ بے گھر فلسطینی تقریباً پوری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اردن' لبنان' شام اور دیگر ممالک میں پناہ لینے والے یہ مہاجرین اپنے گھروں میں واپسی کا خواب اب تک دیکھ رہے ہیں۔

1948ء میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے نتیجے میں اس وقت تقریباً 750,000 مہاجرین مغربی کنارے اردن' غزہ کی پٹی' مصر' لبنان اور شام کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ 1947ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے فلسطین کی عرب اور یہودی علاقوں میں تقسیم نے یہودی فوجوں کی فلسطین کے علاقوں میں دخل اندازی کو تقویت دی۔ حالات کے پیش نظر بہت سے فلسطینی گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے' جنہوں نے گھر نہیں چھوڑا ان کو جبراً نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ 1968ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد مزید فلسطینیوں کو اپنے گھر چھوڑنے کا سانحہ برداشت کرنا پڑا۔ گھر سے محرومی اور اپنے وطن سے دوری کا یہ دوہرا عذاب جھیلنے کا دوسرا تجربہ تھا۔ یہودیوں کے مقبوضہ علاقے اور مظالم جوں جوں بڑھتے گئے' مزید فلسطینی بے گھر ہوتے رہے۔ غرب اردن اور غزہ سے تین لاکھ فلسطینی پھر اپنے علاقوں سے اردن کی طرف کوچ کر گئے۔ 1948ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطینی مہاجرین کی مدد کیلئے ایک قرارداد منظور کی گئی اور فلسطینی مہاجرین کی امداد کیلئے بین الاقوامی رضاکار تنظیموں کے ذریعے United Nation Relief for Palestine (UNPR) Refugees کا قیام عمل میں لایا گیا۔

11 نومبر 1948ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد 149(111) کے تحت اعلان کیا کہ فلسطینی مہاجرین اپنے گھروں میں واپسی کا حق رکھتے ہیں۔ جو فلسطینی اپنی مرضی سے نہ جانا چاہیں ان کو ان کی جائیداد کا معاوضہ ادا کیا جانا چاہئے۔ اس کا فیصلہ ان فلسطینیوں پر چھوڑ دیا گیا، جو مختلف ممالک میں پناہ گزین کی حیثیت سے مقیم تھے۔ یہ قرارداد وطن واپسی' نو آبادکاری' اقتصادی اور معاشی بحالی کے اصولوں کے تحت منظور کی گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب ان قراردادوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو مہاجرین کی واپسی کی امیدوں پر اوس پڑتی گئی۔ جنرل اسمبلی نے دسمبر 1949ء میں مقامی حکومت کے اشتراک سے مہاجرین کی فلاح و بہبود کیلئے ایک ریلیف ایجنسی قائم کی۔ United Nations Relief and Work Refugee اس ایجنسی نے فلسطینی مہاجرین کی خوراک' رہائش اور لباس کی فراہمی میں کافی کام کیا۔ آج بھی فلسطینی مہاجرین کی بہت بڑی تعداد اپنے گھروں کو واپسی کی راہ تک رہی ہے۔ اقوام متحدہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جسے حل کیا جانا ضروری ہے۔ فلسطینیوں کی اپنے علاقوں میں واپسی اور نئی نسلوں کے اپنے وطن میں مستقبل گزارنے کا مطالبہ جائز اور اخلاقی بنیادوں پر ہے اور یہ حق اقوام متحدہ میں منظور کی جانے والی ایک سے زائد قراردادوں کی بنیاد پر بھی ہے۔ ان قراردادوں میں 1948ء میں منظور کی جانے والی قرارداد 194 خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس قرارداد کی منظوری ہی اس بنیاد پر تھی کہ "ان تمام فلسطینیوں کو جو اپنے گھروں کو لوٹ کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن سے رہنا چاہتے ہیں پہلی فرصت میں واپس جانے کی اجازت ملنی چاہئے۔"

فلسطینی مزاحمتی تحریک "حماس" کے رہنماؤں نے بارہا کہا ہے کہ فلسطینیوں کے واپسی کے حق کی حفاظت خون سے کریں گے۔ اسرائیل نے ہماری زمین پر ناجائز قبضہ جما کر فلسطینیوں کو بے دخل ہونے پر مجبور کیا۔ حماس اپنے علاقے آزاد کروا کر فلسطینیوں کو وہاں آباد کرے گی۔ حماس کے انہی عزائم کے باعث اسے فلسطینی عوام میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں امن کیلئے مذاکرات اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اسرائیل مہاجرین کی واپسی کا حق تسلیم نہیں کر لیتا۔ مشرق وسطیٰ کے سب سے بڑے مسئلے کے حل میں ایک بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ پناہ گزین فلسطینیوں کی واپسی ان علاقوں میں ہوگی یا نہیں جن کو ان کے اخلاء کے وقت فلسطین کا حصہ کہا جاتا تھا۔ مشرق وسطیٰ اور بہت سے دنیا کے دوسرے علاقوں میں 45 لاکھ سے زائد فلسطینی پناہ گزین ہیں۔ اپنے گھروں کو لوٹنے کا مطالبہ ان کا بنیادی حق ہے' لیکن اسرائیل ان پناہ گزینوں

اور ان کی نسلوں کو واپسی کی اجازت دینے سے صاف انکاری ہے۔ اسرائیل کے رویے سے لاکھوں پناہ گزینوں کی واپسی خارج از امکان نظر آ رہی ہے۔ اسرائیلی حکومت اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ ان پناہ گزینوں کو واپس فلسطین میں آنے کی اجازت دینے کا مطلب یہودیوں کیلئے زمین تنگ کر دینا ہے' کیونکہ اس سے یہودیوں کی اکثریت ختم ہو جائے گی اور اس سے اسرائیل کا مستقبل دنیا کی واحد یہودی ریاست کی حیثیت سے خطرے میں پڑ جائے گا۔

2002ء میں ہونے والی بیروت کانفرنس میں بھی اسرائیل نے مہاجرین کے مسئلے کو نکال کر بات چیت پر زور دیا تھا' جسے عرب دنیا نے مسترد کر دیا تھا۔ اب تک اقوام متحدہ میں امریکہ کے فلسطین مخالف رویے نے کسی حتمی معاہدے کو ممکن نہیں ہونے دیا۔ 2002ء میں نیگرو پونٹے موجودہ ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ امریکہ ایسی تمام تحاریک کو ویٹو کر دے گا، جن میں فلسطین کے خلاف قرارداد مذمت نہیں ہوگی۔ جب تک امریکی سیکورٹی کونسل میں فلسطین کے مفادات کو زک پہنچاتا رہے گا اور مذاکرات کے پس پشت اپنا مکروہ اور مذموم کھیل کھیلتا رہے گا' فلسطین کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا۔ فلسطینی مہاجرین ضروریات زندگی چھت' بجلی' ایندھن' صاف پانی' خوراک اور دوائیوں سے محروم قید و بند کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جنوبی لبنان کے کیمپ میں پناہ گزین فائزہ اشراش بداوی کیمپ کے ان دس ہزار فلسطینی مہاجرین میں سے ایک ہے جو بداوی اور دوسرے علاقوں میں چلے گئے تھے۔ فائزہ کہتی ہے کہ 1948ء میں ہم ننگے پاؤں' سر پر کپڑوں کی گٹھڑی لے کر بھاگے۔ لبنانیوں نے ہمیں خوش آمدید کہا اور ہم نے یہاں بسیرا کر لیا' مگر ہماری صعوبتوں کا خاتمہ ابھی تک نہیں ہوا۔ 82 سالہ آمنہ عیدی حسین کا کہنا ہے کہ میں 23 سال کی تھی جب ہمیں فلسطین چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ میرے پاس صرف وہی لباس تھا جو میں نے پہن رکھا تھا اور ہم ننگے پاؤں' کاروں' ٹرکوں' پک اپوں پر بھاگے۔ نہر البارد کیمپ 60 ہزار سے زائد مہاجرین سے زیادہ کا گھر ہے۔ یہ مہاجرین' کیمپوں' سکولز' سنٹرز اور مختلف رہائشی عمارتوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ یو این ریلیف ایجنسی UNRWA کے پاس بھی ان کی آبادکاری اور مسئلے کا حل موجود نہیں ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی پریشان ہیں کہ ان لوگوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ خوراک' پانی' بجلی سے محروم ان لوگوں کو وہیں پر دفن کر دیا جاتا ہے جس جگہ یہ ڈھے جاتے ہیں۔ مہاجرین ہر لحظہ اس خوف میں بھی مبتلا ہیں کہ ان کے کیمپوں کا کسی بھی وقت خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ رضا کاران مہاجرین کو مختلف سنٹرز پر منظم امداد دے رہے ہیں۔

ریڈ کریسنٹ (ہلال احمر) کا ایک نمائندہ یوسف الاسد سربراہ ریڈ کریسنٹ جنوبی لبنان کے مہاجرین کے باہمی سلوک کی تعریف کرتا ہے' مگر وہ اس خدشے کا بھی اظہار کرتا ہے کہ مہاجرین کی اتنی بڑی تعداد کو کھپانا بہت مشکل ہے۔ اکثر یہاں شیل اور مارٹر بھی آ کر گرتے ہیں۔ اپنے وطن کو چھوڑ کر بھی ان فلسطینیوں کی جانیں محفوظ نہیں' وہ سلامتی کے خطرات سے دوچار ہیں۔ اسرائیل فلسطین کے مسئلے پر ہونے والے اب تک اور آئندہ مذاکرات میں بھی مہاجرین کی شق پر غور و فکر کرنے کیلئے بالکل بھی تیار نہیں۔ اسرائیل بارہا یہ کہہ چکا ہے کہ جو فلسطینی اب دوسرے علاقوں میں پناہ گزین کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں وہ ان فلسطینیوں کو دوبارہ وطن آنے کی اجازت نہیں دے گا۔ ان فلسطینیوں کو میزبان عرب ممالک اپنا لیں۔

اسرائیل کا مہاجرین کے حل کیلئے پیش کردہ یہ فارمولا ہے، جس پر نہ صرف فلسطینی رہنماؤں کا اختلاف ہے بلکہ اس بات کو اردن کے علاوہ دیگر عرب ریاستیں بھی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ فلسطینی رہنما بھی اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتے' وہ پناہ گزینوں کی واپسی کے حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ یہ حل کسی طور بھی قابل ہضم نہیں ہے کہ وہ فلسطینی جو اپنے گھر اور وطن میں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا جائے اور پھر ان کو اپنے ہی وطن میں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ عالمی غنڈہ گردی تو ہو سکتی ہے مگر مسئلے کا حل نہیں۔ فلسطینی خاندانوں کا ملاپ اور خوشگوار نارمل خاندانی زندگی گزارنے کی خواہش اب خواب و خیال ہوتی جا رہی ہے۔ اسرائیل کی پالیسی میں ان مجاہدین کیلئے کوئی رعایت نہیں۔ یہی صورتحال ان فلسطینیوں کو بھی درپیش ہے جو یروشلم کے رہائشی ہیں جن کی سرحدیں مغربی کنارے سے جا ملتی ہیں۔ ان کو دو گھر رکھنا پڑتے ہیں۔ ایک یروشلم میں' دوسرا مغربی کنارے پر۔ یہ بھی فلسطینیوں کو یروشلم' مغربی کنارے سے نکال دینے اور عرب ممالک کی طرف ہجرت کرنے پر راغب کرنے کی ایک ظالمانہ کوشش ہے۔ یروشلم کے رہائشیوں اور عرب شہریوں کی اسرائیل چھوڑ دینے کی یہ خاموش ہجرت اس لئے توجہ حاصل نہیں کر پاتی کہ یہ ایک خاموش مگر مسلسل دباؤ ہے جو ان پر اسرائیل چھوڑنے کیلئے ڈالا جاتا ہے۔ اسرائیلی وزارت داخلہ یروشلم اور مغربی کنارے کے خاندانوں کے اتحاد کے مراحل کو مشکل سے مشکل بناتا جا رہا ہے۔ اس کا ہر راستہ مظلوم فلسطینیوں کو ان کی زمین سے بے دخل کرنے کی طرف تو جاتا ہے مگر واپسی' اتحاد یا آبادکاری کا حق دینے کی طرف نہیں۔

اس وقت تقریباً 60 ہزار سے زائد مہاجرین نہر البارد کے کیمپوں میں رہتے ہیں۔ سینکڑوں

خواتین جسم فروشی جیسے مکروہ دھندے پر مجبور ہو چکی ہیں۔ بہت سے نوجوان لبنانی کلبوں میں 150 سے 200 ڈالرز ماہوار پر موسیقی بجا کر اپنا گزارا کر رہے ہیں۔ فلسطینی مہاجرین کا مستقبل دن بدن تاریک ہوتا جا رہا ہے' مایوسی' نامرادی اور غلط راستوں میں ملوث ہونے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا۔ لبنان میں موجود فلسطینی مہاجرین کیلئے امداد اسرائیل کے راستے آتی ہے' لیکن لبنانی فوج اور فتح الاسلام کے درمیان جاری جھڑپوں کی وجہ سے گزشتہ اڑھائی ماہ سے اسرائیل نے مہاجرین کی امداد روک دی ہے۔ گزشتہ 2 سال سے لبنان میں آباد ان فلسطینی مہاجرین کیلئے امدادی رقوم اور خوراک اسرائیل کے راستے بھجوائی جاتی ہے۔ مہاجرین کی آبادکاری کیلئے سالانہ 50 ملین ڈالرز اور 2 وقت کا کھانا دیا جاتا ہے۔ فلسطینی مہاجرین لبنان میں 60 ہزار کی تعداد میں ہیں۔ اقوام متحدہ ان کی ملازمتوں کے حوالے سے بھی کام کر رہی ہے' مگر عرب ممالک میں مہاجرین کی بڑھتی ہوئی تعداد' ان کے مسائل' فلسطین اور اسرائیل کے درمیان تناؤ نے مہاجرین کے مسئلے کو سلجھانے کے بجائے پیچیدہ کر دیا ہے۔ فلسطینی مہاجرین کی واپسی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عالمی برادری اسرائیل پر دباؤ نہ ڈالے۔ فلسطینیوں کی وطن واپسی کیلئے اسرائیل پر دباؤ ڈالنے کا مطلب ہوگا یہودی سلطنت کے وجود کو نقصان پہنچانا' جو مغربی دنیا کبھی نہیں چاہے گی۔ ایسے میں مسئلہ فلسطین کا حل فلسطینی مہاجرین کیلئے کسی قسم کی خوش خبری لاتا نظر نہیں آتا' لیکن مسلم دنیا اور حماس کا اصولی مؤقف اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ممکن بنا سکتا ہے۔ اگر وہ اتحاد و یکجہتی کے ساتھ اپنے نظریات پر ڈٹے رہیں۔

❖♦❖

امریکی صدور کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ کسی بھی ملک کیلئے پہلے مسائل کھڑے کرتے ہیں۔ اچھے بھلے امن پسند خطے کو انتشار کی طرف لاتے ہیں' پھر اسی ملک کے مسائل کے حل کیلئے اور وہاں امن و امان کے قیام کیلئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ فلسطین کے مسئلے پر بھی امریکہ کی پالیسی اسی طرح دوغلی' منافقانہ اور سازشوں پر مبنی رہی ہے۔ فلسطین کے مسائل کے حل کیلئے آزاد و خودمختار فلسطینی ریاست کا خواب آج کل فلسطینی عوام کے بجائے امریکی انتظامیہ دیکھ رہی ہے اور اس کیلئے وہ امن کانفرنس بلانے کیلئے کوشاں ہے۔ امریکی پالیسی کو کسی بھی ملک پر اچانک مسلط نہیں کیا جا سکتا' بلکہ اس کیلئے تھنک ٹینک امریکی مفادات اور لائحہ عمل کے مطابق بہت عرصہ پہلے سے ہی منصوبہ سازی شروع کر دیتا ہے۔ امریکہ کی دلچسپیاں ان کے مفادات سے جڑی ہیں اور ان کے مفادات ان کی پالیسی کا منشور ہیں۔ یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری سے لے کر اسرائیل کی تشکیل تک ان کے مفادات ہر جگہ فعال نظر آتے ہیں۔ اسرائیلی ریاست کی تشکیل کا بنیادی مقصد ہی مسلمانوں کو ان کے وطن سے بے دخل کرنا اور ایسی جنگ لڑنے پر مجبور کرنا تھا، جو زبردستی ان پر مسلط کر دی گئی۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کو طاقت کا محور بنانا امریکہ کیلئے اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس خطے میں کوئی ملک تو ایسا ہو، جس کی وجہ سے امریکی مفادات پورے ہو سکیں اور عرب ممالک کی آزادی و خودمختاری سلب کی جا سکے۔ امن و سلامتی اور ترقی کی سمت پر گامزن ہونے سے روکنے کیلئے اسرائیل کو بدمعاش ریاست بنا کر ان کے سر پر مسلط کرنا از حد ضروری تھا۔

1948ء سے اب تک فلسطینی نہ صرف اپنے گھروں سے بے دخلی کا دکھ برداشت کر رہے ہیں بلکہ اسرائیلی فوج کے مظالم بھی سہہ رہے ہیں۔ عرصہ دراز سے اسرائیلیوں کے ظلم و ستم کا شکار ان فلسطینیوں کے مسائل جوں کے توں ہیں بلکہ آپسی دھڑوں کے اختلاف کی وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ چکے ہیں۔ محمود عباس کی الفتح' تنظیم اسرائیل کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ مل کر چلنے کیلئے تیار ہے' جبکہ حماس کے نظریات الفتح سے میل نہیں کھاتے' جس کی بنیادی وجوہات

میں فلسطینیوں کے حقوق کا متصادم آتا ہے۔ فلسطینی علاقوں اور فلسطینی مہاجرین کی واپسی بھی انہی مسائل میں سے ہے، جن پر اسرائیل بات کرنے کیلئے تیار نہیں۔

عرب ممالک کے وسط میں ایک یہودی ریاست کی تشکیل میں کامیابی کے بعد اب فلسطین میں اپنی مرضی کی حکومت کا قیام اور امریکی حکومت کی آلہ کار فلسطینی اتھارٹی کو آزادی سے کام کرنے کیلئے فضا کو سازگار بنانا امریکی انتظامیہ کی اولین ترجیح ہے۔ یہی وہ مقصد ہے، جس کیلئے وہ کوشاں ہے۔

اگر امریکہ حقیقی معنوں میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کا خواہاں ہے تو اسے اسرائیلی حمایت سے دستبردار ہوکر فلسطینی نمائندوں اور حکومت کے انتخاب کا حق فلسطینی عوام پر چھوڑ دینا چاہئے اور اسرائیلی حکومت پر زور دینا چاہئے کہ وہ خطے میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو یقینی بنانے کیلئے انتشار پھیلانے سے گریز کریں۔

شام کے ترجمان نے امن کانفرنس میں شرکت کے امکانات کو صفر قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شام دہشت گردی کے خلاف ہے مگر اس کے باوجود بھی اس پر دہشت گردی کا الزام لگایا جا رہا ہے اور اسے اسرائیلی حملوں کا نشانہ بنا پڑ رہا ہے۔ شام لبنان اور اسرائیل میں پیدا ہونے والے بحران کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ واشنگٹن نے امن کانفرنس میں شام اور عرب لیگ کے دوسرے اراکین کو بلانے کا اظہار کیا ہے، جس پر ایہود اولمرٹ نے واشنگٹن انتظامیہ پر زور دیا ہے کہ عرب لیگ کے اراکین کو بلایا جائے، مگر شرائط وضوابط کی پابندی کو ان کیلئے لازمی قرار دے۔ اولمرٹ نے پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے واضح طور پر کہا کہ وہ امن کانفرنس میں کسی کی بھی شرکت پر معترض نہیں، لیکن اگر چند شرائط وضوابط کے دائرہ کار میں رہ کر بات چیت کی جائے تو مسئلے کے مثبت نتائج سامنے آنے کی توقع ہے۔ اولمرٹ نے امریکہ پر زور دیا ہے کہ وہ صرف اسرائیل کے ساتھ تعاون پر آمادہ ممالک کو مدعو کرے۔

فلسطینی ریاست کے قیام کیلئے یہ صرف بات چیت نہیں بلکہ ایک معاہدہ ہوگا۔ ان فریقین کے درمیان جو مستقبل میں بھی روڈ میپ منصوبے کو آگے لے کر چلیں گے۔ امریکی مفادات کی پیروی کرتا ہوا روڈ میپ منصوبہ جس کی گرد میں سرحدوں کا تنازع، یروشلم کا مسئلہ، فلسطینی مہاجرین کی آبادکاری سب کچھ گم ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں یورپی یونین الفتح کے ساتھ بھرپور رابطے میں ہے۔ یورپی یونین کی خارجہ پالیسی کے سربراہ ہاویئر سولانہ سے ملاقات کے بعد محمود عباس نے انتخابی قوانین میں تبدیلی کا اعلان بھی کر دیا کہ فلسطینی اب جماعتی فہرست کے مطابق ووٹ دیں گے، ضلع کی بنیاد پر نہیں، جس سے ان کی پارٹی حماس کے مقابلے پر مضبوط ہوگئی ہے۔ حماس نے

اس اقدام کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے۔

شام امن کانفرنس کو فلسطینیوں کے حقوق پر سمجھوتے کے علاوہ اور کچھ قرار نہیں دیتا۔ اسرائیل، شام اور جنوبی کوریا پر نیوکلیائی تعاون کا الزام عائد کرتا ہے، مگر شام اور جنوبی کوریا اس سے انکاری ہیں۔ شام کے صدر بشارالاسد بھی اس کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اولمرٹ کا کہنا ہے کہ امن کے کسی بھی سمجھوتے پر اتفاق رائے کی صورت میں شام کیلئے لازم ہوجائے گا کہ وہ ایران اور لبنانی جہادی گروپ حزب اللہ اور حماس کے ساتھ اپنے تعلقات محدود رکھے۔ اولمرٹ کے مطابق دمشق حماس اور دیگر فلسطینی جہادی گروپوں اور حزب اللہ کو سپورٹ مہیا کرتا ہے۔

اولمرٹ شام کو دہشت گردی کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے امن منصوبے کی شرائط کی آڑ میں اسے محدود کر دینے اور اس کے تعلقات اسلامی گروپوں سے منقطع کروا دینے کا خواہاں ہے۔ اسرائیل کا یہ کردار شام کی نگاہوں سے ہرگز اوجھل نہیں۔ جس کا ثبوت شام کے صدر بشارالاسد کے پارلیمنٹ کے خطاب سے بھی ملتا ہے۔ شامی صدر نے اپنے خطاب میں کہا کہ امن کے کسی بھی ایجنڈے پر بات چیت سے پہلے اسرائیل کو گولان کی پہاڑیوں سے دستبردار ہونا چاہئے جس پر کہ اسرائیل نے 1967ء میں مشرق وسطیٰ کی جنگ میں قبضہ کیا تھا۔ شام اور اسرائیل کے مابین امن مذاکرات کا آخری راؤنڈ 2000ء میں ہوا تھا۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے اسرائیلی فلسطینی تنازع کا دوملکی حل نکالنے کے ساتھ ساتھ فلسطین اسرائیل مذاکرات جاری رہنے پر زور دیا۔ فلسطینی عوام کو درپیش پریشانیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے توقع ظاہر کی صدر بش کی طلب کردہ کانفرنس نتیجہ خیز رہے گی۔ امن کانفرنس کے انعقاد سے بظاہر تو امریکہ اس وقت دنیا کو فلسطین کا خیر خواہ ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا، مگر وہ امن کانفرنس میں امن کی بات چیت کو صرف اور صرف اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ، فلسطینی صدر محمود عباس اور وزیراعظم سلام فیاض تک محدود کر کے اسے متنازعہ بنا رہا ہے تھا جبکہ امریکہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ صدر محمود عباس اور سلام فیاض فلسطینی عوام کے حقیقی نمائندے نہیں۔ یہ ایک دھڑے یا گروپ کے نمائندہ تو ہو سکتے ہیں مگر فلسطینی عوام کی امنگوں کے ترجمان ہرگز نہیں۔ اگر امریکہ فلسطین کی آزاد ریاست کے قیام کا واقعی خواہاں ہے تو اسے اس کانفرنس کو نتیجہ خیز بنانے کیلئے تمام عرب ممالک کے ساتھ ساتھ حماس کو بھی شرکت کی دعوت دینی چاہئے اور اس کانفرنس میں شرکت کیلئے روڈ میپ یا کسی بھی شرائط وضوابط کو بالائے طاق رکھ کر مسئلے کے حقیقی حل کی طرف پیش رفت کیلئے تمام فریقین کو ٹھوس مذاکرات کی طرف لانا چاہئے۔ یورپی یونین کے نمائندے ٹونی بلیئر نے مذاکرات کی بحالی سے مسئلے کے فوری حل کورد کرتے ہوئے امن عمل کو آگے بڑھانے کے

امکانات کی توقع ظاہر کی۔ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ بھی فلسطینی ریاست پر امن کانفرنس کی کامیابی سے زیادہ پرامید نہیں۔ اسرائیلی حکومت تمام فریقین کو ایک مشترکہ معاہدے میں باندھ دینے کی خواہاں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ امن کانفرنس نہیں بلکہ اپنے اپنے مفادات کی گیم ہے، جس میں امریکہ اپنے مفادات کیلئے سرگرم ہے، جبکہ اسرائیلی حکومت امن کانفرنس کے ذریعے تمام فریقین کو پابند کردینے کی خواہاں ہے۔ محمود عباس اس کانفرنس کے ذریعے ایک ایسا فریم ورک ڈھونڈنے کی تیاریوں میں ہیں، جو انہیں حماس سے پناہ دے سکے۔ مغربی کنارے پر حکومت قائم کرنے والے محمود عباس کو حماس سے مسلسل مزاحمت کا سامنا ہے۔ غزہ کی پٹی پر قبضہ کھودینے کے بعد اس کیلئے امریکی آشیرباد اور اسرائیلی حکومت کے ساتھ اشتراک اور رابطے کی ضرورت زیادہ سے زیادتی ہوتی جارہی ہے۔ محمود عباس نے سرحدوں کے تعین، یروشلم اور فلسطینی مہاجرین کے معاملات کو ان مذاکرات میں حل کرنے کی ضرورت اور طے پاجانے والے امور کو جلد نافذ العمل کرنے پر بھی زور دیا، مگر اس ضمن میں اسرائیلی حکومت کا رویہ حوصلہ افزا ہرگز نہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم کی جانب سے فریقین پر شرائط وضوابط کی پابندی کو یقینی بنانے کے اعلان نے مشترکہ معاہدے یا اتفاق رائے کو مشکل بنادیا۔

اسرائیلی رہنماؤں کے بدلتے ہوئے مؤقف، اولمرٹ کی سیاسی وذہنی سوچ اور سخت زبان نے واشنگٹن انتظامیہ کیلئے عرب ریاستوں کے کلیدی کرداروں کو کانفرنس میں مدعو کرنے کو اور بھی مشکل بنادیا، جبکہ انہیں پہلے ہی امن کانفرنس میں بلائے جانے میں امریکہ کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ عرب ریاستوں کا یہ رویہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ اچھی طرح اس بات سے آگاہ ہیں کہ آزاد وخودمختار فلسطینی ریاست کا قیام امریکہ کے جھنڈے تلے ہرگز ممکن نہیں۔ امن کانفرنس کے ذریعے امریکہ، اسرائیل اور امریکہ نواز حکومت الفتح کیلئے مستقل امن کی خواہاں ہے، جوکہ اسلامی جہادی گروپوں اور عرب ممالک سے مشروط مصالحت کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک طرف اسرائیل تصفیہ طلب امور کا خواہاں ہے تو دوسری طرف وہ فلسطینی نوجوانوں پر تشدد سے بھی باز نہیں آرہا۔ ایک طرف امن وصلح کی باتیں، دوسری طرف ظلم وتشدد کا راج، 21 سالہ یوسف الاخفی کو مغربی کنارے پر بلاتا ریفیوجی کیمپ میں شہید کردیا گیا اور الزام یہ لگایا گیا کہ یہ نوجوان "الاقصیٰ" نامی جہادی گروپ سے تعلق رکھتا تھا۔ نابلس میں اسرائیلی سپاہیوں نے پاپولر فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین (PFLP) سے تعلق رکھنے والے ایک اور جہادی کو شدید زخمی کرنے کا دعویٰ کیا۔ ان کے علاوہ بھی دیگر فلسطینی باشندوں کی اسرائیلی فوج کے ہاتھوں شہادت کی اطلاعات ملیں۔ ایک شاہراہ پر اسرائیلی سپاہیوں کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے فلسطینیوں پر اسرائیلی فوج

نے فائرنگ شروع کردی، جس سے بہت سے بے گناہ فلسطینی شہید ہوگئے۔ بش نے امن کانفرنس کے موضوع پر محمود عباس اور سلام فیاض سے ملاقات میں محمود عباس کو فلسطینی عوام کا حقیقی نمائندہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ عباس فلسطین کو ایسی جمہوری ریاست بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے، جو اپنے ہمسایہ اسرائیل کے ساتھ امن اور صلح سے رہے گی۔ اس بیان سے بش نے محمود عباس کو اس مدافعانہ اور مصالحانہ کردار کیلئے مزید ہوا دی جو وہ پہلے ہی ادا کررہے تھے۔

اس کانفرنس کے انعقاد کے حوالے سے عرب لیگ کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل محمد صوبہ خان نے کہا کہ امن کانفرنس کی کامیابی کے امکانات کم ہیں۔ ٹونی بلیئر کو بھی یہ باور کرادیا گیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کیلئے امداد پر تو بات کرسکتے ہیں مگر اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان تنازع کے حل کیلئے مذاکرات کا راستہ اختیار نہیں کرسکتے۔ انہیں پس پردہ سمجھادیا گیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو ایسے معاہدے کی قبولیت پر قائل کریں، جس میں ہرصورت فائدہ اسرائیل کو ہو۔ امریکہ کو ایسے شخص کی ضرورت تھی جو فلسطینیوں کو ٹریپ کرسکے۔ ٹونی بلیئر کو کسی قوم کے آپسی اختلافات کو ہوا دینے اور انہیں ایک دوسرے سے برسرپیکار رکھنے میں بھی شہرت حاصل ہے۔ امریکی مفادات اور خواہشات کیلئے ٹونی بلیئر نے ہمیشہ سرگرم کردار ادا کیا ہے۔ اسرائیل کا ٹارگٹ فلسطینی ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل کی کوشش یہی ہے کہ کسی بھی چال کے ذریعے عرب ممالک کو اس طرح سے پھنسالیا جائے کہ وہ اسرائیل کی ناجائز ریاست کو بھی تسلیم کریں اور اپنے علاقوں سے بھی دستبردار ہوجائیں۔ اس کیلئے وہ کبھی تو مذاکرات کا ڈھونگ رچاتا ہے اور کبھی امن کانفرنس کا جال بچھاتا ہے۔

❖♦❖

امن کا سفر کسی بھی جہت میں ہو پیش قدمی جاری رہنی چاہئے، کیونکہ پیش قدمی سے ہی مسائل کا حل نکلتا ہے اور منزل تک پہنچنے کا راستہ ملتا ہے۔ اسرائیل مخالف ہونے کے باوجود فلسطینی تنظیم حماس کا طویل عرصے کیلئے جنگ بندی پر غور اور الفتح کو مذاکرات کی دعوت ایک مثبت قدم ہے جس کیلئے حماس کو سراہا جانا چاہئے تھا، مگر دوسری طرف سے اس کا حوصلہ افزا جواب ہی بہتر نتائج لاسکتا تھا۔ حماس کے غزہ کا قبضہ چھوڑنے اور صدر محمود عباس کی الفتح سے مذاکرات کے آغاز میں آمادگی کے اقدام کو بہتر نتائج کیلئے روبہ کار لانے کے بجائے اسرائیل نے حماس کے خاتمے کیلئے محاذ کھول دیا ہے۔ اسماعیل ہانیہ نے اپنے بیان میں حماس کے قبضے کو عارضی قرار دیتے ہوئے مذاکرات کا سلسلہ بحال کرنے پر آمادگی بھی ظاہر کی تاکہ فلسطینی عوام کے مصائب وتکالیف کا خاتمہ ہوسکے۔ فلسطینی امن وسکون کے ساتھ اپنے وطن میں زندگی گزار سکیں اور ان کو اسرائیلی فوج کے

مظالم سے نجات مل سکے۔ حماس نے مذاکرات سے کبھی بھی انکار نہیں کیا' مگر وہ اسے امریکہ' یورپ یا غیر مسلم طاقتوں کی زیر نگرانی یا سرپرستی میں کرنے کے بجائے مسلم ممالک' سعودی عرب اور مصر کی ہمراہی میں کرنے کی خواہاں ہے۔ اسی لئے حماس کے رہنما اور معزول وزیر اعظم اسماعیل ہانیہ نے مذاکرات کے آغاز کو خوش آئند قرار دینے کے ساتھ ساتھ فلسطینی صدر محمود عباس کو خبردار کیا ہے کہ وہ مذاکرات کے کسی بھی دور میں اسرائیل کو کسی قسم کی رعایتیں مہیا نہ کریں۔ امن کانفرنس کا انعقاد نہ صرف فلسطینی مقاصد کے حصول کیلئے خطرے کا باعث ہوگا بلکہ اس سے پوری عرب قوم کو نقصان پہنچے گا۔ واضح رہے کہ حماس نے امریکہ کی نگرانی میں ہونے والی امن کانفرنس کے نتائج کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ہنوز وہ اس پر مطمئن نہیں ہے۔ فلسطین کے مسئلے کیلئے امن کانفرنس کا انعقاد کا شوشہ امریکہ نے چھوڑا ہے۔ اس کانفرنس میں اسرائیل کے مفادات کا تو خیال رکھا گیا ہے مگر اس کے ایجنڈے میں فلسطینی عوام کے مسائل کے حل کیلئے کوئی مثبت اور ٹھوس تجویز موجود نہیں۔ فلسطینی عوام کے تحفظات کا اس میں ذرہ برابر بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ حماس کے اسی سخت مؤقف اور اصول پسند رویے کے باعث اسرائیل نے حماس کے خلاف بڑے آپریشن کی تیاریاں مکمل کرلیں۔ حماس کے قائدین نے بھی جواباً 50 ہزار فلسطینی فدائین اور سینکڑوں کی تعداد میں خودکش حملہ آور تیار کرنے کا عندیہ دیا۔ فلسطینی فدائیوں کی جانب سے راکٹ حملے کو جواز بنا کر اسرائیل اپنے فضائی حملوں' ٹارگٹ کلنگ اور کمانڈو حملوں کو جائز ثابت نہیں کرسکتا۔ حماس کے نظاریان نے کہا ہے کہ حماس کے 50 ہزار مسلح اور جنگ آزمودہ جانباز اسرائیل کے بڑے فوجی حملوں کا سامنا کرنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ حماس کے قائدین اسرائیل کے خلاف جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے ان مجاہدین کے جذبہ سرفروشی سے بے حد متاثر ہوئے۔ کہا جا رہا ہے کہ حماس کو ایران کی جانب سے فنڈز کی فراہم کی گئی ہے اور حماس نے لبنان کے چھاپہ مار گروپ حزب اللہ کی فوجی حکمت عملی کو اپنانے کی مشقیں کی ہیں۔ اسرائیل کی مکمل تباہی کا عزم رکھنے کے باوجود حماس کی جنگ بندی کی پیشکش کو ٹھکرا دیا گیا اور امن کانفرنس کا واویلا برپا کر دیا گیا ہے۔ امن کانفرنس کیلئے شام کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی مگر اس نے اس میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ شام کا کہنا تھا کہ اگر اس کانفرنس میں اس کے بھی تحفظات پر بات کی جائے تو وہ شرکت کیلئے آمادہ ہے۔ 1966ء سے اسرائیل نے گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ جما رکھا ہے۔ شام اس وقت سے اسرائیل کے ساتھ حالت جنگ میں ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ خود اسرائیل کے ساتھ اس کی اپنی لڑائی اور جنگ چل رہی ہے' اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ امن کانفرنس میں فلسطین کے مسئلے کے حل کیلئے شرکت کرے اور خود اس کا اپنا مسئلہ ہنوز لٹکا ہوا ہو' کسی صورت ممکن نہیں۔ شام اپنے اور مسئلہ فلسطین

دونوں کے حل کیلئے بات چیت چاہتا ہے' مگر اسے اور حماس کو امریکہ یا برطانیہ کی ثالثی پر ہرگز اعتبار نہیں۔

فلسطینی تنظیم حماس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی مخالف تنظیم الفتح سے مفاہمتی بات چیت کیلئے تیار ہے' کیونکہ وہ امن کے کسی موقع کو گنوانا نہیں چاہتی۔ اسماعیل ہانیہ نے حماس کی ویب سائٹ پر یہ بھی کہا کہ وہ جون میں الفتح سے چھینا گیا غزہ کا کنٹرول بھی واپس کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں۔ اسماعیل ہانیہ نے ساحلی علاقے پر حماس کا قبضہ عارضی قرار دیتے ہوئے اپنے مؤقف کو دوبارہ دہرایا کہ وہ کسی بھی عرب ملک کے دارالحکومت میں بات چیت کیلئے تیار ہیں۔ حماس کا رویہ جتنا مثبت اور خوش آئند ہے الفتح اور اسرائیل کا رویہ اس کے مقابلے میں حوصلہ افزا ہونے کے بجائے حوصلہ شکن اور بددیانتی کے اصولوں پر مبنی نظر آ رہا ہے۔ وہی الفتح اور اسرائیل جو کہ عرصہ دراز سے حماس پر مذاکرات کیلئے زور دے رہے تھے' اب مذاکرات کیلئے حماس کی دعوت کو بھی ایک ڈھونگ قرار دیتے ہیں۔ الفتح کے ایک سینئر افسر احمد عبدالرحمان نے حماس کی اس دعوت کے حوالے سے کہا کہ حماس کے ساتھ کسی قسم کے مذاکرات کا کوئی منصوبہ نہیں اور حماس عوام کو گمراہ کر رہی ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ انہیں اس قسم کے مذاکرات کے بارے میں کوئی خبر تک نہیں۔ اسماعیل ہانیہ کے ایک مشیر احمد یوسف نے اس کے ردعمل پر دوبارہ اعادہ کیا کہ حماس نے کبھی مذاکرات سے انکار نہیں کیا۔ حماس ہمیشہ سے ہی الفتح کے ساتھ مذاکرات کے دوبارہ آغاز کی خواہاں رہی ہے' مگر ہمیشہ سے ہم یہ کہتے آ رہے ہیں کہ ہم مذاکرات کی میز پر معاملات کے بارے میں بات کرنے کو تیار ہیں' لیکن اگر اس کا اہتمام مصر یا سعودی عرب جیسے ممالک کریں۔ احمد یوسف نے یہ بھی کہا کہ ان کی تنظیم فلسطینی ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ایک طرف مذاکرات کی باتیں چل رہی ہیں' دوسری طرف اسرائیل کا ہاتھ مظالم کی جانب دراز ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اسرائیلی طیاروں نے غزہ میں پانچ فلسطینی مجاہدین کو ہلاک کر دیا اور متعدد کو زخمی کر دیا۔ ان میں سے دو کا تعلق اسلامی جہاد گروپ سے تھا' جبکہ محمود حسونہ کا تعلق حماس سے تھا۔ اسرائیل نے اس حملے کے بارے میں ہمیشہ کی طرح الزام حماس پر ہی عائد کیا ہے کہ ابتداء اس طرف سے ہوئی' فلسطینی مجاہدین نے کم از کم 20 راکٹ اور مارٹر شیل اسرائیل پر فائر کئے۔ ایک طرف فلسطینی مجاہدین پر ظلم کا سلسلہ جاری ہے' دوسری طرف اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ اور فلسطینی صدر محمود عباس مذاکرات کے عمل کو آگے بڑھانے کیلئے بات چیت کر رہے ہیں۔

دونوں رہنماؤں نے دو اڑھائی گھنٹے کی ملاقات میں اگلے مہینے مسئلے کے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کیلئے آمادگی ظاہر کی۔ انہوں نے رضامندی ظاہر کی کہ جتنی جلدی ہو سکے امن کے فارمولے

پر اتفاق رائے ہونا چاہئے۔ دونوں نے معاہدے کے بارے میں اسے بین الاقوامی امن منصوبے
کے تحت بنانے پر زور دیا۔ اسے امریکہ کے روڈ میپ کا حصہ بنانے کیلئے منصوبہ ترتیب دیا۔ عباس
اور اولمرٹ نے فوری طور پر روڈ میپ کے پہلے حصے پر عمل کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ محمود عباس نے
غزہ کی پٹی پر بجلی منقطع کرنے پر اسرائیل کے رویے پر اعتراض کیا۔ اسرائیل روڈ میپ کے پہلے
حصے پر جلد از جلد عمل کروانے کا خواہاں ہے، جس کے مطابق تشدد کا خاتمہ، صہیونی ریاست کی
موجودہ حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے مزید پھیلاؤ کا انجماد، مارچ 2001ء سے بننے والی چوکیوں کا
خاتمہ، ان شرائط کو فلسطینی عوام کے مسائل کا حل قرار دیا جا رہا ہے۔ گزشتہ دنوں اسرائیل نے
فلسطینیوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ معاہدے کی ان شقوں سے بڑھ کر کچھ اور کے خواہاں ہیں، جبکہ
فلسطینیوں نے اسرائیل پر مقررہ ٹائم ٹیبل سے ہٹنے اور ان شرائط میں ردوبدل کا الزام لگایا۔ فلسطینی
تنظیموں کا مؤقف یہ ہے کہ صرف ان شرائط سے فلسطینی عوام کے مسائل کا حل ممکن نہیں۔ فلسطینی
کشمکش اور محاذ آرائی کے خاتمے کیلئے اہم مسائل پناہ گزینوں کا مسئلہ، یروشلم کا مسئلہ حل کرنا بہت
ضروری ہے، جبکہ ان دونوں معاملات پر اسرائیل کوئی ٹھوس اور جامع پلان ابھی تک پیش نہیں
کر سکا۔ الفتح اور اسرائیل آپس میں تو مفاہمت کیلئے بات چیت کر رہے ہیں مگر حماس کی طویل
عرصے کیلئے جنگ بندی کی پیشکش کو صہیونی ریاست مسترد کر چکی ہے۔ اسرائیل نے حماس کو مکمل
طور پر کچل دینے کا تہیہ کر رکھا ہے، اس لئے کہ اسرائیل اور الفتح کو اس حقیقت کا ادراک ہے کہ جلد یا
بدیر حماس مغربی کنارے پر بھی حاوی ہو جائے گی۔ وہ اسے طاقت پکڑنے سے قبل ہی ختم کر دینا
چاہتے ہیں۔ اسرائیل اور امریکہ نے مشرق وسطیٰ امن کانفرنس کا پرچار گرم کر رکھا ہے۔ یہ کیسی
امن کانفرنس ہے کہ حماس کے خلاف مذاکرات کی پیشکش کے باوجود بھی بڑے آپریشن کی تیاریاں
کی جا رہی ہیں۔ مشرق وسطیٰ کی وہ عرب ریاستیں جو کہ حماس کی حمایتی ہیں، کیا اسرائیل کے اس
اقدام کو ہضم کر پائیں گی اور امن کانفرنس میں امن کے قیام کیلئے متفق ہو پائیں گی۔ کیا حماس کو اس
کانفرنس سے باہر رکھ کر اسرائیل امن کے حصول میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کو پتہ ہے کہ
ایسا ممکن نہیں، اس لئے وہ حماس کو مذاکرات سے باہر رکھنے کے ساتھ ساتھ بلکہ اس کی بقا و استحکام
ہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اسرائیل غزہ کی پٹی کو دشمن علاقہ قرار دے چکا ہے، اس نے غزہ کی پٹی کو
ایندھن اور بجلی کی فراہمی بڑی حد تک معطل کر رکھی ہے۔ حتیٰ کہ اسرائیل کے اس ظالمانہ رویے پر
اقوام متحدہ کی مہاجرین کی ایجنسی کے کمشنر جنرل نے اسے غیر انسانی اور غیر قانونی اقدام قرار دیا
ہے۔ اسرائیل نے غزہ کی پٹی پر 38 برس تک اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ 2005ء سے یہاں سے فوج
اور اپنے آباد کاروں کو واپس بلانے کے باوجود آج بھی اس پٹی پر اسرائیلی قبضہ ہے۔ سرحدوں،

پانی، بجلی اور فضائی حدود سب پر اسرائیل کا تسلط ہے۔ غزہ میں حماس کی حکومت کے قیام کے وقت
سے امن و امان مثالی ہے۔ اسماعیل ہانیہ نے امن مذاکرات کے حوالے سے عرب ملکوں پر زور دیا
تھا کہ عالمی استعمار کی اس کانفرنس سے مثبت نتائج کی توقع عبث ہے۔ امریکہ اس کانفرنس میں
عرب ممالک کو بلا کر کوئی متفقہ منصوبہ تیار نہیں کرے گا بلکہ وہ ایک چال کے ذریعے اسرائیل اور محمود
عباس کے درمیان طے پانے والے مشترکہ اعلامیے کی توثیق عرب ریاستوں سے کروائے گا۔ گویا
عرب ریاستوں کا کردار صرف اس کی تائید کرنا ہوگا نہ کہ اس کی تشکیل میں شرکت، اتفاق یا اختلاف
رائے کا اظہار۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے مشترکہ اعلامیے کے متعلق نومبر میں معاہدہ طے پا جانے
کی نوید دی ہے۔ محمود عباس کے بیان کے مطابق مشرق وسطیٰ امن کانفرنس میں 12 عرب ممالک،
تین مسلم ممالک، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان اور جی 8 ممالک سمیت کم از کم
36 سے 40 ممالک شرکت کریں گے۔ محمود عباس کا یہ اعلان ایک سٹیج ڈرامہ ہے، جو کہ دنیا کو بظاہر
فلسطینی عوام کے مسائل کے حل کیلئے راضی کرنے پر تیار کیا گیا ہے، مگر پردے کے پیچھے صہیونی
عزائم اور الفتح کی اقتدار کی ہوس کے ارادے پوری طرح جھلک رہے ہیں۔ اگر عرب ممالک امن
کانفرنس میں شقوں پر مطمئن نہیں ہوتے تو اس کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں۔ 2000ء
میں کیمپ ڈیوڈ میں مشرق وسطیٰ کے حوالے سے ہونے والی سربراہی کانفرنس عرب ممالک کی
حمایت حاصل نہ ہونے پر ناکام ہو گئی تھی۔ اب مشرق وسطیٰ امن کانفرنس میں شرکت کے حوالے
سے سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک متذبذب ہیں اور وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ اس
کانفرنس کے حوالے سے انہیں یقین دلایا جائے کہ اس کانفرنس کے ذریعے واقعی مسئلہ فلسطین کا
حقیقی حل ممکن ہو سکے گا۔ آیا اس کانفرنس کے ذریعے فلسطینی سرحدوں کا تعین، بیت المقدس، اسرائیلی
آباد کاروں کی بستیوں کو محدود کرنا اور فلسطینی مہاجرین کے اہم مسائل اور ان کی آباد کاری جیسے
مسائل کا حل ممکن ہو سکے گا۔ انہیں امریکہ کی چھتری تلے ہونے والی اس کانفرنس کے بارے میں
خدشہ ہے کہ اس کانفرنس کا فائدہ استعماری طاقتوں اور اسرائیل ہی کو جائے گا۔ عرب ملکوں کو
امریکہ ابھی تک اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے پایا۔ اگر امریکہ اور اسرائیل واقعی مسئلہ فلسطین
کے حقیقی حل کے خواہاں ہوں تو وہ حماس کو اس سے باہر رکھنے کے بجائے اسے بھی مذاکرات کے
اس عمل کا حصہ بنائیں۔ حماس بھی اس میں ایک اہم فریق ہے۔ حماس کی شرکت کے بغیر امن کے
قیام کی ضمانت کیسے دی جا سکتی ہے۔ اگر امریکہ اور اسرائیل کسی مشترکہ منصوبے پر متفق ہوتے ہیں
تو مقصد یہی ہے کہ عرب ملکوں کو نام نہاد امن کے نام پر اکٹھا کر کے اپنے مفادات کا تحفظ یقینی بنا لیا
جائے، اور رہ گئی حماس، تو اس کو بزور طاقت کچل دیا جائے۔ سعودی عرب امن کا خواہاں ہے، اس

کیلئے اس نے ایک قابل عمل امن منصوبہ تجویز کیا ہے' جس کے تحت عرب ممالک کی جانب سے اسرائیل کو اس شرط پر تسلیم کیا جائے گا اگر وہ 1967ء کی مشرق وسطیٰ جنگ کے دوران قابض ہو جانے والے علاقوں سے دستبردار ہو جائے۔ فلسطینی ریاست کے قیام کے حق کو تسلیم کر لے۔ ان پناہ گزینوں کی آباد کاری کرے، جو اسرائیل فلسطین جنگ کے دوران لبنان' اردن' شام اور دیگر ممالک میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسرائیلی فوج حماس کے خلاف ہنوز کارروائیوں میں ملوث ہے۔ اسرائیلی دستوں نے حماس کے خلاف آپریشن کے دوران حماس کے 3 مجاہدین کو ہلاک کر دیا' جس پر اسرائیلی فوج کا کہنا تھا کہ یہ سب وہ دہشت گردوں کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے کر رہا ہے۔ اسرائیل حماس پر حملہ نہیں کر رہا بلکہ بقول اس کے دہشت گردوں کا خاتمہ کرنے کیلئے ان کے نیٹ ورک کو توڑ رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے نمائندے بان کی مون نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے صہیونی ریاست کے اس اقدام کی مذمت کی کہ اس سے غزہ کی پٹی پر آباد تمام آبادی کو نقصان ہوگا۔ بان کی مون نے اسرائیل کو اپنے اقدامات پر غور و فکر کرنے پر زور دیا اور کہا کہ اسرائیل اپنے تمام اقدامات کا جائزہ لیتے ہوئے اسے خالصتاً انسانی بنیادوں پر تشکیل دے' تاکہ بین الاقوامی قوانین کے تحت شہریوں کا تحفظ ممکن ہو سکے۔ ایندھن اور بجلی کی سپلائی کے منقطع کرنے سے غزہ کی پٹی پر آباد 1.4 ملین لوگوں کو بدحالی اور تباہی و بربادی جیسے سنگین خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بان کی مون نے اسرائیل کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ فلسطینی تنظیموں خصوصاً حماس کو بھی مفاہمتی رویہ اپنانے کی تاکید کی اور کہا کہ وہ اسرائیل کو اپنا ٹارگٹ نہ بنائے۔ ایہود اولمرٹ نے امن کے منصوبے پر بات کرتے ہوئے روشن پہلوؤں اور رجائیت پسندی کا حوالہ دیا' مگر کیا وہ پوری ایمانداری' ہمت و جرأت اور منطق پسندی کے ساتھ اس منصوبے کو لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کی کانفرنسیں صرف نمائشی ہو کر رہ جاتی ہیں' بے معنی اور بے مقصد جن سے مسئلے کا حل ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں اصل چیز یہ ہے کہ بات چیت کا ہونا' کیونکہ جب آپ بات کر رہے ہوتے ہیں تو آپ چلاتے نہیں۔" یعنی آپ کچھ سنتے ہیں اور کچھ سناتے ہیں۔

سننے اور سنانے کے اس عمل سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور مسئلے کے حل کیلئے بڑے نہ سہی، چھوٹے قدم ضرور اٹھتے ہیں' لیکن اگر بات چیت کو مقصد کے تحت کیا جائے' بات چیت کو صرف بات برائے بات یعنی گفتگو برائے گفتگو کے طور پر لیا جائے تو مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اور لمبا ہو جاتا ہے۔ مسئلہ ختم نہیں ہوتا اور گہرا ہو جاتا ہے۔ مایوسی بڑھ جاتی ہے اور چیخ و پکار کبھی نہیں رکتی۔

اگر اسرائیل واقعی مایوسی کا خاتمہ اور چیخ و پکار کے بجائے امن و سکون کا متلاشی ہو تو وہ حماس

کا مذاکرات کیلئے بڑھا ہوا ہاتھ جھٹلانے کے بجائے تھام لے اور الفتح کے ساتھ ساتھ حماس سے بھی مفاہمتی اور مصالحانہ انداز اپنائے تاکہ حقیقی امن کا قیام ممکن ہو سکے۔

❖♦❖

مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام کیلئے ضرورت ہے کسی ذہانت یا معجزے کی۔ ایسی ذہانت جس میں صدر جارج بش نہ جھلکتا ہو اور نہ ہی اس کی انتظامیہ کے منصوبے داد طلب کر رہے ہوں' کیونکہ یہ جارج بش اور اس کی انتظامیہ کی ذہانت و فراست ہی تو تھی جس نے مشرق وسطیٰ کے معاملے کو سنگین ترین بنا دیا۔ مشرق وسطیٰ میں امن کے بخیے ادھیڑ کر پھر امن کی تلاش کیلئے ہی بش کا اپنی ذہانت کا استعمال اچنبھے کی بات ہرگز نہیں۔ بش اس پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے عادی ہیں۔ اس وقت ذہانت و فراست میں صدر بش اکیلے نہیں بلکہ ان کے ہم ساز فرانس کے صدر نکولس سرکوزی بھی ہیں۔ یعنی ذہانت صدر بش میں ہے اور معجزہ یا کرشمہ کر دکھانے کا کمال سرکوزی میں ہے۔ ٹونی بلیئر کے امریکہ سے وفاداری دکھانے کے عمل کی پیروی اب نکولس سرکوزی کر رہے ہیں۔

سرکوزی اور ان کے وزیر خارجہ برنارڈ کوچز بھی ان شخصیات میں ہیں جو کہ بڑے دھڑے سے دنیا بھر میں مسلمانوں کا استحصال کر رہے ہیں۔ سرکوزی اور اس کی انتظامیہ کا سٹائل اور پیرس کے دیگر ممالک سے تعلقات ٹونی بلیئر سے مماثل ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن کی تلاش امریکہ اور فرانس کا ڈھونگ ہے۔ حقیقی امن تک پہنچنے کیلئے دونوں کی کوئی مساعی دکھائی نہیں دیتی۔ بش نے پہلے عراق کو جنگ میں دھکیلا اور اپنے مقاصد کی کامیابی یا ناکامی سے قطع نظر اب وہ وہاں سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ عراق سے نکلنے کے بعد اس کیلئے اس کا اگلا ہدف ایران یا پھر شام بھی ہو سکتا ہے۔ صدر بش وائٹ ہاؤس کو چھوڑنے سے پہلے کچھ کر دکھانے کا عزم رکھتے تھے۔ اس کچھ کر دکھانے کے عزم کیلئے انہوں نے بہت سی جنگیں چھیڑیں۔

دنیا کے امن و سکون کو تہہ و بالا کیا۔ عراق کے صدر صدام حسین کو موت کے گھاٹ اتارا اور عراق کے عوام کو آپس میں ہی دست و گریباں کر دیا۔ وائٹ ہاؤس یعنی عہدہ صدارت کو چھوڑنے سے پہلے اب وہ مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام کیلئے کوشاں تھے۔ علاوہ ازیں تہران کو سبق سکھانا بھی ان کا مقصد اولین ہے۔ اس لئے اب وہ ایسی غلطیوں سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں اور اپنی سابقہ غلطیوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دینے کے خواہاں ہیں۔ ان کی نگاہیں اس کیلئے فلسطین پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ فلسطینی تحریک آزادی کو مفلوج کر دینا چاہتے ہیں۔ امن منصوبہ کے قیام سے وہ اسے اتنا کھوکھلا کر دینا چاہتے ہیں کہ اس میں کچھ بھی باقی نہ رہے۔ آزادی کیلئے سرگرم فلسطینی مجاہدین

کے دم خم کو ختم کرنے کیلئے وہ تمام عرب ممالک کو امن منصوبہ پر متفق کر دینا چاہتے ہیں' اس میں وہ دہری چال چل رہے ہیں۔ ایک طرف تو وہ فلسطینیوں کے حقوق کیلئے بات کر رہے ہیں' دوسری طرف وہ عرب ممالک سے سرٹیفکیٹ حاصل کر لینا چاہتے ہیں تاکہ فلسطینی جدوجہد آزادی کو دہشت گردی قرار دے کر اس کا سر کچلا جا سکے۔ امن کانفرنس کی آڑ میں یہ ایک سرٹیفکیٹ ہے جو کہ وہ عرب دنیا کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاستوں اور یورپی ممالک سے بھی منظور کروانا چاہتے ہیں' بلکہ اس کی تائید و توثیق کروانا چاہتے ہیں۔ یہ منصوبہ جن شرائط پر ترتیب دیا گیا ہے وہ صرف تل ابیب کے مفاد میں ہے۔

بش کے مقاصد کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی' چاہے وہ مشرق وسطیٰ ہے' افریقہ یا پھر جنوبی ایشیا۔ واشنگٹن میں اس کی انتظامیہ میں بھی یکجہتی کا فقدان ہے۔ واشنگٹن میں نائب صدر ڈک چینی اور اس کے درمیان تفاوت واضح ہوتی جا رہی ہے۔ علاقے کی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے عدم استحکام اور انتظامی پہلوؤں پر بات چیت کرتے ہوئے ان کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امن کانفرنس سے متفق نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ وہ کئی معاملات پر اپنے اور کنڈولیزا رائس کے درمیان اختلافات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ بش کا اپنا کیمپ اس وقت کمزور ہے۔ بش اس وقت اپنے دشمنوں کے خلاف شدت پسندانہ عزائم اور رویے کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ امریکن فوج اور امریکی صلاحیتوں کو محاذ آرائی کی جنگ میں جھونک کر وہ دنیا کو نئی جنگوں کی طرف لے کر جا رہا تھا۔

فلسطین میں محمود عباس فلسطینی مسئلے کے حل کیلئے صدر اور ایمل لہود اسرائیلی وزیراعظم کے ساتھ سر جوڑے بیٹھے ہیں۔ محمود عباس اسرائیلی وزیراعظم کے ساتھ گفت وشنید براہ راست کر رہے ہیں' مگر اس کے باوجود بھی مسئلے کی کامیابی کے امکانات معدوم ہیں۔ اس بات کی توقع نہیں نظر آ رہی کہ مشکل ترین مذاکرات سے گزر کر بھی کوئی متفقہ حل ممکن ہو سکے گا۔ چند نکات پر متفق ہونے کے علاوہ کوئی ٹھوس حل سامنے آنے کی توقع نہیں۔ نیو روڈ میپ منصوبہ 20 سال کے بعد دوبارہ بات چیت کا آغاز ہے۔

محمود عباس جس امن کیلئے مسلم دشمن طاقتوں سے محو گفتگو ہیں' اگر وہ کوئی حتمی منشور ترتیب دے بھی لیتے ہیں تو ممکن نہیں کہ عرب ریاستوں کو اس پر قائل کیا جا سکے۔ حماس اور حزب اللہ کی آزادی کی تحریک کو کیسے ٹھنڈا کیا جا سکے گا۔

محمود عباس اگر حماس سے مذاکرات کے بارے میں سنجیدہ ہو بھی جائیں تو بش کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ الفتح اور حماس یکجا ہوں۔ کیونکہ الفتح اور حماس کی یکجائی اسرائیل کے خلاف ہے۔ محمود عباس اگر اسرائیل کے ساتھ مل بیٹھے ہیں تو دوسری طرف غزہ کی پٹی پر انہیں پھر بھی مزاحمت کا

سامنا رہے گا اور حماس سے محاذ آرائی جاری رہے گی۔ حماس جسے کہ واشنگٹن انتظامیہ دہشت گرد تنظیم قرار دیتی ہے۔ حماس کا نام بھی حزب اللہ' ایران' شام وغیرہ کی طرح واشنگٹن کے دشمنوں کی صف میں آتا ہے۔ اسرائیل امن کانفرنس کے سلسلے میں بڑا سرگرم اور پرجوش ہے' کیونکہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس سے فلسطینی عوام کے مسائل کا کوئی حل نہیں نکلے گا۔ وہ ایسا کوئی حل نکلنے دے گا بھی نہیں جو کہ محمود عباس کو یہ کہنے پر مجبور کر دے کہ وہ اس روڈ میپ پلان سے ایک قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔

وہ تصفیہ کروانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ جس کی فلسطینی خواہش رکھتے ہیں۔ ایہود اولمرٹ اس کوشش میں بھی ہیں کہ وہ امریکی سپورٹ زیادہ سے زیادہ حاصل کریں اور ایک مدبر اور زیرک سیاستدان کی طرح اس مسئلے سے نبٹیں کہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور بھینس بھی مر جائے۔ اس سے وہ جولائی 2006ء میں لبنانی مزاحمت میں ہونے والی شرمندگی کا کچھ ازالہ بھی کر سکیں گے۔ امن کانفرنس میں صہیونی عزائم کا حصول انہیں نیتن یاہو کا سامنا کرنے کے بھی قابل بنا دے گا' جس کا ستارہ روز بروز عروج پر ہے۔ عرب ممالک' اردن' مصر مسئلے کے حل کیلئے اپنی سی کوششیں کر چکے ہیں۔ اسرائیل کے ساتھ مصالحت اور امن معاہدہ کیلئے ان کا اپنا ایک مؤقف ہے' مگر اب ان سے جو توقع کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے تصورات اور نظریے کو سپورٹ کریں۔

عرب ممالک کو بھی اس بات پر اعتراض ہے کہ اس کا ایجنڈا واضح نہیں ہے۔ وہ بھی مسئلہ فلسطین کا حل چاہتے ہیں مگر کچھ معاملات کے متعلق حتمی نتیجے پر پہنچنے کے بعد۔ یروشلم' مہاجرین' سرحدوں کا تعین اور فلسطینی ریاست یہ وہ معاملات ہیں، جن کے بغیر وہ اس کانفرنس کے ایجنڈے کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ مگر بش اور امریکی انتظامیہ اس کوشش میں ہے کہ کچھ عرب شخصیات کو اپنا باج گزار یا شکر گزار بنا کر امن کانفرنس میں شرکت کیلئے گھیر لیا جائے' جیسا کہ لبنانی وزیراعظم جو کہ اپنے مقاصد اور اپوزیشن کا سامنا کرنے کیلئے بین الاقوامی خصوصی امریکی حمایت حاصل کرنے کیلئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ دیگر عرب ممالک کو بھی اپنے مکارانہ مقاصد کو خلوص کے پردے میں لپیٹ کر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

امن مذاکرات فی الحال تو ناکام ہی نظر آتے ہیں۔ بش انتظامیہ اپنی تمام تر ذہانت کے ساتھ صہیونی ریاست کو سہولتیں اور رعایتیں مہیا کرنے میں ناکام ہو رہی ہے۔ اولمرٹ اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتا ہے' جبکہ محمود عباس حماس کے خلاف بدلے کی آگ میں جھلس رہا ہے۔ عرب ممالک اپنے نظریے سے ہٹنے کو تیار نہیں۔ بش انتظامیہ سرکوزی کے ساتھ مل کر مسلم دنیا کے خلاف محاذ گرم رکھے ہوئے ہے اور اپنے اہداف کیلئے دنیا کو فٹبال بنائے ہوئے ہے۔ امن کانفرنس بش

کی چالوں سے تو کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دے رہی۔ اگر سرکوزی کی فراست کام کر جائے تو شاید صیہونی ریاست کا کام بن جائے۔ سرکوزی سے معجزے کی توقع کیا عبث ہے؟ جبکہ وہ بش کا ساتھ دے کر اپنی فراست میں اضافہ بھی کر چکے ہیں۔

بش انتظامیہ ہمیشہ سے اپنے حریفوں کو جھٹلانے کی عادی ہے۔ مطلب نکل جانے کے بعد وہ پوچھنے کے اصول کی قائل نہیں۔ بش ویٹو پاور استعمال کرنے میں مقبولیت کے حامل ہیں۔ اندرونی سطح پر دہشت گردی کی سرگرمیوں کو روکنے کے حوالے سے جارحانہ عزائم کیلئے وہ مقبول تو ہیں، مگر عوام میں ان کی پالیسیوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی۔ ان کی پالیسیوں کو شروع میں تو سراہا گیا مگر اب وہ بین الاقوامی سطح پر نشانہ بنائی جا رہی ہیں۔ بش عراق میں اپنے 100,000 دستوں کے ساتھ جنگ جیتنے کا عزم لئے ہوئے ہے۔ عراق میں جنگ بش کا ورثہ گنا جائے گا، لیکن اب عراق کے بعد ایران میں جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں جو کہ اپنے نیوکلیائی پروگرام کے حوالے سے مغربی دنیا کو کھٹک رہا ہے۔ عراق کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے کیلئے بش اور ٹونی کا ساتھ مثالی تھا، اب بش کا ساتھ سرکوزی دے رہے تھے۔ اب ہدف ایران اور فلسطینی ریاست کے خواب کو چکنا چور کرنا ہے۔ صدر بش اور صدر سرکوزی عہدے میں بھی مقابل ہیں، اب دیکھیں دونوں کی ذہانت کیا رنگ لاتی ہے۔ دونوں دنیا کو نئی جنگ کی طرف دھکیلنے میں پیش پیش ہیں۔

❖♦❖

مسلمانوں کے رہنماؤں نے ہمیشہ یورپ کے ساتھ بہتر تعلقات کی خواہش کی ہے اور اس مقصد کیلئے مقدور بھر مساعی بھی کی ہے۔ مسلمانوں کی ان کوششوں کو یورپ نے کبھی کھلے دل سے نہیں سراہا۔ نفاق اور منافقت کے بیج ان کے اندر پھوٹتے ہی رہے ہیں۔ شاہ عبداللہ کا دورہ یورپ مسلمانوں اور یورپی دنیا کے درمیان صلح و مفاہمت کیلئے تاریخی اہمیت کا حامل رہا۔ دورہ یورپ کے دوران سعودی عرب کے شاہ عبداللہ کو برطانیہ میں نفرت انگیز رویے کا سامنا کرنا پڑا۔ کیا یہ مسلم دنیا کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی نہیں کہ یورپ مسلمانوں کیلئے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا، وہ ان کے ساتھ ہرگز صلح کا خواہاں نہیں۔ شاہ عبداللہ کے دورہ برطانیہ کے دوران پریس کا رویہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور جانبدارانہ رہا۔ سعودی عرب کو عالم اسلام میں ممتاز مقام حاصل ہے اور والہانہ عقیدت و احترام اس پاکیزہ دھرتی کے ساتھ وابستہ ہے۔ سعودی عرب کو مسلم دنیا کے قائد کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ عالم اسلام اور یورپ کے درمیان 11 ستمبر کے بعد حالات انتہائی کشیدہ ہو چکے ہیں۔ دنیا بھر میں ہونے والی دہشت گردانہ کارروائیوں کیلئے مسلم دنیا کو ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے۔ سعودی عرب کو تو اسامہ، عرب نوجوانوں اور فنڈز کی فراہمی کی وجہ سے خاص طور پر دہشت گردوں

کا منبع قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے میں بہتر یورپ ضروری سمجھا۔ شاہ عبداللہ نے دورہ یورپ کا آغاز برطانیہ سے کیا۔ گزشتہ 20 برسوں میں یہ کسی سعودی حکمران کا پہلا دورہ برطانیہ تھا۔ شاہ عبداللہ کے اس دورہ کو برطانیہ اور سعودی عرب کے درمیان خوشگواری و استحکام کیلئے نہایت خوش آئند قرار دیا جا رہا تھا، مگر شاہ عبداللہ کی برطانیہ آمد پر ایسا لگا، جیسے وہاں کا پریس اور عوام بھرے پڑے ہوں۔ ان کے خلاف منفی کوریج اور اشتعال انگیز نعروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسئلہ فلسطین اور شاہ عبداللہ کے امن مشن کو ناکام بنانے کیلئے پریس کا فوکس شاہ عبداللہ کے ہی ایک تبصرے پر رہا، جس میں انہوں نے دہشت گردی روکنے اور انسانی حقوق کے حوالے سے برطانیہ کو ذمہ دار رویہ اپنانے کی تاکید کی ہے۔ برطانوی پریس کا رویہ اپنی جگہ، مگر اس کے جواب میں عرب اور مسلم دنیا کے میڈیا کو متحرک اور فعال کردار ادا کرنا چاہئے تھا۔ مسلم میڈیا کو چاہئے تھا کہ وہ برطانوی پریس کے لگائے گئے الزامات کا جواب دیتے۔ مسلم دنیا کا غیر فعال اور سست میڈیا ہی ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا مؤقف یورپی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ یہودی مافیا اپنی میڈیا کی طاقت کی بدولت ہی تو پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔

برطانیہ کے اخبارات نے سعودی عرب پر الزام لگایا کہ اس نے برطانیہ اسلحہ معاہدات کے نظام کو بدعنوان کہا۔ برطانیہ کی مساجد میں نفرت انگیز مواد بھی سعودیہ کی پیداوار ہے۔ رابرٹ فسک تجزیہ نگار نے تو سخت الفاظ میں لکھا کہ ”یہ لوگ کس دنیا میں رہ رہے ہیں۔ سعودی عرب کے بادشاہ نے کس طرح دہشت گردی پر لیکچر دینے کی جرأت کی، جبکہ ہم ہی وہ لوگ ہیں، جو اسے فائٹر جیٹ طیارے، وہسکی اور حسینائیں فراہم کرتے ہیں۔ کس طرح آپ ہماری انٹیلی جنس کو نشانہ بنانے کی جرأت کرتے ہیں، جبکہ آپ خود انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے حوالے سے مایوس کن ریکارڈ رکھتے ہیں۔“

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ برطانوی پریس نے شاہ عبداللہ کے دورے کے بنیادی مقاصد سے انحراف کرتے ہوئے مشرق وسطیٰ اور دنیا کی حفاظت جیسے اصل مسائل کے بجائے سعودی عرب پر کیچڑ اچھالنے میں خود کو مصروف رکھا، جو کسی بھی ذمہ دار ملک کے پریس کو زیب نہیں دیتا۔ کیا برطانوی پریس اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ دنیا کی اقتصادیات میں سعودی عرب کا کردار کتنا زیادہ ہے۔ مغربی دنیا تیل کیلئے سعودی عرب پر انحصار کرتی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں برطانیہ کو سعودی عرب کا قریب ترین تجارتی حلیف سمجھا جاتا ہے۔ دہشت گردی مخالف جنگ کے علاوہ بھی مختلف شعبوں میں ان کا تعاون جاری ہے۔ صرف گزشتہ سال برطانیہ سے ساڑھے تین ارب پاؤنڈ کا سامان سعودی عرب کو فروخت کیا گیا۔ برطانیہ کو سعودی عرب کا ٹائی فون جیٹ فروخت کرنے کا

ٹھیکہ بھی مل چکا ہے۔ سعودی عرب اور برطانیہ میں 1980ء کی دہائی میں اسلحہ معاہدے کے سبب تلخی پیدا ہوئی تھی۔ 1980ء میں سعودی برطانوی اسلحہ معاہدوں میں کرپشن کے الزامات کی تفتیش کے حوالے سے برطانیہ نے سعودی شہزادوں کے سوئٹزر لینڈ بینک کھاتوں کی تحقیقات کی بات کی۔ اس پر سعودی عرب نے دونوں ملکوں کے درمیان دہشت گردی کے معاملات پر تعاون ختم کرنے کی دھمکی دی تھی۔ کرپشن کے خلاف کام کرنے والے کارکنوں نے اس وقت احتجاج کیا تھا' مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا' لیکن دوبارہ تلخی اس وقت پیدا ہوگئی، جب دورہ برطانیہ کے آغاز کے وقت شاہ عبداللہ نے شکایت کی کہ دہشت گردانہ حملوں کے متعلق سعودی عرب نے برطانیہ کو معلومات فراہم کی تھیں' مگر برطانیہ نے نوٹس نہیں لیا۔ 2005ء میں ہونے والے حملوں کو بروقت نوٹس لے کر روکا جا سکتا تھا۔ شاہ عبداللہ نے ملکہ الزبتھ سے ملاقات کے دوران برطانیہ کو فلسطینی المیے کے خاتمے کیلئے آگے آنے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم امن مذاکرات کو ترجیح دیتے آئے ہیں' آپ کی باوقار حکومت ہمارے فلسطینی بھائیوں کے المیے کو ختم کرنے میں بھرپور مدد کرے گی۔ شاہ عبداللہ کی فہم وفراست کو پوری دنیا میں سراہا جا رہا ہے۔ وہ مسئلہ فلسطین کے حل میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ 2002ء میں انہوں نے فلسطین کے حوالے سے ایک امن منصوبہ بھی تشکیل دیا تھا۔ الفتح وحماس کے درمیان تنازع کو حل کروانے کیلئے انہوں نے مکہ معاہدہ کروایا تھا۔ عالم اسلام نے اس پر ان کی خوب ستائش کی تھی۔ انہوں نے برطانیہ کے اس اہم دورہ پر تین دورکنی معاہدات پر دستخط کئے، جن میں ٹیکس سے متعلق دو معاہدات اور وزرائے خارجہ کے مابین سیاسی مصلحت سمیت تکنیکی و پیشہ ورانہ تربیت کیلئے یادداشت مفاہمت پر دستخط کئے۔ برطانوی ذرائع ابلاغ کا رویہ شاہ کے ساتھ منفی رہا' انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا الزام لگایا گیا۔ برطانوی پریس' سیاستدانوں' تجزیہ نگاروں کو یاد رکھنا چاہئے کہ عرب ممالک کی تیل کی دولت اور مسلم ممالک کے وسائل کی وجہ سے ہی وہ اپنے ملکوں میں عیش وآرام اور ترقی یافتہ ممالک بنانے میں کامیاب ہوئے۔ سعودی عرب پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والا میڈیا بھول گیا ہے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے حوالے سے یورپ بھی کم نہیں۔ عراق' افغانستان' گوانتاناموبے کے قیدی' وہ کون سا ظلم ہے، جو اس نے انسانوں کے ساتھ روا نہیں رکھا۔ سعودی عرب کی جیلوں میں سیاسی قیدیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں جتنی کہ اسرائیل کی جیلوں میں ہے۔ تناسب کا تعین یورپ کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ سعودی خواتین شاہ عبداللہ کو خواتین کو حقوق دینے کے حوالے سے سراہتی ہیں۔ ان کے سکارف پر شاہ کی تصویر اس بات کی علامت ہے کہ وہ سعودی شاہ کی مداح ہیں' ایسا کرنے کیلئے ان سے کسی نے نہیں کہا' یہ سب وہ اپنی مرضی سے کرتی ہیں۔ ان کا شاہ کیلئے یہ اظہار عقیدت

دراصل ان کو سپورٹ کرنا اور ان کی اصلاحات کو سراہنا ہے، جو وہ سعودی معاشرے میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ شاہ عبداللہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ برطانیہ دہشت گردی کو روکنے میں سنجیدہ نہیں۔ سعودی عرب کو دہشت گردوں کا سرپرست قرار دینے والے یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جنہیں وہ دہشت گرد قرار دیتے ہیں وہ سعودی عرب کے پڑھے ہوئے نہیں۔ یہ وہ نوجوان ہیں، جو برطانوی معاشرے میں پلے بڑھے' اس لحاظ سے ان کی منفی سوچوں کو پروان چڑھانے والا معاشرہ برطانیہ ہے، جہاں ان کی تربیت ہوئی۔ سعودی عرب تو وہ ملک ہے جو دہشت گردی کو روکنے کیلئے فتویٰ جاری کرتا ہے۔ مثال کے طور پر یکم اکتوبر 2007ء کو سعودی عرب کے مذہبی رہنما عزیز الشیخ نے ان سعودی نوجوانوں کے خلاف فتویٰ جاری کیا جو کہ عراق میں اور دیگر مقامات پر جہاد کر رہے ہیں۔ اسلامی فلسفے کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے ان سعودی نوجوانوں کی مذمت کی جو کہ دہشت گردانہ کارروائیوں میں حصہ لینے کیلئے عراق جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ''یہ بدترین اعمال ہیں اور اسلام میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔'' دورہ برطانیہ کے دوران برطانوی پریس کا اہانت آمیز رویہ شاہ کے شایان شان نہ تھا۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزی' دہشت گردی کا منبع' کرپشن اور حقوق نسواں سے متعلق ان کو خاص کر تنقید کا نشانہ بنایا گیا' حالانکہ شاہ عبداللہ کا کردار سعودی معاشرے میں اصلاحات کے عمل کو آگے بڑھانے میں مثالی ہے۔ اب سعودی عرب میں خواتین کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ اختیارات دیئے جا رہے ہیں۔

برطانیہ کے بعد سعودی شاہ اٹلی روانہ ہوئے، جہاں ویٹی کن سٹی میں انہوں نے پوپ بینڈ یکٹ سے ملاقات کی۔ شاہ عبداللہ کے دورہ یورپ کے دوران سب سے زیادہ اہمیت ان کی پاپائے روم پوپ بینڈ یکٹ سے ملاقات کو دی جا رہی تھی۔ ملاقات سے قبل یہ خدشہ تھا کہ پوپ سعودی عرب میں عیسائیوں کے حقوق کے مسئلہ پر شدت اختیار کریں گے' مگر یہ ملاقات پرجوش رہی۔ پوپ اور سعودی شاہ کے درمیان سعودی عرب میں عیسائیوں کے حالات پر تبادلہ خیال ہوا۔ پوپ کے اسلام کو دہشت گردی سے منسوب کرنے کے بعد بہتر تعلقات کے ضمن میں اس ملاقات کو خوش آئند قرار دیا جا رہا ہے۔ پوپ نے شاہ عبداللہ سے 30 منٹ تک تخلیے میں بات کی۔ ملاقات کے بعد شاہ عبداللہ نے جواہرات سے مرصع تلوار پوپ کو پیش کی۔ پوپ نے کہا کہ عیسائیوں' مسلمانوں اور یہودیوں کو امن' انصاف' روحانی اور اخلاقی اقدار، خاص کر خاندانی نظام کی بقاء کیلئے مل جل کر کام کرنا چاہئے۔

دورہ جرمنی کے دوران شاہ نے جرمن چانسلر اور جرمن وزیر خارجہ فرینک والٹرنیٹن میئر سے ملاقات کی اور مشرق وسطیٰ کے امن مسائل اور ایران کے نیوکلیئر بحران پر تبادلہ خیال کیا۔ جرمنی

میں شاہ عبداللہ کا انتہائی پرتپاک استقبال کیا گیا۔ جرمن رہنماؤں نے شاہ عبداللہ کی پوپ سے ملاقات کو بھی خوب سراہا۔ جرمن چانسلر انجیلا مرکل نے شاہ عبداللہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس ملاقات کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ یہ ایک ثمرآور کوشش ہے۔ جرمنی کے بعد شاہ عبداللہ نے ترکی کا دورہ کیا۔ شمالی عراق کے کرد باغیوں کے سبب کشیدہ صورتحال کے تناظر میں دورہ ترکی خاص اہمیت کا حامل رہا۔ برطانیہ' اٹلی' جرمنی اور ترکی کے دورے کے دوران انہوں نے اہم نزاعی امور پر بات کی۔ صحرا اور تیل کی سرزمین سے آنے والے بادشاہ کو میزبان ملکوں نے کھلے دل سے خوش آمدید کہا۔ مختلف میڈیا رپورٹس میں ان کی ذات اور کام کے حوالے سے تعریفی آرٹیکلز شائع کئے گئے۔ ان ممالک کے سربراہ مملکت نے پروٹوکول کے ساتھ شاہ عبداللہ کا استقبال کیا۔

برطانیہ میں برطانوی شہزادے چارلس نے ہیتھرو ایئرپورٹ پر ان کا استقبال کیا تھا جوکہ برطانوی تاریخ میں شاذ و نادر ہوتا ہے۔ ملکہ الزبتھ دوئم کی ضیافت میں سعودی بادشاہ کو سلیوٹ پیش کیا گیا۔ برطانوی میڈیا سے قطع نظر بکنگھم پیلس میں ملکہ برطانیہ اور شاہ عبداللہ کی ملاقات خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ ترکی میں صدر عبداللہ گل نے انقرہ ایئرپورٹ پر شاہ عبداللہ کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ ترکی میں شاہ عبداللہ نے عراق' مشرق وسطیٰ اور دوطرفہ تجارتی معاہدات پر بات کی۔ شاہ عبداللہ کے چار ملکی یورپی دورہ (برطانیہ' اٹلی' جرمنی' ترکی) کا یہ آخری مرحلہ تھا۔ تیل کے حوالے سے انقرہ کے ساتھ معاہدے کے بعد شاہ عبداللہ کا یہ ترکی کا دوسرا دورہ تھا۔ ترکی کو ان دنوں کرد باغیوں کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا ہے۔ کردستان ورکرز پارٹی الگ خطے کے حصول کیلئے ترکی سے محاذ آراء ہے۔ ترکی شمالی عراق میں چھپے ان کرد باغیوں کے ٹھکانوں پر حملے کرنا اور ان کے مراکز کو مکمل طور پر ختم کردینے کا خواہاں ہے' جبکہ یورپ اس کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ شاہ عبداللہ ترکی کے اس مسئلے کے حل کیلئے مؤثر کردار ادا کرے۔ اسرائیلی صدر شمعون پیریز اور فلسطینی صدر محمود عباس کا ترکی کی پارلیمنٹ سے خطاب بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ترکی اسلامی دنیا میں اسرائیل کا قریب ترین اتحادی ہے اور گزشتہ چند سالوں سے عرب دنیا کے ساتھ بھی اس کے دوستانہ مراسم بڑھ رہے ہیں۔ وزیر خارجہ علی باباکان نے مشرق وسطیٰ تنازعات کے حل کیلئے اور شمالی عراق میں فوجی کارروائی میں اپنے مؤقف کی وضاحت کیلئے عرب ممالک کا دورہ بھی کیا۔ سعودی حکومت عراق اور ترکی کے درمیان نزاع کو سلجھانے کیلئے کوشش کر رہی ہے تاکہ خطے میں استحکام پیدا ہو اور توازن برقرار رہے۔ شاہ عبداللہ نے دونوں ممالک پر زور دیا کہ وہ اس مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے سلجھائیں۔ شاہ عبداللہ ترکی کے صدر گل سے صدارتی محل میں ملے' جہاں ان کے اعزاز میں فوجی استقبالیے کے ساتھ تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس کے بعد وزیراعظم

طیب اردگان سے ان کی ملاقات ہوئی' اس ملاقات میں بھی بہت سے اہم امور پر بات چیت کو آگے بڑھایا گیا۔ شاہ عبداللہ کو ترکی کے اعلیٰ ترین اعزاز سے بھی نوازا گیا۔ شاہ عبداللہ نے اگست 2006ء میں بھی ترکی کا دورہ کیا تھا۔ چالیس سالوں میں کسی سعودی بادشاہ کی طرف سے ترکی کا یہ پہلا دورہ تھا۔ گزشتہ پانچ برسوں میں دونوں ممالک کے تجارتی روابط بڑھے ہیں اور تجارتی معاہدات کا تخمینہ 3.3 بلین ڈالر بتایا جاتا ہے۔ اس دورے کے دوران اٹلی میں شاہ عبداللہ اور پوپ کی ملاقات کو تاریخی قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ملاقات اس لحاظ سے بھی منفرد تھی کہ سعودی شاہ مسلمانوں کے جبکہ پوپ تقریباً ایک بلین کیتھولک کے نمائندہ کے طور پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ اس ملاقات میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مذاہب' تہذیب اور اقوام کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں پر بات کی گئی۔ شاہ عبداللہ اور پوپ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ بین الاقوامی تہذیبوں کو امن' انصاف' روحانی اور مذہبی اقدار کو فروغ دینے کیلئے کام کرنا چاہئے، جو ان کی یکجائی کا سبب بن سکتی ہیں۔ کسی سعودی بادشاہ کی طرف سے کسی مذہبی فرقے کے رہنما سے اپنی طرز کی یہ واحد ملاقات تھی۔ دو مقدس مقامات کے نگرانوں کی بلاشبہ یہ ملاقات عالمی سطح کے امور کے حوالے سے خاص اہمیت کی حامل تھی۔

سعودی عرب کے شاہ کے اس دورے کے اہداف میں عراق اور لبنان کا مسئلہ بھی اہم تھا۔ سعودی عرب چاہتا ہے کہ عراق اور لبنان کو اپنے ملک کے داخلی معاملات میں کسی کی مداخلت کے بغیر امن و استحکام قائم کرنے کا حق ملنا چاہئے۔ دوسرا اہم معاملہ فلسطینیوں اور اسرائیلوں کے درمیان مصالحتی فارمولا کی تشکیل یا فلسطینی مسئلے کا حل ہے' جس پر سعودی عرب تشویش کا شکار ہے۔

خطے کے اکثر ممالک اس وقت بدامنی اور انتشار کا شکار ہیں۔ عراق' فلسطین' لبنان' شام' مصر کسی نہ کسی مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔ عرب دنیا اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ انہیں اپنے مسائل کے حل کیلئے خود ہی کوششیں کرنا ہوں گی۔ چار ملکی دورہ یورپ کے بعد شاہ عبداللہ نے مصر کا دورہ کیا' جوکہ خطے کے معاملات زیرغور لانے اور ان پر باہمی اتفاق رائے کے حوالے سے اہم رہا۔ ایران پر یورینیم کی افزودگی کے الزامات کے بعد مصر وہ اگلا ملک ہے، جسے نیوکلیائی اہداف کی سمت بڑھنے والا خطہ قرار دیا جارہا ہے' یعنی ایران کے بعد مصر۔ مسلم دنیا اپنے آپ کو طاقتور بنانے کیلئے خودانحصاری کی طرف قدم بڑھا رہی ہے جوکہ یورپ کو ہضم نہیں ہو رہا۔ سعودی عرب مسلمانوں اور یورپ کے درمیان صلح و مفاہمت کا خواہاں ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ مسلم دنیا پہلے اپنے باہمی جھگڑوں اور نزاعات سے نجات پائے۔ سعودی شاہ کا دورہ یورپ دراصل مسلمانوں کے غلط تاثر کے خاتمے کیلئے کوشش کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مسائل اور مؤقف کو دنیا

کے سامنے لانا بھی تھا۔ شاہ عبداللہ کا دورہ یورپ اس تناظر میں بہت اچھی کوشش تھا' کیونکہ ملاقاتوں اور مذاکرات سے پیچ در پیچ گتھیاں بھی سلجھ سکتی ہیں' بہر حال اس دورے کی کامیابی کا تعین ان اہداف پر ہے، جو مسلمانوں کیلئے مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان اہداف کا حصول ہی ثابت کرے گا کہ یہ دورہ کتنا اور کس سطح تک کامیاب رہا۔

❖♦❖

عالمی دباؤ' الفتح کے احتجاج اور حماس کی مخالفت نے وقتی طور پر اسرائیل کو صہیونی ریاست کے توسیع پسندانہ عزائم کو ترک کرنے پر مجبور تو کر دیا ہے مگر اسرائیل کا مستقلاً ان یہودی بستیوں کی تعمیرات کو روک دینا ممکن نہیں' اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو صہیونی ریاست کی حیثیت سے نہ صرف منوانا چاہتا ہے بلکہ وہ یروشلم پر اپنا قبضہ برقرار رکھتے ہوئے فلسطینی ریاست کو مکمل طور پر اپنے زیرنگیں اور محدود کر دینا چاہتا ہے۔ ایسی فلسطینی ریاست، جو صرف نام کی فلسطینیوں کی ہو' اس پر قبضہ اور اقتدار اسرائیل یا مغربی طاقتوں کا ہو۔ اسرائیل کے مذموم ارادوں کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنی ریاست کو وسیع نہ کر لے۔ وہ ان تعمیرات کو وسعت دے کر زیادہ سے زیادہ یہودیوں کو آباد کرنے کے چکر میں ہے۔ اس مقصد کیلئے دنیا بھر سے یہودیوں کو اسرائیل میں لا کر بسایا جا رہا ہے۔

ایران جسے کہ اسرائیل اپنا دشمن سمجھتا ہے' وہاں آباد یہودیوں کو بھی اسرائیل میں لا کر بسانے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ ایران سے تعلق رکھنے والے بیشتر یہودیوں کا اسرائیل کو سفر شروع ہو گیا ہے۔ ان یہودیوں کو اسرائیل پہنچانے کا کام انٹرنیشنل فیلوشپ آف کرسچین اینڈ جیوز نامی تنظیم نے کیا۔ شکاگو میں مقیم تنظیم کے بانی کے مطابق انہوں نے اسرائیل میں آباد ہونے والے نئے آباد کاروں کو 10 ہزار ڈالر دیئے تا کہ وہ آسانی سے وہاں سیٹل ہو سکیں۔ رپورٹ کے مطابق اس سال 2 سو ایرانی نژاد یہودی اسرائیل پہنچے۔ ایران میں بسنے والے یہودیوں کی موجودہ تعداد 25 ہزار ہے' ان کو آئین کے مطابق تحفظ' مراعات اور مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے' مگر ایرانی صدر احمدی نژاد کے بیانات کو جواز بنا کر اسرائیل اور یہودی تنظیمیں ان ایرانی یہودیوں کو ایران سے نکلنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ صہیونی ریاست کی توسیع اور یہودیوں کی آباد کاری سے عرب ممالک تشویش میں مبتلا ہو گئے ہیں اور عرب کانفرنس میں اس مسئلے پر سوچ بچار کئے جانے کا بھی امکان ہے۔ اسرائیل نے امریکہ کو یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ مغربی کنارے میں غیر قانونی یہودی تعمیرات کو روک دے گا۔ اسرائیل کی امریکہ کو یہ یقین دہانی قابل اعتبار نہیں' کیونکہ آرمی ریڈیو کی رپورٹ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ مشرقی یروشلم میں مالے ایڈم اور شمال مغربی کنارے کے

ایریل بلاک میں یہودی تعمیرات روکنے کے احکامات جاری کئے جا چکے ہیں۔ وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے مشرقی یروشلم سے متصلہ عرب علاقوں میں کام روکنے کا حکم وقتی طور پر تو روک دیا ہے' مگر اس نے بار ہوما میں تعمیراتی کام روکنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے حماس کی اس سے مخالفت میں شدید اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ حماس' اسرائیل جنگ تو یہودی ریاست کی تشکیل سے ہی جاری ہے' مگر نئی یہودی بستیوں کی تعمیر سے دونوں کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی ہے۔ غزہ کی پٹی پر حماس اور اسرائیل کے درمیان جنگ جاری ہے۔ غزہ کی پٹی میں اسرائیلی فوج کے حملوں سے روزانہ کئی فلسطینی جام شہادت نوش کر رہے ہیں۔ اسرائیلی فوج نے غزہ کی پٹی میں فائرنگ اور بمباری کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ اسرائیلی فوج کا کہنا ہے کہ ان حملوں کا آغاز حماس کی جانب سے ہوتا ہے۔ غزہ سے پہلے اسرائیلی علاقوں میں راکٹ سے حملے کئے گئے۔ غزہ سے حملہ آوروں نے راکٹ داغے اور فائرنگ کی' جس پر اسرائیل نے جوابی حملہ کیا۔ اسرائیل اپنی ہر ظالمانہ کارروائی سے پہلے اسی طرح کا جواز گھڑتا ہے۔ تازہ ہلاکتوں سے 2000ء کے بعد فلسطینی علاقوں میں مرنے والوں کی تعداد 6000 سے زائد ہو گئی ہے اور یہ سب اسرائیلی حملوں سے ہلاک ہوئے۔ اسرائیل حماس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہے' کیونکہ جب تک حماس کا وجود ہے، اسرائیل کو ایک ریاست کا تشخص حاصل نہیں ہو گا۔ حماس اسرائیل کے عزائم کے ہر راستے میں رکاوٹ ہے' اسرائیل نے امریکی صدر جارج بش کے مجوزہ دورہ مشرق وسطیٰ سے قبل مزید 9 یہودی کالونیاں تعمیر کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ اس منصوبے کا انکشاف مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر نے فلسطینی ریسرچ انسٹیٹیوٹ ''اریج'' کے حوالے سے کیا ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ نومبر 2007ء میں امریکہ میں اناپولس شہر میں ہونے والی کانفرنس کے بعد اسرائیل نے غرب اردن اور مقبوضہ بیت المقدس میں آباد کاری کے منصوبوں پر تیزی سے کام شروع کر دیا ہے۔ زیر تعمیر کالونیاں غرب اردن اور القدس کے درمیان تعمیر کی جا رہی ہیں۔ نو تعمیر کردہ ٹاؤن کو ہار ہوما کا نام دیا گیا ہے۔ اسرائیلی لوکل گورنمنٹ کے چیئرمین جنرل یواف نے کہا ہے کہ اسرائیل 2008ء کے درمیان غرب اردن اور مقبوضہ بیت المقدس میں ہزاروں نئے مکانات کی تعمیر کا ارادہ رکھتا ہے۔ لوکل گورنمنٹ کو مرکزی حکومت سے مزید منظوری کی ضرورت نہیں۔ فلسطینی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے سربراہ جاد اسحاق نے کہا کہ اسرائیل صدر بش کے دورہ مشرق وسطیٰ سے قبل تیزی سے مزید یہودی کالونیاں تعمیر کر رہا ہے تا کہ ان کی آمد تک یہ کام ختم ہو جائے۔ اسرائیل نے 2008ء کے دوران آباد کاری کیلئے 25 ملین ڈالر کی رقم مختص کر دی ہے جو مزید ہزاروں نئے مکانات کی تعمیر پر خرچ کی جائے گی۔ دسمبر 2007ء میں اسرائیلی وزارت

برائے آبادکاری نے غرب اردن کے قریب جبل مکبر کے پاس 7 ہزار نئے مکانات تعمیر کرنے کے وسیع منصوبے کا انکشاف کیا۔ وزارت آبادکاری یہ انکشاف بھی کر چکی ہے کہ 7 ہزار مکانات میں سے 150 مکانات تعمیر کئے جا چکے ہیں۔ ان مکانات کی تعمیر اور وہ بھی امن کانفرنس کے بعد۔ اسرائیل کیسے یہ توقع کر سکتا ہے کہ اس کے حماس کے ساتھ تعلقات بہتر ہوں' ان تعمیرات پر تو الفتح کو بھی اختلاف ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے بھی ان تعمیرات اور مزید یہودیوں کی آبادکاری کی مخالفت کی ہے۔ محمود عباس نے کہا ہے کہ صدر بش مشرق وسطیٰ کے دورے پر اسرائیل کی اس معاملے پر مخالفت کریں۔ یہودی بستیاں قیام امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ توسیع پسندانہ ارادوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حماس کا اسرائیل سے ہاتھ نہ ملانا درست اقدام ہے' کیونکہ اسرائیل کبھی مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتا۔ حماس نے ہمیشہ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کرنے سے اس لئے انکار کیا ہے کہ وہ آگاہ ہے کہ اس کا مطلب ہوگا اسرائیل کو ایک الگ ریاست کی حیثیت سے تسلیم کر لینا۔

فلسطینی اپنی ایک الگ اور جداگانہ ریاست کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں' اس میں مقدس یروشلم کو دارالخلافہ کا درجہ حاصل ہوگا۔ 1967ء میں اسرائیل نے جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا، ان کی واپسی بھی حماس کا منشور ہے۔ حماس کا کہنا ہے کہ یہودی ریاست کا وجود غیر قانونی اور ناجائز ہے۔ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی پر اسرائیل کی حاکمیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسرائیل اور الفتح کے درمیان جب دوطرفہ ریاست کی بات ہوتی ہے تو حماس کو اپنا مؤقف دہرانا پڑتا ہے جو کہ بہت دوٹوک اور واضح ہے۔ حماس کے ترجمان کا کہنا ہے کہ اسرائیل کی تمام ریاست ہی مقبوضہ فلسطین کی زمین پر قائم کی گئی ہے۔ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی پر حماس کا قبضہ اس بات کا عکاس نہیں کہ فلسطینی ریاست کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے اور اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان کوئی ایسا سمجھوتہ طے پائے کہ فلسطین کی ہتھیائی ہوئی زمین دو حصوں میں بٹ جائے۔ یعنی اسرائیل اور فلسطین اور پھر اسرائیل کو ایک جائز اور قانونی ریاست کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ اسرائیل کو فلسطین کو دو ٹکڑوں میں بانٹنے اور تقسیم کرنے کے بجائے فلسطین پر سے اپنا قبضہ ختم کر کے اسے خالی کر دینا چاہئے تاکہ فلسطین صرف فلسطینیوں کا ہی رہے۔ حماس کا کہنا ہے کہ مغربی کنارے اور غزہ پر حماس کا کنٹرول فلسطین کے قبضے کی ابتدا ہے۔ حماس کے اس مؤقف میں کوئی لچک دکھائی نہیں دیتی۔ حماس کا یقین ہے کہ فلسطینی نسل اپنے تاریخی وطن کے حصول میں کامیاب ہو جائے گی۔ اس وطن کے حصول میں، جہاں یہودیوں کیلئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوگی' یعنی فلسطینی ریاست سے یہودیوں کا مکمل انخلا۔ حماس کا یہی وہ مؤقف اور رویہ ہے جو کہ اسرائیل اور الفتح سے اس کے

اختلافات کا باعث ہے۔ اسرائیل الفتح کے اس لئے قریب ہے کہ الفتح فلسطین کی تقسیم کے منصوبے کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے۔ اسے یہودی ریاست کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں اور یہودی بستیوں کی تعمیر کے سلسلے میں بھی اس کے رویے میں لچک کا امکان ہے۔ الفتح کے ساتھ مذاکرات کی صورت میں اسرائیل کو اپنی بقا کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ اپنے تحفظ و بقا کیلئے وہ الفتح سے تعلقات کا خواہاں ہے' جبکہ حماس سے اسے اختلاف اس لئے ہے کہ اسے اپنے تحفظ و بقا اور سالمیت کا ہر راستہ مسدود دکھائی دیتا ہے۔ 1967ء کی سرحدوں کے تعین کے حوالے سے البتہ الفتح اور حماس کا مؤقف ابھی تو یکساں ہے' مگر الفتح کے رہنماؤں سے اپنے مطالبات منوانا اسرائیل کیلئے ناممکن نہیں۔ اسی لئے وہ دوستی کی پینگیں الفتح کے ساتھ بڑھاتا ہے۔ اگر اسرائیل امن کا خواہاں ہے تو وہ فلسطینیوں پر مظالم ڈھانے کے بجائے امن کی بات ہی نہ کرے بلکہ صلح و آشتی کے فروغ کیلئے حقیقی کردار بھی ادا کرے۔ انسانی حقوق کے اداروں کی رپورٹس کے مطابق اسرائیلی سکیورٹی فورسز کے مظلوم فلسطینیوں پر مظالم بڑھتے جا رہے ہیں' ہر سال کی رپورٹ گزشتہ سال میں ہونے والے مظالم سے زیادہ اعداد و شمار سے بھرپور ہوتی ہے۔

ہلاک ہونے والے فلسطینیوں میں بے ضرر شہری بھی ہیں' جن کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں۔ اسرائیل نے صرف ایک فلسطینی ہونے کے ناطے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 2007ء میں بھی معصوم فلسطینیوں کو بغیر کسی ٹرائل یا الزام کے اسرائیل کی جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ تقریباً 2006ء کے مقابلے میں اس سال 13 فیصد تعداد بڑھی' 830 لوگوں کو بے گناہ جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اسرائیل میں 1.5 فیصد آبادی کے مقابلے میں 4.5 فیصد یہودی آبادی کا تناسب بڑھا۔ مشرقی یروشلم میں آباد 69 فلسطینیوں کے گھروں پر اسرائیل نے قبضہ جما لیا۔ 2006ء کے تناسب سے 2007ء میں فلسطینیوں کے گھر منہدم کئے جانے کا تناسب 38 فیصد بڑھا۔

مغربی کنارے پر آباد فلسطینیوں کو شدید ترین بنیادی سہولیات کے بحران سے دوچار کیا گیا۔ پانی' خوراک' بجلی اور دیگر بنیادی ضروریات زندگی سے ان کو محروم رکھا گیا۔ اب بھی حماس کے ساتھ جنگ کی صورت میں اسرائیل نے غزہ میں بنیادی انسانی حقوق کی معطلی کر دی ہے' جس پر اقوام متحدہ اور بنیادی انسانی حقوق کے اداروں نے بھی اسے سراسر ظلم قرار دیا ہے۔ یہ سب اسرائیل حماس کی عناد میں کر رہا ہے' کیونکہ حماس اس کے وجود کی دشمن ہے۔ حماس کے کاغذات میں اسرائیل کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔ اسرائیل حماس سے مغربی کنارے اور غزہ کا قبضہ چھین لینا چاہتا ہے۔ اسرائیلی سپاہیوں کی ہلاکت اتنی زیادہ نہیں، جتنی حماس کے کارکنوں کی۔ حماس مظلوم فلسطینیوں کے حقوق کیلئے سربکف ہے۔

صہیونی اسرائیل غزہ پٹی کا پانی' بجلی ایندھن منقطع کر کے حماس کو جھکا دینا چاہتا ہے' مگر حماس اور سچے فلسطینی ان مصائب سے گھبرا کر پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ حماس الفتح کے فیصلوں کو آزادی فلسطین کے منافی قرار دیتا ہے۔ الفتح کے اندر اسرائیلی اور امریکی لابی موجود ہے' مگر اسرائیلی اور امریکی نوازشوں کے بوجھ تلے دبی الفتح کی قیادت حماس کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہوگی۔ اسرائیل حماس کے بغیر دیگر جماعتوں کی حکومتوں کو تسلیم کرتا ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حماس کی حکومت اسرائیل کے وجود سے انکاری ہے۔ اسرائیل غزہ کو دشمن علاقہ قرار دیتا ہے۔ اسرائیل غرب اردن اور غزہ کی پٹی کو بجلی' پانی اور ایندھن کی ترسیل روک کر بے گناہ فلسطینیوں کو آزادی اور اپنی زمین کا حق طلب کرنے کی سزا دے رہا ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ غزہ میں بڑی کارروائیوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت اسرائیل اس بات کا پابند ہے کہ وہ اس ساحلی پٹی کو جہاں سے اس نے دو سال قبل اپنی فوجیں واپس بلا لی تھیں، تمام بنیادی سہولیات فراہم کرے' کیونکہ وہ اب بھی اس کی سرحدوں' فضائی حدود اور ساحل کو کنٹرول کرتا ہے۔ حماس کے ساتھ جنگ کی سزا وہ پوری غزہ کی آبادی کو دے رہا ہے۔ چشم پوشی کرنے والوں نے فلسطینیوں کے مصائب پر کان بند کر رکھے ہیں۔ اقوام متحدہ کے تجزیہ نگار جون ڈگرڈ کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے غزہ کو ایک ایسا قید خانہ بنا دیا ہے، جسے بند کرنے کے بعد چابی بھی کہیں پھینک دی گئی ہو۔ اسرائیلی چھاپوں' محاصروں اور ابتدائی کارروائیوں کے نتیجے میں فلسطینی بے چارگی اور کسمپرسی کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے ہیں۔ اسرائیل اور مغربی طاقتوں کو حماس کا وجود گوارا نہیں۔ فلسطین میں حماس کی حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد امدادی ممالک نے احتجاجاً فلسطین کی امداد بند کر دی تھی۔ ان سب مظالم کا مقصد یہی ہے کہ غزہ میں بسنے والوں کو حماس کی پالیسیوں سے انحراف پر مجبور کر دیا جائے۔ ان پر عرصہ حیات اتنا تنگ کر دیا جائے کہ فلسطینیوں کو اسرائیل کا ہر مطالبہ ماننا ہی پڑے۔ حماس کو بھی مجبوراً اسرائیل کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑیں۔ اسرائیل کے مظالم کے باوجود حماس کے عزائم وارادوں میں چٹان کی سی سختی پائی جاتی ہے جس کو اپنے مقصد میں ڈھالنا اسرائیل کے بس کا روگ نہیں' ورنہ وہ یہ کام کب کا کر چکا ہوتا۔

❖◆❖

صدر بش کا دورہ مشرق وسطیٰ مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں ان کے رویے یا کردار میں کسی تبدیلی کا غماز نہیں بلکہ ان کے در پردہ عزائم کے سلسلے کی ہی ایک کڑی تھا۔ ان کے کثیر الجہت منصوبوں کا ایک حصہ جس میں سیاسی عنصر پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ امریکہ میں صدارتی مہم زوروں پر تھی' اپنے بہت سے فیصلوں کے باعث صدر بش کو اپنی حریف جماعتوں اور تجزیہ

نگاروں کی تنقید کا سامنا بھی تھا۔ افغانستان اور عراق کے بعد اب وہ ایران کو کھنڈر بنانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ عوامی مقبولیت اور سیاسی ساکھ بحال کرنے کیلئے صدر بش خود کو امن کا سفیر بنا کر پیش کرنا چاہ رہے ہیں۔ ایران پر حملہ کرنے کیلئے انہیں عرب ممالک کی حمایت بھی درکار ہے۔ عرب ممالک کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے "فلسطینی ریاست" پر توجہ مرکوز کرنا بھی بش کے حیلہ جو دماغ کی ایک چال ہے۔

مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے سرگرم بش در پردہ ایران کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ دوسری طرف اسرائیل بش کے بیانات اور امن پسندانہ کلمات کی پروا کئے بغیر اینٹ سے اینٹ ملا کر یہودی بستیوں کو توسیع دے رہا تھا' کیونکہ ملی بھگت کا پہیہ اسی طرف رواں دواں ہے۔ ارادے اور عزائم یکساں ہیں' مسلمانوں کو تباہ کر دینا اور ان کو تلوے چاٹنے پر مجبور کر دینا امریکہ اور اسرائیل دونوں کا ہدف ہے۔ اپنے دورے کے پہلے مرحلے پر اسرائیل پہنچنے پر صدر بش کے الفاظ تھے کہ "فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان اس مقدس زمین پر امن کیلئے ایک نیا موقع ہے۔"

صدر بش کا استقبال اسرائیلی صدر شمعون پیریز اور وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے کیا۔ تل ابیب کے نواح میں واقع بین گوریان ایئرپورٹ پر اپنے خیر مقدمی خطاب میں ایک طرف تو صدر بش نے امن کا جملہ داغ دیا' دوسری طرف فلسطینیوں کے حقوق پر یہ کہہ کر شب خون بھی مار دیا کہ "امریکہ اور اسرائیل مضبوط اتحادی ہیں اور اس اتحاد کی اساس انسانی آزادی پر ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان اتحاد اسرائیل کی یہودی مملکت کے طور پر حفاظت سے ہی ممکن ہے۔ دونوں حکومتوں کو دہشت گردی کے خلاف مل کر کوششیں کرنا ہوں گی۔" اسرائیل کے ساتھ محبت اور چاہت کے رشتوں کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ بش نے ایران کی سمت بھی یہ کہہ کر اشارہ دے دیا کہ "ہمیں اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے معصوم افراد کو قتل کرنے والوں کا محاسبہ کرنا ہوگا۔ اس پر اسرائیلی صدر شمعون پیریز نے بش کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایران کے خطرے کا درست اندازہ لگانے کیلئے آپ کے مشوروں پر عمل کر رہے ہیں۔ ہمیں مل کر ایران' حزب اللہ اور حماس کے پاگل پن کو روکنا ہوگا۔ شمعون پیریز اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایران' حزب اللہ اور حماس اسرائیل کے مخالف ہیں اور حقیقی آزاد و خود مختار فلسطینی ریاست کے خواہاں ہیں۔

طیارے سے باہر آتے ہی بش نے کہا کہ آج بہت خوبصورت دن ہے۔ شمعون نے کہا "ہم اپنے عظیم دوست کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" بش نے مئی میں اسرائیل کے قیام کی 60 ویں سالگرہ پر دوبارہ اسرائیل آنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا، جس سے اسرائیل کی مقدس سرزمین سے ان

کی محبت کا اظہار ہوا۔ گزشتہ 9 برس میں یہ کسی بھی امریکی صدر کا پہلا دورہ تھا' جبکہ اس سے قبل 1998ء میں بل کلنٹن یہاں آئے تھے' صدر بش کی اسرائیل آمد پر سکیورٹی کے حوالے سے بہت سخت اقدامات کئے گئے۔ بش کے ساتھ ہیلی کاپٹر' ٹرانسپورٹ طیارے' 20 لیموزین کاریں' 400 سکیورٹی اہلکار اور وائٹ ہاؤس کے 200 اہلکار بھی ساتھ آئے۔ دھماکہ خیز مواد کی شناخت کرنے والے 15 ماہرین بھی ہمراہ تھے۔ اس سے قبل 3 امریکی صدور رچرڈ نکسن 1974ء' جمی کارٹر 1979ء جبکہ بل کلنٹن 1998ء میں اسرائیل کا دورہ کر چکے ہیں۔ اسرائیل اور یروشلم میں صدر بش کی آمد پر کرفیو کے نفاذ کا سا حال تھا۔ بش نے اپنے دورے میں غزہ پٹی کا دورہ نہیں کیا' جہاں حماس کا قبضہ ہے۔ صدر بش کے دورہ مشرق وسطیٰ سے قبل میڈیا کے ذرائع سے القاعدہ گروپ کی طرف سے یہ دھمکی مشتہر کی گئی کہ بش کے دورے پر ان کا استقبال پھولوں سے کرنے کے بجائے بموں سے کریں۔ جس کو وائٹ ہاؤس نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ شدت پسند اسلامی تنظیم کے پاس موت کے سوا بانٹنے کیلئے کچھ بھی نہیں' جبکہ امریکی صدر مشرق وسطیٰ میں قیام امن اور خوشحالی کا پیغام لے کر جا رہے ہیں۔ بش کا استقبال کرنے والوں میں جہاں اسرائیلی کابینہ کے ارکان' ممبران پارلیمنٹ تھے وہاں مذہبی لیڈر بھی موجود تھے' کیونکہ امریکہ اور اسرائیل مذہبی عقائد کے اعتبار سے بھی خود کو ایک دوسرے کے بہت قریب سمجھتے ہیں۔ بش کا دورہ مشرق وسطیٰ بظاہر تو فلسطین میں امن کی بحالی کی کڑی قرار دیا جا رہا تھا' جس کا آغاز اپنے تئیں بش نے امن کانفرنس کا انعقاد کر کے کیا تھا' جو ناکامی سے دوچار ہوئی۔ امن کانفرنس میں کچھ نکات پر متفق ہونے کے باوجود اسرائیل نے بجائے صلح و آشتی کی بات کرنے کے' مظلوم فلسطینیوں پر بمباری کا عمل تیز کر دیا اور مزید صیہونی بستیوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ صدر بش دورہ مشرق وسطیٰ میں ایرانی ایٹمی پروگرام اور فلسطین' اسرائیل امن مذاکرات کے موضوعات پر تبادلہ خیال کریں گے' مگر یہ تبادلہ خیال نہیں دراصل عرب ممالک کو ایران کے خلاف اکسانا ہے۔ عرب ممالک کو جارج بش کے دورہ مشرقِ وسطیٰ سے مسئلہ فلسطین کے حل کی توقعات ہرگز نہیں' عرب ممالک کو اس کا ادراک ہے کہ امریکی صدر کے اصل مقاصد کچھ اور ہیں۔ اردن سے مصر تک عرب ممالک کا خیال ہے کہ بش کے دورے کا مقصد فلسطین کے مسئلے کا حل نہیں بلکہ وہ ایران کے خلاف عرب ممالک کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ اس دورے میں ان کی تمام تر توجہ کا مقصد ایران کے ایٹمی پروگرام کی مخالفت کرنا اور ایران پر ممکنہ حملے کیلئے مشرق وسطیٰ کو تیار کرنا ہے۔ امریکی صدر نے اپنے اتحادی ممالک کے تعاون سے ایران پر فوجی کارروائی کرنے کا امکان کبھی خارج از امکان قرار نہیں دیا۔ اردن کے مشہور سیاسی تجزیہ نگار فہد فیضان نے بش کے دورے پر کہا

کہ یہ امید رکھنا کہ بش' اسرائیل اور فلسطین کو کسی حتمی معاہدے کیلئے رضامند کر لیں گے' فضول ہے۔ اردن یونیورسٹی میں خارجہ تعلقات کے ماہر محمد مصری کا کہنا ہے کہ بش کے دورے سے زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا کہ فلسطینیوں کے حالات میں بہتری آ جائے گی اور ان پر اسرائیلی سختیاں کم ہو جائیں گی۔ جس طرح اینا پولس کانفرنس کا انعقاد نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکا' صدر بش کا دورہ مشرق وسطیٰ بھی فلسطین کا تنازع حل نہیں کر سکے گا' البتہ ایران کے مسئلے پر اپنی سازشوں کا بازار گرم رکھنے میں انہیں مدد ضرور ملے گی۔ خود صدر بش کا اس سلسلے میں کہنا تھا کہ وہ اس دورے میں اسرائیل فلسطین تنازع کے حل' ایران کی جارحانہ سرگرمیوں کے خاتمے اور خطے میں امریکہ کے ٹھوس کردار کیلئے کوششیں کریں گے۔ تین دن رملا میں گزارنے کے بعد بش نے فلسطینی صدر محمود عباس سے ملاقات کی' اس کے بعد بش نے فلسطینی صدر محمود عباس سے ملاقات کی' اس کے بعد بش کا بحرین اور کویت کا قصد رہا' جہاں امریکی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد رہائش پذیر ہے۔ سعودی عرب' متحدہ عرب امارات اور مصر کا دورہ بھی ان کے پروگرام کا حصہ تھا۔ جارج بش کی آمد سے قبل اسرائیل کے حملوں میں تیزی کو فلسطینی مذاکرات کار صائب اراکات نے امن کے منافی قرار دیا تھا۔

عرب ممالک' فلسطینی رہنماؤں اور جہادی گروپوں کا موقف ہے کہ اسرائیل کی طرف سے کارروائیوں اور آبادکاری کا عمل رکے بغیر امن کا حصول ناممکن ہے۔ بش کے دورے پر حماس اور فلسطینیوں نے احتجاج کیا اور بش کو امن کا دشمن قرار دیا۔ اسرائیلی وکیل اور تجزیہ نگار ڈینیل کیڈرمین نے کہا کہ بیت المقدس ایسا شہر ہے، جو گزشتہ پچاس سال سے دونوں ملکوں اور پورے علاقے کے مسائل کا ذمہ دار ہے۔ اس مسئلے کے حل کیلئے دونوں ملکوں کی قیادت کو رضامند کرنا ہی بش کے دورے کی کامیابی کہی جائے گی' مگر ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اسرائیل پر دباؤ ڈالنے کے حوالے سے صدر بش نے کہا تھا کہ اگر تھوڑے بہت دباؤ کی ضرورت پڑی تو میں وہ دباؤ ڈالوں گا' مگر مشرق وسطیٰ میں قیام امن کیلئے کسی خوش فہمی کا شکار نہیں اور جانتے ہیں کہ اس حوالے سے مشکلات موجود ہیں۔ میں پوری طرح سمجھتا ہوں کہ کچھ تکلیف دہ سیاسی سمجھوتے کرنے پڑیں گے۔ اس کے علاوہ مذاکرات بھی آسان نہیں ہوں گے اور امریکہ کا کام ان مذاکرات میں مدد فراہم کرنا ہے' 2001ء میں منتخب ہونے کے بعد صدر بش کا یہ پہلا دورہ مشرق وسطیٰ تھا۔ دورے پر روانگی سے قبل صدر بش نے صحافیوں کو بتایا کہ وہ علاقے میں امن کیلئے دو قومی حل کی حمایت کرتے ہیں۔ امن کانفرنس میں 2008ء کے اختتام تک فلسطینی ریاست کے قیام پر بھی اتفاق ہوا تھا۔ فلسطینی صدر محمود عباس سے ملاقات کے بعد بش کا ایک بیان البتہ فلسطین کے حوالے سے سخت رہا' جس میں انہوں نے اسرائیل پر زور دیا کہ وہ مقبوضہ عرب علاقے خالی کرے تاکہ ایک مستحکم فلسطینی

ریاست کا قیام عمل میں آسکے۔ انہوں نے فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ حل کرنے پر بھی زور دیا' جس کے تحت انہیں معاوضہ ادا کیئے جانے کی تجویز ہے۔

1966ء سے اسرائیل کے ان علاقوں پر قبضے کے بعد صدر بش کا یہ سخت ترین بیان ہے۔ اپنے بیان میں انہوں نے کہا کہ مذاکرات کے نتیجے میں اسرائیل کی سرحدوں کا تعین ہو، جو قابل دفاع ہوں اور جنہیں تسلیم کیا جائے اور فلسطینی ریاست کا وجود عمل میں آئے جو خودمختار' آزاد اور مستحکم ہو۔ صدر بش کے اس بیان میں سب سے نتیجہ خیز بات یہ تھی کہ ان کے سبکدوش ہونے سے پہلے اسرائیل اور فلسطین کے درمیان معاہدہ ہو جائے گا۔ ان کے مطابق اس سال کے آخر تک اسرائیل فلسطین کے مقبوضہ علاقوں کو خالی کردے گا۔ فلسطینیوں کیلئے 2009ء کا سال جدید جمہوری ریاست کے قیام کا سال ہوگا۔ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے غزہ میں حماس کی طرف سے انتہاپسندی کے خطرے کو مذاکرات کے راستے میں بڑی مشکل قرار دیا۔ اس وقت تک کسی مفاہمت تک پہنچنا کٹھن ہے۔ بش کی آمد پر منقسم فلسطینی دھڑہ الفتح اور اسرائیل کا انداز پرجوش خیرمقدمی پر مبنی تھا' جبکہ دوسری طرف غزہ کی پٹی میں فلسطینیوں نے صدر بش کی اسرائیل آمد کے موقع پر احتجاجی مظاہرے کئے۔ امریکہ اور اسرائیل کے پرچم کو نذر آتش کیا۔ امریکہ مردہ باد کے نعرے لگائے' بش کے مکروہ عزائم اور منافقانہ کردار کی عکاسی کرتے پوسٹرز اور تصاویر اٹھائے یہ لوگ اسرائیلیوں کے مظالم کی منہ بولتی تصویر تھے۔ حماس کے مرکزی رہنما اور سابق وزیرخارجہ محمود الزہار نے کہا کہ بش کا دورہ مشرق وسطیٰ صدارتی الیکشن کے پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے بش کے دورہ مشرق وسطیٰ کو اپنی پارٹی کی گرتی ساکھ بحال کرنے کی کڑی قرار دیا۔ دورے کے پہلے مرحلے پر اسرائیل پہنچنے کے بعد ہی بش نے یہ کہہ کر ایران کے خلاف محاذ کھول دیا تھا کہ ایران خطے کیلئے ایک خطرہ تھا' ہے اور اس وقت تک رہے گا، جب تک وہ جوہری ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال کی جانے والی یورینیم کی افزودگی ترک نہیں کردیتا۔ ایران کا موقف ہے کہ اس کا جوہری پروگرام پرامن مقاصد کیلئے ہے اور وہ افزودہ یورینیم کو ایٹمی بجلی گھروں میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک ایران کے اس موقف کو ماننے کیلئے تیار نہیں اور اقوام متحدہ کی پابندیوں کے باوجود امریکہ اور مغربی ممالک کا ایران پر مسلسل دباؤ ہے کہ وہ یورینیم کی افزودگی ترک کردے۔ امریکہ ایران پر مزید پابندیوں کا خواہاں ہے۔ مغرب تو پہلے ہی اس کا حامی ہے' عرب ممالک کو رام کرنے کیلئے بش کی کوششیں بلکہ سازشیں جاری تھیں۔ ایک طرف صدر بش کا دورہ مشرق وسطیٰ شروع ہوا تو دوسری طرف عالمی ادارے آئی اے ای اے کے سربراہ البرادی ایران پہنچ گئے۔ البرادی کا حالیہ دورہ ایران ایسے وقت میں ترتیب دیا گیا جب صدر بش

مشرق وسطیٰ کے دورے پر تھے۔ حماس قیام امن کی ان کوششوں کا اس لئے مخالف ہے کہ وہ صہیونی ارادوں سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ اولمرٹ کا یہ تو کہنا ہے کہ فلسطین کی آزاد ریاست کا قیام اسرائیل کی بقاء کیلئے ضروری ہے' مگر اس آزاد فلسطینی ریاست کو وہ ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود کرکے رکھ دینا چاہتا ہے، جو اس کے ماتحت اور زیرنگین بھی ہو۔ اولمرٹ کا کہنا ہے کہ اگر اس علاقے میں ریاستی تشکیل کا منصوبہ ناکام ہوگیا تو جنوبی افریقہ طرز کے مساوی ووٹ کے حقوق کا نظام قائم کرنا پڑے گا' جس کے نتیجے میں اسرائیلی ریاست کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا اور یہ ملک جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ اسرائیلی حکومت کے زیرنگرانی رہنے والے فلسطینی اسرائیلی انتخابات میں حق رائے دہی استعمال نہیں کرتے۔ اسرائیلی حکام کو خطرہ ہے کہ عربوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی جلد یہودیوں پر غالب آجائے گی۔ محمود عباس اور اولمرٹ اپنے تئیں صلح کے سفیر تو بن بیٹھے ہیں مگر دونوں ہی اپنے علاقوں میں مضبوط اور فیصلہ کن حیثیت کے حامل نہیں۔ قیام امن کیلئے کی جانے والی تمام کوششوں کا نتیجہ اگر اسرائیل کے حق میں ہی جاتا رہا تو مذاکرات کا کوئی دور یا کسی صدر کا دورہ کامیابی نہیں لاسکتا۔ عرب ممالک کے اخبارات نے بھی لکھا ہے کہ بش کے دورہ مشرق وسطیٰ میں ایران کے ایٹمی پروگرام کو محدود کرنا' زیادہ اسلحے کی فروخت اور تیل کے سستے حصول کے معاملات اہم ہیں۔ بش امن میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

اصل چیز تو جذبوں کی سچائی اور مخلصانہ حل ہے، جو نہ امریکہ کو مطلوب ہے اور نہ اسرائیل کی خواہش۔ فلسطینی اپنا مطالبہ برسوں سے اسرائیل 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران مقبوضہ علاقوں کو خالی کرے' مہاجرین کی واپسی کے حق کو تسلیم کرے اور مشرقی یروشلم کو مستقبل کی آزاد ریاست میں دارالحکومت بنانے کی اجازت دے۔ غزہ بھی متنازعہ علاقہ ہے جس پر فلسطین اور اسرائیل دونوں کنٹرول کے خواہاں ہیں۔ ان متنازعہ امور کا حل نکالے بغیر مشرق وسطیٰ میں امن ممکن نہیں۔ ان امور پر اسرائیل اور فلسطین کے کسی سمجھوتے پر پہنچنے کا بھی امکان نہیں۔ اس حقیقت سے بش مغربی ممالک اور اسرائیل اچھی طرح آگاہ ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل کو جس طرح کا امن مطلوب ہے' اس میں مسلمانوں کیلئے امن ہرگز نہیں۔ بش امریکہ' یہود و ہنود اور مغربی طاقتوں کیلئے امن ہی امن ہے۔ بش نے مشرق وسطیٰ کے دورے میں ایران کے خلاف حمایت حاصل کرنے کی پوری کوشش کی۔ آبنائے ہرمز کے واقعہ کے بعد بش نے ایران کو دھمکیاں بھی دیں۔ صدر بش کا دورہ مشرق وسطیٰ بھی امن کا پیامبر نہیں بلکہ اسرائیل کی سلامتی کے تحفظ کے ضمانت نامے کے حصول کیلئے تھا۔ صدارتی مہم کا بھی حصہ تھا اور سب سے بڑھ کر ایران کے خلاف عرب ممالک کو امریکہ کے موقف پر رضامند کرنے کیلئے تھا' تاکہ ایران کے خلاف پابندیوں اور ممکنہ حملے کی

صورت میں امریکہ کے حق میں راہ ہموار کی جاسکے۔

❖♦❖

اسرائیل نے راکٹ حملے روکنے کیلئے حماس کے لیڈروں کو نشانہ بنانے کی دھمکی دی ہے۔ اولمرٹ نے کہا ہے کہ دہشت گردی کے ذمہ داروں کو تربیت اور ترغیب دینے والوں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں سے کس طرح نمٹنا ہے اور ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ اسرائیلی وزیر داخلہ نے کہا کہ اسرائیل میں راکٹ حملوں کا ذمہ دار حماس ہے اور ہمارا مقصد ان کو شکست دینا ہے۔ وزیر ہاؤسنگ نے تو اسماعیل ہانیہ سمیت تمام رہنماؤں پر حملہ کرنے کی تجویز دی۔ اسرائیل نے غزہ کی مکمل ناکہ بندی اور اس پر بے شمار معاشی پابندیاں عائد کررکھی ہیں۔ اسرائیلیوں کے مظالم کے باعث ہی حماس کا رویہ مزاحمتی رہا ہے' مگر اسرائیل کسی کو احتجاج کا حق دینا نہیں چاہتا۔

ظالم کیلئے جب مظلوم کی آواز کو دبانا ممکن نہ رہے تو وہ اس کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اسرائیل کے حماس کے خاتمے کے منصوبے بھی اسی منظر کی عکاسی کرتے ہیں۔ حماس کا خاتمہ' حماس کے رہنماؤں کا قتل اسرائیل کی نئی پالیسی کا حصہ نہیں بلکہ حماس کو کچل دینے کا ارادہ تو اس کا برسوں سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج اسرائیل کھلم کھلا اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ حماس کا خاتمہ چاہتا ہے۔ حماس کے رہنماؤں کا قتل اس کا مشن ہے۔ اسرائیل حماس کے رہنماؤں کو نشانہ بنانے کی کھلم کھلا دھمکیاں دے رہا ہے۔ اسرائیلی جنگی طیاروں نے غزہ کے نواحی علاقے ادخان یونس پر 4 میزائل حملے کئے' جس کے نتیجے میں حماس کا ایک کمانڈر شہید ہو گیا۔ اسرائیل حماس کے لیڈروں کو مرحلہ وار نشانہ بنانے کا منصوبہ تشکیل دے چکا ہے اور اس کا یہ ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ جاری بھی ہے۔ حماس کے کمانڈر کے شہید ہونے کے بعد جب غزہ کی پٹی سے راکٹ داغا گیا تو ایک آٹھ سالہ بچے کی ٹانگیں ضائع ہو گئیں اور وہ شدید زخمی ہو گیا۔ اس بچے کی شدید زخمی حالت پر اسرائیلی حکومت نے غزہ میں بڑی کارروائی کا فیصلہ کیا۔ غزہ کی پٹی پر فلسطینی بھوک پیاس سے نڈھال ہوں' جاں بلب زندگی کی فریاد کررہے ہوں' اسرائیلی حملوں اور فوجی کارروائیوں سے کتنے ہی بے گناہ' نہتے اور مظلوم فلسطینی جام شہادت نوش کرلیں' اسرائیلیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں' کیونکہ فلسطینی یہودیوں کی نگاہ میں انسان نہیں۔ ان کو دبانا' کچلنا' ان پر مظالم ڈھانا اور ان کو ہلاک کرنا، سب کیلئے جائز ہے' مگر اسرائیلی قوم کا ایک بچہ بھی زخمی ہو جائے تو ان میں غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اسرائیلی فوج کے نہتے فلسطینیوں کے خلاف سخت آپریشن کے باعث رواں سال میں حتمی معاہدے کی کوششیں بری طرح متاثر ہوئی ہیں۔ صیہونی

ریاست نے امن معاہدہ کرنے سے بھی انکار کردیا ہے۔

اسرائیلی حملوں کے باوجود حماس کے کارکنوں میں آزادی کے حق کیلئے لڑنے کے ارادوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ حماس کے مندوبین نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف مزاحمت جاری رکھیں گے اور صدر محمود عباس کی پالیسیوں کی مخالفت جاری رہے گی۔ اسرائیل نے عالم عرب کے احتجاج کے باوجود حماس کے خلاف کارروائیاں جاری رکھنے اور اس تحریک کو کچل دینے کا تہیہ کررکھا ہے۔ اسرائیل نے کہا ہے کہ حماس کے خلاف اسرائیلی کارروائیاں ایک سال میں حماس کا غزہ سے خاتمہ کردیں گی۔ اسرائیل کو اچھی طرح پتہ ہے کہ یہود وہنود اور مغرب کی تمام تر طاقتیں اس کی پشت پر ہیں' اس لئے اب اس نے اپنے پوشیدہ عزائم کا اعتراف کرلیا ہے اور حماس کے رہنماؤں کو کھلم کھلا دھمکیاں دینا شروع کردی ہیں۔ اسرائیلی نائب وزیراعظم ہیم رامن نے تو اس سلسلے میں باقاعدہ پریس کانفرنس بھی کی ہے اور اس میں واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ وہ حماس کے خاتمے کے مشن پر ہیں اور اسرائیل کے حماس کے خلاف اٹھائے گئے اقدامات چند ماہ یا سال بھر میں اس کا صفایا کردیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ غزہ کے علاقے پر اسرائیل مسلسل زمینی اور فضائی حملے کررہا ہے تاکہ حماس کو کچل دیا جائے اور وہاں کے باشندوں کو تڑپ تڑپ کر جان دینے پر مجبور کردیا جائے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ یہودی ریاست امن معاہدے کے بجائے حماس کے خاتمے کیلئے منصوبہ بندی کررہی ہے۔ ہر وہ فلسطینی، جو بلاواسطہ یا بالواسطہ اسرائیل پر حملوں میں ملوث ہے' ہمارا نشانہ ہوگا۔ معاہدے کی تو اب توقع عبث ہے ہاں اعلامیے پر غور ہوسکتا ہے۔ اسرائیل نے پہلے تو امن معاہدے کی منسوخی کا اعلان کیا اور پھر حماس کے خاتمے کا۔ غزہ کی جانب سے کی گئی کارروائیوں کو وہ اسرائیلیوں پر تشدد قرار دیتا ہے اور خود غزہ کے بنیادی انسانی حقوق کی معطلی اور مظلوم شہریوں کی ہلاکت کو وہ انتہا پسندوں کے خاتمے کی صورت بتاتا ہے۔

حماس کے خاتمے کیلئے اسے اس ظلم کی بھی پروا نہیں جو کہ وہ بے گناہ شہریوں پر روا رکھے ہوئے ہے۔ غزہ پر چڑھائی کے نتیجے میں درجنوں فلسطینی شہری ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے' مگر اسے کیا پروا ہے؟ وہ تو ان کو اور بھی تیز اور منظم بنانے پر غور کررہا ہے۔ اولمرٹ نے باضابطہ اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ہم دہشت گردوں اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کے خلاف کارروائیاں جاری رکھیں گے۔ اسرائیلی نائب وزیر خارجہ نے آرمی ریڈیو کو بتایا کہ گزشتہ دو ماہ کے دوران تقریباً 2 سو فلسطینی مجاہد مارے جاچکے ہیں۔ غزہ کے اکثر راستوں پر اسرائیل کا قبضہ ہے' اسرائیل خود کو تو غزہ کے شہریوں اور حماس کے لیڈروں کو نشانہ بناتا ہے' مگر غزہ کے علاقے سے راکٹ فائر ہونے کی صورت میں بجلی' پانی اور ایندھن کی فراہمی منقطع کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ اسرائیل غزہ پر حماس کا

قبضہ ناجائز قرار دیتا ہے۔ حماس یہودی ریاست کے وجود کو ناجائز قرار دیتی ہے اور اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ غزہ ایک ایسا علاقہ ہے، جہاں معاشی حالت ابتر ہے۔ بنیادی ضروریات کی فراہمی میں تعطل اور اسرائیلی حملے عام بات ہے' مگر حماس کا اس صورتحال میں مستقبل کے متعلق کیا لائحہ عمل ہے؟ حماس کے ایک رہنما محمود زاہر کہتے ہیں کہ حماس 2006ء کے فلسطینی قانون سازی کے الیکشن میں کامیابی حاصل کر چکی ہے اور اسے اپنا راستہ بدلنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ محمود زاہد کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسرائیل کے حملوں سے حماس کی تحریک پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ حماس کے ایک اور رہنما غازی حماد جو کہ معتدل پسند رہنما گردانے جاتے ہیں' اس بات کے قائل ہیں کہ حماس کی سیاست کو مدافعت یا احتجاج کے ساتھ توازن میں کرنے کی بہرحال ضرورت ہے۔ اسرائیل کے حماس رہنماؤں کو نشانہ بنانے کی دھمکیوں پر بات کرتے ہوئے ابوظہیری نے کہا کہ اسرائیلی دھمکیاں فلسطینی ریاست کو جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتیں۔ فلسطینی باشندوں کے حقوق کیلئے مسلح جدوجہد جاری رہے گی اور اسرائیل کو ناجائز قبضے کی قیمت چکانا پڑے گی۔

حماس کے رہنما اسرائیل کے حملوں کی دھمکی کے ردعمل میں سکیورٹی کے معاملے میں خاصے محتاط ہو چکے ہیں' کیونکہ اسرائیل ماضی میں بھی حماس کے لیڈروں کو دھمکیاں دے چکا ہے۔ موبائل نمبرز تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ رہائشی ٹھکانے بھی تبدیل کئے جا چکے ہیں اور حماس لیڈر انڈر گراؤنڈ جا چکے ہیں' لیکن انہیں فلسطین کی آزادی کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ دینے میں عار نہیں' دھمکیاں یا حملے حماس کے رہنماؤں کی آواز کو دبا نہیں سکتے۔ حماس کے ترجمان نے کہا کہ اگر اسرائیل امن معاہدے میں مخلص ہوتا تو وہ سیز فائر کی پالیسی پر عملدرآمد کرتا۔ ہمیں روکنے کیلئے اسرائیل کو خود بھی حملوں سے ہاتھ کھینچنا ہوگا' وہ بجائے حملے روکنے کے، دھمکیاں دینے پر اتر آیا ہے۔ اسرائیل کی ٹارگٹ کلنگ پالیسی بین الاقوامی قوانین کے بہت سے سوالات اٹھاتی ہے' جن کے جوابات واضح نہیں ہیں۔ اسرائیل ایک طرف الفتح سے امن مذاکرات اور بش سے امن کے حوالے سے بات چیت پر آمادگی ظاہر کرتا ہے تو دوسری طرف نہتے اور مظلوم فلسطینیوں کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے۔ ابھی تک اس کی پالیسی واضح نہیں ہے' صرف اس لئے کہ وہ اسے پردوں میں رکھ کر اپنے گھناؤنے اور مکروہ عزائم چھپا رہا ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت انتقامی مقاصد کیلئے اسلحہ کا استعمال ممنوع ہے' کیا اسرائیل اپنی حفاظت کیلئے یہ سب کر رہا ہے۔ اسرائیلی حملوں کے بین الاقوامی جواز کو یقینی بنانے کیلئے حماس کے خودکش حملوں کا جواز پیش کیا جاتا ہے؟ چونکہ حماس اسرائیل کے خلاف اپنے عزائم کا اظہار کرتی رہتی ہے' نتیجتاً آرٹیکل 15 کے تحت اسرائیل بھی حماس کے رہنماؤں کے خلاف ملٹری فورس کا استعمال قانونی سمجھتا ہے۔

اسرائیل کا یہ بھی مؤقف ہے کہ حماس کی اپنی کوئی ریاستی حیثیت نہیں۔ دوسری ریاستیں اسے امداد اور سپورٹ فراہم کرتی ہیں' لیکن وہ کسی دوسری ریاست کے براہ راست کنٹرول میں نہیں۔ اس لحاظ سے اس کی حیثیت ایک دہشت گرد گروہ کی ہے جس کا خاتمہ یا اس کے رہنماؤں کا مرحلہ وار قتل بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کے زمرے میں نہیں آتا۔ ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بننے والے افراد کو زیادہ تر فضائی حملوں میں ہلاک کیا گیا جو کہ سراسر جنگی طریقہ ہے۔ اسرائیل حماس کے رہنماؤں کے خاتمے کو قانون کے لبادے میں لپیٹ کر پیش تو کرتا ہے مگر اس کے فضائی حملے اور مظالم سے بے شمار معصوم شہری بھی نشانہ بن رہے ہیں۔ اگر وہ صرف حماس کے خاتمے کیلئے کوشاں ہے تو غزہ کی پٹی پر آباد انسانوں کے حقوق کی تلفی اور جانوں کی ہلاکت کا ذمہ دار کون ہے۔ اسرائیل کی پالیسیاں تمام فلسطینی شہریوں کو غیظ وغضب کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ اسرائیل حماس کو نشانہ بناتے ہوئے کہتا ہے کہ حماس غزہ میں نظم ونسق کے بجائے اسے اسرائیلیوں پر حملے کا مرکز بنائے ہوئے ہے۔ اگرچہ غزہ حماس کے قبضے میں ہے' پھر بھی کئی فلسطینی اس تحریک کی مخالفت میں ہیں اور الفتح کے زیادہ قریب ہیں۔ الازہر یونیورسٹی کے سیاسیات کے پروفیسر ضحارا ابوسدا کہتے ہیں کہ حماس کے خلاف دائرہ روز بروز تنگ کیا جا رہا ہے جو کہ تبدیلی کیلئے جدوجہد پر اکساتا ہے' مگر اسرائیلی حملوں میں اگر 35 فلسطینی مجاہد مرتے ہیں تو ان میں 10 معصوم شہری ہوتے ہیں۔ ایسے میں کیا لوگوں کے اذہان بدلے جا سکتے ہیں' جبکہ ان کو بلاوجہ ہلاک کیا جا رہا ہو۔ اسرائیل حماس کو کچل دینا چاہتا ہے مگر اس کیلئے ''ہر قیمت پر'' اصول درست نہیں۔ فلسطینی اپنے بھائیوں اور شہریوں کا قتل نہیں دیکھ سکتے۔

حماس کے کئی رہنما معتدل پسند نہیں اور فلسطینی اس حوالے سے ان پر قومی اتحاد اور اتفاق رائے پر زور ڈال رہے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ الفتح اور حماس کی مفاہمت ہی فلسطینی معاشرے میں اتحاد و یگانگت سے پرامن فضا قائم کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ صرف اتحاد ہی غزہ کی صورتحال کو بہتر بنا سکتا ہے' جبکہ الفتح حماس کے قبضے کو تسلیم نہ کرنے کے بجائے اسے غزہ کا علاقہ چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے' اس کے اس اصرار کے پیچھے اسرائیلی زبان ہے۔ اسرائیل کی شناخت ایک مسئلہ ہے، جسے الفتح تسلیم کرتی ہے' لیکن حماس تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ محمود عباس کو چاہئے تھا کہ وہ اسرائیل سے مذاکرات کرتے وقت حماس کو ساتھ لے کر چلتے۔ الفتح کے ایک سینئر افسر کا اس ضمن میں کہنا ہے کہ غزہ کی صورتحال اور اسرائیلی اقدامات فلسطینی مجاہدوں کے دیگر دھڑوں کو بھی متحرک کرنے کا باعث بن سکتے ہیں اور یہ صورتحال حماس کو اور بھی مضبوط کر دے گی۔

اسرائیل تمام دنیا کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ بات چیت سے مسئلے کا حل ممکن نہیں'

حماس کے خاتمے سے ہی فلسطین کا حل مشروط ہے' کیونکہ اسرائیل اچھی طرح جانتا ہے کہ حماس کو کمزور کرنے سے فلسطینی تحریک کمزور پڑ جائے گی اور الفتح کے غبارے سے وہ پہلے ہی ہوا نکال چکا ہے۔ حماس کو امید ہے کہ مصر اور سعودی عرب غزہ کی صورتحال کے حوالے سے ٹھوس قدم اٹھائیں گے' مگر کب تک؟ اس کب تک کیلئے تمام عالم اسلام خصوصاً عرب ممالک کا اتحاد ضروری ہے۔ اسرائیل پہلے حماس کو کچل دینا چاہتا ہے' کیونکہ الفتح اس کیلئے آسان ہدف ہے۔ پھر پوری فلسطینی ریاست کو یہودی ریاست میں ضم کر دینے کا خواب ہی اس کا اصل ہدف ہے' جس کیلئے وہ معصوم شہریوں کی جانیں لے رہا ہے۔ حماس کے رہنماؤں کا خاتمہ اس کے منصوبے کو آسان کر دے گا۔

غزہ کے لوگوں کو بحران سے بچانے کیلئے حماس کے رویے میں مفاہمتی انداز موجود ہے' مگر حماس کے خاتمے پر کمر بستہ اسرائیل جنگ بندی کے امکان کو یکسر مسترد کر رہا ہے۔ حماس کے خاتمہ پالیسی کے مشیر احمد یوسف نے اسرائیلی اخبار ہآ ارتز کو انٹرویو دیتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ہم لمبے عرصے تک جنگ بندی کیلئے تیار ہیں۔ ہم نے جنوری 2006ء کے پارلیمانی انتخابات سے 9 ماہ قبل یکطرفہ طور پر جنگ بندی کا اعلان کیا تھا' جو بعد میں بھی 6 ماہ تک جاری رہی۔ انہوں نے کہا کہ حماس نے ماضی میں بھی راکٹ حملوں کو روکنے کیلئے بہت کوششیں کی ہیں' تاہم دوسرے انتہا پسند گروپوں کو روکا نہیں جا سکتا۔ اسرائیل اگر مفاہمت پر راضی ہو تو حماس کو غزہ کا قبضہ چھوڑ دینے پر مجبور کرنے اور وہاں ظلم و جور کا طوفان برپا کرنے کے بجائے حماس کے لچکدار رویے پر اپنا مؤقف نرم رکھے اور سیز فائر سمجھوتہ پر راضی ہو جائے۔ لیکن اسرائیل مستقبل میں بھی فلسطینیوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ وہ جنگ بندی کے بجائے ''کچل دو'' پر یقین رکھتا ہے اور اسی کو مسئلے کا واحد حل سمجھ رہا ہے۔

❖♦❖

اسلحہ اور تشدد کے کھلاڑی یہودی فلسطینیوں کے خلاف برملا ہولوکاسٹ کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ یہودی قوم کو جہاں کہیں خود کو مظلوم ثابت کرنا ہوتا ہے وہ لفظ ''ہولوکاسٹ'' کا بے دریغ بلکہ بلامبالغہ استعمال کرتے ہیں۔ ہولوکاسٹ کو اگر وہ تاریخ کا بدترین ظلم گردانتے ہیں تو پھر بجائے اس سے بچنے اور دنیا کو اس جیسی اور کسی تباہی سے محفوظ رکھنے سے، وہ اسی ہتھیار کو چلانے کے خواہاں کیوں ہیں؟ اگر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو یہودی قوم جو خود کو ہولوکاسٹ کے سانحے میں مظلوم گردانتی ہے' کیا اس ہتھیار کو چلانا چاہتی ہے، جو اس پر چلایا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ فلسطینیوں کو ہولوکاسٹ سے ڈرانا کیا معنی رکھتا ہے' کیونکہ مظلوم فلسطینیوں کے خلاف یہودی قوم جو کچھ کر رہی ہے' غزہ میں بدترین انسانی بحران' فلسطینیوں کی نسل کشی' کیا یہ مظالم ہولوکاسٹ سے کم ہیں؟ فلسطینی تو پہلے ہی ہولوکاسٹ سے گزر رہے ہیں۔ یہ اسرائیل کی ظالمانہ کارروائیاں ہی ہیں کہ فلسطینی صدر اسرائیل کے قریبی حلیف اور ساتھی الفتح کے لیڈر محمود عباس نے بھی اسرائیلی فوجیوں کی غزہ میں انتقامی کارروائیوں کو ہولوکاسٹ سے بڑھ کر قرار دیا ہے۔ محمود عباس نے کہا کہ اسرائیلی حملے ہولوکاسٹ سے بڑھ کر ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور دنیا کو دیکھنا ہوگا کہ دہشت گردی کون کر رہا ہے۔ محمود عباس نے کہا کہ لفظ ہولوکاسٹ کا استعمال انتہائی تشویشناک ہے' اس پر عالمی دنیا کو ردعمل ظاہر کرنا ہوگا۔ 2007ء میں اسرائیلی فوجوں نے جن فلسطینیوں کو شہید کیا ان میں اکثریت عام شہریوں کی تھی۔ یہ فلسطینی اسرائیل کے خلاف کسی قسم کے معاملات میں ملوث نہ تھے۔ اسرائیل کے فضائی اور زمینی حملوں کے باعث بہت سے عام اور امن پسند فلسطینی شہری موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں اور جو زندہ ہیں، وہ بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ یہودی ریاست صرف اسلحہ اور بموں کے سہارے قائم ہے۔ دنیا میں تشدد کے کلچر کی حکمرانی صرف اور صرف یہودی غیر مسلموں' یہودیوں کی اسلام دشمن سازشوں کی وجہ سے ہے۔ 1919ء میں نازیوں کے رہنما ہٹلر کو ہولوکاسٹ کا الزام دیا جاتا ہے۔ ہٹلر قومی تفاخر' قومی نظام اور خالصتاً جرمن

نسل صرف جرمنوں کیلئے' کا حامی تھا اور اس کے نظریے کے مطابق وہاں کسی اور دوسری نسل کو بسیرا کرنے کا حق نہ تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ جرمن دوسری تمام اقوام سے بہتر ہیں اور یہودی دوسری تمام ناپسندیدہ اقوام کے باشندے جرمنوں سے کم تر ہیں۔ ناپسندیدہ کی فہرست میں وہ مجرموں' خانہ بدوشوں' ہم جنسوں اور ان تمام لوگوں کو گردانتا تھا جو کہ ذہنی اور جسمانی لحاظ سے جرمنی کو چیلنج کر سکتے تھے۔ جرمنی نے یہودیوں کے خلاف قوانین منظور کر رکھے تھے، جن کے مطابق یہودیوں کو اپنی زمین خریدنے' اخبارات کھولنے' جرمنوں کو پڑھانے' فوج ملٹری میں خدمات سرانجام دینے اور نیشنل ہیلتھ انشورنس سے فائدہ اٹھانے کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ یہودیوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنا یہودی نسب شناختی کارڈ ہمراہ رکھیں' اپنی جائیداد کو رجسٹرڈ کرائیں۔ انہیں ملک سے باہر آنے جانے کیلئے بھی خاصے مسائل کا سامنا تھا۔

انہیں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ ایک بڑا سرخ رنگ کا ''J'' اپنے پاسپورٹ پر لکھوائیں۔ جرمنی ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک بھی برتتا تھا۔ بہت سی عورتوں کو جبراً نسل کشی کی طرف دھکیلا گیا۔ ہٹلر نے محسوس کیا کہ یہودیوں کا زندہ رہنا ضروری نہیں یا یہودی زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ نازیوں اور جرمنی کے رہنما ہٹلر نے یہودی نسل سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے منصوبہ بنایا۔ ان کے پلان کو '' فائنل سلوشن'' آخری حل کا نام دیا گیا۔ یہودیوں کو غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا جو کہ حقیقت میں نگہداشتی کیمپ تھے۔ ہٹلر نے آخر کار ان تمام یہودیوں کے قتل عام کا حکم صادر کر دیا۔

ہزاروں یہودیوں کو ایک وقت میں گیس چھوڑ کر ہلاک کر دیا گیا۔ ان کے قتل عام پر پردہ ڈالنے کیلئے ان کے جسموں کو جلا دیا گیا اور کئی یہودیوں کو فائر سکواڈ نے ہلاک کر دیا اور کئی کو فاقہ کشی سے مرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ نازی پارٹی نے تقریباً 6 ملین یہودیوں کو ہلاک کر دیا۔

بس یہودیوں کی تاریخ میں ہولو کاسٹ یا بدترین تباہی اس وقت سے ہی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ ایک سینئر اسرائیلی وزیر دفاع نے بھی کہا کہ اگر فلسطینیوں کی طرف سے اسی طرح راکٹ داغے جاتے رہے تو حماس کے کنٹرول والے علاقے غزہ میں ہولو کاسٹ یا بہت بڑی تباہی آنے کا خدشہ ہے۔ یہودیوں کے خلاف نازیوں کا ہولو کاسٹ اسرائیل کا کثرت سے استعمال کیا جانا والا ''لفظ'' ہے۔ اب وہ اس کیلئے ذمہ دار حماس کو ٹھہرا رہے ہیں۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ اگر حماس کی طرف سے اسی طرح راکٹ داغے جاتے رہے تو یہودیوں کے پاس وسیع ترین فوجی طاقت استعمال کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ ایک طرف اسرائیلی نائب وزیر دفاع نے یہ بیان دیا' دوسری طرف اسرائیل کے نائب وزیر دفاع ماتان ولنائی کے ترجمان نے میڈیا کو بتایا کہ

نائب وزیر دفاع کا یہ بیان ہولناک تباہی کی طرف اشارہ تھا نہ کہ نسل کشی کی طرف۔ اسرائیل کی وزارت خارجہ کے ترجمان آئیر میکل نے کہا کہ یہ لفظ ہولناک، تباہی یا آفت کیلئے استعمال کیا گیا ہے نہ کہ ہولو کاسٹ کیلئے۔ اسرائیل کے ان بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے حماس کے رہنما ابوظہری نے کہا کہ ہم نئے نازیوں کا سامنا کر رہے ہیں جو کہ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں اور فلسطینی باشندوں کو جلا دینا چاہتے ہیں۔ حماس کے رہنما اور سابق وزیراعظم اسماعیل ہانیہ نے کہا کہ ولانی کے بیان سے اسرائیل کے مذموم ارادوں کا پتا چلتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ '' اسرائیلی دنیا سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کی مذمت کرے' جسے وہ یہودیوں کے ہولو کاسٹ کا نام دیتے ہیں اور اب وہی اسرائیلی ہمارے فلسطینی عوام کو ہولو کاسٹ کی دھمکی دے رہے ہیں۔ اس سے غزہ اور فلسطینی عوام کے خلاف ان کے شیطانی اور جارحانہ ارادوں کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ فلسطینیوں کے خصوصی مذاکرات کار صائب ارکات نے بھی اسماعیل ہانیہ کے بیان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیلی نائب وزیر دفاع کے الفاظ سے اسرائیل کے منصوبوں کی نشاندہی ہوتی ہے کہ پندرہ لاکھ لوگوں کا قتل عام جائز ہے اور وہ بھی ایسے بے بس انسان جو دنیا کے غریب ترین اور تنگ ترین علاقے میں رہ رہے ہیں' جہاں ایک ایک مربع میٹر کی حدود میں چھ چھ افراد گھٹ کر رہ رہے ہیں۔

یہ ایسے بے بس لوگ ہیں، جن پر 1944ء کے جنیوا کنونشن کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس قانون کے تحت سویلین لوگوں کی حفاظت ضروری قرار پائی گئی ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق سویلین لوگوں کی بہت بڑی تعداد اسرائیل کا نشانہ رہی ہے۔ ماتان ولانی نے اسرائیل ملٹری ریڈیو کے ساتھ ایک انٹرویو میں کہا '' فلسطینی ہم پر جتنے راکٹ داغیں گے' وہ اپنے اوپر اتنے ہی بڑے ہولو کاسٹ کو دعوت دیں گے' کیونکہ ہم اپنا دفاع کرنے کیلئے پوری طاقت استعمال کریں گے۔'' اسرائیل چاہتا ہے کہ غزہ میں حماس کو شکست دے اور ان علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم کرے، جہاں سے یہ راکٹ داغے جاتے ہیں۔ اسرائیل کو سٹریٹجک فیصلہ لینا ہوگا تا کہ فوج جلد از جلد تیار ہو سکے۔ اسرائیل غزہ کے نہتے شہریوں پر مظالم کیلئے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کیلئے حماس پر تمام تر بوجھ ڈال رہا ہے' لیکن اگر اسرائیل امن کا خواہاں ہے تو وہ فلسطینیوں کو ان کا حق کیوں نہیں دیتا۔ ایک تو وہ غاصب بن کر ان کے حقوق چھین رہا ہے' دوسرا ان کو ہی خوفناک تباہی سے ڈرا بھی رہا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم اولمرٹ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ '' اسرائیل غزہ میں زندگی کو آسان بنانا نہیں چاہتا۔ غزہ کے باشندے گاڑیوں میں پٹرول کے بغیر بھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ انہیں پیدل چلنا چاہئے اس لئے کہ ان کے علاقہ میں ایک مجرمانہ انتظامیہ ہے جو اسرائیل کو چین سے رہنے نہیں دے رہی۔''

غزہ کے سینکڑوں بلکتے بچوں کی آہوں کا بھی ایہود اولمرٹ یا اسرائیل کی انتظامیہ پر کوئی اثر نہیں۔اس کیلئے اس کا مؤقف یہ ہے کہ اسرائیل کی اولین ترجیح اپنے علاقہ کے حالات کو پرسکون بنانا ہے نہ کہ غزہ کے حالات کو۔غزہ کے حالات دن بدن تباہی کی طرف جارہے ہیں۔ہر روز کئی فلسطینی جام شہادت نوش کررہے ہیں۔ایندھن بجلی کی ناکہ بندی نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے۔صحت کا شعبہ شدید متاثر ہوا ہے۔15000 سے زائد شدید بیمار افراد علاج کیلئے غزہ سے باہر جانے کے منتظر ہیں،فوری علاج نہ ہونے کی صورت میں ان کی جانوں کو شدید خطرہ ہے۔دوائیں ختم ہو چکی ہیں،ناکہ بندی سے تجارت،زراعت اور صحت وصنعت کے تمام شعبے متاثر ہوئے ہیں۔3900 فیکٹریاں بند ہونے سے 140 ہزار مزدور بیروزگار ہو چکے ہیں۔150 ملین ڈالر سے زائد کا تجارتی سامان اسرائیلی بندرگاہوں پر روکا جا چکا ہے۔لوگ بھوک،بیماری اور مسائل کے باعث موت کو گلے لگانے پر مجبور ہیں۔حماس کو چونکہ عوامی حمایت حاصل ہے۔غزہ کے نہتے شہریوں کو حماس کی طرف داری کی سزا دی جارہی ہے۔ہسپتالوں میں بچوں کی جان کو خطرہ لاحق ہے۔غزہ کے باشندے موت وتباہی،بھوک وتباہی اور محاصرہ کا سامنا کررہے ہیں۔تاریکی ان کا مقدر بنادی گئی ہے،بھوک اور غربت ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔غذا اور ادویات تو دور کی بات ان کے پاس پانی تک نہیں ہے۔اسرائیل کا کہنا ہے کہ وہ مجاہدوں کی اسلحہ فیکٹریوں کو نشانہ بنارہا ہے۔اس نے علاقے میں پانچ سرنگوں کا پتہ بھی لگایا جو کہ سمگلنگ کیلئے استعمال کی جارہی تھیں۔اسرائیل نے اس علاقے میں حماس کے صدر محمود عباس کی فتح پارٹی کو انتخابی شکست سے دوچار کیا تھا،تب سے غزہ اسرائیل کو بری طرح کھٹک رہا تھا۔شمالی غزہ سے اسرائیل کی فوجوں کی پانچ دن کی کارروائی کے بعد انخلاء کو اسرائیل اپنا ہدف کا حصول بتارہا ہے،جبکہ حماس کے ترجمان کا کہنا ہے کہ دشمنوں کو شکست دے دی گئی ہے۔غزہ بدترین انسانی المیہ سے دوچار ہے اور دنیا کے سرپر جوں بھی نہیں رینگ رہی۔اقوام متحدہ میں بھی وہی کرتا دھرتا بیٹھے ہیں جو کہ یہودیوں کے حامی ہیں۔اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ایک بار پھر فلسطینیوں پر صہیونیوں کے مظالم کی مذمت کیلئے اسلامی ممالک نے قرارداد پیش کی،جو حسب دستور اور حسب سابق پھرنا کام ہوگئی۔سلامتی کونسل کے 15 ممالک گھنٹوں بحث کے باوجود کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے،اس لئے کہ معاملہ مسلمانوں کا تھا۔اگر یہی معاملہ کسی غیر مسلم یہود یا ہنود کا ہوتا تو قرارداد بھی منظور ہو جاتی اور اتحادی بھی فوراً سامنے آجاتے۔اس قرارداد کی ناکامی کے بعد البتہ ایک بیان داغ دیا گیا کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کو فوری طور پر تشدد بند کر دینا چاہئے۔ایسے اقدامات نہ کئے جائیں،جن سے مشرق وسطیٰ میں امن اور جامع سیاسی عمل پٹڑی سے اتر جائے۔

سلامتی کونسل غزہ کے حالات کیلئے اسرائیل کو ذمہ دار ٹھہرانے اور اس کی مذمت کرنے کے بجائے حماس کے راکٹ حملوں کو جواز بنا کر اسرائیل کو اور شہہ دیتی آئی ہے۔اسی لئے صہیونی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کا رویہ امن پسندانہ ہونے کے بجائے جارحانہ ہے اور ایہود کا واضح الفاظ میں یہ کہنا ہے کہ ہم صبر واستقامت دکھانے کیلئے تیار نہیں،ہم ہر راکٹ حملے کا جواب دیں گے۔

ہمارا ردعمل خاص آپریشن یا دن تک محدود نہیں ہوگا۔آپریشن مقاصد کے حصول تک جاری رہے گا۔حماس کے لیڈروں کا خاتمہ،القاسم بریگیڈ کو ختم کرنا اور راکٹ حملوں کو روکنا ہمارا مقصد ہے۔صہیونی زمینی وفضائی فوج کی پانچ روز سے جاری رہنے والی کارروائی میں 120 سے زائد فلسطینی شہید ہوگئے۔82 سالہ فلسطینی خاتون نے یہودی فوج کی اس کارروائی پر کہا کہ میں نے پوری زندگی میں ایسا قتل عام نہیں دیکھا۔لوگ اپنے تباہ شدہ گھروں کا ملبہ اٹھارہے ہیں اور جانوں اور املاک کے اس ضیاع پر آنسو بہارہے ہیں۔اس بدترین آپریشن کے دوران اسرائیلی فوج نے مظلوم فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔

اسرائیلی وزیراعظم نے کہا کہ غزہ سے فوج واپس بلائے جانے کے باوجود بھی آپریشن جاری رہے گا۔ایک اسرائیلی اہلکار نے اپنا نام نہ بتانے کی شرط پر میڈیا کو بتایا کہ وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے واضح طور پر خطاب کرتے ہوئے ہمیں کہا کہ ''ہم حالت جنگ میں ہیں،فضائی اور زمینی حملے اور سپیشل آپریشن سمیت ہر چیز جاری رکھی جائے گی۔حماس کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کیا اور کس حد تک کرنے والے ہیں۔'' حماس کے ترجمان نے اس کے جواب میں کہا کہ ''غزہ میں صہیونی فوج کا القاسم بریگیڈ سے سامنا تھا،جو ناکام ہو کر بھاگنے پر مجبور ہوئی۔غزہ سے اسرائیل کا جانا اسرائیل کی شکست ہے،غزہ غاصب قوتوں کیلئے قبرستان ثابت ہوگا۔'' حماس اسرائیل کی طرح کی دفاعی طاقت سے محروم ہے۔دوسری طرف فلسطینی قیادت بھی دو دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔فلسطینیوں نے اس نازک صورتحال پر الفتح اور حماس دونوں کو متحد ہونے پر زور دیا ہے۔

2008ء کو فلسطین کے مسئلے کا حل قرار دیا جارہا تھا مگر سال کے آغاز میں فلسطینی قیادت پر حملہ،شہریوں کو نشانہ بنانا،اسرائیل کے یہ وہ اقدامات ہیں جو ظاہر کررہے ہیں کہ وہ ہرگز امن کا خواہاں نہیں۔ہاں امن کی آڑ میں وہ ان تمام فلسطینیوں کا خاتمہ کرنے کے درپے ہے،جو اس کے خلاف سر اٹھاتے ہیں،کیونکہ مسئلہ فلسطین کے ایسے حل کا خواہاں ہے،جس میں فلسطین اس کے ہر ممکن تابع ہو۔اسرائیل کے ماتحت ایک ریاست جس کے حال اور مستقبل کے تمام تر فیصلوں کا دارومدار اسرائیل پر ہو۔روڈ میپ کو لے کر چلنے والا امریکہ اب خاموش تماشائی بنا ہوا ہے بلکہ اسرائیل کے مظالم کو روکنے کے بجائے حماس کا ناطقہ بند کرانے کے عمل میں اسرائیل کے ساتھ

پوری طرح شریک ہے۔

کنڈولیزا رائس امن عمل کی بات چیت کیلئے مشرق وسطیٰ پہنچیں اور قاہرہ میں اسرائیلیوں کو مظلوم ثابت کرنے کیلئے پریس کانفرنس میں کہا کہ معصوم شہریوں کے خلاف راکٹ برسانے کا سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ اس صورتحال کو اسرائیل کسی طور برداشت نہیں کرسکتا۔ دونوممالک کو روڈ میپ پر عمل کرنا چاہئے' رائس نے ایران پر حماس کو مسلح کرنے کا الزام بھی لگایا۔

امریکہ کو حماس کے راکٹ حملے تو گراں گزرتے ہیں مگر ہر روز فلسطینیوں کا قتل عام بھول جاتا ہے۔ امریکہ کی نگاہ میں فلسطینیوں کا قتل عام خود ان کی ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ ایران پر حماس کی حمایت اور ساتھ دینے پر اسے تکلیف ہے جبکہ اسرائیل کو امریکہ کی حمایت ہی نہیں بلکہ تمام یورپی طاقتوں کی حمایت حاصل ہے۔ غزہ کے بحران کا اعتراف تو عالمی امدادی ایجنسیاں بھی کر رہی ہیں۔ برطانیہ کی سرکردہ امدادی ایجنسی نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ غزہ میں بدترین انسانی بحران چل رہا ہے' جو کہ ان پر زبردستی ٹھونسا گیا ہے۔ آکسفیم' ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ''سیو دی چلڈرن فنڈ'' جیسے بڑے اداروں کے مطابق اسرائیل فلسطینیوں کو اجتماعی سزا دے رہا ہے' علاقے کی معیشت تباہ حال ہوچکی ہے۔ 80 فیصد آبادی اقوام متحدہ کی امدادی خوراک پر گزارہ کررہی ہے' ورکر بیروزگار ہوچکے ہیں۔ صحت اور تعلیم روبہ زوال ہے۔ امدادی اداروں کا کہنا ہے کہ اسرائیل کی موجودہ پالیسیاں صرف شدت پسندی کو ہوا دے رہی ہیں۔ تباہ شدہ گھر' ایندھن بجلی اور بنیادی سہولیات کی عدم فراہمی' ہر روز کی جانوں کی شہادت' بلکتے بچے' بھوک اور غربت سے مرتی ہوئی جانیں غزہ میں پہلے کیا جل رہا ہے یہ قتل عام ہی تو ہے۔ تباہی و بربادی' یہودی قوم کس ہولوکاسٹ کی دھمکیاں دے رہی ہے وہ وپہلے ہی غزہ میں چل رہا ہے یا وہ اس امر کی منتظر ہے کہ جب نام نہاد مذمت' بیانات اور قراردادوں کا سلسلہ بھی ختم ہوجائے۔ اسرائیل فلسطینی نسل کا ہی خاتمہ کرڈالے اور پھر پورے تفاخر کے ساتھ بتائے کہ اس نے آزادی کیلئے آواز بلند کرنے والوں کا مستقل گلا گھونٹ دیا۔

❖♦❖

کسی بھی تحریک کو دبانے کیلئے اس کے رہنماؤں اور قائدین کو نشانہ بنانا اسرائیل کیلئے عام سی بات ہوچکی ہے' اسی اصول پر عمل پیرا ہوکر تحریک کی طاقت کو کمزور کیا جاتا ہے۔ حزب اللہ کے سپیشل آپریشن یونٹ کے سربراہ عماد مغنیہ کو شام کے دارالحکومت دمشق میں کار بم دھماکے میں ہلاک کردیا گیا۔ عماد مغنیہ امریکی وزارت خارجہ اور یورپی خفیہ ایجنسیوں سمیت موساد کو بھی متعدد مقدمات میں مطلوب تھے۔ حزب اللہ نے عماد کے قتل کا ذمہ دار موساد کو ٹھہرایا۔ اسرائیل نے اس

کی تردید کی' تاہم ان کے قتل پر اسرائیل کے سیاستدانوں نے خوشی کا اظہار بھی کیا۔ اسرائیلی وزیراعظم کے ترجمان نے واقعہ کی تردید کرتے ہوئے بتایا کہ ہمیں خبر کا علم نیوز چینلوں کے ذریعے ہوا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی چینلوں نے معمول کی نشریات روک کر عماد کے قتل کی خبر چلائی۔ ٹی وی چینلوں نے حزب اللہ کی طرف سے خطرے کے پیش نظر اسرائیلی سفارتخانوں کی سکیورٹی فوری بڑھانے پر زور دیا۔ اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے سابق سربراہ نے عماد مغنیہ کی ہلاکت کو خفیہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی کامیابی قرار دیا۔ انہوں نے عماد کو اسامہ کے پائے کا دہشت گرد قرار دیا۔ اسرائیلی وزارت داخلہ واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کررہی ہے جبکہ موساد اس امر کو ایجنسیوں کی کامیابی قرار دے رہی ہے۔ حزب اللہ ٹی وی چینل کے مطابق جہادی رہنما عماد مغنیہ 1985ء میں امریکی طیارے کے ہائی جیکنگ کیس میں امریکہ کو انتہائی مطلوب تھے۔ عینی شاہدین کے مطابق کار پارکنگ میں کھڑی عماد کی کار کو دھماکے سے اڑا دیا گیا' تاہم اس بارے میں تفصیلات نہیں بتائی گئیں۔ حزب اللہ کا کہنا ہے کہ اسرائیل گزشتہ 20 سال سے عماد مغنیہ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔ حزب اللہ کے اسپیشل آپریشن یونٹ کے سربراہ عماد مغنیہ اسرائیل کو متعدد بم دھماکوں میں مطلوب تھے' جن میں 1992ء میں بیونس آئرس میں اسرائیلی سفارتخانے پر حملہ بھی شامل ہے' جس میں 29 افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ مغنیہ پر 1975ء سے 1990ء میں لبنان کی خانہ جنگی میں متعدد افراد کو یرغمال بنانے کے بعد ہلاک کرنے کا الزام ہے۔ مغنیہ کے بھائی جیاد اور فواد کو بھی 1984ء اور 1995ء میں کار بم دھماکے میں ہلاک کیا گیا تھا۔

عماد مغنیہ کی ہلاکت پر حزب اللہ کا شدید ردعمل سامنے آیا۔ حزب اللہ کے سربراہ شیخ حسن نصراللہ نے بیروت میں جنازے کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے اسرائیل کے ساتھ کھلی جنگ کرنے کا اعلان کیا۔ حسن نصراللہ نے کہا کہ ''اگر صہیونی طاقت جنگ چاہتی ہے تو ہم اس کیلئے تیار ہیں۔'' 2006ء میں اسرائیل کے ساتھ ہونے والی جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ جاری ہے۔ شیخ حسن نصراللہ نے کہا کہ عماد مغنیہ کا خون اسرائیلی ریاست ختم کرنے میں مدد دے گا۔ عماد مغنیہ کے جنازے میں ایرانی وزیرخارجہ منوچہر متقی سمیت ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ عماد مغنیہ کے جنازے پر حزب اللہ کمپلیکس بھرا ہوا تھا اور 20 ہزار سے زائد افراد جمع تھے۔ عماد کی اسرائیل کے خلاف 34 سالہ طویل جدوجہد کا تذکرہ کیا گیا۔ شام کے دارالحکومت دمشق میں کار بم دھماکے میں عماد کی ہلاکت پر ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ خامنائی نے حسن نصراللہ کو تعزیتی پیغام بھیجا۔ خامنائی نے عماد کو عظیم انسان قرار دیتے ہوئے ظلم کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ لبنان نے ہمیشہ سے ظلم کے خلاف لڑنے کیلئے عظیم لیڈر پیدا کئے ہیں۔

خامنائی نے عماد مغنیہ کی ہلاکت پر ٹی وی پر انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ خون کے پیاسے اسرائیلی سن لیں کہ عماد کا خون رنگ لائے گا اور ظلم کے خلاف جدوجہد جاری رہے گی۔ خامنائی نے شہادت کو کسی بھی مسلمان کا خواب قرار دیا۔ عماد مغنیہ کے قتل کو مشرق وسطیٰ کے میڈیا نے حزب اللہ کیلئے بڑا نقصان قرار دیا ہے۔ الاخبار ڈیلی نے لکھا کہ مغنیہ کا قتل حزب اللہ کیلئے سب سے بڑا نقصان ہے۔ اسرائیل نے یہ ماسٹر سٹروک کھیلا ہے۔ اخبار سفیر نے لکھا ہے کہ عماد مغنیہ حزب اللہ کیلئے کئی کامیاب مہمات سرانجام دے چکے ہیں۔ ''ان لیو'' اخبار نے لکھا ہے کہ مغنیہ کے قتل سے لبنان میں مزید فسادات پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

عماد مغنیہ کا شمار حزب اللہ کے اعلیٰ کمانڈروں میں ہوتا تھا اور وہ حسن نصر اللہ کے دست راست سمجھے جاتے تھے۔ صیہونی مملکت اسرائیل کافی عرصے سے ان کے قتل کے درپے تھی۔ امریکی خفیہ ایجنسی ایف بی آئی کو وہ مطلوب ترین شخص تھے۔ مغنیہ پر مبینہ طور پر اسرائیلی شہریوں کو یرغمال بنانے کے علاوہ طیارہ کے اغوا اور خودکش بم دھماکوں کا الزام تھا۔ 1980ء کی دہائی میں جب وسطی بیروت میں کئی امریکی شہریوں کو یرغمال بنایا گیا تو اس مہم کو سر کرنے والے کمانڈر عماد مغنیہ ہی تھے۔ اس وقت بعض یرغمالیوں کو ہلاک اور چند کو ایران کیلئے امریکی ہتھیاروں کے عوض رہا کر دیا گیا تھا۔ لبنان میں امریکی سفارتخانہ، فرانسیسی چھاتہ بردار سپاہیوں اور میرین ہیڈ کوارٹر پر خودکش حملوں کیلئے جن میں 350 سے زائد امریکی اور فرانسیسی فوجی اور شہری ہلاک ہوئے۔ اس کیلئے بھی اسلامی جہاد کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا، جس کی صدارت عماد مغنیہ ہی کر رہے تھے۔ 1994ء میں بیونس آئرس (ارجنٹائن) میں یہودی سنٹر پر بم مارنے کے واقعہ کیلئے بھی عماد مغنیہ کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا، اس میں 28 افراد ہلاک ہوئے تھے۔ 14 جون 1985ء کو امریکی طیارہ کے اغوا کیلئے مغنیہ کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

عماد مغنیہ کی ہلاکت کے واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے اسرائیل نے تردید تو کی مگر ہلاکت کی خبر پر امریکی اور اسرائیلی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ '' کئی اموات کا ذمہ دار سفاک قاتل ہلاک ہو گیا، دنیا اب اس شخص کے بغیر بہتر ہو گی۔ عماد مغنیہ بہت سی ہلاکتوں کا ذمہ دار اور بے قصور جانوں کا سودا کرنے والا دہشت گرد تھا۔''

عرب کے بیشتر تجزیہ نگاروں نے اس واقعہ کو اسرائیل کی کارستانی قرار دیا۔ ایران نے بھی اسرائیل پر حماد کے قتل کا الزام لگایا۔ عماد مغنیہ کے جنازے پر حزب اللہ کے رہنما شیخ حسن نصر اللہ کے خطاب پر امریکہ نے سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ حزب اللہ کے اعلانات عموماً عملی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ حزب اللہ کے سربراہ کے بیانات کو لے کر امریکی و اسرائیلی ٹھکانوں پر

حفاظتی اقدامات پہلے سے زیادہ سخت کر دیئے گئے ہیں۔ عماد مغنیہ کے قتل سے مشرق وسطیٰ میں نئی دھماکہ خیز صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ اسرائیل حزب اللہ جنگ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا، اسرائیل کو اس جنگ میں شدید ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جنگ کے بعد اب کافی عرصے سے حالات پرسکون چلے آ رہے تھے۔ حکمران جماعت اور حزب اللہ کے درمیان صدارتی انتخابات میں رسہ کشی کے باعث بھی اسرائیل کے ساتھ معاملہ تعطل کا شکار تھا، مگر عماد مغنیہ کی ہلاکت کے بعد یہ مسئلہ اب دوبارہ چھڑ گیا ہے۔ حزب اللہ سربراہ کے مشوروں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ اسرائیلی کارروائی پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ لبنان جنگ میں اسرائیل کو حزب اللہ کی طاقت کا بھی اندازہ ہو چکا ہے۔ اسرائیل کی پالیسی یہ ہے کہ وہ حزب اللہ کے ساتھ جنگ میں ایران کو بھی گھسیٹے۔ ایران اور حزب اللہ مل کر جب اسرائیل کے خلاف اتریں گے تو امریکہ کو ایران پر حملہ کرنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔ ایسی صورتحال میں اسرائیل اور لبنان کی جنگ طویل المدت ثابت ہو سکتی ہے۔

مخالفین اور سیاسی رہنماؤں کا صفایا اسرائیل کا کافی قدیم حربہ ہے۔ اسرائیل نے اب تک کئی فلسطینی رہنماؤں کو ہلاک کیا ہے۔ شیخ احمد یاسین، عبدالعزیز رنتیسی اور دیگر فلسطینی اور انتفاضہ کے رہنماؤں کی ہلاکت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ عماد مغنیہ لبنانی مزاحمت کاروں میں 3 نمبر کے قائدین میں شمار ہوتے تھے۔ ماضی میں اسرائیل کے خلاف کارروائی میں مغنیہ کا رول بہت فعال رہا۔ برسوں سے اسرائیل مغنیہ کی تاک میں تھا۔ عماد مغنیہ کا واقعہ حزب اللہ کے سابق جنرل سیکرٹری عباس موسوی کی ہلاکت کے بعد رونما ہوا۔ عباس موسوی کو طیارہ حادثہ کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔ ماہرین کے مطابق عماد مغنیہ کو بہت چابکدستی سے ہلاک کیا گیا۔ یہ کام صرف اکیلے موساد کے بس کا روگ نہیں تھا، اس کیلئے ایک سے زائد عناصر کی مدد لی گئی۔ مقامی، علاقائی اور بین الاقوامی سطح کی معلومات اکٹھا کرنے کے بعد ان کو ہلاک کیا گیا۔ ان کی ہلاکت کیلئے ہر قسم کے وسائل سے مدد لی گئی۔ موساد خود تو پس منظر میں رہتی ہے مگر دوسری ایجنسیوں کے ساتھ مل کر پس پردہ مسلمان رہنماؤں کو یکے بعد دیگرے قتل کرنے کے درپے ہے۔ موساد کے ساتھ بہت سے عناصر اس گھناؤنی سازش میں شریک ہیں، عرب قیادت کو اس سلسلے میں غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ اسرائیل کی ماضی میں بھی کارروائیوں پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسرائیل لگاتار فلسطینی رہنماؤں کو نشانہ بناتا رہا۔ 2004ء میں اسرائیل نے شیخ یاسین اور عبدالعزیز رنتیسی پر حملہ کر کے شہید کیا، جو حماس کے انتہائی حرکیاتی قائد تھے۔

ماضی میں کئی فلسطینی رہنماؤں کو اسرائیلی بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ ایک لمبی قطار ہے، جو کہ فلسطینی مجاہدین کے خون سے بھری ہوئی ہے۔ 1997ء میں لبنان کی حزب اللہ کے اہم ذمہ

دار خلیل موسوی کو شہید کیا گیا۔ نومبر 2004ء میں فلسطین کے قائد یاسر عرفات کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔ بہت لمبی تفصیل ہے جس میں فلسطینی قائدین کو ہلاک کیا گیا اور مسلمانوں کی جہادی تحریک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اسرائیل باقاعدہ منصوبہ بندی سے دنیا بھر میں فلسطینی رہنماؤں کو نشانہ بنا رہا ہے' مگر افراد کو نشانہ بنانے سے فکر اور نظریہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ اسرائیل اور مغربی طاقتوں بشمول ہنود کی خام خیالی ہے کہ قیادت کے خاتمے سے تحریک ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کام ضرور متاثر ہوتا ہے' کیونکہ تحریک کو اعلیٰ اور بیدار مغز دماغوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نئے دماغوں کو ان کی جگہ لینے کیلئے تجربہ درکار ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ قیادت کی حفاظت کا پورا بندوبست کیا جائے' کیونکہ رہنماؤں کی ہلاکت سے کام متاثر ہوتا ہے۔ اس طرح اسرائیل کے حوصلے بلند ہوں گے اور فلسطینی تحریک میں پست ہمتی کے آثار پیدا ہوں گے۔ اسرائیل نے مغنیہ کی ہلاکت میں ملوث ہونے کی تردید تو کی ہے مگر اسرائیل کے اخبار ہآرتز کے تجزیہ نگار امیر اورن نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ مغنیہ کی ہلاکت کا سہرا مائیر دوغان اور موساد کے سر جاتا ہے۔

ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسرائیل بے شک اس کی تردید کرے مگر حقیقت یہی ہے کہ مغنیہ کی ہلاکت کا سہرا مائیر دوغان اور موساد کے سر جاتا ہے۔ مغنیہ کا قتل کوئی آخری قتل نہیں' اس لئے کہ اسرائیل کی فلسطینی رہنماؤں کو ہلاک کرنے کی پالیسی بھی پرانی ہے اور یہ منظم منصوبہ بندی سے چل رہی ہے۔ اسرائیل اس سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس نے گزشتہ دنوں حماس کو بھی خبردار کیا ہے اور حماس کے لیڈروں کو نشانہ بنانے کی دھمکی دی ہے' نہ صرف دھمکی بلکہ ٹارگٹ دیا ہے کہ دو سال کے اندر حماس کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اسرائیل وزیراعظم اسماعیل ہانیہ کو بھی دھمکی دے رہا ہے اور اس کی دھمکیاں کھوکھلی نہیں' کیونکہ ماضی میں کئی لیڈروں کو نشانہ بنانا اس کے عزائم کا ثبوت ہے۔ اب عماد مغنیہ کا قتل بتا رہا ہے کہ اسرائیلی ارادے کیا ہیں؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ عرب قیادت اپنے رہنماؤں کی حفاظت کیلئے مؤثر اقدامات کرے اور ان کے متعلق معلومات کو خفیہ اور پوشیدہ رکھے تاکہ کوئی دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر فلسطینی قیادت کو نشانہ نہ بنا سکے۔

❖◆❖

اسرائیل نے 2006ء میں لبنان کی تحریک حزب اللہ سے جو جنگ لڑی وہ فیصلہ کن ثابت نہیں ہو سکی تھی' کیونکہ حزب اللہ کی طرف سے اسرائیل کو اس جنگ میں زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا' جس کی وجہ سے اس کے سینکڑوں فوجی ہلاک ہو گئے تھے۔ اسرائیل کافی عرصہ سے اپنی اس جنگ میں ہزیمت کا بدلہ چکانے کی فکر میں تھا۔ بالآخر اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد نے

امریکہ کی مدد سے حزب اللہ کے سب سے زیادہ مطلوب گوریلا کمانڈر عماد مغنیہ کو دمشق میں کار بم دھماکے میں ہلاک کر دیا۔ 42 سالہ عماد مغنیہ کے سر کی قیمت 25 ملین ڈالر رکھی گئی تھی' وہ ہمیشہ حرکت میں رہتا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے اپنی شناخت چھپانے کیلئے پلاسٹک سرجری کروا رکھی تھی۔ وہ خطرات سے کھیلنے کا عادی سا ہو گیا تھا۔ منگل کی آخری شام کو اس نے ایرانی کلچرل سنٹر میں منعقدہ ایک پارٹی میں فروٹ جوس پیا تھا اور رات 10:35 پر وہ وہاں سے گھر کیلئے روانہ ہوا تھا۔ روانہ ہونے سے قبل اس نے اپنے میزبان ایرانی سفیر حجتہ الاسلام احمد موسوی کا الوداعی بوسہ لیا اور پھر وہ رات کے اندھیرے میں باہر نکل آیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ گلی میں کھڑی اپنی سلور کلر متسوبشی پیجارو گاڑی میں سیٹ پر بیٹھا تو اچانک ایک زوردار دھماکہ سے کار تباہ ہو گئی اور وہ موقع پر ہی شہید ہو گیا تھا۔

اسرائیلی انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق کسی نے عماد مغنیہ کی سیٹ پر سر رکھنے والی جگہ کو انتہائی دھماکہ خیز بارود بھرے کور سے تبدیل کر دیا تھا۔ اسرائیلی عوام نے مغنیہ کی موت پر زبردست خوشی کا اظہار کیا تھا' لیکن اسرائیل کے وزیراعظم نے مغنیہ کے قتل میں اسرائیل کے ملوث ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

مغنیہ جنوبی لبنان کے گاؤں میں ایک سبزی فروش کے گھر پیدا ہوئے تھے اور 17 سال کی عمر میں وہ یاسر عرفات کے ذاتی باڈی گارڈ کے دستے میں شامل ہو گئے تھے۔ 1982ء میں جب فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کو لبنان سے زبردستی باہر نکال دیا گیا تو مغنیہ لبنان ہی میں موجود رہے اور حزب اللہ میں شمولیت اختیار کر لی جو 1985ء میں اسرائیل کے قبضہ کے نتیجہ سے وجود میں آئی تھی۔ امریکہ اور اسرائیل مغنیہ کو بیروت میں امریکی سفارتخانے کی تباہی کا ذمہ دار گردانتے ہیں' جس میں 63 افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ امریکی اور فرانسیسی فوجی بیرکوں پر حملہ' جس میں 200 افراد ہلاک ہو گئے تھے وہ اس میں بھی مغنیہ کو ملوث سمجھتے ہیں۔ مغنیہ کو ہائی جیکنگ واقعہ کے دوران ایک امریکی مسافر کو قتل کر کے رن وے پر پھینکنے میں بھی ملوث قرار دیا جاتا ہے۔

اسرائیل نے مغنیہ کو اپنا سب سے بڑا دشمن ٹارگٹ بنا لیا تھا' جب 1992ء میں بیونس آئرس میں اسرائیلی سفارتخانے پر بم کے حملہ میں 29 افراد مارے گئے تھے اور 1994ء میں جیوش کمیونٹی سنٹر میں ہونے والے خودکش دھماکہ میں 85 افراد ہلاک ہو گئے۔ ان واقعات کے بعد مغنیہ نے روپوشی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

مغنیہ کی والدہ ام عماد نے اپنے گھر تعزیت کیلئے آنے والے افراد کو بتایا کہ اگر اس کے اور بیٹے بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی شہادت سے ہمکنار کراتی' جبکہ اس سے قبل مغنیہ کے 2 بھائی ایک

کار بم دھماکے میں شہید ہو چکے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس کے پاس اپنے بیٹے مغنیہ کی کوئی تصویر بھی نہیں ہے' کیونکہ وہ ابھی تمام تصاویر لے کر بچپن ہی سے جدا ہو کر روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔

حزب اللہ نے اپنے لیڈر امداد مغنیہ کے قتل کا بدلہ اسرائیل سے لینے کا عہد کیا۔ حزب اللہ کی اس دھمکی سے خوفزدہ اسرائیل بھی دوسری مدمقابل جنگ کے منڈلاتے ہوئے سائے سامنے دیکھ کر اب اس کی تیاری کر رہا تھا۔ اسرائیل نے اپنی فوجوں کو ہائی الرٹ رہنے کا حکم دیتے ہوئے ان کی کثیر تعداد کو لبنان سے منسلک اپنی شمالی سرحدوں پر بھیج دیا۔ اسرائیل نے لبنان سے صرف 40 کلومیٹر دور حیفہ کے قریب پیٹریاٹ اینٹی میزائل بیٹریاں نصب کر دیں ہیں۔ اسرائیل نے حزب اللہ کے جوابی حملے کے خطرے کے پیش نظر دوسرے ممالک میں اپنے یہودی اداروں کے سٹاف کی سکیورٹی سخت بڑھا دی۔

اسرائیل کی ٹرانسپورٹ منسٹری کے ترجمان اور اسلمان نے بتایا ہے کہ اسرائیل نے اپنے ملک میں داخل ہونے والی تمام فلائٹس کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ مسافروں کو لینڈنگ سے آدھ گھنٹہ قبل سیٹ بیلٹ باندھنے کا پابند کریں تاکہ جہاز میں موجود سکیورٹی سٹاف مسافروں کو اچھی طرح چیک کر سکیں اور جہاز کو ہائی جیک کرنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہونے دیں۔

حزب اللہ بھی پوری طرح الرٹ ہو چکی ہے۔ اسرائیل سے ملحقہ جنوبی لبنان میں ہزاروں حزب اللہ کے کارکن گھومتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسرائیل سے 2006ء کی جنگ لڑنے والے ایک حزب اللہ کمانڈر نے انٹرویو میں بتایا کہ ''ہم اسرائیل سے دوسری جنگ کیلئے تیار ہیں اور یہ جنگ ضرور ہوگی'' اس کے ڈرائنگ روم کی دیواروں پر گزشتہ جنگ میں شہید ہونے والے حزب اللہ کمانڈروں اور حسن نصراللہ کی تصاویر چسپاں نظر آ رہی تھیں جبکہ اس کے پاس موجود وائرلیس واکی ٹاکی پر ہونے والی حزب اللہ کے مجاہدین کی آپس میں بات چیت مسلسل سنی جا سکتی تھی۔ حزب اللہ کے کمانڈر نے کہا کہ اگلی جنگ میں حزب اللہ دفاع کے بجائے جارحانہ حکمت عملی اپناتے ہوئے یہ جنگ اسرائیل کے اندر لڑے گا۔ اس نے کہا کہ پچھلی جنگ میں انہوں نے اپنے ملک کا دفاع کیا تھا لیکن اس دفعہ آپ ایک نئی طرح کی جنگ کو دیکھیں گے۔ جنوبی لبنان میں یونائیٹڈ نیشن کے موجود 13300 امن فوجی بھی خاموشی سے جنگ کی تیاریوں کو دیکھ رہے تھے۔ امن افواج کے سینئر افسر نے بتایا کہ اس وقت کوئی بھی فریق پیش قدمی نہیں کر رہا' مگر حزب اللہ جنوبی لبنان میں انتہائی الرٹ دکھائی دے رہی ہے۔ اس نے کہا کہ ''علاقہ میں سچوایشن انتہائی خطرناک ہے اور کوئی معمولی سا واقعہ بھی اس کو نئی جنگ میں بدل سکتا ہے۔''

حزب اللہ کے رہنما عماد مغنیہ کی اسرائیل کے ہاتھوں شہادت نے اسرائیل اور حزب اللہ

کے درمیان پرانے جھگڑے کو نئے سرے سے زندہ کر دیا' کیونکہ حزب اللہ مغنیہ کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی' جس نے کئی سالوں تک حزب اللہ کے ملٹری ونگ کی ٹریننگ کی اور اس کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ مغنیہ عراق اور فلسطینی مجاہدین کی بھی ٹریننگ کرتا رہا تھا۔

حزب اللہ کا خیال ہے کہ مغنیہ کا اسرائیل کے ہاتھوں قتل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسرائیل نئی جنگ شروع کرنے سے قبل حزب اللہ کی قیادت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ حزب اللہ کے قائد حسن نصراللہ نے جمعہ کے روز کہا کہ حزب اللہ ضرورت سے زیادہ اسرائیل سے اگلی جنگ کیلئے تیار ہے اور اگر اسرائیل لبنان میں داخل ہوا تو اس کو تباہ کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسرائیلیوں کو شہروں میں قتل کریں گے' ہم اسرائیل کے ساتھ ایسی جنگ لڑیں گے' جو اس نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ ٹیلی ویژن پر حزب اللہ کے جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے حسن نصراللہ نے کہا کہ جنوب میں اسرائیلی فوج کو تباہ کر دیا جائے گا اور اسرائیل کو پھر اپنی فوج کے بغیر زندگی گزارنا ہوگی اور اسرائیل اپنی فوج کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔''

حسن نصراللہ نے انکشاف کیا کہ 2000ء میں ہونے والے اسرائیل کی سرحد پر ایک ایسے آپریشن کی رہنمائی مغنیہ نے کی تھی' جس کے نتیجہ میں دو اسرائیلی فوجیوں کو پکڑا گیا تھا۔

حسن نصراللہ نے کہا کہ وہ دشمن کو مزید اپنے کمانڈروں کو ہلاک نہیں کرنے دیں گے بلکہ ہم ان کو آئندہ منہ توڑ جواب دیں گے۔ انہوں نے لبنان میں غیر ملکیوں کو یقین دلایا کہ وہ ہمارا نشانہ نہیں ہیں بلکہ ہمارا انتقام اسرائیل سے ہوگا۔

ایک عرب ذرائع نے خبر دی ہے کہ اسرائیل کے ہاتھوں مغنیہ کی ہلاکت دراصل اسرائیل کے ایک بڑے منصوبہ کا پہلا مرحلہ ہے اور مرغنیّہ کے بعد منصوبہ کے دوسرے اور تیسرے مرحلہ پر عمل کیا جائے گا' جس میں حزب اللہ اور حماس کی قیادت کو نشانہ بنانا شامل ہے' جس کے نتیجہ میں ایران بھی جنگ میں کود پڑے گا اور اسرائیل بھی یہی چاہتا ہے کہ ایران کو جنگ میں کھینچ لے۔

❖♦❖

اسرائیل کا امن معاہدے پر متفق ہونے کے باوجود حماس پر حملے اور غزہ کی ناکہ بندی کا سلسلہ جاری ہے۔ اسرائیلی فوج کے میزائل حملے فلسطینیوں کی شہادت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اسرائیلی فوج حماس کے راکٹ حملوں کو جواز بنا کر پیش کرتی ہے۔ اسرائیلی حکومت حماس کے راکٹ حملوں کو روکنے کیلئے علاقے میں فضائی حملے کرتی ہے' جس سے ہر روز کئی قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ نومبر 2007ء سے اب تک غزہ میں اسرائیلی حملوں سے 193 فلسطینی شہید

ہو چکے ہیں۔ فلسطینیوں کی آزادی کیلئے دوسری تحریک 2000ء میں شروع ہوئی تھی' جس کے بعد سے اب تک ساڑھے 6 ہزار افراد ہلاک ہو چکے ہیں' جن میں زیادہ تر فلسطینی ہیں۔ اسرائیلی وزیر دفاع ایہود باراک نے غزہ کی پٹی پر آپریشن کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے فلسطینی قیادت کے قتل کا پروانہ جاری کیا۔ باراک کے خیال میں گزشتہ 4 ماہ میں 200 فلسطینیوں کا قتل اسرائیل کا کارنامہ ہے۔ اس لسٹ کو بڑھاتے ہوئے اب اس کے قائدین کو نشانہ بنانے کیلئے ہدایات جاری کردی گئی ہیں۔ اس لسٹ میں اسلامی تحریک مزاحمت حماس اور اسلامی جہاد کے سیاسی قائدین کے نام شامل کئے گئے ہیں۔ ایہود باراک نے جو ہدایات جاری کی ہیں، ان میں سب سے پہلے عسکری ونگز کے کمانڈرز کی ہلاکت کیلئے احکامات دیئے گئے ہیں۔

حالیہ مرحلہ بھی عسکری کمانڈوز کو قتل کرنے کی ایک کڑی ہے۔ وزیر دفاع نے واضح طور پر فوج کو حکم دیا ہے وہ عسکری کمانڈوز کے قتل میں کسی قسم کی رعایت نہ برتیں' غزہ میں گھس کر بڑے پیمانے پر آپریشن کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیلی فوج کی کارروائیوں میں شدت آ گئی ہے۔ اسرائیلی نائب وزیر اعظم حاییم رامون نے امن معاہدے پر بات کرتے ہوئے کہا کہ بنیادی نکات میں مشکل مسائل کا حل شامل نہیں۔ آئندہ چند ماہ میں غزہ سے حماس کا کنٹرول ختم کر دیا جائے گا۔ اسرائیل کی پارلیمانی کمیٹی برائے امور خارجہ و دفاع کے سربراہ تسامی ہانغبی نے بھی فلسطینیوں کی تحریک آزادی کے خاتمے کیلئے حماس کا خاتمہ ضروری قرار دیا۔ مڈل ایسٹ اسٹڈی سنٹر کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل کو حماس کے نظام کا خاتمہ' فوجی طاقت کی بربادی اور بلاتمیز قیادت کا صفایا کرنا چاہئے۔ غزہ کی پٹی پر زمینی حملہ ہی حماس کے اسرائیل پر میزائل حملوں کو ختم کر سکتا ہے۔ یورپی پارلیمنٹ نے غزہ کی ناکہ بندی پر اس کی دگرگوں حالت کے پیش نظر غزہ کی معاشی ناکہ بندی ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ناکہ بندی سے ہونے والی اموات' اشیائے ضروریہ اور ادویات کی قلت تشویش انگیز ہے۔ گزشتہ 9 ماہ سے جاری ناکہ بندی کے باعث غزہ میں 17 بچوں سمیت 100 افراد جاں بحق ہو چکے ہیں جو کہ انسانی حقوق اور انسانی خدمت کیلئے قائم کرنے والے اداروں کیلئے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ 1948ء سے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کے بعد سے فلسطینی مہاجر اپنے ہی گھر میں بے گھری اور مہاجرانہ زندگی گزار رہے ہیں' حتیٰ کہ کیمپوں میں بھی ان کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ آئے دن بموں' راکٹوں' میزائلوں کی بارش سے تباہی و بربادی برپا رہتی ہے۔ اصل باشندے روٹی روزی کیلئے بھی ترس رہے ہیں اور غاصب عیش میں ہیں۔ امریکہ نے اسرائیل کو مضبوط بنانے اور فلسطینیوں کو مزید بے سہارا کرنے کی مہم میں یہودیوں کا ہر لحہ ساتھ دیا ہے۔ سینکڑوں غیر ملکی مشاہدہ نگاروں اور امریکی نمائندوں کی موجودگی میں فلسطین میں انتخاب کرایا

گیا۔ انتخابات کے صاف و شفاف ہونے کے اعتراف کے باوجود حماس کی فتح کو تسلیم نہ کیا گیا۔ کروڑوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد بھی اسرائیل کو شکست ہوئی۔ حماس کی جمہوری حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا' بلکہ اسے دہشت گرد حکومت قرار دیا گیا۔ فلسطین کی ہر طرف سے معاشی ناکہ بندی بھی کر دی گئی اور امداد روک دی گئی۔ بجائے اسرائیل پر زور دینے کے کہ وہ حماس کی جمہوری حکومت کو تسلیم کرے' الٹا فلسطین پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اسرائیل کی غاصب اور دہشت گرد حکومت کو تسلیم کرے۔ یہ انصاف پسندوں اور جمہوریت نوازوں کا وطیرہ ہے۔ غزہ کی 15 لاکھ آبادی کو اجتماعی سزا دی جا رہی ہے۔ فیکٹریاں کارخانے تمام معاشی دروازے بند ہو چکے ہیں' آبادی کو غذائی اشیاء' بجلی' دوا سے محروم کر دیا گیا ہے۔ تاریکی میں ڈوبا یہ شہر ظلم اور بربریت کی زندہ مثال ہے۔ وہاں سے لوگوں کو نکلنے بھی نہیں دیا جا رہا کہ یہیں پر مریں یہ کون سے جرم کی سزا ان بے گناہ فلسطینیوں کو دی جا رہی ہے۔ مصر کی طرف جانے کا راستہ بھی بند کر دیا گیا' یہ سزا جنیوا کنونشن کے تحت ممنوع ہے۔ اسرائیل جیسے دہشت گرد کو کھلی چھٹی ہے اور امریکہ اس کی پشت پر ہے۔ قیام امن کیلئے آئے صدر بش کے دورے کے بعد امن تو کیا اسرائیل کے مظالم میں اضافہ ہو گیا۔ قیام امن کا یہ دعویٰ جھوٹا تھا۔ اسرائیل کے دوست ممالک کا کہنا ہے کہ حماس کے راکٹ حملوں کے بند ہونے تک اسرائیل کا ہر قدم جائز ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسرائیل کے سینکڑوں راکٹوں' بموں اور میزائلوں کا تو فلسطین پر برسانا جائز ہے جبکہ فلسطینیوں کا 20/10 راکٹ برسانا جرم ہے۔ وہ بھی حماس کے چند کارکنوں کی سزا پوری غزہ پٹی کو دی جا رہی ہے۔ اگر فلسطینیوں کے پاس ہتھیار اور تباہ کن اسلحہ ہوتا تو کیا وہ اسرائیل کو سبق نہ سکھاتے۔ امریکہ اسرائیل کی پشت پناہی کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اقوام متحدہ' یورپی یونین' حقوق انسانی کی تنظیمیں سب امریکہ کے غلام ہیں۔ زبانی جمع خرچ اگر کر بھی لیں تو امریکہ کی مخالفت مول لے کر یا اس سے اختلاف رائے کرنا ان کے بس کا روگ نہیں۔ دنیا کے ایک ارب 25 کروڑ مسلمان بھی غزہ کے المیے پر اس اضطراب کا شکار نہیں جو کہ ان میں ہونا چاہئے۔ فروری میں ہی غزہ میں ایک گھر میں ہونے والے دھماکے سے اسلامک جہاد کے کمانڈر سمیت 6 افراد ہلاک اور 40 زخمی ہو گئے۔ یہ دھماکہ ابو عبداللہ کے نام سے مشہور اسلامک جہاد کمانڈر ایمن الفادء کے گھر میں ہوا' اس دھماکے میں الفائد کے دو بچے بھی ہلاک ہو گئے۔ دھماکے سے گھر مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔ اسلامک جہاد کے ترجمان نے اسرائیل کو اس دھماکے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کہا کہ کمانڈر کو اسرائیلی فضائیہ نے نشانہ بنایا ہے' جس کا بدلہ لیا جائے گا۔ اسلامک جہاد کے عسکری ونگ کے ترجمان نے اس حملے کے جواب میں کہا کہ صہیونی قتل عام کا جواب دیا جائے گا اور دشمن کو ہر جگہ نشانہ بنایا جائے گا۔ اس کمانڈر کے گھر پر حملہ بھی عسکریت پسند

رہنماؤں کو ہلاک کرنے کی کوششوں کا حصہ تھا۔ ساری دنیا میں مشرق وسطیٰ وہ واحد علاقہ ہے، جہاں امریکہ اور اسرائیل کی زیادتیاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں اور سارا علاقہ بدامنی کی آگ میں جھلس رہا ہے۔ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان مستحکم امن کی ضمانت صرف اس صورت میں ہے جب آزاد مملکت فلسطین قائم کی جائے۔ اسرائیل ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ فلسطین کی اپنی ایک ریاست ہو۔ حماس آزاد مملکت کے حق میں ہے' یہی اس کا جرم ہے۔ حماس ایک جمہوری طور پر منتخب تنظیم ہے اور وہ فلسطینی عوام کی نمائندہ حکومت کہلانے کا حق رکھتی ہے' لیکن اسرائیل اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ غزہ میں فلسطینیوں کا احتجاج جاری ہے۔ اسرائیل حماس کو اس صورتحال کا ذمہ دار ٹھہرا رہا ہے' صیہونی فوج نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نے علاقے میں پانچ سرنگوں کا پتہ لگایا، جو سمگلنگ کیلئے استعمال کی جارہی تھیں۔ جنوبی غزہ کے علاقے خان یونس میں پہلے فضائی حملے میں حماس کے الاقصیٰ بریگیڈ کے 2 ارکان شہید ہوگئے اور ان دونوں حملوں میں صیہونی فوج نے عسکریت پسندوں کو نشانہ بنایا۔ جب ہزاروں فلسطینی انسان ہاتھوں کی زنجیر بنائے اسرائیل کے خلاف محو احتجاج تھے تو اسرائیل کی طرف سے حملوں میں شدت آگئی۔ فلسطین کے سینئر مذاکرات کار نے یہ بھی کہا ہے کہ فلسطین کو بھی کوسوو کی طرح یکطرفہ طور پر اعلان آزادی کردینا چاہئے' کیونکہ اسرائیل سے اس حوالے پر بات چیت بے کار ہے۔ صیہونی فوج کو غزہ میں کارروائی کیلئے فری ہینڈ دیا' کس نے اسرائیل نے۔ اسرائیل حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دیتا ہے اور حالات بگڑنے کا ذمہ دار بھی اسی کو ٹھہراتا ہے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کرنے والوں کا پیچھا کیا جائے گا۔

حماس اور اسرائیل کے درمیان مشرقی بیت المقدس کا تنازع بھی بحران کے حل میں رکاوٹ ہے۔ ایک جرمن اخبار کی رپورٹ کے مطابق اسرائیلی وزیراعظم حماس سے بھڑنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔ ادھر عماد مغنیہ کی ہلاکت کے بعد اسرائیل پر حزب اللہ کا دباؤ بھی بڑھ گیا ہے۔ اسرائیلی علاقوں میں راکٹ حملے روکنے کیلئے اسرائیل نے منصوبہ کی منظوری دی ہے' جس کا بنیادی جز ہی حماس کے خاتمے پر مبنی ہے۔ اسرائیل کا اینٹی راکٹ سسٹم بھی 2010ء تک مکمل ہوجائے گا' اس منصوبے پر 97 ملین ڈالر لاگت آئے گی۔ غزہ میں بجلی کی فراہمی روکنے کا منصوبہ مرحلہ وار ہے۔ اسرائیل کو امید ہے کہ اس سے غزہ پر کنٹرول کرنے والی حماس تنظیم پر دباؤ بڑھے گا اور وہ راکٹ داغنا بند کردے گی۔ اسرائیلی وزارت دفاع نے بجلی کی مرحلہ وار بندش پر کہا کہ یہ فیصلہ حماس کرے کہ وہ راکٹوں پر توانائیاں صرف کرنا چاہتی ہے یا بجلی چاہتی ہے۔ جنوری میں اسرائیل نے غزہ میں ایندھن کی رسد بند کردی تھی' جس سے وہاں کا بجلی گھر بند ہوگیا تھا اور غزہ کے کئی

علاقے تاریکی میں ڈوب گئے تھے۔ غزہ میں بجلی پیدا کرنے کا صرف ایک ہی پلانٹ ہے، جس کیلئے اسرائیل سے تیل درآمد کیا جاسکتا ہے۔ باقی بجلی اسرائیلی اور مصری گرڈ فراہم کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ لبنان میں حزب اللہ سے شکست کھانے والا اسرائیل حماس سے جنگ کیلئے کمربستہ ہے' کیونکہ اسے اندازہ ہے کہ وہ حماس کے مقابلے میں بہت طاقتور ہے' جبکہ لبنان میں وہ اسی حزب اللہ کا مقابلہ نہیں کرسکا تھا اور اس کا غرور لبنان کی سرحد پر ہی دفن ہوگیا تھا۔ اسرائیل کی جنگی صلاحیتوں کا گھمنڈ بھی ٹوٹ گیا تھا' مگر اب حماس سے ٹکر لینے والا اسرائیل حزب اللہ اور حماس کے قائدین کو نشانہ بنانے پر تلا ہوا ہے' کیونکہ وہ اسلامی تحریکوں کو ان کے فعال اور متحرک اذہان سے محروم کردینا چاہتا ہے۔ حماس کو نیچا دکھانے کیلئے ہی اس نے غزہ پر مظالم کی انتہا کر رکھی ہے۔ امن کی باتیں امن کے منصوبے دراصل مظلوم فلسطینیوں کی تباہی و بربادی کے ڈرامے اور آزادی کی تحریک کے خاتمے کا پروانہ ہیں' جس پر کسی نہ کسی طرح اسرائیل مہر ثبت کرتا رہتا ہے۔

اسرائیل غزہ کی ناکہ بندی کرکے حماس کو کچلنے کی فکر میں ہے۔ اسرائیل نے غزہ میں باقاعدہ جنگ بھی اسی لئے شروع کررکھی ہے۔ اس نے راکٹ حملے روکنے کیلئے آپریشن بھی تیز کردیا ہے۔ اسرائیل آبادی کو نشانہ بنارہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ہم شہریوں کے دفاع کیلئے ہرممکن اقدام کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ انہوں نے حماس کے لیڈروں پر غیر ذمہ داری کا الزام لگایا اور کہا کہ القاسم بریگیڈ کے راکٹ حملے بڑے پیمانے پر تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ فلسطینی عسکریت پسندوں کا یہ اقدام اپنے خلاف بڑے ہولوکاسٹ کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ہمارے پاس زمینی آپریشن شروع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا۔ اسرائیل نے حماس پر الزام لگایا کہ اس نے دو روز کے دوران 125 راکٹ فائر کئے' جن میں ایک اسرائیلی ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔ اسرائیل اپنی تیز ترین کارروائیوں کیلئے حماس پر الزام رکھتا ہے مگر امن عمل میں فسادات سے رکاوٹ تو پیدا ہوگئی ہے، خود اسرائیل کی بائیں بازو کی پارٹی کے رہنما یوسی بیلن نے کہا ہے کہ حماس گزشتہ دو ہفتوں سے جنگ بندی کی پیشکش کررہا ہے' تاہم اسرائیلی حکومت اس سے انکاری ہے۔ اسرائیل اسی لئے روز تازہ ترین حملے کررہا ہے اور جنگ کو ہوا دے رہا ہے۔ محاذ آرائی کی کیفیت کا خاتمہ کرنے کے بجائے وہ اسے بیدار کررہا ہے' کیونکہ یہی وہ جواز ہے، جس کے بل بوتے پر وہ حماس کے لیڈروں کو ہلاک کردینا چاہتا ہے۔

ادھر گزشتہ چار دنوں میں اسرائیلی حملوں میں کم سے کم پچاس افراد شہید ہوچکے ہیں۔ ان حملوں میں بچوں سمیت کئی شہری بھی مارے گئے ہیں۔ اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ ان حملوں میں کم سے کم ان کے پانچ فوجی بھی زخمی ہوئے ہیں۔ اسرائیل ان حملوں میں ٹینک اور طیارے استعمال

کر رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ حملے فلسطینیوں کی جانب سے اسرائیلی دیہاتوں پر راکٹ باری کے جواب میں کئے جا رہے ہیں۔

اسرائیل کے جنوبی شہروں ایشکلان اور سیدورت پر فلسطینیوں نے راکٹ پھینکے جس سے کچھ افراد زخمی ہوئے۔ واضح رہے کہ اسرائیل کے نائب وزیر دفاع ماتان ولانی نے کہا تھا کہ راکٹ حملوں سے حماس کے زیر کنٹرول غزہ کی پٹی میں ایک "شدید ہولوکاسٹ" شروع ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں حماس کے رہنما اور سابق فلسطینی وزیراعظم اسماعیل ہانیہ نے کہا تھا کہ ولانی کے بیان سے غزہ کی جانب اسرائیل کے اصل ارادوں کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "اسرائیلی دنیا سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کی مذمت کرے، جسے وہ یہودیوں کے ہولوکاسٹ کا نام دیتے ہیں اور اب وہی اسرائیلی ہمارے فلسطینی عوام کو ہولوکاسٹ کی دھمکی دے رہے ہیں۔ اس سے غزہ اور فلسطینی عوام کے خلاف ان کے شیطانی اور جارحانہ ارادوں کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔"

اسرائیلی سکیورٹی حکام کے مطابق ایشکلان پر داغے گئے راکٹ تقریباً بائیس کلومیٹر رینج والے ایرانی راکٹ ہیں۔ اسرائیلی حکومت پر کچھ اطراف سے راکٹ حملوں کو روکنے کیلئے غزہ پر حملہ کرنے کیلئے دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے' تاہم حال ہی میں کئے گئے ایک سروے کے مطابق زیادہ تر اسرائیلی اس مسئلہ کا پرامن حل چاہتے ہیں مگر اسرائیل کی حکومت کا رویہ اس کے برعکس ہے' وہ غزہ پٹی کا مکمل کنٹرول لینے کی خواہاں ہے اور اس کیلئے وہ حماس کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

❖◆❖

اسرائیل نے ایک طرف غزہ کی ناکہ بندی سے فلسطینیوں کی زندگی عذاب بنا رکھی ہے' دوسری طرف مزید یہودی بستیوں کی تعمیر کے اعلان سے جلتی پر تیل چھڑک دیا ہے۔ اسرائیل نے شرقی مقبوضہ بیت المقدس میں 400 گھر تعمیر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس کا یہ اعلان قیام امن کے منصوبے کو نقصان پہنچانے کے سوا اور کیا ہے۔ اسرائیل کے اس اقدام سے خطے میں جاری امن کوششیں ایک بار پھر ناکامی سے دوچار ہوں گی۔ غزہ کے بحران سے پہلے ہی امن کا عمل بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔ یہودی آبادکاری کی مخالف تنظیم "پیس ناؤ" نے اسرائیل کی مزید یہودی بستیوں کی تعمیر کے اعلان کی سختی سے مذمت کی ہے۔ جرمنی نے بھی اسے امن کے عمل کیلئے خطرہ قرار دیا ہے۔ جنگ بندی کے سلسلے میں مصر کی کوششوں سے کچھ مثبت ردعمل سامنے تو آیا ہے جس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان تشدد کی کارروائیوں میں فرق پڑا۔ فریقین کی جانب سے تشدد کی کارروائیاں رکنے کے عمل سے ان کے رویوں میں لچک دکھائی دی ہے۔ مصر کا کہنا ہے کہ جنگ

بندی اس کی مسلسل کوششوں کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے۔ کچھ ذرائع نے اسے امریکی خفیہ کوششوں کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ یہ امکان بھی ظاہر کیا گیا کہ مغربی کنارے کی ناکہ بندی کا خاتمہ بھی اسی جنگ بندی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مصر کی حکومت کا یہ کہنا تھا کہ وہ اسرائیل اور فلسطینی تنظیم حماس سے الگ الگ مذاکرات میں مصروف ہے' جبکہ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے حماس کے ساتھ بلاواسطہ یا بالواسطہ مذاکرات کی تردید کی ہے۔ اسرائیلی وزیر تعمیرات زیوی بویم نے اس منصوبے کی حتمی منظوری دے دی ہے۔ یہودی بستیوں کی وجہ سے امن مذاکرات کو دھچکا پہنچنے کا خدشہ ہے۔

اسرائیل کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ بھی ہے کہ یہودی بستیوں کی تعمیر قیام امن کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ فلسطینی صدر محمود عباس جو کہ درپردہ اسرائیل کے حلیف جانے جاتے ہیں' نے بھی غزہ کے بحران پر تشویش کا اظہار کیا اور اسرائیل کے ساتھ دوستی کے تانے بانے بننے کے باوجود غزہ کی صورتحال پر اسرائیل کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کیا۔ محمود عباس نے امن میں بنیادی رکاوٹ اسرائیلی وزیر دفاع ایہود باراک کو قرار دیا ہے۔ انہوں نے رواں سال امن معاہدہ نہ ہونے کی صورت میں بڑے پیمانے پر تباہی کا خدشہ بھی ظاہر کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا ہے کہ اسرائیلی حکومت کو مغربی کنارے کے علاقے گیوت زیو میں ساڑھے سات سو گھروں کی تعمیر کے منصوبے کو روک دینا چاہئے۔ اسرائیلی ذرائع کے مطابق غزہ سے راکٹ حملے بند ہونے پر حملہ نہیں کیا جائے گا' حماس بھی اسلحہ اور راکٹ جمع نہیں کرے گی۔ مصر نے حماس اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ طے پانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ قاہرہ میں جاری ہونے والے ان مذاکرات میں مصر' اسرائیل' امریکی حکام اور حماس کا نمائندہ شامل ہے۔ اسرائیل' امریکہ اور یورپی یونین حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دیتے ہیں۔ حماس پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر نہ صرف یہ کہ حماس کی منتخب حکومت کا تختہ الٹا گیا' بلکہ ہمیشہ محمود عباس کی الفتح کے ساتھ مذاکرات کو ترجیح دی گئی اور حماس کو بری طرح نظرانداز کیا گیا۔ اس امر کے باوجود کہ امریکہ' یورپی یونین اچھی طرح جانتے ہیں کہ حماس لاکھوں فلسطینیوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ صرف الفتح کو لے کر مسئلہ فلسطین یا قیام امن کی تشکیل ممکن ہی نہیں۔

امریکہ کو بھی اچھی طرح پتہ ہے کہ مزید یہودی بستیوں کا قیام امن کو اور بھی تباہ کر دے گا' پھر بھی ہنوز وہ اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو طول دے رہا ہے۔ عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل امر موسیٰ نے بھی نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کو امن معاہدہ کی ناکامی قرار دیا ہے۔ مصری نیوز ایجنسی مینا نے تو باقاعدہ عرب لیگ کے سربراہ کے حوالے سے انکشاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ صیہونی ریاست

امن کی خواہشمند نہیں۔ مسلم ممالک اسرائیل کے مزید یہودی بستیوں کی تعمیر کے اعلان کو امن کے منہ پر طمانچہ سمجھتے ہیں۔ صیہونی ریاست اگر امن کی خواہش مند ہوتی تو اسرائیل کا ردعمل اتنا افسوسناک اور منفی نہ ہوتا۔ ابھی تو یہ فیصلہ ایک فرسودہ کاغذ کے سوا اور کچھ نہیں۔ امریکہ کو مذاکرات کے عمل سے حماس کو باہر رکھنے کے بجائے اس میں شریک رکھنا چاہئے تھا' لیکن اس نے حماس سے مذاکرات کرنے اور بجائے اسرائیل کے ساتھ اس کی مفاہمت کی راہ ہموار کرنے کے، الفتح کے ساتھ قربتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ حماس کے مکمل خاتمے کا منصوبہ بھی بنایا گیا۔ اس امر کا انکشاف ایک مشہور امریکی جریدے میں بھی کیا گیا ہے کہ بش انتظامیہ نے 2006ء کے انتخابات کے بعد منتخب کردہ فلسطینی جماعت حماس کو باقاعدہ منصوبے کے تحت ہٹایا تھا۔ اس طرح اس نے حماس اور الفتح کے درمیان پھوٹ بھی ڈالی تھی۔ انتخابات کے نتیجے کو بدلنے کیلئے تقریباً ایک اعشاریہ ستائیس بلین ڈالر بجٹ کے پانچ سالہ منصوبے کو بروئے کار لایا گیا تاکہ حماس کو برسراقتدار آنے سے روکا جاسکے۔ اس پیسے کے ذریعے الفتح کو تقویت دی گئی' اسے اسلحہ اور پیسہ بھی فراہم کیا گیا۔ امریکی کانگرس نے الفتح کو فنڈز کی فراہمی سے انکار کر دیا تھا جس پر بش انتظامیہ نے اپنے حمایتی عرب ممالک کو امن کا درس سنا کر فتح کی امداد کیلئے استعمال کیا۔ جس کے نتیجے میں حماس نے غزہ پر قبضہ کر لیا۔ غزہ پر حماس کے قبضے کے بعد اسرائیل نے غزہ کے معصوم شہریوں پر ظلم وستم روا رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی غرب اردن میں اس وقت بھی دو لاکھ اسی ہزار یہودی آباد ہیں۔ مزید یہودی آبادکاری اسرائیلی ریاست کے توسیع پسندانہ عزائم کا اظہار ہے۔ اسرائیل نے پہلے بھی اس منصوبہ کو شروع کیا تھا مگر عالمی دباؤ نے اسے فیصلہ واپس لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اسرائیلی ریڈیو کے مطابق دوبارہ آبادکاری کا یہ منصوبہ شروع کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل کی مخلوط حکومت میں انتہائی قدامت پسند جماعت کا دباؤ ہے کہ اسرائیل کسی سے خوفزدہ ہونے کے بجائے یہودی بستیوں کی تعمیر جاری رکھے۔ اس جماعت نے حکومت سے الگ ہونے کی دھمکی بھی دی تھی۔

یروشلم میں گزشتہ دنوں جس یہودی مدرسے پر فلسطینی مجاہد نے حملہ کیا تھا' اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ اس مدرسے کا تعلق اسرائیل کی انتہائی کٹر اور قدامت پرست جماعت سے تھا۔ یہودی بستیوں کی تعمیر کی حمایت کرنے والی تحریک کا تعلق بھی اسی مدرسے سے بتایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسرائیل کے مذموم ارادوں اور منصوبوں کو لے کر چلنے والی تحریک کی جڑیں اسی مذہبی مدرسے میں تھیں۔ غزہ کے بے گناہ اور نہتے شہریوں پر ظلم وستم کا اعتراف تو عالمی حقوق انسانی کے ادارے بھی کرتے ہیں' پھر بھی اس سے آنکھیں چرانا اسرائیل کو ڈھیل دینے کے سوا اور کیا ہے؟ حتیٰ کہ اقوام

متحدہ کی ہدایت پر جو رپورٹ تیار کی گئی ہے، اس میں واضح طور پر اسرائیلی کارروائیوں کو جنوبی افریقہ کی سابقہ نسل پرست حکومت کی کارروائیوں سے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں فلسطینیوں کی آمدورفت پر پابندی' مکانوں کو منہدم کرنے اور غرب اردن میں یہودی آبادکاروں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنے جیسے الزامات لگائے گئے ہیں۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ حماس کے راکٹ حملوں کا جواب اور خودکش حملوں کی روک تھام کیلئے اس کے اقدامات جائز ہیں۔ غزہ کا فضائی' بحری اور بری کنٹرول اب بھی اسرائیل کے پاس ہے اور سرحدی چوکیوں کی وجہ سے غزہ میں آنا جانا' ادویات کی فراہمی' تیل اور دیگر بنیادی اشیائے صرف' اپنی فصلوں کو برآمد کیلئے مارکیٹ تک پہنچانا' بجلی کا استعمال، یہ سب منصوبے اسرائیلی فوج کے فیصلوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسرائیل نے غزہ کے بین الاقوامی ایئرپورٹ کو بھی دوبارہ کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ اسرائیل کی بحریہ ساحلی علاقوں پر اپنا گشت جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کا جواب اسرائیل یہ دیتا ہے کہ ایسا کرنے کا مقصد اسلحہ کی سمگلنگ کو روکنا ہے۔ غزہ سے اسرائیلی فوجوں کے نکلنے کے بعد بھی فلسطینیوں کی زندگیاں اسرائیلیوں کے رحم وکرم پر ہیں۔ فلسطینی مچھیروں کی کشتیوں کو اسرائیل کے مقرر کردہ زون سے باہر رہنے پر فائرنگ کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ غزہ سے باہر جانے اور اندر آنے والی اشیاء پر اسرائیل کا مکمل کنٹرول ہے۔ کارنی کے مقام پر کارگو ٹرمینل اسرائیل اکثر بند کر دیتا ہے، جس سے غزہ کی معیشت پر بہت برے اثرات پڑتے ہیں۔ اسرائیل غزہ پر دباؤ ڈالنے کیلئے فلسطینی معیشت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ رجسٹری پر پابندی ہونے کی وجہ سے لاکھوں افراد کے پاس شناختی دستاویزات موجود نہیں' حتیٰ کہ فلسطین کے ٹیکس کے نظام پر بھی اسرائیل کا کنٹرول ہے۔ صرف اور صرف حماس پر دباؤ ڈالنے کیلئے اسرائیل نے لاکھوں ڈالرز کی ٹیکس ادائیگی بھی روک رکھی ہے جو کہ غزہ کیلئے اس پر واجب ہے۔ غزہ میں اسرائیلی کردار کی تصدیق عالمی ادارے اور ایجنسیاں بھی کر چکی ہیں۔

بین الاقوامی قوانین کی رو سے اسرائیل پر لازم ہے کہ وہ غزہ میں آنے جانے اور معاشی ترقی کے فروغ کی اجازت دے' مگر وہ اس طرح کے اقدام سے فلسطینیوں کی بھلائی نہیں چاہتا۔ مشرق وسطیٰ کانفرنس کے نتائج بھی لاحاصل رہے۔ مذاکرات چاہے اجتماعی ہوں یا انفرادی' حالت جنگ میں ہوں یا امن میں' حل کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ مذاکرات میں بھی جنگوں کی طرح اس فریق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے، جو طاقتور ہو۔ جدید اسلحہ سے لیس اور فوجی طاقت کا حامل کم جدید اسلحہ رکھنے والے پر فوقیت رکھتا ہے۔ امریکی خارجہ سیاست یہود کے پنجے میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے۔ اسرائیل کے مفادات کو زک پہنچانے یا متاثر کرنے والے اقدامات امریکہ کو

ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

امریکہ اور عالمی طاقتوں کو اسرائیل کا تحفظ بہت عزیز ہے۔ غزہ پر حماس کا کنٹرول ہے جبکہ فلسطین کے دیگر حصوں پر محمود عباس کی حکومت ہے۔ اسرائیل غزہ پر حماس کا قبضہ ختم کرانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ امعنوان سے امریکہ فلسطینیوں کو مزید دستبرداری کیلئے آمادہ کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حماس کے قائد اسماعیل ہانیہ نے دوٹوک انداز میں کانفرنس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا اور دیگر عرب ممالک کو بھی کانفرنس میں شرکت کرنے سے روکا تھا۔

سوال یہ ہے کہ جب بنیادی مسائل وہی ہیں تو پھر مذاکرات پر سودے بازی کیا معنی رکھتی ہے۔ عرب اسرائیل تنازع میں فلسطین کمزور فریق ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے بنیادی مسائل کا حل یہ نکالا جائے کہ فلسطینی اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں۔ اب موجودہ غزہ بحران سے ان نام نہاد مذاکرات میں بھی تعطل آ گیا ہے' کیونکہ اسرائیل اچھی طرح آگاہ ہے کہ وہ ان مذاکرات میں فلسطینی عوام کے بنیادی مطالبہ سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔ اس قسم کے امن مذاکرات میں یہ پہلو موجود رہیں گے کہ ان کی بنیاد کیا ہوگی۔ جب بنیادیں ہی کمزور ہوں تو کامیاب عمل کیسے ممکن ہے۔ چونکہ امن مذاکرات میں فلسطینیوں کیلئے کوئی رورعایت نہیں' یہی وجہ ہے کہ اس میں تعطل اور جمود ہے۔ اسرائیل اپنی بے پناہ طاقت کے بل بوتے پر امریکہ سے شہہ پا کر فلسطینیوں کو کچل کے رکھ دینا چاہتا ہے۔ اسرائیل کی عسکری قوت اتنی ہے کہ فلسطینی قوم ناکردہ گناہوں کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔

عرب ممالک امریکہ اور اسرائیل کے خلاف دم مارنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ اسرائیل کو امریکہ اور دیگر یورپی طاقتوں کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔ ایسے حالات میں امن کانفرنس کی کامیابی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ 1947ء سے 2007ء تک 265 قراردادیں منظور ہوئیں' لیکن لاحاصل۔ ان میں سب سے اہم قرارداد 181 اور فلسطینی پناہ گزینوں کی واپسی سے متعلق قرارداد نمبر 194 اور سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 242' 338 اور 1515 ہیں۔ اسرائیل کا اب ان قراردادوں سے ہٹ کر مشترکہ اعلامیے پر بھی غور ہے۔ مشترکہ اعلامیے کیلئے وہ حماس کو باہر رکھ کر الفتح سے روابط کا حامی ہے۔ محمود عباس کے ساتھ کیا جانے والا معاہدہ فلسطینیوں کے حق میں نہیں ہوسکتا' کیونکہ اس میں فلسطینیوں کے بنیادی حقوق ہی نظرانداز کر دیئے گئے ہیں' جن کے بغیر فلسطینی تحریک یا فلسطینی ریاست کا وجود ہی بے معنی ہے۔ امن کانفرنس کا ایک حل امریکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ فلسطین کے حصے بخرے کر کے اس کو دو مستقل ریاستوں میں بانٹ دے۔ ایسی صورت میں فلسطین ریاستی حد سے نکل کر علاقائی مسئلہ بن کر رہ جائے گا۔ مسئلہ فلسطین اس طرح

بین الاقوامی حیثیت سے ہٹ کر محدود شکل اختیار کر جائے گا۔

صدر محمود عباس نے رسمی طور پر اسرائیل کے غزہ پر حملوں کی مذمت تو کی ہے مگر وہ اس کیلئے حماس کو بھی ذمہ دار ٹھہرانے سے نہیں چوکتے۔ حماس کے لیڈر ڈاکٹر ابوزہری متعدد مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ اہل غزہ کو یہ دن محمود عباس کے نام نہاد مذاکرات کی وجہ سے ہی دیکھنا پڑے ہیں۔ خود صدر محمود عباس اس بات پر یہ کہہ کر مہر ثبت کر چکے ہیں کہ وہ اسرائیل سے ناکہ بندی اٹھانے کی سفارش صرف اس صورت میں کریں گے، جب حماس اور دیگر جماعتیں اسرائیل پر راکٹ حملوں کا استعمال بند کر دیں گی۔ اسرائیل حزب اللہ اور حماس دونوں کے خلاف کھلی جارحیت پر اتر آیا ہے۔ غزہ کی ناکہ بندی ختم کرنے کا سلسلہ بھی اسرائیل کی سازشوں کا ختم ہونا نہیں۔ نہ ہی وہ اسے یہودی بستیوں کی توسیع سے جوڑتا ہے۔ اب اس نے یہودی بستیوں کی آبادکاری کا سلسلہ شروع کیا ہے اور ساتھ ہی غزہ کی ناکہ بندی پر مصالحانہ خاموشی دکھا رہا ہے مگر یہ آبادکاری حماس کے راکٹ حملوں کے ساتھ مشروط نہیں۔ حالانکہ فلسطینی جہاد ایک تحریک ہے، جس کے تمام سلسلے ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

پھر آبادکاری کے عمل کو اس سے جدا کر دینا کسی طور درست نہیں۔ اس کی یہ چال اسی طرح ہے جب اسرائیل نے وقتی طور پر غزہ کے شمال میں فوج کی کمی کا اعلان کیا تھا۔ ساتھ ہی مزید بمباری کا سلسلہ بھی تیز کر دیا تھا۔ اب غزہ کی ناکہ بندی کا خاتمہ' یہودی آبادکاری میں وسعت فلسطینی تنظیموں اور حماس کو چپ کرا دینے کا حربہ ہے۔ فلسطینی حکام اسے اسرائیلی چال سے تعبیر کرتے ہیں' طاقت کے استعمال سے مثبت نتائج کبھی برآمد نہیں ہوسکتے۔ قیام امن کا راستہ اگر اسرائیل کو پسند ہو تو وہ حماس کو لے کر چلے اور صرف الفتح پر انحصار نہ کرے۔ حماس کے خاتمے کیلئے کبھی جنگ کبھی سازش مگر حماس صرف تنہا نہیں بلکہ حماس کے ساتھ دیگر جہادی تنظیمیں بھی اسرائیل کے خلاف صف آراء ہیں۔ حماس کا قلع قمع کرنے کے بجائے اسرائیل کو حماس کے ساتھ مفاہمت اور مصالحت کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

❖♦❖

وائٹ ہاؤس نے امریکی نائب صدر ڈک چینی کے مشرق وسطیٰ کے دورے کو نہایت اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ دورے پر روانہ ہونے سے قبل ڈک چینی نے کہا تھا کہ یہ دورہ مشرق وسطیٰ کی کشیدہ صورتحال کو بھی مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے امن کو آگے بڑھانے اور خطے میں ایرانی اثرات کے خاتمے کیلئے کوششیں ان کے دورے کا بنیادی مقصد ہیں۔ ڈک چینی کا یہ دورہ ایٹمی پروگرام کے عرب ممالک کی حمایت حاصل کرنے کے اسی سلسلے کی کڑی ہے جو کہ صدر بش کے دورہ مشرق وسطیٰ سے جا ملتی ہے۔ خاص طور پر اس دورے کو امریکی الیکشن سے 10 ماہ قبل تشکیل دیا گیا ہے۔ ڈک چینی نے بنیادی مقصد تو اسرائیل وفلسطین کے امن معاہدے کی تشکیل اور روڈ میپ کی پابندی پر عملدرآمد کیلئے دونوں فریقوں کی رضامندی قرار دیا' مگر کیا یہ دورہ بھی اسی دورے کی طرح کے نتائج سامنے لائے گا، جیسے کہ صدر بش کے دورہ مشرق وسطیٰ کے دوران ہوا تھا۔ صدر بش کا دورہ مشرق وسطیٰ امن کی بحالی میں تو سازگار ثابت نہیں ہوسکا تھا بلکہ جارج بش کے دورے سے یہودیوں کے فلسطینیوں پر مظالم میں اور شدت آ گئی تھی۔ غزہ پر حملوں میں تیزی آ گئی تھی اور اس دورہ کے خاتمے پر روڈ میپ پر عمل کرنے کے بجائے اسرائیل نے نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کا حکم صادر کر دیا تھا۔ ڈک چینی کا یہ دورہ اسرائیل فلسطینی امن مذاکرات کی بحالی میں اہم قرار دیا گیا ہے۔ خلیجی ممالک کے دورے سے قبل ڈک چینی اچانک عراق پہنچ گئے۔ ڈک چینی کی آمد سے بغداد دھماکوں سے لرز اٹھا' ان کی آمد پر استقبال خودکش دھماکوں سے کیا گیا۔ ڈک چینی نے اس دورے کے دوران عراق کی تازہ صورتحال کی جائزہ لیا۔ انہوں نے امریکی فوج کے کمانڈر' جنرل ڈیوڈ پیٹرن اور سفیر ریان کروکر سے ملاقات کی۔ عراقی صدر جلال طالبانی وزیراعظم نوری المالکی سے بھی ملاقات کی۔

ڈک چینی کا یہ دورہ 9 روزہ تھا، جس میں وہ عراق کے علاوہ عمان' سعودی عرب' اسرائیل' ترکی اور مغربی کنارے کے شہر کا کوچ بھی گئے۔ عراق میں ڈک چینی کا ہدف عراق کے آئینی عمل کو

تیز تر بنانا اور فسادات کا خاتمہ کرنا ہے۔ ڈک چینی نے کہا ہے کہ "امریکہ نے عراق میں کامیاب کوششیں کی ہیں۔ سکیورٹی معاملات حیران کن طور پر بہتر ہوئے ہیں۔ عراقی رہنماؤں نے حکومت سازی کے شعبے میں اہم پیش رفت حاصل کی ہے مگر بہت سے معاملات ابھی بھی حل طلب ہیں۔ عراق میں امریکی کوششیں کامیاب ہو رہی ہیں۔ ہم نے عراق میں امن وامان کی بحالی کے سلسلے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔" ڈک چینی کا دورہ ایران کے خلاف عرب ممالک کو اکسانے کیلئے بھی اہم رہا۔ ڈک چینی نے عرب ممالک پر زور دیا کہ وہ عراق میں ایران کا اثرورسوخ روکنے کیلئے کردار ادا کریں۔ عراق میں ایرانی مداخلت اور ایرانی اثرورسوخ کو کم کرنے کیلئے سعودی عرب کو عراق کے ساتھ بھرپور سفارتی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔

بلاد ایئر بیس پر فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے ڈک چینی نے کہا کہ مشرق وسطیٰ کو آزادی کی ضرورت ہے۔ اس خطے میں آزادی کو دبانے سے یہ خطہ ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جائے گا۔ ترقی نہ ہونے کا نتیجہ تشدد کی صورت میں سامنے آئے گا۔ ڈک چینی نے یہ بھی کہا کہ عراق اور افغانستان دونوں ملکوں کے عوام کو انتہا پسندوں کے حملوں کا سامنا ہے۔ انتہا پسند ان ملکوں میں جمہوری عمل کو تباہ کرنا اور یہاں بدامنی پھیلا دینا چاہتے ہیں۔ ہم ایسا ہوتا نہیں دیکھ سکتے اور ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم انتہا پسندوں کے خلاف ان ممالک کی مدد کر رہے ہیں اور یہ ہماری اور دنیا کی سکیورٹی کیلئے بہت ضروری ہے۔ ڈک چینی کا دورہ' مذاکرات کے دوران امریکہ عراق تعلقات پر بات چیت کے ذریعے ایک مشترکہ معاہدہ کی تشکیل بھی تھا۔ رواں برس عراق پر امریکی فوج کی کارروائی کی مدت ختم ہونے سے قبل امریکہ کسی مشترکہ فیصلے پر پہنچنا چاہتا ہے۔ ڈک چینی نے سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک کے دورے کے دوران ایران کے ایٹمی پروگرام کو بند کرنے کے سلسلے میں رائے عامہ ہموار کرنے کی پوری کوشش کی۔ اسرائیل اور مغربی کنارے کے دورے کے دوران اسرائیلی صدر ایہود اولمرٹ اور فلسطینی صدر محمود عباس سے بھی الگ الگ مذاکرات کے ذریعے باہمی افہام وتفہیم سے مسئلہ کا حل ان کا مقصود رہا۔ ڈک چینی کے دورے کا آغاز عراق سے ہوا۔ ان کی آمد پر پولیس کی گشتی پارٹی کو نشانہ بنانے کیلئے بم پھینکا گیا۔ بغداد کے وسطی ضلع کرادہ میں دستے انجینئرنگ اور توپ خانے سے متعلقہ یونٹس حصہ لے رہے ہیں۔ ان فوجی مشقوں میں مجاہدین کے راکٹ تباہ کرنے' سرنگیں تلاش کرنے اور اسلحہ کے ذخیروں کو تباہ کرنے کی تربیت فراہم کی جائے گی۔ مشقوں کے دوسرے مرحلے میں فضائیہ کے منتخب یونٹوں کو تربیت فراہم کی جائے گی۔ اس وسیع پیمانے پر فوجی مشقوں کا مقصد غزہ میں اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کی حکومت کا تختہ الٹنے کی تیاریاں ہیں۔ امریکہ کے اسرائیلی منصوبے کی منظوری کے بعد اسرائیل کی

عملی تیاریاں حماس کے خاتمے ہی کی کڑی ہیں۔ یہ امریکہ کی شہ ہی ہے کہ اولمرٹ یہ بیان دیتے ہیں کہ غزہ کی پٹی پر بمباری سے شہید ہونے والے معصوم لوگوں اور بچوں کا انہیں کوئی افسوس نہیں، اس کی وجہ وہ حماس کے راکٹ حملوں کو بتاتے ہیں۔ اولمرٹ کا کہنا ہے کہ فلسطینی راکٹوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے بمباری ناگزیر ہے اور اگر اس بمباری میں بچے ہلاک ہوتے ہیں تو اس پر انہیں کوئی دکھ نہیں۔ بمباری روکنے کیلئے کسی بیرونی دباؤ کو خاطر میں نہیں لائیں گے بلکہ اسرائیلی تحفظ کیلئے حملے جاری رکھے جائیں گے۔

امریکہ کی کھلم کھلا اسرائیل کی حمایت کا اعلان اور اسرائیلیوں کی غزہ کی پٹی پر آباد بے گناہ شہریوں کو نشانہ بنانے کی ظالمانہ کارروائیاں ہی ہیں کہ گزشتہ دنوں الفتح کے صدر محمود عباس نے اسرائیل کو اپنا رویہ تبدیل کرنے کا بیان دیا۔ الفتح اور حماس میں بات چیت اور مفاہمت کا امکان پیدا ہوا اور دونوں نے اس سلسلے میں ایک معاہدے پر دستخط بھی کئے ہیں۔ حماس اور الفتح کے درمیان گزشتہ سال سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ حماس کو انتخابات میں واضح اکثریت کے باوجود جب الفتح کے ساتھ مل کر حکومت بنانے پر مجبور کیا گیا تو اس نے زبردستی غزہ کی پٹی پر قبضہ کرلیا۔ اس دوران ہونے والی لڑائی میں درجنوں فلسطینی بھی ہلاک ہوئے۔ فلسطینی عوام کی اکثریت حماس اور الفتح کو دوست دیکھنا چاہتی ہے۔ ان دونوں دھڑوں کی آپس میں لڑائی سے فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کو بھی کافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ یمنی حکومت کی ثالثی کے نتیجے میں اب دونوں دھڑے مذاکرات پر تو راضی ہوگئے ہیں، مگر عملی دوستی کا پتہ وقت کے ساتھ ساتھ چلے گا۔

محمود عباس نے اسرائیل کے ظالمانہ رویے کو امن کوششوں کی ناکامی کا جواز قرار دیا۔ ڈک چینی نے دورہ مشرق وسطیٰ میں ایک طرف تو اسرائیل کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا، دوسری طرف یہ بھی کہا کہ فلسطینی رہنماؤں کو امریکہ کی نیک نیتی کا یقین ہونا چاہئے۔ ہم اس تنازع کا پرامن حل چاہتے ہیں اور اس حوالے سے ہونے والی دہشت گردی کا خاتمہ بھی، جس نے اسرائیلیوں کو اتنی تکلیف میں مبتلا کیا اور ہم فلسطینی عوام کیلئے بھی زندگی کی نئی شروعات کے خواہشمند ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسرائیلی قوم نے امن کی خاطر بڑی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ڈک چینی کے اس تبصرے میں فلسطین کی آزادی کی خواہش سازش، منافقت اور بدعنوانی میں لپٹی ہوئی تھی۔ امن کی قربانیوں کا اعزاز فلسطینی عوام کو دینے کے بجائے انہوں نے اسرائیلی قوم کو دیا جو کہ امن کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کیلئے مشہور ہے۔ ان کا امن فلسطینیوں پر مظالم سے شروع ہوتا ہے اور اس پر ہی وہ خاتمے کیلئے منصوبہ بنا رہے ہیں، تاکہ جب حماس کا خاتمہ کرلیا جائے تو پھر فخریہ امریکہ اور اسرائیل یہ اعلان کرسکیں کہ انہوں نے امن کے قیام کیلئے کتنے فلسطینی مجاہدوں کے خون

سے ہاتھ رنگے۔ یعنی حماس کے خاتمے کے بعد وہ امن کی نوید سنائیں۔ نومبر 2006ء میں بھی امریکی اور اسرائیلی انتظامیہ نے حماس حکومت کے خاتمے کیلئے پلان بنایا۔ اسرائیلی ٹی وی پر عبرانی زبان میں ایک دستاویزی فلم میں بھی دکھایا گیا کہ امریکہ اور اسرائیل نے پلان بنایا کہ 2007ء کے اختتام سے قبل حماس حکومت گرا دی جائے۔ ایسا فلسطینی سیاسی منظر نامہ تیار کیا جائے کہ حماس دوبارہ انتخابات میں حصہ نہ لے سکے یا منتخب نہ ہوسکے۔ اس مقصد کیلئے فلسطینی اتھارٹی اور صدر محمود عباس کا تعاون حاصل کیا جائے۔ سیاسی اور فوجی اقدامات کے علاوہ فلسطینی سکیورٹی ایجنسیوں کا استعمال کیا جائے گا۔ 16 دسمبر 2006ء کو محمود عباس نے رملہ میں اپنے ایک خطاب میں غیر متوقع طور پر اعلان کرکے حمایت پر کڑی ضرب لگائی تھی کہ قبل از وقت فلسطینی پارلیمانی و صدارتی انتخابات کرائے جائیں گے اور حماس کو انتخابات سے کلی طور پر باہر رکھا جائے گا۔ پھر اسماعیل ہانیہ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔ حماس نے جواب میں مظاہروں کا سلسلہ شروع کردیا۔ ایک زبردست تصادم دونوں فلسطینی دھڑوں کے درمیان شروع ہوگیا۔ محمود عباس کی فلسطینی ایجنسیاں عرب ممالک اور اسرائیل سے بھاری اسلحہ وصول کرتی رہیں۔ امریکی انتظامیہ نے بھی محمود عباس سکیورٹی دستوں کو 86 ملین ڈالر کی امداد فراہم کی اور اس کیلئے بش کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے جو اس نے دیا تھا کہ امریکہ کا مقصد مغربی کنارے میں غزہ میں دہشت گردوں کا نیٹ ورک توڑنا ہے، اس لئے محمود عباس کی مدد کی جارہی ہے۔ اس دوران الفتح کے سابق سیکرٹری احمد ہلاس اور صدر عباس کے سکیورٹی مشیر احمد دہلان محمود عباس کے خلاف سامنے آئے۔ ان کا مؤقف تھا کہ الفتح اسرائیل اور امریکی منصوبے کا حصہ بن رہی ہے۔ ان کے اس مؤقف کی بنا پر ان کو برطرف کردیا گیا۔ سعودی حکومت نے دونوں فریقوں کو ایک معاہدے پر رضامند کرلیا جو کہ فوجی حکومت کی تشکیل تھا اور دونوں دھڑے فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن کی تنظیم نو پر آمادہ ہوگئے۔

محمود عباس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے معاہدہ پھر دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس کے پس منظر میں بھی امریکہ تھا، جس نے محمود عباس اور ان کی ایجنسیوں پر مکہ معاہدے سے روگردانی پر زور دیا۔ فلسطینی دھڑوں میں لڑائی دوسری سٹیج پر داخل ہوگئی۔ حماس کی ہانیہ حکومت غیر قانونی قرار دیتے ہوئے برطرف کردی اور سلام فائد کو نئی حکومت کی سربراہی دے دی گئی۔ اس دور میں حماس کو ختم کرنے کیلئے بہت چارہ جوئیاں کی گئیں۔ حماس کے کارکنوں کو گرفتار کیا گیا، ان کے دفاتر بند کردیئے گئے۔ جب حماس نے غزہ کا کنٹرول سنبھال لیا تو اسرائیل اور امریکہ نے حماس کے ساتھ دوبارہ مذاکرات کرنے کی صورت میں محمود عباس کے ساتھ تعلقات ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ عالمی برادری نے محمود عباس کے فیصلوں پر تائید کرتے ہوئے واضح تفریق کا اعلان کردیا۔ اناپولس میں

ہونے والی روڈ میپ میں محمود کو فوقیت دی گئی۔ دوسرے فلسطینی دھڑوں اور حماس کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔ روڈ میپ پر متفقہ بات چیت ہوگئی، جس میں دیگر نکات تو موضوع بحث رہے مگر پہلا مرحلہ منظر عام پر لانے سے گریز کیا گیا۔ روڈ میپ کا پہلا مرحلہ تھا کہ قانونی مزاحمتی تحریکوں کی دہشت گردی کا انفراسٹرکچر توڑ دیا جائے، انہیں غیر مسلح کیا جائے اور اسرائیل کی مخالفت کو روک دیا جائے۔ اس پہلے مرحلے میں ہی الفتح کے حماس کے ساتھ بات چیت کے امکانات کو صفر کر دیا گیا۔

2008ء میں ایک بار پھر اسرائیل غزہ کی پٹی میں وسیع پیمانے پر فوجی مہم کا آغاز کرنے والا ہے۔ اسرائیل نے اس کیلئے تیاری شروع کر دی ہے۔ اسرائیل کو خوف بھی ہے کہ کامیابی حاصل کرنا آسان نہیں۔ لبنان میں حزب اللہ کے ساتھ مقابلے میں انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا۔ اسی لئے اب اسرائیل فوجی مشقوں کو اسی انداز سے کرنے کا پلان بنا رہا ہے۔ حماس کے حربی اور تنظیمی انفراسٹرکچر پر کاری ضرب لگا کر ان کی حکومت کے خاتمے کیلئے تیاریاں شروع ہیں۔ حماس کی حربی صلاحیت کے خاتمے کے بعد اسرائیل غزہ کا قبضہ نیٹو یا یورپی یونین کے سپرد کرے گا جو کہ بعد ازاں اسرائیل اور امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والی فلسطینی اتھارٹی کو منتقل ہو جائے گا۔ ان منصوبوں کی کامیابی کی گارنٹی دینا مشکل ہے، مگر اسرائیل کیلئے مزاحمت کا خاتمہ ناممکن ہے۔ غزہ کی پٹی پر اسرائیل کا 38 سال قبضہ رہا۔ حماس کے قبضہ کے باوجود اس کے بری، فضائی راستوں، سامان، مال رسد وغیرہ پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ حماس خاتمے کے بعد شہریوں کی ذمہ داری اسرائیل کو منتقل ہو جائے گی، جو کہ وہاں بلا دریغ شہریوں کے حقوق غصب کرے گی۔ اسرائیلی قبضے کے بعد محمود عباس کو غاصب قوت کا ساتھی سمجھا جائے گا۔ 2008ء میں اسرائیلی پارلیمانی انتخابات صورتحال کو مزید پیچیدہ کر دیں گے جس میں دائیں بازو کی کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ یہ بذات خود عباس اور عرب حکومتوں کی حمایت کے امکانات کو کم کر دے گا۔ حماس کی کامیابی اگر ہوتی ہے تو اسرائیل کو حماس سے مذاکرات کرنے پڑیں گے۔

حماس کو اپنی بھرپور سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا کے سامنے آنا چاہئے۔ فلسطینیوں کی نمائندہ قیادت بن کر سامنے آنے سے اس سے مذاکرات کا راستہ کھلے گا۔ مشرق وسطیٰ کی صورتحال اس وقت بہت پیچیدہ ہے۔ ایہود اولمرٹ کو صرف حماس ہی نہیں بلکہ شام اور لبنان میں حزب اللہ پر بھی نظر رکھنا ہے۔

بی بی سی کے نامہ نگار ٹم فرینک کا کہنا ہے کہ اسرائیلی اور فلسطینی عوام امن معاہدے میں کسی پیش رفت کے حوالے سے پر امید نہیں۔ انہیں اس سلسلے میں شکوک وشبہات ہیں۔ خطے میں امن کیلئے عوام کسی فوری معاہدے کے بارے میں پر یقین نہیں، پھر ڈک چینی کا اسرائیل کی حمایت کا

اعلان، امریکہ کا اسرائیل سے حماس کے خاتمے کی منظوری دینا اور اسرائیل کا اس ضمن میں تیاریوں کا آغاز، امن کی نوید لے کر آنا، ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ظلم وجبر کی علامتیں ہیں۔

ایک منی بس کو دھماکہ خیز مواد سے اڑا دیا گیا، جس سے تین افراد ہلاک اور آٹھ زخمی ہو گئے۔ ڈک چینی کا یہ دورہ 16 مارچ اتوار سے شروع ہوا۔ صدر بش اپنے 10 ماہ کی صدارتی مدت کے خاتمے سے قبل ایران کو تنہا کر دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ڈک چینی نے ایسے وقت میں مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا جب 19 مارچ کو عراق پر امریکی جارحیت کی پانچویں برسی منائی گئی۔ نائب صدر کے قریبی ساتھی جوہن یانہ نے کہا کہ ان کے دورے کی فہرست طویل اور مقاصد وسیع ہیں۔ ڈک چینی کا یہ خصوصی دورہ اس لئے بھی تشکیل دیا گیا کہ نائب صدر کے عرب ممالک کے ان سربراہان کے ساتھ ذاتی تعلقات بھی ہیں، اور نائب صدر ڈک چینی سعودی شاہ کو تیل کی بڑھتی قیمتوں کے خلاف فراہمی بڑھانے کیلئے بھی کہیں۔ اعلیٰ امریکی عہدیدار نے اس حوالے سے کہا کہ علاقے میں امن کی بحالی کے سلسلے میں کوئی اعلیٰ سطحی کردار ادا کرنے والی شخصیت نہیں ہے۔ امریکہ عراق کیلئے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے اس کیلئے عرب ممالک کی حمایت بہت ضروری ہے۔ عراق کو سعودی عرب، مصر اپنی بھرپور حمایت کی یقین دہانی کرائیں تو عراق کیلئے بہت بہتر ہے۔

ڈک چینی نے ریاض میں سعودی عرب کے شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز سے ملاقات کی، جس میں مشرق وسطیٰ میں قیام امن، عالمی منڈی میں تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں، مسئلہ فلسطین، عراق اور لبنان کی صورتحال سمیت مشرق وسطیٰ کے اہم امور پر بات چیت کی گئی۔ تیل کی قیمتوں میں اضافے کے بارے میں خاص کر گفتگو کی گئی۔ اس حوالے سے ایک سینئر افسر نے بتایا کہ حکام کے مابین ملاقات میں تیل کی قیمتوں میں اضافے سے نمٹنے کیلئے فوری اور طویل مدت کے اقدامات پر گفتگو کی گئی۔ تیل کی پیداوار میں اضافے کے حوالے سے امریکی دباؤ کی موجودگی کی وضاحت نہیں ہو سکی۔ عالمی سطح پر پٹرولیم مصنوعات کی فروخت میں درپیش مسائل کے حوالے سے بات چیت کی گئی جبکہ عراق، شام، لبنان، افغانستان سمیت فلسطین اور اسرائیل کا تنازع بھی زیر بحث رہا۔

اس دورے کے متعلق صدر جارج بش کے تاثرات تھے کہ ڈک چینی کے دورے کا مقصد اسرائیل اور مغربی کنارے کے لوگوں کو یہ یقین دلانا ہے کہ امریکہ مشرق وسطیٰ میں امن کی بحالی کے سلسلے میں سنجیدہ ہے۔ امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس کی فلسطینی صدر محمود عباس، اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ سے ملاقاتوں کے بعد نائب صدر کا دورہ مشرق وسطیٰ امن بحالی کی کوششوں کا حصہ قرار دیا جا رہا ہے۔ بش کا یہ بھی کہنا ہے کہ دونوں فریقوں کو روڈ میپ پر عمل کروانا بھی امریکی حکومت کا مطمح نظر ہے۔ تیل کی قیمتوں کا ریکارڈ سطح پر بڑھ جانا بھی امریکہ کیلئے تشویش

کن ہے۔اس حوالے سے امریکی ترجمان نے کہا کہ ''انہیں یقین ہے کہ توانائی کا مسئلہ مذاکرات سے حل ہو جائے گا۔ واضح طور پر ہم پیداوار میں اضافہ کے خواہاں ہیں۔سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک سے تیل کی پیداوار میں اضافہ امریکہ کو مطلوب ہے۔ بش نے بھی اپنے دورے میں اوپیک پٹرولیم ایکسپورٹنگ کنٹریز آرگنائزیشن پر پیداوار بڑھانے پر زور دیا تھا۔ ڈک چینی کے اس دورے میں تین نکاتی ایجنڈے پر زور دیا گیا۔ دہشت گردی سے بچاؤ اور امن کی بحالی بنیادی موضوع ہے۔ یورپ اور مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے اتحادیوں کے ساتھ دہشت گردی پر تعاون کے حصول کے ساتھ ساتھ امریکہ کی گرتی ہوئی اقتصادی حالت اور ساکھ کو بحال کرنا' جو کہ بہت سے پیچیدہ اور مشکل امور میں تقسیم ہے۔ پہلے مرحلے میں ڈک چینی فلسطینی اور اسرائیل انتظامیہ کو مذاکرات کی میز پر لانے میں فعال کردار کی ادائیگی' حماس اور اسرائیل کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر بات چیت جو کہ مشرق وسطیٰ میں امن کی بحالی کے سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ایہود اولمرٹ کے نوآباد یہودی بستیوں میں 750 نئے گھروں میں اضافہ بھی رکاوٹ ہے۔ فلسطینی مذاکرات کار صائب ارکات نے بھی ان گھروں کی تعمیر کو امن منصوبہ کے منہ پر طمانچہ قرار دیا ہے۔ خطے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی نے بش کو مجبور کر دیا کہ وہ غزہ اور اسرائیل میں بڑھتے ہوئے تشدد کو روکنے کیلئے اپنے نائب صدر کو خطے میں بھیجے۔ ایک رپورٹ کے مطابق مشرق وسطیٰ کی کشیدہ صورتحال حزب اللہ کو بھی میدان میں کودنے پر مجبور کر سکتی ہے۔

نائب صدر کے دورے کے ایجنڈے کی ایک اہم شق سعودی شاہ عبداللہ کے ساتھ تیل کی قیمتوں پر بات چیت بھی تھی۔ تیل کی قیمتوں میں اضافے اور پیداوار کی بہتات سے متعلق سعودی عرب سے بات چیت ڈک چینی کا بنیادی ہدف رہا۔ سعودی عرب تیل پیدا کرنے والے ممالک کا ایک اہم ممبر ہے۔ سعودی عرب کے ساتھ اس مسئلے پر بش کے دورہ میں کی گئی گزشتہ سال تیل کی قیمتوں میں 70 فیصد اضافہ ہوا۔ تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے اوپیک اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے درمیان فاصلے پیدا کر دیئے ہیں۔ بش نے اپنے دورہ میں اس کیلئے کوشش کی تھی اور سعودی عرب میں شاہ عبداللہ کے فارم پر رات قیام و طعام کیا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ خفیہ ذرائع کے مطابق کنڈولیزا رائس کے ان امور پر ناکام ہونے کے بعد ڈک چینی کو بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ عمان کے سربراہ سلطان قابوس سے گفتگو بھی اس دورے کا ہدف تھا جو کہ تیل پیدا کرنے والے ممالک کا ایک اہم ممبر ہے۔ انقرہ میں ترک وزیراعظم سے ملاقات بھی متذکرہ بالا امور کو لے کر اہم ہے' مگر ڈک چینی کا اسرائیل کی غیر مشروط حمایت کا اعلان بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ رملہ میں غرب اردن میں فلسطینی رہنماؤں سے ملاقات کرتے ہوئے ڈک چینی نے واضح

طور پر اسرائیل کی پالیسیوں کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا۔ ڈک چینی نے کہا کہ امریکہ اسرائیل کی سیکورٹی کے حوالے سے بہت فکرمند ہے اور وہ ان معاملات کے حوالے سے کبھی اس پر دباؤ نہیں ڈالے گا جو کہ اسرائیل کی سیکورٹی کیلئے خطرہ ہیں۔ اسرائیل کو اپنی حفاظت اور دہشت گردی' راکٹ کے حملوں اور اسرائیل کی تباہی کی خواہاں قوتوں سے دفاع کا پورا حق حاصل ہے۔

آزاد فلسطینی ریاست کے قیام پر بات کرتے ہوئے ڈک چینی نے امریکہ کی نیک نیتی اور عزم کو دہرایا۔ ڈک چینی نے کہا ''ہم اس تنازع کا پرامن حل چاہتے ہیں اور اس حوالے سے ہونے والی دہشت گردی کا خاتمہ بھی' جس نے اسرائیلیوں کو اتنی تکلیف میں مبتلا کیا۔ ہم فلسطینی عوام کیلئے بھی زندگی کی نئی شروعات کے خواہشمند ہیں۔'' ڈک چینی نے امن کی سربلندی کیلئے اسرائیلی قوم کے کردار کو سراہا۔ ڈک چینی کا کہنا تھا کہ اسرائیلیوں نے امن کی خاطر بڑی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اس دورے میں امریکہ اور اسرائیل کے مشترکہ لائحہ عمل کے حوالے سے کئی معاملات زیر غور آئے' جن میں ایران اور فلسطین کے ساتھ امن مذاکرات خاص کر موضوع بحث رہے۔ ایہود اولمرٹ نے کہا کہ ہم اپنے ہمسایہ ممالک، خاص کر شام اور لبنان میں حزب اللہ کی حرکات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔

ڈک چینی کے واضح اور برملا اسرائیل کی حمایت کے اعلان پر حماس کے ترجمان نے کہا کہ ڈک چینی کا اسرائیل کی غیر مشروط حمایت کا عزم ثابت کرتا ہے کہ امریکہ فلسطینی لوگوں کے خلاف جنگ میں اسرائیل کا اتحادی ہے۔ ڈک چینی کے دورے اور حالیہ مذاکرات کے حوالے سے عوام کسی فوری معاہدے کے بارے میں پر یقین نہیں ہیں۔

❖♦❖

امریکہ آج کل بین الاقوامی روڈ میپ برائے امن پر عمل کروانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اس کی یہ مساعی کیا رنگ لاتی ہیں' اس کے بارے میں کسی کو نہ تو ابہام ہے اور نہ ہی کوئی شک وشبہ' کیونکہ کوششوں کی کامیابی کا انحصار نیتوں کی سچائی پر ہوتا ہے۔ امریکہ اگر فلسطینیوں کے ساتھ مخلص ہوتا تو روڈ میپ برائے امن کی ضرورت ہی پیش نہ آتی' اس کے بغیر ہی اسرائیل کو لگام ڈالی جا سکتی تھی۔ اب بھی روڈ میپ غریب فلسطینیوں کے مسائل کا حل نہیں بلکہ روڈ میپ کی آڑ میں فلسطینیوں کو خاموش کرانا مقصد ہے تاکہ اسرائیل اپنی آبادیوں کو وسعت دے سکے۔ اسرائیل کے مذموم ارادوں کی تکمیل کیلئے امریکہ کی دوڑیں اسرائیل تک جاری ہیں۔ اسی ضمن میں امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے اسرائیل کا دورہ بھی کیا' جس کے بعد انہوں نے توقع ظاہر کی ہے کہ

اسرائیل فلسطینیوں کے حالات بہتر بنانے کیلئے بامعنی اقدامات کرے گا۔ امریکہ کی ڈپلومیسی دیکھئے' ایک طرف امریکی نائب وزیراعظم ڈک چینی اسرائیل کا دورہ کرتے ہوئے اسرائیل کے تحفظ کو فلسطینیوں کی زندگی پر مقدم قرار دیتے ہیں اور بیت المقدس کو اسرائیل کا حصہ تسلیم کرتے ہیں۔ دوسری طرف کنڈولیزا رائس امریکی وزیرخارجہ ڈک چینی کے بیانات کے بعد فلسطینیوں کے دکھتے دلوں پر مرہم رکھنے کیلئے اسرائیل کو فلسطینیوں کے حالات بہتر بنانے پر آمادہ کرنے کیلئے پہنچ جاتی ہیں۔ ایک ہی ملک کے دو رخ' ایک طرف زخم، دوسری طرف مرہم۔ امریکی وزیرخارجہ نے دورہ اسرائیل میں اپنا یہ کارنامہ بھی بیان کیا ہے کہ اسرائیل غرب اردن کے مقبوضہ علاقے کی سڑکوں پر موجود پچاس رکاوٹیں ہٹانے پر رضامند ہو گیا ہے۔ کنڈولیزا رائس نے کہا کہ اس اقدام سے فلسطینیوں کی روزمرہ زندگی میں بہتری آئے گی۔ امریکہ کا ''اونٹ کے منہ میں زیرہ'' کے مترادف اس کامیابی پر نازاں ہونا بھی اس کی منافقت کا کھلا ثبوت ہے۔ غرب اردن میں 500 سے زائد مقامات پر اسرائیلی افواج نے رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ 500 میں سے 50 رکاوٹیں ہٹانے پر اسرائیل کو تیار کرنا کس کارنامے میں شمار ہے' اور وہ بھی امریکہ کیلئے، جو کہ فلسطینیوں کی زندگی اجیرن بنا دینے کی اسرائیل کی ہر پلاننگ میں شریک ہے۔ اسرائیل کی کون سی ایسی پلاننگ ہے، جو امریکہ سے چھپ کر تیار ہوتی ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس کے سفر کے دوران رائس نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں مغربی کنارے کے علاقے میں فلسطینیوں کا معیار زندگی بلند کرنے کے حوالے سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کروں گی۔ میں مشرق وسطیٰ پر امریکی نظریہ مسلط کرنے نہیں جا رہی ہوں۔ ایک سینئر اسرائیلی سرکاری افسر نے کہا کہ اسرائیل اور فلسطین کے مذاکرات کاروں کی ملاقاتوں کے بعد مثبت پیش رفت ہوئی ہے۔ مذاکرات میں اسرائیلی وزیرخارجہ زپی لیونی اور ان کے فلسطینی ہم منصب احمد قریع شامل تھے۔ امریکی وزیرخارجہ نے مسئلے کے حل کیلئے توقع ظاہر کی کہ مجھے امید ہے کہ اسرائیل اور فلسطینی مل کر ایسے اقدامات کریں گے، جس سے اسرائیل کی سکیورٹی اور فلسطینیوں کی معاشی حالت بہتر ہو گی۔ امریکہ ایسا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے جس سے غرب اردن میں فلسطینیوں کے آنے جانے پر اسرائیلی پابندیوں کو نرم کیا جا سکے۔ اسرائیل کے وزیرخارجہ زپی لیونی نے کہا کہ اسرائیل فلسطینیوں کی مدد کرنا چاہتا ہے مگر اسرائیلی سکیورٹی کو کسی بھی مقام پر نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔

امریکی وزیرخارجہ نے امن معاہدہ میں ایک نئی روح پھونکنے کیلئے یروشلم کا تین روزہ دورہ کیا۔ صہیونی فوج نے چند دن امن کیا ہے، اس کے بعد پھر اسی راستے پر چل رہی ہے' فلسطینیوں کا قتل عام۔ امن کانفرنس کے بعد سے اب تک صہیونی فوج کی مختلف کارروائیوں میں 363

فلسطینی شہید ہو چکے ہیں۔ 2000ء میں فلسطینیوں کی دوسری جدوجہد کے آغاز سے اب تک 6326 افراد شہید ہو چکے ہیں۔ حماس اسرائیل کی امن کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں سے اچھی طرح واقف ہے' اس لئے اس نے عرب سربراہی کانفرنس میں اسرائیل سے مکمل طور پر سفارتی تعلقات کے خاتمے کا مطالبہ کیا ہے۔ حماس کے رہنما خالد صید نے غزہ میں جلوس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ غزہ کے خلاف حصار بندی کی وجہ سے بیسیوں مریضوں کی جانوں کو خطرہ ہے۔ وہ علاج کیلئے غزہ سے باہر نہیں جا سکتے جبکہ غزہ میں ان کا علاج ممکن نہیں۔ مسلمانوں کو اپنے مسائل کے حل کیلئے ایک جھنڈے تلے جمع ہونا چاہئے۔ صلاح الدین ایوبی نے اس وقت کامیابی حاصل کی، جب اس نے امت کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔ مسلمانوں کو اپنے نبیؐ کی حرمت کیلئے متحد ہونا چاہئے۔

ان مذاکرات کے حوالے سے محمود عباس نے کہا کہ امن بات چیت میں کسی تبدیلی یا ترمیم کی گنجائش نہیں۔ امن بات چیت جاری رہنی چاہئے۔ محمود عباس نے شام کے دارالحکومت دمشق میں عرب سربراہی کانفرنس میں شرکت کے دوران اپنا مؤقف دہرایا۔ عرب سربراہی کانفرنس میں شریک بعض ممالک اسرائیل سے امن بات چیت کے جاری رہنے پر متفق نہیں۔ ان ممالک کا مؤقف ہے کہ اسرائیل فلسطینی پناہ گزینوں کے حق واپسی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی جانب سے مغربی کنارے اور غزہ میں دراندازیاں جاری ہیں۔ مزید براں وہ یہودی آبادکاری کے سلسلے کو ختم کرنے سے بھی انکاری ہے تو اسی ہٹ دھرمی کی صورت میں اسرائیل سے مذاکرات کا کوئی فائدہ نہیں۔ 30 مارچ کو فلسطینیوں نے وطن کے حصول کا دن بھی منایا۔ 30 مارچ کو اسرائیل اور فلسطینی مملکت میں لینڈ ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ 1976ء میں چھ غیر مسلح فلسطینی شہریوں کو اسرائیل کی افواج نے اس وقت ہلاک کر دیا تھا، جب وہ اسرائیلی قبضے کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ تب سے فلسطینی ریاست کی آزادی و خودمختاری کی خواہش لئے اس دن کو لینڈ ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ زمین کے حصول کے اس دن کو مشرقی یروشلم' مغربی کنارے غزہ اور اسرائیلی قبضے کے خلاف جدوجہد کے طور پر منایا جاتا ہے۔ 1948ء کی جنگ سے اسرائیل نے فلسطین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔

1967ء کی فوجی محاذ آرائی کے اگلے دور میں اسرائیل نے مشرقی یروشلم' مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں اپنے قبضے کو اور وسعت دی۔ اسرائیل نے 1967ء کے قبضے کے دوران حاصل کئے گئے علاقوں کو مقبوضہ علاقے ماننے سے ہی انکار کر دیا اور انہیں اپنا جائز اور قانونی حصہ قرار دینا شروع کر دیا۔ جب اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی اداروں نے یہ تسلیم کیا کہ اسرائیل نے

فوجی مداخلت کے ذریعے مشرقی یروشلم' مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ اسرائیل نے ان قوانین کی خلاف ورزیاں کرتے ہوئے نہ صرف قبضہ جمائے رکھا بلکہ فلسطینیوں پر مزید مظالم شروع کر دیئے۔ اسرائیل نے اس قبضہ کو جائز شکل دینے کیلئے بھی کوششیں شروع کر دیں۔ بہت سے ہتھکنڈے آزمائے۔ 1968ء میں اسرائیلی حکام نے ملٹری آرڈر 291 پاس کیا جس کے تحت ان علاقوں میں نجی زمین کی رجسٹریشن کے عمل کو روک دیا گیا۔ اس آرڈر کو ملٹری آرڈر 59 کے ساتھ منسلک کر دیا گیا جو کہ 1867ء میں جاری کیا گیا تھا۔ اس کے تحت اسرائیلی حکومت کو کوئی بھی پراپرٹی منتقل کی جاسکتی تھی۔ اس میں وہ تمام علاقے شامل ہو گئے جو کہ باضابطہ طور پر اردن کے ساتھ الحاق میں تھے اور وہ بھی جو کہ رجسٹرڈ نہ تھے اور ہنوز رجسٹریشن کے عمل میں سے گزر رہے تھے۔ اس میں مری اور مادت کے کئی علاقے بھی آ گئے جن پر کہ ابھی تک Ottoman قانون کے تحت زراعتی اور چارہ جاتی زمینوں کا قبضہ تھا۔ اسرائیل نے ان زمینوں پر 1958ء کا قانون نافذ کیا اور فلسطینی دیہاتوں اور کسان سے تحریری ثبوت طلب کئے کہ وہ ثابت کریں کہ ان کے پاس جو زمینیں ہیں، وہ پندرہ سالوں سے بلاشرکت غیرے ان کے مالک ہیں۔ فلسطینیوں کی بڑی تعداد ان کے مطلوبہ کوائف پر پورا اترنے سے قاصر تھی جس کے نتیجے میں مری' ماتر کا اور مادت ٹائپ کی تمام Ottoman کے دور میں استعمال ہونے والی زمینوں کو اسرائیل کی ریاست کا حصہ تصور کر لیا گیا۔ ایک اور چیز جس نے اسرائیلی قبضے کو وسعت دی وہ پراپرٹی ایکٹ کی غیر موجودگی تھی۔ جس میں ملٹری آرڈر 58 کے تحت اسرائیل نے اپنے مفادات کے تحت ترمیم کر لی اور اسی اصول کو غزہ پر اس طرح اپلائی کیا کہ ہر وہ شخص، جس نے 1967ء سے قبل' اس کے دوران اور بعد میں مغربی کنارے کو چھوڑا، ملکیت کا حقدار نہیں۔ اگر ایک فلسطینی یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتا کہ وہ اس دور میں مغربی کنارے یا غزہ سے غیر حاضر نہیں رہا تو اس کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ جائیداد کی منتقلی کا قانون اسرائیل کے پاس آ گیا' اسرائیل نے ہزاروں یہودیوں کو علاقے میں آباد کرنا شروع کر دیا۔ اسرائیلی سپریم کورٹ کو مطلع کیا گیا کہ مغربی کنارے پر اسرائیل کا کردار قابض کا ہے اور وہ ہیگ اور جنیوا کنونشن کا پابند ہے۔ اسرائیل ان قوانین کا پابند ہونے کے باوجود مزید صیہونی بستیوں کی تعمیر کا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ بش کے دورہ سے قبل اس نے صیہونی بستیوں کی تعمیر کے کام کو عارضی طور پر روک دیا تھا' مگر بش کی آمد پر اسرائیلی حملوں میں نہ صرف تیزی آ گئی تھی' بلکہ اس نے توسیع پسندانہ عزائم کو بھی جاری رکھا ہے۔ دو چار دن کی منسوخی کو ارادے کی مستقل منسوخی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اب غزہ کی ناکہ بندی کے بعد اسرائیل نے فلسطینیوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ محمود عباس نے اسرائیل پر مشرقی یروشلم میں فلسطینیوں کی مہم

شروع کر رکھنے کا الزام عائد کیا۔ محمود عباس نے کہا کہ ٹیکس اور مکانات کیلئے اجازت پر عائد پابندیوں کی وجہ سے فلسطینی گھروں کی تعمیر نہیں کر سکتے۔ اسرائیل کو محمود عباس کا یہ بیان بہت گراں گزرا اور اس نے اس بیان کو اشتعال انگیز قرار دیا۔ مزید براں محمود عباس نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل نے مشرقی یروشلم میں فلسطینیوں کی نسل کشی کی مہم چلا رکھی ہے۔ جہاں محصولات اور منصوبہ بندی نے فلسطینیوں کو مکان بنانے سے معذور کر دیا ہے اور وہ غرب اردن کے فلسطینی علاقوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ فلسطینی صدر نے یہ بیان اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کے سینیگال میں ہونے والے اجلاس پر دیا۔ محمود عباس نے واضح طور پر اسرائیل پر فلسطینیوں کی نسل کشی کا الزام لگایا۔ او آئی سی کے اجلاس میں عرب دنیا کے 30 سے زائد مسلمان ممالک کے سربراہان موجود تھے۔ اس اجلاس میں اسرائیل کی مشرق وسطیٰ پر پالیسی کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی اور زور دیا گیا کہ اسرائیل کے خلاف عالمی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب باتوں سے نکل کر اس معاملہ کو عمل کے میدان میں لایا جائے۔ اسرائیلی انتظامیہ اپنے اوپر تو کسی روک ٹوک کو پسند نہیں کرتی جبکہ غزہ کے شہریوں کو وہ محصور کئے ہوئے ہے۔ اسرائیل نے غزہ پٹی میں ہفتہ بھر کی طویل فوجی کارروائی کی تھی، جو مارچ کے اوائل میں ختم کی گئی تھی۔ بقول اسرائیل، اس فوجی کارروائی کا مقصد فلسطینی عسکریت پسندوں کو اسرائیلی علاقوں میں کئے جانے والے راکٹ حملوں سے باز رکھنا تھا۔ اسرائیل اپنی ہر کارروائی کیلئے ذمہ دار حماس کو ٹھہراتا ہے۔ حماس کی جانب سے کئے گئے راکٹوں سے ہونے والے نقصانات سے بچنے کیلئے وہ حملوں کا جواز گھڑتا ہے مگر وہ بلا جواز اتنے سالوں سے مظلوم فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کر کے وہاں قابض ہے اور حق کی آواز بلند کرنے کی سزا بھی انہیں خوب دے رہا ہے۔ ایسے میں فلسطینیوں کی کیا پروا ہو سکتی ہے جب اس کو شہ دینے والا امریکہ ہے جو کہ بانگ دہل اسرائیل کی حمایت کا اعلان کرتا ہے۔

اسرائیل نے اپنا جاسوسی کا نیٹ ورک وسیع کیا ہے۔ جدید ترین طیارے شامل کر لئے گئے ہیں' اس میں ESM نامی جدید الیکٹرانی آلات نصب ہیں' اس میں انتہائی حساس نوعیت کا ریڈار بھی نصب ہے جس کی مدد سے کئی میل دور سے بھی نگرانی کا کام آسانی کے ساتھ کیا جا سکے گا۔ یہ طیارے مسلسل دس گھنٹے تک پرواز کر سکتے ہیں۔ ان طیاروں میں شامل جاسوسی کے نظام کو اسرائیل کے جاسوس مصنوعی سیارے کے ذریعے کنٹرول کیا جاسکے گا' اس کا یہ جاسوس مصنوعی سیارہ TECSAR کچھ عرصہ قبل ہی بھارت کی مدد سے بھارتی خلائی اسٹیشن سے فضاء میں چھوڑا گیا تھا۔ یہ مصنوعی جاسوس سیارہ نہ صرف اسرائیل کے جاسوسی طیاروں کو گائیڈ لائن دے گا بلکہ اسرائیلی

ایٹمی آبدوز ''ڈولفن'' کے مواصلاتی سسٹم سے بھی منسلک ہے۔

عاموس یدلین کون ہے؟ اور اسے اسرائیل کے اس وقت کے حربی حلقوں میں اتنی اہمیت کیوں حاصل ہے؟ عاموس یدلین 1951ء کو نقب کے علاقے کی یہودی بستی ''حتسریم'' میں پیدا ہوا' اس کا باپ اھارون یدلین اسحاق رابن کی وزارت عظمیٰ کے دور میں وزیر تعلیم تھا۔ وہ ڈیوڈ ھاکوہین کا بھتیجا ہے جو اسرائیل کی تاریخ ایک جانا پہچانا نام ہے۔ عاموس یدلین نے اقتصادیات کے مضمون میں ثانوی تعلیم حاصل کی' اس کے بعد تعلقات عامہ کے موضوع پر ماسٹرز کیا۔ اس کی شادی ''کارن'' نامی عورت سے ہوئی جس سے اس کی دو بیٹیاں ہیں۔ 1970ء میں لازمی فوجی خدمت کے حوالے سے عاموس یدلین اسرائیلی فضائیہ میں شامل ہوا اور یونٹ 86 میں خدمات انجام دیتا رہا' اس کے بعد وہ چھوٹے لڑاکا طیارے کا پائلٹ بن گیا۔ 1972ء میں اس نے وقت کے جدید طیارے سکائی ہوک A-4 کو کامیابی سے اڑایا اور عرب اسرائیل جنگ میں شرکت کی۔

1973ء میں اسے حتسریم کے علاقے میں موجود اسرائیلی فضائی اڈے کا انچارج بنا دیا گیا۔

1976ء میں اسے فضائی مہارت کی بنا پر صحرائی پائلٹ کا خطاب دیا گیا۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد ہی اسے اسرائیلی فضائیہ میں شامل میراج C3 لڑاکا طیاروں کے بیڑے کا سربراہ بنا دیا گیا۔

1978ء میں اسے اسرائیلی فضائیہ کی سب سے اہم لڑاکا فضائی یونٹ 101 کا انچارج بنایا گیا۔

1979ء میں اسرائیلی علاقے رامت کا فضائی جنگی اڈہ بھی اس کی سربراہی میں دے دیا گیا۔ اس کیلئے اسے ایف سولہ طیاروں کی تربیت کیلئے امریکہ روانہ کر دیا گیا۔ 1980ء میں عاموس کو اسرائیلی ایئرفورس کا نائب سربراہ بنا دیا گیا۔ عاموس یدلین نے 1981ء میں عراقی ایٹمی ری ایکٹر پر حملہ کرنے والے اسرائیلی جنگی مشن میں شرکت کی۔ 1983ء میں اس نے لبنان کی جنگ میں حصہ لیا۔ 1983ء میں عاموس یدلین نے اسرائیلی فضائیہ سے چھٹی لے کر بن گوریان یونیورسٹی میں اقتصادیات کے شعبے میں کام شروع کر دیا اور اعلیٰ ڈگری کے حصول کے بعد 1985ء میں اسے اسرائیلی جنگی فضائی بیڑے کی یونٹ نمبر 119 کا سربراہ بنا دیا گیا۔ اس دوران ایک تربیتی پرواز کے دوران اس کی تکنیکی غلطی سے اسرائیل کے دو ایف 15 طیاروں کو تباہی کا منہ دیکھنا پڑا' جس کی اس نے مکمل ذمہ داری قبول کی اور اسے اسرائیلی فضائیہ سے وقتی طور پر معزول کر دیا گیا۔

اس منصب سے فارغ ہونے کے بعد 1988ء میں اسے اسرائیلی ایئر اکیڈمی میں انسٹرکٹر مقرر کر دیا گیا۔ 1993ء میں اس نے امریکہ کا رخ کیا اور تعلقات عامہ کے شعبے میں ہارورڈ یونیورسٹی سے ماسٹرز ڈگری حاصل کی۔ 1998ء میں اسے اسرائیلی فضائی انٹیلی جنس کا سربراہ بنا دیا

گیا۔ اپنی عسکری خدمات کے دوران اس نے 4200 گھنٹے پروازیں کیں۔ جن میں سے 255 گھنٹے کی پروازیں باقاعدہ جنگ لڑتے ہوئے کیں۔ 2002ء میں اسے جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ 2004ء میں اسے واشنگٹن کے اسرائیلی سفارتخانے کا ملٹری اتاشی بنا دیا گیا۔ 2006ء میں دان حاتوم کو جو اسرائیلی فضائیہ میں جنرل کے عہدے پر مامور تھا کو ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ بنایا گیا یہ پہلا اسرائیلی فضائی جنرل تھا، جسے ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ بنایا گیا تھا۔ اس طرح اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد اس سے بالکل دور نہ رہی۔

عاموس یدلین کے اس مختصر پس منظر کے بعد آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس قسم کا شخص کس قسم کے جنگی عزائم رکھتا ہوگا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لبنان کی جنگ کے دوران حزب اللہ کے ہاتھوں اٹھائی جانے والی شرمندگی سے بری طرح زچ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسرائیلی فوج کو آئندہ جنگ کیلئے مکمل طور پر انٹیلی جنس رپورٹس کے حوالے سے جدید طرز پر لانا چاہتا ہے۔

چونکہ لبنان کی حالیہ جنگ کے دوران اسرائیل کو معلومات کے حصول کے سلسلے میں انتہائی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور حزب اللہ کے مجاہدین نے اسے ہر محاذ پر زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اس وقت جو جاسوس طیارے تھے، وہ حزب اللہ کی طیارہ شکن توپوں کے خوف سے نچلی پروازیں کرنے سے قاصر تھے' اس وجہ سے بھی اسرائیلی فوج کو حزب اللہ کی فوج کے صحیح ٹھکانوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیلی حکام موساد کے سربراہ عاموس یدلین کی رپورٹ کو زمینی حقائق سے قریب تر قرار دے رہے ہیں اور اس سلسلے میں اسرائیلی حکومت کو باور کرایا جا رہا ہے کہ جدید ترین فضائی جاسوسی نظام کے بغیر ایران یا حزب اللہ کا سامنا کرنا آسان نہیں ہوگا۔

ایران یا لبنان میں موجود حزب اللہ کو اسرائیل کیسے نشانہ بنانا چاہتا ہے اس سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بین الاقوامی سطح پر کوئی ایسی دہشت گردی بھی کروا سکتا ہے جس کا ملبہ حزب اللہ یا ایران پر ڈال دیا جائے' کیونکہ ماضی میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اسرائیل کی جانب سے مسلم دنیا کو نشانہ بنانے کیلئے کسی بھی جگہ کوئی ''دہشت گردی'' کا واقعہ بنا دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں لندن دھماکوں کے بارے میں اب بات کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ ان دھماکوں میں اسرائیلی ملوث ہیں' کیونکہ ان دھماکوں کو مسلم دنیا کے خلاف استعمال کیا جانا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں لندن پولیس کے ہاتھ کافی کچھ لگ چکا تھا۔ اگر یہ دھماکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف تھا تو اسے ان کے اکثریتی علاقے میں کیا جانا چاہئے تھا مگر یہ لندن کے اس علاقے یعنی ایگور روڈ اسٹیشن پر ہوا، جو عرب

آبادی کے لحاظ سے گنجان تصور کیا جاتا ہے! اس کے علاوہ اسرائیل میں بسوں کو اڑانے کا کام ایک عرصے سے جاری ہے۔ اسرائیلی کمانڈوز کو اس قسم کے مشن کی خاص تربیت دی جارہی ہے۔ اسرائیل میں موجود ''نگیوبیں'' کے علاقے میں اس قسم کا اڈہ موجود ہے۔ زیرزمین ریلوے کو اسرائیلی کمپنی ''فورٹرس جی بی'' نامی سکیورٹی کمپنی کے پاس تھا، پھر یہ دھماکہ کیسے ہوگیا؟ لندن دھماکوں کے وقت اسرائیل کا سابق وزیراعظم اور موجودہ صہیونی انتہا پسند لیکوڈ پارٹی کا سربراہ نیتن یاہو اس وقت لندن میں اس مشن کی خفیہ نگرانی پر تھا۔ نیتن یاہو کو اسرائیلی فوج میں سازشی قتل عام کا ماہر تصور کیا جاتا ہے۔

ایران اسرائیل کی جانب سے اس خطرے کو کس طرح روکتا ہے، اس حوالے سے یہی کہا جاتا ہے کہ ایرانی صدر کو تا حال عراق کا دورہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بغداد پر مسلط امریکہ نواز مالکی انتظامیہ سے ہاتھ ملا کر احمدی نژاد نے امریکہ مخالف حلقوں کو اچھا پیغام نہیں دیا۔ امریکہ اور اسرائیل مل کر عراق میں فرقہ واریت کی جنگ بھڑکا رہے ہیں۔ وہاں شیعہ سنی کو آپس میں لڑانے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔ سنی قبائل کی گوریلا جنگ سے تنگ آئے ہوئے امریکہ نے عراقی مسلمانوں کو آپس میں لڑایا۔ ایسی صورت میں مالکی سے ہاتھ ملانا امریکہ سے ہاتھ ملانے کے مترادف ہے۔ اس لئے ایران کو امریکی سازشوں سے خبردار رہتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہئے۔

❖♦❖

امن معاہدے کی توقع لئے کنڈولیزا رائس نے دورہ فلسطین میں دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت کیلئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ گزشتہ برسوں میں رائس نے تقریباً ہر مہینے اسرائیل اور فلسطین کا دورہ کیا ہے۔ رائس کا یہ دورہ اس حوالے سے اہم تھا کہ آئندہ ماہ صہیونی ریاست کی 60ویں سالگرہ کی تقریبات میں شرکت کیلئے صدر بش اسرائیل آرہے تھے۔ کنڈولیزا رائس کا یہ دورہ فریقین کو بات چیت کرنے کیلئے تیار کرنے اور آئندہ مہینے صدر بش کی آمد سے قبل تیاریاں پوری کرنے کیلئے تھا۔ ادھر کنڈولیزا رائس اور بش کے مشرق وسطیٰ کے پھیرے جاری تھے۔ ادھر فلسطینی اتھارٹی نے صدر محمود عباس کو امریکہ طلب کرلیا مگر اس کے باوجود مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل رہا' کیونکہ امریکہ اور اسرائیل دونوں بدنیت ہیں اور ان کے عزائم فلسطین کو آزادی دلانا یا خودمختار ریاست بنانا نہیں بلکہ خودمختاری کی آڑ میں اسرائیل کو عربوں اور تمام مسلمانوں کیلئے قابل قبول ریاست بنانا ہے۔

امریکہ کے دورے سے واپس لوٹنے کے بعد فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس نے دوبارہ

صدر بننے کیلئے انتخابات میں حصہ لینے سے امریکہ کو انکار کردیا ہے۔ فلسطینی صدر نے واضح کیا ہے کہ اگر امریکی انتظامیہ قیام امن کے معاہدے کیلئے اسرائیل پر دباؤ نہیں ڈال سکتی تو واشنگٹن متبادل آدمی تلاش کرے' کیونکہ وہ آئندہ فلسطینی انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ محمود عباس نے قیام اسرائیل کی 60ویں سالانہ تقریبات میں شرکت سے بھی انکار کردیا ہے۔ محمود عباس نے صدر بش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسرائیلی پارلیمنٹ سے خطاب میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کا اعلان کریں اور اسرائیل سے یہودی آبادیوں کے قیام کو روکنے کا مطالبہ کریں۔ اسرائیل عبرانی شمسی کیلنڈر کے تحت 8 مئی کو اپنی تشکیل کی 60ویں سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منا رہا ہے۔ اسرائیل 14 مئی 1948ء کو سرزمین عرب پر ناسور بن کر ابھرا اور اپنے ہمسایہ ملک کے ساتھ مختصر جنگ کے بعد اس نے نام نہاد اعلان آزادی کیا جس کی وجہ سے 7 لاکھ فلسطینی بے گھر ہوگئے۔ امریکی وزیرخارجہ کنڈولیزا رائس نے یروشلم میں نہایت مصروف وقت گزارا اور قیام امن کیلئے فلسطینی اور اسرائیلی حکام سے ملاقاتیں کیں۔

کنڈولیزا رائس کے اسرائیلی وزیرخارجہ کے ساتھ مذاکرات کے تین دور ہوئے۔ رائس نے فلسطینی وزیراعظم اور اسرائیلی وزیردفاع سے بھی ملاقاتیں کیں۔ رائس نے کہا کہ امریکہ مشرق وسطیٰ میں امن کیلئے ہرممکن تعاون فراہم کرنے کو تیار ہے۔ مسرق وسطیٰ میں قیام امن کیلئے چار فریقی گروپ نے اسرائیل سے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں نئی یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کا مطالبہ کیا۔ غزہ میں اسرائیل کی طرف سے ایندھن کی فراہمی پر بندش کی وجہ سے غزہ کے اکلوتے پاور پلانٹ کے چار ٹربائن بند کردیے گئے۔

کنڈولیزا رائس نے اس دورے میں کہا کہ وہ مغربی کنارے میں ناکہ بندیوں کے خاتمے کیلئے اسرائیلی حکام سے بات کریں گی۔ امریکی وزیرخارجہ نے مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ لوگوں کی اولین ضرورت امن کا قیام ہے۔ جب تک امن قائم نہیں ہوجاتا اس وقت تک دیگر مسائل کے حل کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان مذاکرات نومبر میں صدر بش کی میزبانی میں منعقدہ مشرق وسطیٰ کانفرنس کے دوران شروع ہوئے تھے۔ تاہم ابھی تک ان مذاکرات میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔

صدر محمود عباس اور اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے درمیان یروشلم میں مذاکرات کے کافی دور ہوچکے ہیں' مگر ابھی تک کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ صدر بش اپنا عہدہ صدارت چھوڑنے سے قبل امن معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ کنڈولیزا رائس اسی لئے خطے کا متعدد بار دورہ کرچکی ہیں تاکہ مستقبل کی فلسطینی ریاست اور غرب اردن میں سکیورٹی کے انتظامات جیسے معاملات پر پیش

رفت ہو۔ فلسطینی صدر محمود عباس اور اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے بھی ایک ماہ کے اندر اندر تیسری ملاقات کی ہے۔

کوئی مثبت اور حوصلہ افزا نتیجہ برآمد نہ ہونے پر محمود عباس بھی برہم ہیں' کیونکہ فلسطینی شہریوں کی حمایت کیلئے ضروری ہے کہ دونوں فریقین کے درمیان کوئی سمجھوتہ طے پا جائے۔ محمود عباس کو ابو مازن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ نومبر 2004ء میں یاسر عرفات کے انتقال کے بعد آزادی فلسطین تحریک کا انہیں چیئرمین بنایا گیا۔ جنوری 2005ء میں انہیں فلسطینی اتھارٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ الفتح کے نمائندے محمود عباس کو بین الاقوامی حمایت حاصل ہے۔ محمود عباس نے ماسکو سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور مصر سے قانون کی تعلیم حاصل کی' وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ صیہونی گروپ اس کی ڈاکٹریٹ اور دیگر کتب کو تنقید کا نشانہ بنا چکے ہیں۔ دوسری طرف نازیوں اور یہودیوں کے ساتھ اس پر خفیہ تعلقات کا الزام بھی لگایا جاتا ہے۔

ہولوکاسٹ کے سانحے میں کہیں تو 12 ملین یہودیوں کا قتل عام لکھا گیا ہے اور کہیں 80 لاکھ۔ محمود عباس کہتے ہیں ''مجھے اعداد و شمار سے بحث نہیں ہے۔ ہولوکاسٹ ایک سانحہ تھا' ناقابل معافی جرم۔ یہ یہودی قوم کے خلاف' انسانیت کے خلاف ایک ایسا جرم جسے کہ انسان کسی طور تسلیم نہیں کر سکتا۔'' محمود عباس کے عرب رہنماؤں اور انٹیلی جنس سروس کے سربراہوں سے کافی تعلقات ہیں' ان کی ذہانت اور قائدانہ صلاحیتوں نے ہی انہیں اس قابل کیا کہ وہ آزادی فلسطین تحریک کیلئے فنڈز اکٹھے کریں۔

1980ء میں قومی اور بین الاقوامی تعلقات کے ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ کی حیثیت سے تقرر سے پہلے انہوں نے آزادی فلسطین تحریک میں سکیورٹی کے حوالے سے اہم کردار ادا کیا۔

یہودیوں اور یورپی ممالک سے قربت کی وجہ سے محمود عباس متنازعہ حیثیت اختیار کر گئے' لیکن ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ لڑنے کے بجائے مل بیٹھ کر مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ مگر محمود عباس کے کئی دفعہ مذاکرات اور گفت و شنید کے باوجود بھی فلسطین کا مسئلہ کسی کروٹ نہیں بیٹھ سکا۔ امریکہ اور اسرائیل کا کہنا ہے کہ اس راستے میں حماس حائل ہے۔ وہ حماس سے ہٹ کر مسئلے کا حل تلاش تو کرنا چاہتے ہیں مگر صرف الفتح کے ساتھ مذاکرات کر کے امن کے قیام کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ انتخابات سے لے کر قیام امن کیلئے مذاکرات تک حماس کو باہر رکھ کر فلسطینیوں کو مطمئن کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے خطے میں امن و سکون آ سکتا ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف میں اب امریکہ کے صدر جمی کارٹر نے حماس سے مذاکرات کیلئے قدم اٹھایا ہے۔ مسٹر کارٹر نے مشرق وسطیٰ کے دورے میں حماس کے رہنماؤں سے ملاقات کی۔ مسٹر کارٹر کا کہنا ہے کہ وہ ثالثی کی کوششیں نہیں کر

رہے لیکن ان کے خیال میں مشرق وسطیٰ میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا، جب تک بات چیت میں حماس اور شام کو شامل نہیں کیا جاتا۔ مسٹر کارٹر نے ہی 1979ء میں مصر اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدہ کرایا تھا۔ لیکن امریکہ حماس کو الگ تھلگ کرنے میں جتا ہوا ہے اور اس نے کہا ہے کہ مسٹر کارٹر کے دورے سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں۔ امریکہ کے مطابق مسٹر کارٹر ایک نجی دورے پر ہیں، جس سے قیام امن کے عمل کو نقصان پہنچے گا۔ مسٹر کارٹر نے خالد مشعل سے بات چیت میں ان اسرائیلیوں کو چھوڑنے کی بات کی جنہیں انہوں نے پکڑ رکھا ہے۔

خالد مشعل 2004ء سے حماس کے سربراہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کیلئے عرب ممالک کی اس تجویز کی حمایت کرتے ہیں جس کے تحت فلسطینی اسرائیل کو تسلیم کریں گے اور بدلے میں اسرائیل 1968ء کی سرحدوں پر واپس چلا جائے گا۔ مقبوضہ علاقوں پر تعمیر یہودی آبادیاں ختم کر دی جائیں گی اور ایک آزاد فلسطینی ریاست قائم ہو گی۔ مشرق وسطیٰ امن عمل میں ثالثی کا کردار ادا کرنے والے کوارٹٹ چوگانہ نے عرب ممالک سے فلسطین کی امداد کے وعدے پورے کرنے کی اپیل کی ہے۔ چوگانہ نے تشدد کے حالیہ واقعات کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل کو نو آبادیاتی سرگرمیاں بند کرنی اور فلسطین کو تشدد پر قابو پانا چاہئے۔

گروپ نے دونوں جانب سے اٹھانے جانے والے ٹھوس اقدامات کی حوصلہ افزائی کی ہے' جن میں اسرائیل کی جانب سے سڑکوں پر رکاوٹوں کا ختم کرنا اور فلسطین کی جانب سے سکیورٹی میں بہتری شامل ہے' مگر یہ اقدامات امن کیلئے کافی نہیں ہیں' ابھی مزید بہت کچھ ہونا باقی ہے۔

کنڈولیزا رائس نے دورہ فلسطین میں عرب ممالک کو فلسطین کی امداد کیلئے زور دیا۔ کنڈولیزا رائس نے کہا کہ عرب ممالک کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ فلسطین کی زیادہ سے زیادہ مدد کیسے کر سکتے ہیں۔ جب حکومتیں امداد کرنے کا وعدہ کرتی ہیں تو انہیں اپنے وعدے بھی پورے کرنے چاہئیں۔ جن ممالک کے پاس وسائل ہیں انہیں یوں سوچنا چاہئے کہ وہ کس طرح زیادہ سے زیادہ مدد کر سکتے ہیں' کم سے کم نہیں۔ گزشتہ سال کے اختتام تک صرف تین ملکوں سعودی عرب' متحدہ عرب امارات اور الجزائر نے بڑے پیمانے پر فلسطین کی مدد کی ہے۔ فلسطین کیلئے دنیا بھر سے ڈیڑھ ارب ڈالر کی امداد کے وعدے کئے گئے تھے' جن میں سے عرب لیگ کے اراکین نے 717 ملین ڈالر کی امداد کی پیشکش کی تھی۔ لیکن اس معاملے میں زیادہ پیش رفت نہیں ہو سکی اور صرف 153 ملین ڈالر ہی فراہم کئے گئے ہیں۔ صرف تین ممالک سعودی عرب' متحدہ عرب امارات اور الجزائر نے بڑے پیمانے پر فلسطین کی مدد کی ہے۔

کنڈولیزا رائس نے نو آبادیاتی منصوبہ جات پر بات کرتے ہوئے کہا کہ غرب اردن میں

یہودیوں کیلئے نئے مکانوں کی تعمیر کا مطلب یہ نہیں کہ جب مشرق وسطیٰ کا مستقل حل نکلے گا تو یہ مکان اسرائیل کے کنٹرول میں رہیں گے۔ فلسطینی ریاست کی تشکیل کیلئے اسرائیل کو اپنے رویے میں لچک پیدا کرنی ہوگی اور کچھ مشکل فیصلے کرنے ہوں گے۔

جمی کارٹر نے حماس کو راکٹوں کے حملے بند کرنے اور اسرائیلی فوجی کی رہائی کیلئے مذاکرات شروع کرنے کو کہا' جس پر حماس کے ترجمان نے کہا ''ان کی تنظیم جنگ بندی کی حامی ہے لیکن اسرائیل کو ایسی کسی بھی جنگ بندی کو تسلیم کرنا ہوگا۔ امریکہ کا خیال ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن معاہدہ اس سال کے اختتام تک ممکن ہے۔ اسرائیلی وزیر خارجہ نے نئی بستی کے قیام پر بات کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل قیام امن کی اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے گا اور یہ کوئی نئی بستی آباد نہیں کی جا رہی۔

انہوں نے 2005ء میں غزہ سے اسرائیلی انخلاء کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہودی بستیاں امن کیلئے مسئلہ نہیں۔ امریکی انتظامیہ کو امید ہے کہ اسے فلسطین اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدہ کرانے میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے' لیکن نامہ نگاروں کا خیال ہے کہ وقت ہاتھوں سے نکل رہا ہے۔

اسرائیل کو حماس کے علاوہ حزب اللہ سے بھی خطرہ ہے۔ اسرائیل الزام لگاتا ہے کہ ایران اور شام حزب اللہ کی طاقت کو ہوا دے رہے ہیں۔ وہ حزب اللہ کی کارروائیوں کے ذمہ دار ہیں اور اسے ایسا کرنے پر اکسا رہے ہیں۔ اسرائیل کیلئے شام اس وقت طاقتور پوزیشن میں ہے' دونوں میں گولان کی پہاڑیوں کے حوالے سے بات چیت چل رہی ہے۔

مشرق وسطیٰ کے بحران کے حل کی کوششوں کے باوجود بش انتظامیہ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدہ کروانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ امریکہ کی خارجہ سیکرٹری نے بھی ان کوششوں میں ناکامی پر جھنجھلاہٹ ظاہر کی ہے۔ محمود عباس نے بھی اسی وجہ سے دوبارہ صدر نہ بننے کا عندیہ دیا ہے۔ کنڈولیزا رائس نے کہا کہ وہ اسرائیل سے چیک پوسٹوں کے بارے میں بات چیت کرنا چاہتی ہیں' کیونکہ ان میں سے بعض کی وجہ سے فلسطینیوں کی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا ہم گنتی کی لڑائی میں ملوث ہونا نہیں چاہتے، جہاں یہ بتایا جا سکے کہ ہم نے اتنی ناکہ بندیاں ختم کر دیں۔ لیکن اصلیت یہی ہے کہ اس سے فلسطینیوں کی زندگی بہتر نہیں ہو رہی۔ اسرائیل ان چیک پوسٹوں پر یہ مؤقف پیش کرتا ہے کہ بنیادی طور پر یہ فلسطینی شدت پسندوں کی جانب سے ملنے والے سلامتی کے خطرات کے سبب لگائی گئی ہیں۔

حالانکہ ان چیک پوسٹوں کا بنیادی مقصد صرف اور صرف غزہ کے لوگوں کی زندگی اجیرن کرنا

ہے۔ نہ صرف یہ کہ یہ چیک پوسٹیں لگائی گئی ہیں بلکہ غزہ کو بنیادی ضروریات تیل' خوراک' ایندھن کی سپلائی بھی منقطع کر دی گئی' جس سے امدادی سرگرمیاں بھی جاری نہ رہ سکیں۔ مگر اب اقوام متحدہ کی طرف سے دباؤ ڈالنے پر شیل کی ترسیل کو بحال کر دیا گیا ہے۔ فلسطینی پناہ گزینوں کی مدد کرنے والی اقوام متحدہ کی ایجنسی نے بتایا کہ اسرائیل کی جانب سے اتنا تیل مل گیا ہے کہ امدادی سرگرمیاں 20 دن تک جاری رکھی جا سکتی ہیں۔ ایندھن کی ترسیل اس وقت معطل ہوگئی تھی جب اسرائیل نے ایک علاقے میں مارٹر حملوں کے بعد دو بڑی گزرگاہوں کو بند کر دیا تھا۔ حماس کے غزہ میں اقتدار سنبھالنے کے بعد سے اسرائیل نے علاقے میں محاصرہ کر رکھا ہے۔ نحل ٹرمینل اور کارنی کراسنگ جہاں سے غزہ میں ایندھن' امدادی اشیاء اور خوراک کی سب سے زیادہ فراہمی ہوتی ہے' اسرائیل نے بند کر دیا تھا۔ اسرائیل نے ان کو یہ کہا تھا کہ حماس ان جگہوں کو ارادتاً نشانہ بنا رہی ہے۔ اسرائیل اپنی انسانیت دشمن پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے عالمی طاقتوں اور وسائل کا بڑی چابکدستی کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اسرائیل کے اس گھناؤنے کردار کا بین الاقوامی برادری کو پتہ بھی ہے۔

عالم عرب سے متعلق اسرائیل کا منصوبہ ہے کہ وہ آئندہ کچھ عرصہ میں عرب ممالک کے ساتھ معاہدات کے ذریعہ خود کو تسلیم کروا لے گا۔ اس طرح عرب ممالک ایک ایک کر کے اسرائیلی مملکت کو تسلیم کر لیں گے۔ اسرائیل ایک طرف تو امن معاہدوں کا پرچار کر رہا ہے، دوسری جانب مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق اسرائیل نے حال ہی میں ''شہری تحفظ'' کے عنوان سے تاریخ کی سب سے بڑی مشقیں شروع کیں' جن کی سربراہی امریکی جنرل کو سونپی گئی۔ علاوہ ازیں فلسطینی اتھارٹی کے وزیراعظم سلام فیاض نے کہا کہ اگر اسرائیل نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو امن مذاکرات ناکام ہو سکتے ہیں۔

اسماعیل ہانیہ نے کہا کہ فلسطین میں عیسائی اور مسلمان ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صہیونی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت عیسائیوں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔ اسرائیل مارٹر حملوں کو جواز بنا کر مظلوم فلسطینیوں کی زندگی کو اجیرن کئے ہوئے ہے۔ اب مذاکرات کا کوئی دور بھی کامیاب نہیں ہونے دیا جا رہا تا کہ اسرائیل کو کسی مسئلے پر اپنے مفادات سے پیچھے نہ ہٹنا پڑے جو وہ نہیں چاہتا۔

❖♦❖

حماس اور الفتح کی مصالحت فلسطینیوں کے حقوق دلوانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ الفتح کے صدر محمود عباس کی جانب سے حماس کو مصالحت کی پیشکش پر حماس کی جانب سے مثبت ردعمل کا

سامنے آنا نیک شگون کہا جا رہا ہے۔ حماس نے الفتح سے مصالحت کیلئے فلسطینی صدر محمود عباس کی پیشکش کو قبول کر کے معاملہ فہمی کا ثبوت دیا ہے۔ ایک عرب ٹیلی ویژن کے مطابق حماس کے رہنما اور سابق فلسطینی وزیر اعظم اسماعیل ہانیہ نے محمود عباس کی پیشکش کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ قومی یکجہتی کیلئے وہ مذاکرات کرنے کو تیار ہیں۔ انہوں نے محمود عباس کی تقریر کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انہیں محمود عباس کی تقریر میں مثبت جذبہ نظر آ رہا تھا' لہٰذا حماس فوری طور پر قومی مصالحتی مذاکرات شروع کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس دفعہ محمود عباس نے حماس کو مذاکرات سے پہلے غزہ کا قبضہ چھوڑنا ہوگا یا نہیں' مگر اس سلسلے میں صدر محمود عباس کے قریبی ساتھیوں کا کہنا ہے کہ غزہ کا قبضہ چھوڑنے کی شرط برقرار ہے۔ مذاکراتی ٹیم کے سینئر رہنما صائب اراکان نے ان مذاکرات کو نئی بات قرار نہیں دیا، بلکہ ان کا کہنا ہے کہ مذاکرات کے ایسے کئی دور پہلے بھی چل چکے ہیں' اصل بات ان کا کسی نتیجے تک پہنچنا ہے۔ حماس اور الفتح کے درمیان مذاکرات کی بات گزشتہ سال بھی چلی تھی، مگر محمود عباس نے پچھلے سال حماس سے اس وقت تک بات چیت کرنے سے انکار کر دیا تھا، جب تک حماس غزہ کا قبضہ نہ چھوڑے۔ محمود عباس نے حالیہ تقریر میں اسرائیل کو تنقید کا نشانہ بنایا اور خاص کر مغربی پٹی پر تعمیراتی کام جاری رکھنے پر اسرائیل کی مذمت کی۔ محمود عباس کا اسرائیل پر ناقدانہ رویہ بھی حماس کو الفتح کے بارے میں لچک پیدا کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ محمود عباس کے رویے کو دیکھتے ہوئے حماس نے فلسطینی صدر کی مذاکرات کی دعوت کا خیر مقدم کیا ہے۔ مصر اور یمن کی طرف سے الفتح اور حماس کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی پہلے بھی کئی کوششیں کی گئی ہیں مگر وہ ناکامی سے دوچار ہیں۔ الفتح او، حماس کو یکسر مصالحت کی کوششوں میں کچھ پیش رفت تو ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں فلسطین کے دونوں حریف دھڑوں حماس اور الفتح کے درمیان سینیگال کے دارالحکومت ڈاکار میں دو روزہ مذاکرات شروع ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد اعتماد اور باہمی ہم آہنگی کی فضا بحال ہوئی۔ فلسطین کے ان دونوں دھڑوں میں اختلافات اس وقت شدت اختیار کر گئے تھے جب الفتح نے حماس کی انتخابات میں کامیابی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے حماس کابینہ کو برطرف کر دیا تھا۔ حماس کے غزہ کے زبردستی کنٹرول کے بعد سے اس مخالفت میں شدت آ گئی۔

فلسطینی صدر محمود عباس نے حماس کے غزہ پر کنٹرول سنبھالنے کے عمل کو بغاوت قرار دیا اور حماس اتحادیوں کی کابینہ کو معطل کر دیا تھا۔ حماس کی کابینہ کو معطل کرنے کے بعد الفتح کے اسرائیل سے مذاکرات دوبارہ شروع ہو گئے تھے۔ سینی گال کے صدر عبدالحئی دید اسلامی سربراہی کانفرنس کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے فلسطینی خاندانوں کے درمیان اختلافات کا خاتمہ اور مفاہمت پیدا کرنے کے خواہاں ہیں۔ مذاکرات کے سلسلے میں پہلی ملاقات کے بعد مشترکہ بیان جاری کیا گیا

جس پر حماس کے نمائندہ عماد خالد علامی اور الفتح کی جانب سے سینیگال میں فلسطینی سفارتکار حکمت زید کے دستخط موجود تھے۔ حماس کے ترجمان نے کہا کہ حماس نے مذاکرات کی طرف قدم بڑھائے ہیں اور اب فلسطینی صدر غرب اردن میں الفتح تنظیم کو بھی ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے ان کی سنجیدگی اور اچھی نیت ثابت ہو۔ الفتح اور حماس کے درمیان مذاکرات سے اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ محمود عباس کے ساتھ اسرائیل اپنی بات چیت معطل کر سکتا ہے۔ فلسطینی تنظیموں حماس اور الفتح کے رہنماؤں کے درمیان مذاکرات کا دور 2007ء میں بھی چلا تھا۔ سعودی عرب کے شہر مکہ میں مذاکرات کا یہ سلسلہ شروع ہوا تھا' تب ان مذاکرات کا بنیادی مقصد غزہ میں جاری جھڑپوں کو ختم کرانا تھا۔ حماس کے رہنما خالد مشعل کو اس معاہدے سے بہت سی توقعات بھی تھیں۔ ان مذاکرات کے بعد توقع تھی کہ دونوں دھڑوں میں باہمی اتفاق ہو جائے گا۔ اور وہ ایک فلسطینی حکومت کے قیام میں کامیاب ہو جائیں گے' مگر دونوں گروہوں میں اتحاد پنپ نہ سکا' جبکہ فلسطینی یہ سمجھتے ہیں کہ الفتح اور حماس کا متحد ہونا ان کے حق میں بہتر ہے۔ فلسطینیوں کا خیال ہے کہ الفتح اور حماس کی متحدہ حکومت کی صورت میں وہ اسرائیل کے خلاف زیادہ فعال مدافعت کرنے کے قابل ہوں گے اور فلسطینی عوام پر عالمی پابندیوں کو روا رکھنے کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔ بی بی سی کے مشرق وسطٰی کے نامہ نگار جری بوون نے فلسطینی گروہوں میں تعاون کے درمیان حائل سب سے بڑی رکاوٹ اسرائیل کے وجود کو قرار دیا ہے۔ اسرائیلی مملکت کے وجود کو تسلیم کر لینا اور فلسطینی اتھارٹی میں عہدوں کی تقسیم وجہ مخالفت ہے۔

دونوں گروہوں میں یہی بنیادی اختلافات ہیں کہ حماس اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی جبکہ الفتح اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرتی۔ سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے بھی حماس کے رہنماؤں سے ملاقات کے بعد کہا کہ حماس اسرائیل کے حق کو ماننے اور امن کے ساتھ بطور ہمسایہ رہنے کو تیار ہے۔ حماس اسرائیل کو ہمسایہ ماننے کو تیار ہے مگر وہ ایک علیحدہ مملکت کی حیثیت دینے کو تیار نہیں' نہ ہی وہ اس کے وجود کو جائز قبول کرتا ہے۔ مسٹر کارٹر نے حماس ملاقات کے بعد حماس مؤقف دہراتے ہوئے کہا تھا کہ وہ 1967ء سے پہلے کی سرحدوں کے ساتھ اسرائیل کو تسلیم کر کے امن سے رہنے کو تیار ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حماس بھی اس معاملے کا بنیادی فریق ہے' مگر اسرائیل امریکہ اور یورپی یونین حماس کو ایک دہشت گرد گروپ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ الفتح کا رویہ بھی حماس کے ساتھ مفاہمتی نہیں ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ محمود عباس اسرائیل کے ساتھ ہونے والے معاہدوں کو حتمی شکل دینے کیلئے واشنگٹن میں مدعو تھے۔ حماس تحریک کا ایک وفد قاہرہ میں مصری افراد کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا تاکہ غزہ کے باشندوں کو فقر و فاقہ اور پریشانیوں سے

نجات دلائی جائے۔ فلسطین کے دونوں دھڑوں میں الفتح کو امریکہ اور اسرائیل فوقیت دیتے ہیں‘ وجوہات بالکل واضح ہیں۔ الفتح امریکہ اور اسرائیل کے قریب ہے۔ اینا پولس کانفرنس کے بعد سے صدر محمود عباس نے اقرار کیا کہ ذرائع ابلاغ کی آنکھوں سے اوجھل بات چیت کا ایک خفیہ چینل بھی کھلا ہوا تھا۔ اس بات نے آج سے 15 سال پہلے اوسلو معاہدے کی بات یاد دلا دی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کن اسباب کی بنیاد پر بات چیت کے دو چینل کھولے جاتے ہیں۔ ایک کو ظاہر جبکہ دوسرے کو خفیہ رکھا جاتا ہے۔

اوسلو معاہدے کے بعد بھی ظاہری علانیہ کرنے والے فلسطینی وفد کے پیچھے ایک خفیہ چینل تھا۔ الفتح کے برعکس حماس نے ہمیشہ اپنے تمام بیانات اور معاہدوں کو کھلے عام بیان کیا۔ کسی ابہام کے بغیر تفصیلات اور شقوں کو بیان کیا گیا۔ حالات کو پرسکون بنانے والے معاہدے کی صہیونیوں کی جانب سے ہمیشہ مخالفت کی گئی اور انہوں نے اس کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے حماس کے ساتھ کئے گئے اس معاہدے کو مسترد کرنے کی آواز بلند کی تو حماس تحریک کا ردعمل نہایت سخت اور دندان شکن تھا۔ حماس کے رہنماؤں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ حالات کا پرسکون ہونا غزہ کی ناکہ بندی ختم ہونے پر مربوط ہے۔ یہ عمل یکطرفہ نہیں ہوسکتا۔ ناکہ بندی جاری رہے اور حالات بھی پرسکون ہو جائیں‘ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ناکہ بندی ہماری شرطوں کے ساتھ ختم کی جاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہمارے راستے کھلے ہیں۔ ہمارا مقابلہ قابض اور غاصب قوتوں کے ساتھ جاری رہے گا۔ حماس تحریک کے ہی ایک دوسرے رہنما کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے حالات معمول پر لانے کی تمام کوششوں کو ہمیشہ مسترد کردیا ہے۔ حماس کو دور اور الگ تھلگ رکھا جا رہا ہے۔ حالانکہ عام انتخابات میں اسے کامیابی ملی تھی اور اسے دور رکھنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حماس بات چیت یعنی دستبرداریوں میں روڑے اٹکانے والا ہے۔

’’فلسطین کے اندر یہودی مملکت کا قیام‘‘ صہیونیوں کا مطالبہ ہے اور یہ مطالبہ فلسطینیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے خطرہ کے پیش نظر امریکہ اور اسرائیل نے بنایا ہے۔ کیونکہ اس بات کا اندیشہ امریکہ و اسرائیل کو کھٹک رہا ہے کہ 2010ء تک فلسطینیوں کی آبادی اکثریت میں بدل سکتی ہے۔ حالانکہ صہیونی مملکت کے وجود کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جا رہا ہے۔ 1945ء میں جس وقت اقوام متحدہ کی پیدائش ہوئی۔ فلسطین بین الاقوامی سطح پر اپنا تشخص رکھتا تھا‘ اس کی حیثیت عراق‘ شام‘ لبنان اور اردن جیسی تھی۔ یہاں کی سرزمین پوری دنیا کے مسلمانوں کی ملکیت ہے‘ اس میں کسی طرح کا خورد برد جائز نہیں‘ کیونکہ یہ قبلہ اول کی سرزمین اور مکہ و مدینہ کے درمیان مقام اتصال ہے۔ بین الاقوامی قانون کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ مصالحتی معاہدہ ملک حاصل کرنے کا ذریعہ اور

وسیلہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے اقوام متحدہ کے چارٹر کے اندر بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں کہا جا سکتا ہے کہ مقبوضہ فلسطین کی سرزمین پر صہیونی ڈھانچے کا وجود اور اسرائیل کا قیام غیرقانونی ہے۔ اس کے ساتھ ملک جیسا سلوک کرنے کے بجائے قابض و غاصب جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور وہ بھی اپنی ہی سرزمین پر ان کو قابض و غاصب گردانا جاتا ہے‘ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اسرائیل کا وجود غیرقانونی ہے۔ آج نہیں تو کل ایسی صورتحال ضرور ہوگی‘ جو اس کے وجود کو چیلنج کرنے والی ہوگی۔

الفتح اور حماس کے درمیان تعلقات میں دراڑیں ڈالنے میں صہیونی قوم کا کردار نمایاں رہا ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس کے غیرمتنازع بیانات نے بھی مصالحت کا دروازہ ہمیشہ بند رکھا۔ محمود عباس نے ماضی میں حماس کو قاتل‘ دہشت گرد اور سازشی قرار دیا‘ حتیٰ کہ محمود عباس نے غزہ پر الزام عائد کیا تھا کہ انہیں ہلاک کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ فلسطینی صدر ماضی میں یہ بیان بھی دے چکے ہیں کہ حماس نے اسرائیل کو سارے فلسطینی عوام کو سزا دینے کا جواز مہیا کیا ہے۔ حماس کا الفتح سے اصولی اختلاف ہے کہ حماس اسرائیلی ریاست کے ساتھ دس سالہ جنگ بندی کیلئے تیار ہے‘ لیکن اسرائیل کی ریاست کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ حماس نے غرب اردن‘ غزہ اور یروشلم کے مشرق میں اس خطے پر جس پر اسرائیل نے 1967ء کی جنگ پر قبضہ کرلیا تھا‘ فلسطینی ریاست کی حمایت کی ہے۔ حماس کا موقف ہے کہ یروشلم کو ہر صورت میں فلسطینی ریاست کا دارالخلافہ ہونا چاہئے۔ خالد مشعل حماس رہنما کہہ چکے ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ ہوسکتا ہے۔ اگر اسرائیل 1967ء کی سرحدوں پر واپس چلا جائے۔ اسرائیل حماس کے ان بیانات کو خاطر میں نہیں لاتا اور اس نے حماس کے بجائے الفتح کے ساتھ ہی مذاکرات کئے ہیں۔ الفتح کے وجود کو وہ تسلیم کرتا ہے‘ کیونکہ وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرتی ہے۔ حماس کے وہ اسی لئے خلاف ہے کہ وہ اسرائیل کے وجود سے انکاری ہے‘ مگر الفتح اور حماس دونوں فلسطینی عوام کے حقوق کیلئے سرگرم ہیں۔ ایسے میں اگر یہ دونوں دھڑے مل جاتے ہیں تو فلسطینیوں کے حقوق کیلئے بہتر جدوجہد کرسکتے ہیں۔ دونوں فلسطینی دھڑوں کا اتفاق فلسطینی قوم کیلئے نعمت ثابت ہوگا۔ الفتح کے صدر محمود عباس کا اسرائیل کی جانب جھکاؤ بھی حماس اور الفتح میں مصالحت میں بہت بڑی رکاوٹ رہا ہے۔ اب اسرائیل کے رویہ پر محمود عباس کی تنقید ظاہر کرتی ہے کہ وہ اسرائیل کے منافقانہ اور دوغلانہ کردار پر اب مزید خاموش نہیں رہ سکتے۔

اگر حماس اور الفتح مل جل کر فلسطینی عوام کے مسائل کا حل سوچنے کی تدبیر کریں تو فلسطین کیلئے خوشی اور امید کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

❖♦❖

اسرائیل نے مقبوضہ بیت المقدس میں تقریباً 900 نئے یہودی گھروں کی تعمیر کا اعلان کر کے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ وہ حقیقی امن کا ہرگز خواہاں نہیں ہے۔ وسیع تر اسرائیل کے خواب کی تکمیل کیلئے وہ اپنے مذموم منصوبوں سے ہرگز پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ اسرائیل کے وزیر ہاؤسنگ وتعمیرات زیو بوئم نے کہا کہ 763 گھر پسگیٹ میں اور 121 ماہا میں تعمیر کئے جائیں گے۔ اسرائیل کے اس اعلان سے امن مذاکرات کو شدید نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے جو کہ پہلے ہی وزیراعظم ایہوداولمرٹ کے کرپشن اسکینڈل کے باعث ناکامی سے دوچار ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ عالم عرب کے قلب میں یہودیوں کے وجود کی شکل میں مسلم مخالف طاقتوں نے مسلمانوں کے دلوں پر خنجر گھونپا۔ 14 مئی 1948ء کو فلسطین میں اسرائیلی مملکت کے قیام کے بعد سے آج تک فلسطینی عوام جن مصائب اور مظالم سے گزر رہے ہیں، ان سے ساری دنیا واقف ہے۔ ظلم و جبر کے ان واقعات نے پوری ملت اسلامیہ کو بے چین کر کے رکھا ہوا ہے۔ امریکہ کی سرپرستی میں 60 سال پہلے صہیونیوں نے باقاعدہ اپنی مملکت کے قیام کا اعلان کیا تھا، جس کے نتیجے میں تقریباً 77 فیصد فلسطینی رقبے پر صہیونی قابض ہو گئے اور 9 لاکھ 25 ہزار فلسطینیوں میں سے 8 لاکھ کو بے گھر اور ملک بدر کر دیا گیا۔ فلسطینیوں کے ہزاروں گھروں کو برباد کر دیا گیا اور دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کو لاکر فلسطین میں بسایا گیا' چنانچہ 1949ء سے 2006ء تک 28 لاکھ یہودی فلسطین آئے اور اس طرح ان کی مجموعی تعداد 50 لاکھ تک پہنچ گئی' جس میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ 1917ء میں یہودیوں نے انگریزوں سے وہ مشہور پروانہ حاصل کر لیا جو اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے۔

اس پروانہ کی بنیاد پر آج سے 60 سال پہلے یہودی مملکت کو ارض فلسطین میں وجود بخشا گیا۔ سلطنت برطانیہ نے اس معاہدہ کے ذریعے دنیا بھر میں بکھری ہوئی قوم کو فلسطین میں لاکر بسانے کا وعدہ کیا۔ فلسطین پر انگریزوں کے قبضے اور اعلان بالفور سے یہودیوں کے ایک طویل المیعاد منصوبے کی تکمیل ہوگئی۔ 14 مئی 1948ء کو انگریزوں نے اپنا مشن مکمل کر کے فلسطین سے اپنا بوریا بستر لپیٹ لیا لیکن عربوں کو یہودیوں کے ظلم وستم کا شکار بنا کر ایسا ظلم کیا، جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسی سازش کے نتیجے میں آج فلسطینی یہودیوں کے مظالم کا شکار ہیں۔ یہودیوں کے بچے بچے کے دماغ میں مسلمانوں سے دشمنی ٹھونس دی جاتی ہے اور انہیں یہ سبق ازبر کرا دیا جاتا ہے کہ فلسطین تمہارا ہے اور تمہیں واپس ملنا چاہئے۔

اسرائیل کا مزید یہودی بستیوں کی تعمیر کا اعلان قیام امن کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ کا

پیش خیمہ ہے اور اس اقدام سے ہی ثابت ہو رہا ہے کہ آگے امن عمل کامیاب ہوگا یا ناکام۔ 1967ء میں اسرائیل کے قبضے کے بعد سے یہ دونوں علاقے ملحق ہیں۔ وزارت ہاؤسنگ نے کہا کہ ان کے الحاق کی 41ویں سالگرہ کے موقع پر نئے گھروں کی تعمیر کا اعلان کیا گیا۔ نئے گھروں کی تعمیر کا اعلان یروشلم ڈے کے موقع پر کیا گیا۔ ہاؤسنگ کی وزارت کے ترجمان اران سدلیس نے اے ایف پی کو مشرقی یروشلم پر چھ روزہ جنگ کے بعد اسرائیلی قبضے کی تفصیلات بتائیں۔ یروشلم کے میئر لیوری لیوپانسکی نے نجی ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے یہودی آبادی کے فوری طور پر یہودیوں کے گھروں کی تعمیر کا حکم دیا۔ ادھر فلسطینی سینئر مذاکرات کار صائب ارکات نے اے ایف پی کو بتایا کہ ہم سختی سے اس فیصلے کی مذمت کرتے ہیں جو کہ مزید یہودی آبادکاری کے پروگرام کی وسعت سے منسوب ہے جو کہ کبھی بھی معطل نہیں کیا گیا۔ یہ فیصلہ امن کے عمل کو آگے بڑھانے کی تمام کوششوں کو تباہ کر دے گا۔ یہ صورتحال بہت مشکل ہے۔ بار ہوما کے متعلق تنازعات 1990ء کے آخری دہائی سے چلے آرہے ہیں۔ ہار ہوما پر تنازع اس وقت اور بھی شدت اختیار کر گیا، جب نومبر میں امریکی شہر ایناپولس میں امن منصوبہ کے حوالے سے مذاکرات ہوئے۔ ارکات نے اس حوالے سے کہا کہ یقیناً ہم اس مسئلہ کو اٹھائیں گے اور نئی تعمیرات ہماری بات چیت میں اہم موضوع رہیں گی۔

نئی تعمیرات کے حوالے سے یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب اولمرٹ امریکہ کے تین روزہ دورے کا آغاز کرنے والے تھے جس میں فلسطینیوں کے حوالے سے امن مذاکرات اور شام کے ساتھ بات چیت کے بارے میں غور کیا جائے گا۔ اسرائیل پوری دنیا سے یہودیوں کے بسانے کیلئے سرگرم ہے۔ اسرائیل میں ان کے کاروبار سمیت امن اور ترقی کی ضمانت فراہم کی جاتی ہے۔

آبادی کی تعداد کو بڑھانے کیلئے یہودیوں کو یہاں آباد کرنا اسرائیل کا منصوبہ ہے۔ آبادی کی ترتیب میں یہی تبدیلی مستقبل کے اسرائیل کا تعین کرے گی۔ مغربی کنارے میں 1997ء میں فقط 500 یہودی آباد تھے۔ 2000ء میں ان کی تعداد 200000 تک پہنچ گئی تھی۔ اسرائیل دنیا کی چند بڑی شہری آبادیوں میں شمار ہوتا ہے، جو GNP کے اعتبار سے دنیا کی سب سے زیادہ آمدنی والی سوسائٹی بھی ہے۔ بہت سی پرکشش علامتیں ہیں جو دنیا بھر سے یہودیوں کو اسرائیل میں بسانے کیلئے استعمال ہوتی ہیں تاکہ اسرائیل آبادی کے اعتبار سے بھی قوت پکڑے اور فلسطینیوں کے غلبے کا تدارک ہو سکے۔ عظیم تر اور وسیع تر اسرائیل کے خواب کی تکمیل کیلئے یہودیوں کیلئے یہودیوں کی آبادکاری کو ایک ضروری عمل شمار کیا جاتا ہے۔ فلسطینی کارروائیوں نے البتہ اسرائیل کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔

یہودی آبادکاری میں نمایاں کمی آئی ہے۔ کیونکہ غیر محفوظ اسرائیل کسی بھی یہودی بزنس مین کیلئے پسندیدہ جگہ نہیں قرار پا سکتی۔ اسرائیل کو امریکی اور یورپی امداد سے جدید ترین سوسائٹی بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ اس میں 4000 سے زیادہ جدید ترین صنعتیں سرگرم تھیں۔ فلسطینی مزاحمت نے اسرائیل کو اسی پرانی حالت پر لا کھڑا کیا ہے۔ لبنان جنگ نے پہلی مرتبہ اسرائیل کو معاشی خسارے سے دوچار کیا۔ مارچ میں بھی اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے غرب اردن میں مزید یہودیوں کی آبادکاری کے منصوبے کی منظوری دی تھی۔ غرب اردن میں اس وقت بھی دو لاکھ اسی ہزار یہودی آباد ہیں۔ فلسطینی حکام نے تب ہی اسے قیام امن کے عمل کو تباہ کرنے کی کوشش قرار دیتے ہوئے امریکہ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اسرائیلی حکومت کا فیصلہ تبدیل کرائے۔ نئے گھر بنانے کا فیصلہ مخلوط حکومت میں شامل ایک انتہائی قدامت پسند جماعت کے دباؤ کے بعد کیا گیا تھا، جس نے حکومت سے الگ ہونے کی دھمکی دی تھی۔

بعدازاں عالمی برادری کے دباؤ پر اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون نے غرب اردن میں ایک ہزار نئے گھر بنانے کے منصوبے پر کام روک دیا تھا۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت غرب اردن اور غزہ کی پٹی میں بننے والی تمام بستیاں غیر قانونی ہیں' مگر اس بات کو اسرائیل تسلیم نہیں کرتا' حتیٰ کہ غرب اردن کے کچھ گھروں کو ختم کرنے کی بات جب چلی تھی تو ہزاروں اسرائیلی باشندوں نے تل ابیب میں حکومت کے منصوبے کے خلاف مظاہرہ کیا تھا' جس میں یہ عندیہ ظاہر کیا گیا تھا کہ چند چھوٹی بستیوں کو خالی کرا لیا جائے گا جس پر ایک لاکھ افراد حکومت کے منصوبے کی مخالفت کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔

یہودی آبادکاروں نے اس پر یہ کہا تھا کہ ایک دفعہ یہ سلسلہ چل پڑا تو پھر ختم نہیں ہوگا۔ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والوں نے کہا تھا کہ وہ کسی یہودی بستی کو ختم نہیں کریں گے۔ وزیراعظم کی پیشکش مشرق وسطیٰ میں حقیقی امن کے فروغ کیلئے کافی نہیں ہے' گویا دونوں گروہوں کا یہودی بستیوں کی تعمیر کے کام کو روکنے پر اختلاف تھا۔

مزید یہودی بستیوں کی تعمیر کے اعلان پر صدر محمود عباس نے بھی اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ سے ملاقات میں اس پر بات کی۔ محمود عباس نے کہا کہ نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کا منصوبہ کسی سیاسی تصفیے کا طے پا جانا مشکل کر دے گا۔ ادھر اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کو کرپشن اور بدعنوانی کے سکینڈل کا سامنا ہے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اولمرٹ پر بدعنوانی کے الزامات اپنی جگہ مگر اس کا اثر امن مذاکرات پر نہیں پڑے گا۔ اولمرٹ نے سیاسی صورتحال پر بدعنوانی کے الزامات کے حوالے سے کہا کہ اگر اس کا اثر بش کی سرکردگی میں ہونے والی امن کانفرنس میں پڑا تو

وہ مستعفی ہونے کو تیار ہیں۔ 2003ء کا روڈ میپ پلان اس امر کا متقاضی ہے کہ نئی بستیوں کی تعمیر نہ کی جائے۔ اقوام متحدہ بھی اس پر اسرائیل کو پابند کرتی ہے مگر اسرائیل کسی پابندی کو بھی خاطر میں لائے بغیر بانگ دہل نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کر رہا ہے۔ اقوام متحدہ اور بش انتظامیہ واقف ہوتے ہوئے بھی اسرائیل کو نکیل نہیں ڈال رہی۔ نئی تعمیرات اولمرٹ کو قدامت پرستوں کی حمایت کے حصول میں مددگار ہوں گی' جن کی بڑی تعداد حکومتی اتحاد کا حصہ ہے۔ رام اللہ میں مغربی کنارے میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے محمود عباس نے نئی تعمیرات کے حوالے سے کہا کہ ہمیں یقین ہے کہ اس طرح کی چیزیں امن کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ بن کر سامنے آئیں گی بلکہ پورا امن منصوبہ ان سے دھڑن تختہ ہو جائے گا۔ اولمرٹ کا جواب اس پر یہ رہا کہ اقوام متحدہ اور فلسطینی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ یروشلم اسرائیل کا حصہ ہے۔ لہٰذا یروشلم مغربی کنارے یا جہاں کہیں بھی یہودی تعمیرات کا سلسلہ چھیڑتا ہے تو وہ اسرائیل کا جائزہ اور قانونی حق ہے' جس سے اسے روکا نہیں جا سکتا۔ انسانی تعلقات کے اقوام متحدہ کے سفیر کے مطابق مغربی کنارے پر تقریباً تین ہزار فلسطینی باشندوں کے گھر ہیں جن کو منہدم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بغیر کسی اطلاع کے فوری طور پر بھی ان کو ڈھایا جا سکتا ہے۔ اسرائیلی فوج نے دیہاتیوں کو کہا ہے کہ اس علاقے میں ملٹری ٹریننگ کیلئے ہمیں اس علاقے میں جگہ کی اشد ضرورت ہے۔ ال اقابا کی آبادی اپنے گھروں کے چھن جانے کے خوف میں بری طرح مبتلا ہے۔ دیہاتیوں اور اقوام متحدہ کے افسروں نے بتایا کہ قصبے میں 35 سے 45 گھروں کو منہدم کیا جا رہا ہے' جن میں سکول' کلینک بھی شامل ہیں' جنہیں کہ غیر ملکی امداد سے تعمیر کیا گیا تھا' حتیٰ کہ مساجد بھی منہدم کی جا رہی ہیں۔ غیر ملکی امدادکاروں میں برطانیہ' بلجیم' جرمنی' جاپان' ناروے اور اقوام متحدہ اس گاؤں میں اتحادی ہیں۔ مغربی کنارے پر لوگ اپنے گھروں کے چھن جانے کے خوف میں مبتلا ہیں۔

متاثرہ عمارات جس علاقے میں واقع ہیں، وہ مغربی کنارے کا 60 فیصد ہیں۔ مغربی کنارے کی 23 ملین آبادی میں وہ 70,000 گھروں پر مشتمل ہے۔ اس منہدم ہونے کے عمل سے سب سے زیادہ بچے متاثر ہوئے ہیں۔ بچوں کے قہقہے بھی گم ہو رہے ہیں' وہ اپنے استادوں سے پوچھتے ہیں کہ ان کے گھروں کو کیوں ڈھایا جا رہا ہے۔

یروشلم میں نئی تعمیرات ہوں یا پھر مغربی کنارے پر قبضہ، اسرائیل جارحیت کی تازہ ترین مثالیں قائم کر رہا ہے۔

امریکہ اور اسرائیل کا مقصد وسیع تر اسرائیل کی تشکیل ہے یعنی اسرائیلی سرحدوں کی توسیع کر کے اس میں عراق' شام' لبنان' اردن' فلسطین اور سعودی علاقوں کی شمولیت۔

اس کیلئے سب سے پہلا قدم تو وہ یروشلم میں نئی یہودی تعمیرات سے اٹھا رہا ہے۔ ان تعمیرات کا سلسلہ اس نے عرصہ دراز سے چھیڑ رکھا ہے نہ صرف یہ کہ اس نے یروشلم میں نئی آبادیوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے بلکہ وہ گولان پر گھر بنانے کا بھی ارادہ رکھتا ہے' حتیٰ کہ 2003ء میں اسرائیل نے مقبوضہ گولان کی پہاڑیوں پر نئے آبادکاروں کیلئے ہزاروں گھر تعمیر کرنے کا بھی سلسلہ شروع کیا اور اس پر باقاعدہ اعلان کیا تھا کہ شام سے 1968ء میں چھینی گئی زمین پر قبضہ مضبوط کرنے کیلئے آئندہ تین برس میں آبادی میں پچاس فیصد اضافہ ہوگا۔ اسرائیلی وزارت دفاع نے کہا تھا کہ گولان اسرائیل کا اٹوٹ حصہ ہے۔ اس علاقے میں نئی بستیاں تعمیر کی جائیں گی۔ 17 ہزار سے زائد اسرائیلی آبادکار وہاں آباد ہیں۔

اسرائیل قوت اور قبضے سے وسیع تر اسرائیل کے خواب کی تکمیل کیلئے فلسطینی علاقوں کو ہڑپ کر لینا چاہتا ہے اور عرب علاقوں پر بھی نگاہیں جمائے ہوئے ہے۔ شام کے مذاکرات اور گولان کی پہاڑیوں سے دست برداری کیلئے آمادگی شام کے جہادیوں کے حملوں سے بچنے کی کوشش ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم کو امریکہ نے یقین دہانی کرائی تھی کہ روڈ میپ کے تحت بستیوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ روڈ میپ میں اسرائیل کو نئی بستیاں بنانے سے روکا گیا ہے اور فلسطینیوں کو اسرائیل مخالف حملے روکنے کیلئے اقدامات کرنے کیلئے کہا گیا ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت غرب اردن اور غزہ کی پٹی میں بننے والی تمام بستیاں غیر قانونی ہیں' مگر اسرائیل اس بات سے انصاف نہیں کرتا۔

فلسطینی اتھارٹی اور بین الاقوامی خصوصاً مسلم برادری نے اسرائیلی اعلان کی مذمت کی ہے کہ اسرائیل فلسطینی علاقوں پر قبضہ کرنے کے منصوبے پر عمل کر رہا ہے۔ یہودی بستیوں کی تعمیر میں مختص کی جانے والی رقم اسرائیل میں کم آمدنی والے خاندانوں اور نوجوان جوڑوں کی رہائش کے حصول میں مدد کیلئے دی جائے گی۔ غزہ' غرب' اردن' یروشلم میں یہودی بستیاں بنانے کیلئے اربوں ڈالر مختص کئے گئے ہیں۔ اسرائیل اپنے خوابوں کی تکمیل کیلئے ہر ناجائز حربے استعمال کر رہا ہے۔ بین الاقوامی برادری اور اس پر خاموش ہے، امریکہ وسیع تر اسرائیل کیلئے اس کے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔

اسرائیل مرحلہ وار یہودی بستیوں کی تعمیر کو جاری رکھے ہوئے ہے جو کہ اس کے مذموم ارادوں کا مظہر ہے کہ اس کی نیت میں فتور ہے۔ امن کانفرنس صرف امن کا بے بنیاد پرچار ہے۔ اسرائیل حقیقی طور پر اس کیلئے عمل پیرا ہونے کیلئے تیار ہے' اگر وہ حقیقی امن اور خطے میں سکون کا خواہاں ہوتا تو کوئی نہ کوئی نئی جنگ نہ چھیڑتا بلکہ پہلے کے مسائل کو بھی سلجھانے کی کوشش کرتا۔

❖♦❖

اسرائیل مسلسل غزہ کے فلسطینیوں پر اپنے مظالم برپا کر رہا ہے' غزہ کے فلسطینی مزاحمت کاروں کی طرف سے اسرائیل پر فائر کئے جانے والے راکٹ حملوں کے جواب کی آڑ میں اسرائیل کی بھاری اور طاقتور افواج نے تباہ کن ہتھیاروں سے اپنے سے کمزور ملک فلسطین، جس کی اپنی فوج بھی نہیں' پر حملے کر رہا ہے۔ فلسطینی مزاحمت کاروں کے راکٹ حملوں کے نتیجے میں 2001ء سے اب تک صرف 14 اسرائیلی ہلاک ہوئے ہیں جبکہ اس کے برعکس نومبر 2007ء میں اناپولس میں ہونے والی امن کانفرنس کے بعد اب تک چند ہفتوں میں اسرائیلی افواج تین سو سے زائد فلسطینی افراد کو شہید کر چکی ہے۔ 2000ء سے اب تک اسرائیل تقریباً 5000 فلسطینی مرد' عورتوں اور بچوں کو شہید کر چکا ہے۔ اسرائیل نے اب اپنے فوجی دستوں کو فلسطینیوں کا قتل عام کرنے کے بعد غزہ پٹی سے باہر نکال لیا ہے۔ اسرائیل نے غزہ سے اپنے فوجیوں کو اس وقت باہر نکالا ہے، جب سو سے زائد فلسطینی عوام کو بے دردی سے قتل کرنے پر اسے شدید بین الاقوامی تنقید اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسرائیل کے وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے دھمکی دی ہے کہ اگر فلسطینی علاقہ سے اسرائیل پر مزید راکٹ فائر کئے گئے تو غزہ کے خلاف اس کے ایسے مزید فوجی آپریشن جاری رہ سکتے ہیں۔ ایک اسرائیلی سفارتکار نے بتایا کہ اولمرٹ نے اپنی کابینہ میں کہا ہے کہ ''ہم اس وقت حالت جنگ میں ہیں' ان دنوں ہم نے فلسطینیوں کے ساتھ جو کیا ہے' اس کو کافی نہیں سمجھا جانا چاہئے اور غزہ میں کئے جانے والے ہمارے فوجی آپریشن کا مقصد فلسطینی راکٹ حملوں کو بند کرنا اور حماس کو کمزور کرنا ہے۔''

شمالی غزہ میں کئے جانے والے اس فوجی آپریشن کو اسرائیل نے ''گرم سردیاں'' کا نام دیا تھا جس میں اس کے جیواتی اور بارک آرمڈ بریگیڈ نے فضائیہ کی مدد سے حصہ لیا تھا۔ ایک اسرائیلی اخبار کے مطابق اسرائیل کی فوجی کمان نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ حماس کے مجاہدین نے نہایت بہادری سے اسرائیلی فوجی حملے کی مزاحمت کی تھی، جس میں دو اسرائیلی فوجی ہلاک اور آٹھ زخمی ہوئے تھے۔ اسرائیلی ڈیفنس فورس نے بتایا کہ حماس کے مزاحمت کار منظم طریقے سے وائرلیس کے استعمال سے اسرائیل کے زبردست حملے کا ہلکے ہتھیاروں سے جواب دے رہے تھے اور انہوں نے درجنوں کی تعداد میں RPGs کو اسرائیلی ٹینکوں پر فائر کیا تھا، جن میں چند اسرائیل کے ٹینکوں سے ٹکرائے بھی تھے لیکن وہ ٹینکوں کو تباہ نہ کر سکے تھے۔

حماس نے اسرائیل کے فوجی دستوں کی غزہ سے واپسی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ یہ فلسطینی عوام کی فتح ہے۔ فلسطین کے صدر محمود عباس نے اسرائیل کے ہاتھوں 123 فلسطینی عوام کی

ہلاکت پر احتجاج کے طور پر اپنی ملاقاتیں اور امن کوششوں کو معطل کر دیا ہے۔

یورپی یونین، یونائیٹڈ نیشن اور کیتھولک پوپ نے اسرائیل سے اپیل کی تھی کہ وہ فوری طور پر غزہ میں جاری اپنے فوجی آپریشن کو ختم کرے، جس کے جواب میں اسرائیل نے کہا تھا کہ اسرائیل کا یہ فوجی حملہ اس کے سیلف ڈیفنس کیلئے کیا گیا ہے، کیونکہ فلسطین کے حماس کے زیر کنٹرول سرحدی علاقوں سے اسرائیل کے اندر راکٹ پھینکے جا رہے ہیں۔

یورپی یونین کے موجودہ صدر سلووینیا نے فلسطین پر اسرائیل کے فوجی حملہ کی سخت مذمت کی اور یورپین باڈیز فارن پالیسی چیف ہادیئر سولانا کو اسرائیل اور ویسٹ بنک کے فوری دورہ پر بھیجا۔ یورپی یونین کے صدر سلووینیا نے کہا ہے کہ غزہ کے سویلین کی اسرائیل کے ہاتھوں ہلاکتوں کی شدید مذمت کرتے ہیں، اور یہ انٹرنیشنل لاء کے سخت خلاف ہے کہ جنگ میں شہریوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس کے ساتھ انہوں نے فلسطین کے علاقوں سے اسرائیل پر گرائے جانے والے راکٹوں کے عمل کی مذمت کرتے ہوئے ان کو فوری طور پر روکنے کی استدعا کی۔

یونائیٹڈ نیشن کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے بھی اسرائیل کے ہاتھوں فلسطینی عوام کی ہلاکتوں کی مذمت کی۔ نیویارک میں سکیورٹی کونسل کے ہنگامی اجلاس کے موقع پر انہوں نے فلسطینی مزاحمت کاروں کو راکٹ حملے بند کرنے کا کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”بے شک اسرائیل اپنے سیلف ڈیفنس کا حق رکھتا ہے لیکن اسرائیل کا ایک کمزور ملک کے خلاف حد سے زیادہ فوجی طاقت کا استعمال قابل مذمت ہے، جس کے نتیجے میں کثیر تعداد میں سویلین ہلاک ہوئے ہیں۔“ انہوں نے اسرائیل کو فوجی آپریشن ختم کرنے کا کہا ہے اور انہوں نے کہا کہ میں فلسطین کے راکٹ حملوں کی مذمت کرتا ہوں جنہیں فوری طور پر بند کیا جائے۔

ویسٹ بنک کے شہر رملہ سے صدر محمود عباس کے ایک سینئر معتمد ساتھی نے کہا کہ صدر محمود عباس نے ہدایت کی ہے کہ جب تک اسرائیل کے مظالم بند نہیں ہوتے، اس کے ساتھ ہر قسم کی امن کوششوں کو معطل رکھا جائے گا۔

غزہ کے شہری کثیر تعداد میں جاں بحق ہونے والے ہم وطنوں کے غم میں سوگوار ہیں۔ انہوں نے اسرائیل کی جارحیت کے خلاف احتجاج کے طور پر اپنی ریلیاں نکالی ہیں۔ اس کے علاوہ لبنان میں اسرائیلی بارڈر کے قریب ایک ہزار کی تعداد میں افراد جو لبنانی اور فلسطینی جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے، اسرائیلی جارحیت کے خلاف ریلی نکالی ہے۔ جنوبی لبنان کی سرحد پر واقع گاؤں کیفار قلعہ کے مقام پر مظاہرین نے اکٹھے ہو کر ڈیتھ ٹو اسرائیل اور فلسطین میں ہمارے بیٹوں کا ناحق کیا ہوا خون رائیگاں نہیں جائے گا، کے نعرے لگائے۔

غزہ میں زخمی ہونے والے فلسطینیوں کو مصر میں علاج کی سہولتیں فراہم کرنے کیلئے مصری حکام نے رفاہ کراسنگ کو کھول دیا ہے۔ مصر نے فلسطینی اتھارٹی کی درخواست پر ایسے 250 زخمی فلسطینیوں کو علاج کیلئے مصر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے۔

حقوق انسانی کی رہنما بی تسلیم نے اسرائیل پر الزام لگایا ہے کہ اسرائیل کے حملہ میں ہلاک ہونے والے نصف سے زائد فلسطینی بے گناہ شہری تھے جنہوں نے اسرائیل کے خلاف مزاحمتی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ انہوں نے یہ بیان اس وقت دیا تھا، جب اسرائیلی فوج کے چیف نے کہا تھا کہ اسرائیل کے حملوں میں نوے فیصد ہلاک ہونے والے افراد فلسطینی مسلح مزاحمت کار تھے۔ بی تسلیم نے شواہد پیش کرتے ہوئے کہا کہ 27 فروری سے 3 مارچ تک 106 فلسطینیوں کو اسرائیل نے شہید کیا ہے، جن میں 54 عام شہری ہیں، جن میں 25 افراد ایسے ہیں جن کی عمریں 18 سال سے بھی کم ہیں۔

القدس العربی نے اپنے ایڈیٹوریل میں لکھا ہے کہ اسرائیل کے وزیر دفاع نے فلسطینی عوام کے ”ہولوکاسٹ“ کی جو دھمکی دی ہے وہ توجہ طلب امر ہے اور غزہ پر اسرائیل کا کیا جانے والا فوجی حملہ اسرائیل کے خطرناک عزائم کا ثبوت ہے۔ اسرائیل نہ صرف غزہ بلکہ تمام عرب مسلمانوں کیلئے مستقبل میں خطرہ ہے۔ اسرائیل پر جارحیت امریکی مدد اور پشت پناہی سے کر رہا ہے، کیونکہ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ جب اسرائیل غزہ میں فلسطینیوں کا قتل عام کر رہا تھا، اس وقت امریکہ کا تباہ کن طیارہ بردار بحری بیڑہ ”یو ایس ایس کول“ لبنانی بندرگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اس بحری بیڑہ میں کثیر تعداد میں امریکی لڑاکا طیارے اور فوجی موجود ہیں۔ اخبار نے لکھا کہ امریکی بحری بیڑے کی موجودگی کا مقصد یہ ہے کہ امریکہ اور اسرائیل عرب ممالک کو خوفزدہ کر سکیں۔ وہ اسرائیل کی فوجی طاقت سے مرعوب ہو جائیں۔ امریکہ چاہتا ہے کہ وہ دباؤ سے عرب ممالک سے ان کے تیل کو اپنی مرضی کی قیمت سے خرید سکے۔

الجزیرہ نے بھی لبنانی پارلیمنٹ کے سپیکر بنی بری کے حوالے سے بتایا ہے کہ لبنانی بندرگاہ پر امریکی بحری بیڑے کی آمد کا امریکی مقصد غزہ میں ہونے والے اسرائیل کے فوجی آپریشن کو تقویت پہنچانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی بحری بیڑے کا مقصد ہے کہ غزہ میں اسرائیلی آپریشن کو بغیر کسی رکاوٹ کے پورا ہونے دیا جائے اور کوئی عرب ملک غزہ کی مدد کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ بنی بری نے یہ بھی بتایا کہ امریکی اس حال کا مقصد یہ بھی ہے کہ دنیا کی نظریں غزہ سے ہٹ کر لبنان پر مرکوز ہو جائیں تاکہ غزہ میں ہونے والے فلسطینیوں کے قتل عام کو چھپایا جا سکے۔

بنی بری نے کہا کہ تباہ کن امریکی بحری جہاز کا مقصد یہ ہے کہ حزب اللہ یا کسی دوسری عرب

طاقت کو غزہ کی مدد کیلئے قریب نہ آنے دیا جائے۔ غزہ میں اسرائیل کے فوجی آپریشن سے صدر بش کی طرف سے کی جانے والی امن کوششوں کو بھی سخت نقصان پہنچا ہے۔ وائٹ ہاؤس میں اردن کے شاہ عبداللہ سے ملاقات کے دوران صدر بش نے کہا کہ "یہ ایسا عمل ہے جو دو قدم آگے بڑھتا ہے تو ایک قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ ہمیں ضرورت ہے کہ یہ ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔"

امریکہ کی سٹیٹ سیکرٹری مس کنڈولیزا رائس بھی اس ہفتہ کو مشرق وسطی کے دورے پر ہیں تا کہ امریکہ کی امن کوششوں کو کامیاب کرایا جاسکے۔

صدر بش اپنی صدارت ختم ہونے سے قبل مشرق وسطی میں امن معاہدہ کو کامیاب کرانا چاہتے ہیں تا کہ آئندہ الیکشن میں اپنی ساکھ کو بحال کر سکیں۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ دس مہینے ایک طویل عرصہ ہے اور انہیں امید ہے کہ اس عرصہ میں فلسطین سے امن معاہدہ طے پا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ مشرق وسطی کے دورے پر گئی ہوئی مس رائس اسرائیل اور فلسطین کے حکمرانوں کو ہماری رائے سے آگاہ کریں گی اور ہمیں امید ہے کہ یہ رہنما ایک قدم بڑھا کر مشکل فیصلے کریں گے۔ امریکہ نے حماس کو امریکہ کی طرف سے کی جانے والی امن کوششوں کو پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

الجزیرہ نے لکھا ہے کہ امریکہ نے فلسطین کی منتخب حماس حکومت کو ناجائز طریقہ سے اقتدار سے محروم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

الجزیرہ کو حاصل ہونے والی امریکی دستاویز کے مندرجات کے مطابق واشنگٹن حکومت نے فلسطین کے صدر اور الفتح کے رہنما محمود عباس کے ذریعے حماس حکومت کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کی سازش کی تھی۔ مارچ 2007ء میں تیار ہونے والی دستاویز کے مطابق اس منصوبہ سے نئی بننے والی فلسطینی حکومت اسرائیل اور امریکہ کیلئے زیادہ موزوں ہوگی، لیکن جب یہ امریکی منصوبہ ناکام ہو گیا تو امریکہ نے الفتح کے کارکنوں کی مالی مدد کی اور ان کو ہتھیار مہیا کئے تا کہ وہ حماس حکومت کو زبردستی اقتدار سے محروم کر سکے۔ اس سلسلہ میں جب قاہرہ میں مس رائس سے امریکہ کے الفتح کے کارکنوں کو اسلحہ کی سپلائی کی بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "حالات کے مطابق یہ قدم اٹھایا گیا تھا۔"

مس رائس نے کہا کہ انہوں نے وینٹی فیئر میگزین کی اس رپورٹ کو نہیں پڑھا، جس میں ایک سابقہ امریکی انٹیلی جنس عہدیدار نے کہا کہ وہ ایسے امریکی منصوبہ سے باخبر ہے، جس میں فلسطین کے صدر محمود عباس کو ہدایت کی گئی تھی کہ اگر فلسطین اتھارٹی کے وزیر اعظم اسماعیل حانیہ ان کی ایڈوائس پر اپنی کابینہ نہیں ختم کرتے تو حماس کو زبردستی اقتدار سے علیحدہ کر دیا جائے۔

مس رائس نے کہا کہ یہ صاف بات ہے کہ حماس ہتھیار رکھتی ہے اور ایران ان کو ہتھیار سپلائی کر رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حماس ایران سے اسلحہ حاصل کرتی ہے تو فلسطین اتھارٹی کی سکیورٹی بہتر نہ کی جاسکے تو ایسی حالت کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جائے گا۔"

رائس نے کہا کہ بین الاقوامی حکومتیں جن میں امریکہ بھی شامل ہے' ویسٹ بنک فلسطین اتھارٹی کی سکیورٹی فورس کی مدد کریں گی تا کہ وہ علاقہ کی سکیورٹی بہتر بنا سکیں۔ حماس کے رہنما خالد مشعل نے مس رائس کے اس الزام کے جواب میں کہ ایران حماس کی اسلحہ سے مدد کر رہا ہے' کہا ہے کہ مس رائس جھوٹ بولتی ہے۔ انہوں نے کہا امریکہ ایران پر جنگل مسلط کرنا چاہتا ہے' اس لئے ایسے الزامات لگا رہا ہے۔ اگر امریکہ کے پاس ایران کا حماس کو ہتھیار مہیا کرنے کا کوئی ثبوت ہے تو وہ پیش کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ حماس کے مزاحمت کار خود ساختہ راکٹ استعمال کر رہے ہیں' جبکہ اسرائیل کو ملنے والے ہتھیاروں کے ذرائع سب کو علم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "امریکہ نے کھلے عام الفتح کی مدد کی تھی' جس کے جواب میں حماس نے 2007ء میں غزہ کا کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ امریکہ نے ویسٹ بنک میں فتح سکیورٹی سروس کو 80 ملین ڈالر کی مالی مدد کی تھی۔

رملہ میں موجود الجزیرہ کے نمائندہ صحافی نوراودہ نے کہا کہ ان دستاویز کے منظر عام پر آنے سے بہت سے فلسطینی الفتح کے کردار سے متنفر ہو گئے ہیں کہ وہ کس طرح حماس کو اقتدار سے محروم کرنے کی امریکی سازش کا آلہ کار بنے ہیں۔

منظر عام پر آنے والی خفیہ دستاویز میں ایسا میمو بھی شامل ہے جو نومبر 2006ء الفتح کے ایک عہدیدار کو ایک سینئر امریکی سفارتکار کی طرف سے بھیجا گیا تھا' جس میں الفتح کو ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کرنے اور فلسطین کا کنٹرول سنبھالنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

میمو میں لکھا تھا کہ اگر حماس مقررہ وقت کے دوران نئی حکومت کو قبول کرنے میں راضی نہ ہوا تو الفتح کو ایمرجنسی نفاذ کا اعلان کر کے اپنی پسندیدہ حکومت قائم کرنی چاہئے۔ لیکن فروری 2007ء میں سعودی حکومت کی معاونت سے فلسطین کیلئے نئی قومی حکومت بن گئی تھی' دستاویز کے مطابق اگلے مرحلہ میں طاقت کے استعمال سے اسرائیلی ایجنٹ اور الفتح سکیورٹی کے ہیڈ فلسطینی محمد دہلان کے ذریعے حماس کو باہر کیے جانے کا منصوبہ تھا۔ لیکن قومی حکومت الفتح اور حماس کے دوران ہونے والی جھڑپوں کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہو گئی تو حماس نے غزہ کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا اور فلسطینی علاقہ کو تقسیم کر دیا تھا' جس میں غزہ کو حماس کنٹرول کرنے لگی اور ویسٹ بنک کو الفتح کنٹرول کرنے لگی تھی۔

❖♦❖

جب بھی حماس کے رویے میں تھوڑی سی لچک پیدا ہوتی ہے یا فلسطین کے حوالے سے امن مذاکرات میں کسی قسم کی پیش رفت ہونے لگتی ہے' اسرائیل قیام امن کے عمل میں روڑے اٹکانا شروع کر دیتا ہے۔ یہودی بستیوں کی تعمیر کا معاملہ تو اسرائیل کا بہت پہلے سے چھیڑا ہوا ہے مگر امریکہ کے روڈ میپ منصوبے کے تحت اس کو وقتی طور پر کھٹائی میں ڈال دیا گیا تھا' لیکن اس کو مستقل ٹھپ کرنا اسرائیل کے ارادوں کا قطعاً حصہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل پھر یہودی بستیوں کی تعمیر کا مسئلہ چھڑا ہوا ہے۔ امریکہ کو اس امر کا اعتراف ہے کہ قیام امن کے راستے میں یہودی بستیوں کی تعمیر بہت بڑا مسئلہ ہے۔ امریکی وزیر خارجہ کنڈ ولیزا رائس نے حالیہ مشرق وسطیٰ کے دورے میں یہودی آبادیوں کی تعمیر کو مسئلہ قرار دیا ہے۔ کنڈ ولیزا رائس نے اسرائیلی ارادوں کی سنگینی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "یہ مددگار ثابت نہیں ہوگا۔ اسرائیل اس علاقے کو مقبوضہ بیت المقدس کا حصہ سمجھتا ہے۔ اسرائیل کے عزائم یہودی بستیوں کے بارے میں اتنے پختہ ہیں کہ وہاں آباد یہودی کھلے عام مظلوم فلسطینیوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انسانی حقوق کی ایک تنظیم نے گزشتہ سال فلسطینیوں کو کیمرے دیئے تھے تاکہ یہودی آبادکاروں کے حملوں کے ثبوت اکٹھے کئے جا سکیں۔ یہ وہ ثبوت وشواہد ہیں جن سے اسرائیل انکار نہیں کر سکتا۔ ایک ویڈیو میں دکھایا گیا ہے کہ جنوب غرب اردن میں الخلیل کے قریب سوسیا نامی مقام پر یہودی آبادکار ایک 58 سالہ فلسطینی خاتون ثمام النا واجہ کے 70 سالہ شوہر اور بھتیجے کو زدوکوب کر رہے ہیں' جس کی ویڈیو ان کی بہو بنا لیتی ہے۔ ثمام النا واجہ کو بھی مارا گیا اور اسے تین دن ہسپتال گزارنا پڑے۔ ثمام النا واجہ نے بتایا کہ آبادکاروں نے ہمیں 10 منٹ کی وارننگ دی ہے کہ ہم یہ زمین چھوڑ کر چلے جائیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہم اپنی زمین پر رہیں لیکن ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ہم یہیں مر جائیں گے' یہ ہماری زمین ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ زمین فلسطینیوں کی ہے اور اس پر حق بھی ان کا ہے' مگر یہودیوں نے وہاں ناجائز طور پر تسلط جما رکھا ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ بستیاں غیر قانونی ہیں' یہ یہودی بستیاں اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان گزشتہ 41 برسوں سے لڑائی کی وجوہات ہیں۔ بتسلیم نامی تنظیم نے شوٹنگ بیک منصوبے کے تحت فلسطینیوں کو ایک سو ویڈیو کیمرے دیئے تاکہ فلسطینی عدالتوں' فوج میں ثبوت وشواہد پیش کریں اور دنیا کھلی آنکھوں سے ان کو دیکھے۔

غرب اردن میں اس وقت دو لاکھ اسی ہزار یہودی آباد ہیں۔ فلسطینی حکام بار بار یہ مطالبہ کر چکے ہیں کہ یہ قیام امن کے عمل کو تباہ کرنے کی کوشش ہے۔ فلسطینی مذاکرات کار صائب ارکات

نے بھی اس فیصلے پر کہا ہے کہ اس سے فلسطین انتظامیہ کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ اسرائیل کے اس اقدام سے قیام امن کے عمل اور اس کیلئے کی گئی بین الاقوامی کوششوں کو نقصان پہنچے گا۔ اس سلسلے میں امریکی انتظامیہ اسرائیل سے یہ فیصلہ تبدیل کرائے۔ مشرق وسطیٰ میں پرامن طریقے سے حقوق کے حصول کا راستہ دکھائی نہ دینے کی وجہ سے پرتشدد رویے اور بنیاد پرستی بڑھ رہی ہے۔ کنڈ ولیزا رائس کے بقول بھی مایوسی کی وجہ سے تشدد کا رجحان بڑھا ہے۔ کنڈ ولیزا رائس فلسطین کے مسئلے کے حل میں دلچسپی لے رہی ہیں' مگر ماضی میں بھی کئی وزرائے خارجہ نے اس سلسلہ میں کوششیں کیں اور انہیں اس میں ناکامی بھی ہوئی۔ سابق اسرائیلی وزیر خارجہ شالوم کی رائے میں مشرق وسطیٰ کے معاملے میں امریکہ کی بھرپور شمولیت اور سخت رویہ ضروری ہے۔

سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر کا بھی خیال ہے کہ مشرق وسطیٰ میں کامیابی کیلئے امریکہ کو کسی نہ کسی وقت بہت زیادہ کوششیں کرنا پڑیں گی۔ بالخصوص اس وقت جب معاملات تعطل کا شکار ہو جائیں۔ مشرق وسطیٰ امن کانفرنس کروانے سے پہلے امریکی وزیر خارجہ کنڈ ولیزا رائس نے ایسے سابق امریکی عہدیداروں سے بھی ملاقاتیں کی تھیں، جن کا فلسطینی مسئلے میں امن کے حوالے سے ماضی میں کسی قسم کا کردار تھا۔ ان ملاقاتوں کو کنڈ ولیزا رائس نے مفید قرار دیا تھا' مگر ان کے مثبت نتائج ابھی تک نظر نہیں آئے۔ اس کیلئے امریکی وزیر خارجہ نے جو حکمت عملی اپنائی تھی وہ یہ تھی کہ دونوں فریقین کو مذاکرات میں ملکیت کا احساس دلایا جائے اور ان میں سے کسی کو بھی کونے میں نہ دھکیلا جائے' مگر اس حکمت عملی کے برعکس امریکہ کا عملی کردار دیکھ لیں تو واضح نظر آتا ہے کہ امریکہ نے فلسطینیوں کو ایک کونے میں دھکیل دیا ہے۔ صدر بش کی اسرائیل کی 60 ویں سالگرہ کی تقریب میں شرکت، اسرائیل کے ساتھ عہد و پیمان' اس کے تحفظات کی یقین دہانی اور پھر متوقع صدارتی امیدوار بارک حسین اوباما سے لے کر ہلیری تک سب کا اسرائیل کو آشیرباد کہنا اور اس کے مفادات اور تحفظات کی یقین دہانی کرانا واضح ثبوت ہے کہ امریکہ کو فلسطینیوں کی نہیں صرف اسرائیلیوں کی فکر ہے اور ان کے ہی مفادات کیلئے وہ سرگرم اور تحفظات کیلئے فکرمند ہے۔ کنڈ ولیزا رائس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں مذاکرات کی صلاحیت ہے مگر اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ اور صدر محمود عباس دونوں یکطرفہ طور پر کسی فیصلہ کی پوزیشن میں نہیں۔ جبکہ مذاکرات کے کامیاب نہ ہونے کی بنیادی وجہ حماس کو نظرانداز کرنا ہے جو امریکہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اسرائیلی اور فلسطینی دونوں ہی بیت المقدس کو اپنا دارالحکومت بنانا چاہتے ہیں۔ اسرائیل میں شامل علاقوں سے نقل مکانی کر جانے والے فلسطینیوں کی واپسی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اسرائیل نے مظلوم فلسطینیوں کی زندگی بھی اجیرن کر رکھی ہے' اور غزہ کی ناکہ

بندی کرکے ان کی زندگیوں کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے اسرائیل الفتح کے ساتھ مذاکرات تو کررہا تھا مگر حماس کو مسلسل نظرانداز کیا جارہا تھا۔ حالانکہ حماس واحد فریق ہے جو کہ غزہ کے شہریوں کی نمائندہ جماعت ہے اور اس کا مؤقف اصولی ہے۔ اسرائیل اور حماس کے مابین معاہدے کیلئے کوششوں کے بارے میں امکانات ظاہر کئے جارہے تھے اور اب اسرائیل نے حماس کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ مؤثر ہونے کی تصدیق کردی، جس سے غزہ پر حکمران حماس کے ساتھ ایک سالہ لڑائی ختم ہوجائے گی۔ غزہ کو لے کر اب تک 400 سے زائد فلسطینی شہید اور 7 اسرائیلی ہلاک ہوچکے ہیں۔ اس معاہدے کے بارے میں بات کرتے ہوئے اسرائیلی حکومت کو ترجمان مارک ویکیف نے بتایا کہ معاہدے کے مطابق لڑائی ختم ہونے کی صورت میں اسرائیل جلد غزہ کا محاصرہ ختم کردے گا اور اس کے ساتھ ساتھ حماس سے اسرائیلی فوج کی رہائی بارے مذاکرات میں بھی تیزی لائی جائے گی۔ اسرائیلی حکام نے حماس کے ساتھ مذاکرات مؤثر ہونے کی تصدیق کی تو اپوزیشن پارٹی کو یہ معاہدہ ہضم ہونا دشوار ہوگیا اور اسرائیل اپوزیشن پارٹی کے رہنما بنجمن نیتن یاہو نے کہا کہ ہم اسرائیل کے حماس اور دیگر مزاحمتی جماعتوں کے ساتھ معاہدے کو مسترد کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ غزہ پر فی الفور حملہ کیا جائے۔ ایسے میں فلسطین میں امن کیسے قائم ہوسکتا ہے جب اسرائیل کے دونوں دھڑوں میں شدید اختلاف ہے۔ ایک دھڑا اگر مصالحت پر تیار ہوتا ہے تو دوسرا اس کے خلاف ہوجاتا ہے۔ اس معاہدے میں مصر کی کوششوں کا عمل دخل ہے۔ قاہرہ میں مصری عہدیدار نے بتایا کہ مذاکرات کے مشکل اور کٹھن دور کے بعد حماس اسرائیل عارضی جنگ بندی کیلئے تیار ہوگئے ہیں۔ اسرائیلی انٹیلی جنس نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ حماس کے ساتھ طے پانے والا کوئی بھی امن معاہدہ عارضی ثابت ہوگا۔ حماس اور اسرائیل میں امن مذاکرات کے حوالے سے بھی بات چیت ہونے کا امکان ہے۔ اسرائیلی محکمہ تعمیرات کی طرف سے مقبوضہ بیت المقدس میں ایک بڑے تعمیراتی منصوبے کی منظوری بھی امن مذاکرات کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہے۔ القدس میں 40 ہزار نئے گھروں کی تعمیر فلسطینیوں کے حقوق پر ایک اور ڈاکہ ہے۔ مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق تعمیرات کا نیا سلسلہ غرب اردن تک پھیلایا جائے گا اور اس کو مزید وسعت دینے کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ کنڈولیزا رائس نے دورہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی وزیر دفاع ایہود باراک اور فلسطینی وزیراعظم سلام فیاض سے بھی الگ الگ ملاقاتیں کیں۔

ایک طرف اسرائیل اور حماس کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدے طے پا رہا ہے۔ دوسری طرف اسرائیل کی منافقت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس نے نسل پرستی پر مبنی ایک نیا مسودہ قانون

منظور کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس کے تحت اسرائیلی جارحیت سے متاثرہ کسی فلسطینی کو اسرائیل کے خلاف اپیل کرنے کا حق ختم کردیا جائے گا۔ یعنی اس طرح سے اسرائیل کو اور زیادہ چھوٹ مل جائے گی کہ ظلم بھی کرے اور دوسرا فریق آواز بھی نہ نکالے۔ بات چاہے ظلم کی ہو یا تعمیراتی بستیوں کی، اسرائیل صرف اور صرف اپنی من مانی کرنا چاہتا ہے۔ فلسطینی رہنما اسرائیل کے اس تعمیراتی منصوبے بارے بارہا کہہ چکے ہیں کہ یہ قیام امن کے عمل کو تباہ کرنے کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ مصر کی حکومت حماس اور اسرائیل میں مصالحتی فارمولے کو تشکیل دینے پر عمل پیرا ہے۔ مصر میں انٹیلی جنس سربراہ عمر سلطان نے حماس اور اسرائیلی حکومت کے درمیان جنگ بندی کے معاہدے کیلئے ثالثی کا کردار ادا کیا ہے۔ کنڈولیزا رائس کا مشرق وسطیٰ میں 17 ویں بار بھی دورہ کوئی رنگ لاتا نظر نہیں آرہا۔ 2003ء کے روڈمیپ امن منصوبے کے تحت دونوں فریقین نے 2008ء تک کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے پر اتفاق کیا تھا۔ روڈمیپ کے تحت دونوں فریقوں نے تشدد کے خاتمے اور نئی بستیوں کی تعمیر روکنے پر اتفاق کیا تھا، مگر اسرائیل نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تعمیر کو جاری رکھا۔ کنڈولیزا رائس نے اس دورے کے حوالے سے توقع ظاہر کی کہ مغربی کنارے پر آباد شہریوں کی آزادی کیلئے اسرائیل ٹھوس اقدامات کرنے کے ساتھ ساتھ 500 رکاوٹیں بھی دور کرے، وہ اسرائیل کو اس پر آمادہ کرلیں گی۔ نئی یہودی بستیوں کی تعمیر وہ موضوع ہے جس کو لے کر امریکہ کے نائب صدر ڈک چینی بھی مشرق وسطیٰ کا دورہ کرچکے ہیں۔ امریکی محکمہ خارجہ کے ترجمان شان میکارمک نے کہا کہ اس سے مسئلے کے حل میں مدد نہیں ملے گی، اس وقت ضرورت سیاسی عمل کو آگے بڑھانے کی ہے۔ قیام امن کے منصوبے کو لے کر معاملات کو آگے بڑھایا جائے۔ اگر یہ مسائل حل ہوجاتے ہیں تو پھر مستقبل میں یہ مسائل مسائل نہیں رہیں گے۔ اس لئے ہم دونوں فریقوں سے کہیں گے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے مذاکرات کے نتائج پر برا اثر پڑے۔

حماس اور اسرائیل میں مذاکرات دوطرفہ امور کے حوالے سے طے ہوئے کہ اسرائیل کے مطابق حماس کو اس پر قائل کیا جائے کہ اسرائیل پر راکٹ داغنے کا سلسلہ ہر صورت میں بند ہونا چاہئے اور دوسری جانب اسرائیل کو فوری طور پر غزہ اور غرب اردن پر حملے بند کرنے چاہئیں۔ نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کو ساری دنیا ناجائز قرار دیتی ہے، مگر اسرائیل اس کو روکنے کیلئے تیار نہیں۔ صدر بش رخصت سے قبل اس مسئلہ کو کسی نہ کسی سطح پر حل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ بین الاقوامی برادری میں اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کرسکیں، جو کہ امن منصوبے کے ناکام ہونے کی صورت میں متاثر ہوئی ہے۔ کنڈولیزا رائس کی کوششیں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں، مگر اسرائیل کو پرواہ نہیں،

اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ صدر بش اور ان کی انتظامیہ کے جانے سے امریکہ کی اسرائیل حمایت میں قطعاً فرق نہیں پڑے گا' کیونکہ ہر آنے والا صدر اور اس کی انتظامیہ بدستور اسرائیل کی حمایت کرتے رہیں گے۔ جس کا ایک ثبوت متوقع صدارتی امیدواروں کے بیانات ہیں جو کہ ابھی حکومت میں نہیں آئے' مگر ان کی ہمدردیاں بتارہی ہیں کہ ان کی پالیسیاں اسرائیل کے مفادات اور تحفظات کے ساتھ وابستہ ہیں۔

❖♦❖

صدر بش اپنے عہدہ صدارت کی مدت ختم ہونے سے قبل اسرائیل اور فلسطین میں مصالحت چاہتے تھے۔ اس مصالحت کی اصل وجہ اسرائیل کی بقاء اور تحفظ ہے' جس کو وہ اپنے جانے سے قبل یقینی بنانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کیلئے وہ روڈ میپ منصوبہ کو لے کر بھی چلے مگر کامیابی نصیب نہیں ہوئی' کیونکہ اسرائیل نے اس نام نہاد امن منصوبہ پر عمل نہیں کیا' حالانکہ اس میں اس کیلئے نقصان پہنچانے والی کوئی شق نہیں تھی۔ اسرائیل نے اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونا تو دور کی بات، اس کی کھلم کھلا اور صریحاً خلاف ورزیاں کیں' جن میں غزہ کی ناکہ بندی' فلسطینی قیدیوں کے معاملات' مزید یہودی بستیوں کی تعمیر جیسے معاملات شامل ہیں۔ اس مقصد کیلئے بظاہر تو امریکہ یہ واویلا کرتا رہا کہ اسرائیل کو مزید یہودی بستیوں کی تعمیر روک دینی چاہیئے۔ اس مقصد کیلئے کنڈولیزا رائس نے متعدد بار فلسطین کا دورہ بھی کیا' لیکن امریکہ کی ان کوششوں کے نتائج برآمد نہیں ہوئے' کیونکہ درپردہ امریکہ اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کا حامی اور مکمل ساتھی ہے۔ اسرائیل اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے اس لئے اس نے نہ صرف یہودی بستیوں کی تعمیر کا کام جاری رکھا بلکہ اس منصوبے کو مزید وسعت بخشی۔ حماس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کردیا' فلسطینی مجاہدین کو اسیر بنانے کا کام جاری رکھا۔ آج ہزاروں فلسطینی مجاہدین اسرائیل کے عقوبت خانوں میں صہیونی فوج کے مظالم برداشت کررہے ہیں۔ اسرائیل امن کے پرچار میں ان فلسطینی قیدیوں کی رہائی کیلئے بھی الفتح کے قائد محمود عباس کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔

اسرائیل نے امن بحالی کے سلسلے میں محمود عباس کے ساتھ خیرسگالی کے جذبات کیلئے اس ماہ مزید فلسطینی قیدیوں کی رہائی کا اعلان کیا ہے اور اس کو امریکہ کے امن مذاکرات کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس کی درخواست پر اسرائیل کا فلسطینی قیدیوں کی رہائی کا فیصلہ بظاہر تو اسرائیل کے رویے میں لچک' نرمی' تحمل اور برداشت کا مظہر ہے' لیکن اس طرح کے فیصلے امن میں اس وقت تک سازگار ثابت نہیں ہوسکتے جب تک حقیقی اور ٹھوس بنیادوں پر تشکیل نہ دیئے جائیں۔

اسرائیلی حکومت کے ترجمان نے اس موقع پر کہا کہ ہمیں امید ہے کہ قیدیوں کی رہائی کا فیصلہ امن کے سلسلے کو آگے بڑھائے گا۔ قیدیوں کی رہائی پر دونوں دھڑوں میں جولائی میں پیرس میں ہونے والے اجلاس میں اتفاق ہوا تھا۔ ادھر دونوں فریقوں میں امن مذاکرات اور امن معاہدہ کو اس سال حتمی نتیجے تک پہنچانے کا فیصلہ ہے۔ دوسری طرف بدعنوانیوں کے سلسلے میں اولمرٹ کو مقدمات کا سامنا ہے' جس سے امن معاہدہ میں تعطل آنے کا خدشہ ہے' مگر اسرائیلی حکومتی ذرائع کا کہنا ہے کہ اولمرٹ معاملے سے امن کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ تمام حکومتی اراکین اس پر متفق ہیں۔ فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس اور مذاکرات کار صائب اراکات کا کہنا ہے کہ الفتح کے رہنما محمود عباس ان فلسطینی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ بھی اٹھائیں گے، جو عرصہ دراز سے اسرائیلی حکومت کی قید میں ہیں اور ان میں مروان بھرگتی بھی ہیں، جو الفتح کے مشہور رہنما ہیں اور الفتح کی کامیابی میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔

اسرائیلی جیلوں میں بند قیدی مظالم کو ہمت و برداشت سے سہہ رہے ہیں اور اسرائیل جیلوں میں عقوبت اور انسانیت سوز وحشیانہ سزاؤں کے نتیجے میں بہت سے فلسطینی قیدی شہید ہو چکے ہیں۔ بہت سے قیدیوں کو بدترین سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کی شہادت اس حقیقت کی غماز ہے کہ ان کے ساتھ جیلوں میں کیا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ 75 قیدیوں کو وحشیانہ سزاؤں کے ذریعے بالقصد شہید کر دیا گیا' جبکہ اتنی ہی تعداد کو گرفتاری کے دوران پکڑ کر گولی ماردی گئی۔ اسرائیل دنیا کا وہ واحد ملک ہے، جس نے باقاعدہ عقوبت خانے کو قانونی حیثیت دے رکھی ہے اور قانون وضع کرتے ہوئے عقوبت دینے والوں کو قانونی تحفظ فراہم کر رکھا ہے۔

بہت سے قیدی جیلوں میں طبی سہولیات میسر نہ آنے اور علاج نہ ہونے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ اسرائیل نے قیدیوں کو جان بوجھ کر اذیتوں میں مبتلا رکھ کر دھیمی رفتار سے ان کو موت کے گھاٹ اتارنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی قیدیوں کی موت کی بنیادی وجوہات تین ہیں۔ 1۔ سخت ترین وحشیانہ سزائیں اور عقوبتیں' 2۔ طبی لاپروائی اور علاج میں کوتاہی' 3۔ گرفتاری کے بعد قصداً وار کر کے ارادتاً انہیں گولی مار دینا۔ فلسطینی انسانی حقوق کی تنظیم نے اپنی رپورٹ میں باقاعدہ ایسے ثبوت وشواہد پیش کئے ہیں کہ جیل کے سکیورٹی گارڈوں کی گولیوں سے فلسطینی قیدیوں کی ہلاکت ایک معمول کی بات ہے' جس کا پروانہ ان کو حاصل ہے۔ اسرائیل کی حکومت نے اس کیلئے ان کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور وہ جیل کے سکیورٹی گارڈوں یا فوجیوں کو فلسطینی قیدیوں کو مارنے پر کسی مواخذے کا پابند نہیں کرتی۔ قید و بند میں شہید ہونے

والوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے۔ عقوبتوں اور سخت سزاؤں کی وجہ سے شہادت فلسطینی قیدیوں کا روزمرہ کا معاملہ بن چکا ہے۔ اس بات کے شواہد بھی ملے ہیں کہ فلسطینی قیدیوں کو جان بوجھ کر منصوبہ بندی کے تحت بھی قتل کیا جاتا ہے۔ وزارت امور اسیران و جیل خانہ جات کے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں کہ اسرائیل نے فلسطینیوں کی ہلاکت کیلئے اور خاص کر فلسطینی مجاہدین یا آزادی کے متوالوں کی تعداد میں کمی کیلئے ان کو ہلاک کرنے کی خصوصی طور پر مہم چلائی جس کو ''صفایا مہم'' کا نام دیا گیا۔ اس صفایا مہم کا مقصد ہی یہ تھا کہ فلسطینی مجاہدین کو گرفتار کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اسرائیل نے اس مہم کے تحت بیشمار فلسطینی مجاہدین کو بالقصد قتل کیا۔ اس بے دریغ قتل کے سلسلہ کو اس نے ''جان چھڑانے'' کا عمل قرار دیا۔ بہت سے قیدی ایسے ہیں، جن کو وہ مارتا نہیں تو اس حد تک لاچار ضرور کر دیتا ہے کہ اگر وہ رہا ہو بھی جائیں تو کسی کام کے نہ رہیں۔ قید خانوں' عقوبتوں' طبی لاپروائی اور علاج سے محرومی' ناقص غذا کے اثرات رہائی و آزادی کے بعد کے بھی ان کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے کئی متعدی بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ کمزور صحت' بیماری' جسمانی اور نفسیاتی امراض کے باعث یہ رہائی کے بعد یہ بھی جلد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ سینکڑوں ایسے قیدی ہیں، جو رہا ہونے کے بعد قید خانوں کی عقوبت کے نتیجے میں موت کے منہ میں چلے گئے۔

عبدالرحیم عراقی' محمد رجا ابو رفعت' الخلیل شہر سے تعلق رکھنے والے مراد ابو ساکوت اور ان جیسے سینکڑوں فلسطینیوں کی شہادت اسی طرح ہوئی ہے۔ اس وقت بھی ہزاروں ایسے فلسطینی نوجوان ہیں جو مہلک بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں اور موت کو دعوت دیئے بیٹھے ہیں۔ فلسطینی انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والے ادارے اس کوشش میں ہیں کہ مشترکہ تعاون اور اتحاد کی کوششوں کے ذریعہ ان قیدیوں کی مشکلات و مصائب پر توجہ دی جائے اور ان سے قید خانوں کی عقوبتوں کا حال پوچھ کر کتابی صورت میں شائع کیا جائے اور ان لوگوں کی شہادت کے سباب پر روشنی ڈالی جائے۔ علاوہ ازیں ان عقوبت خانوں میں مصائب و مظالم اور درندگی کی تفصیلات کا احوال لکھا جائے۔ اسلامی تحریک حماس نے قیدیوں کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً باقاعدہ احتجاجی ریلیاں بھی نکالیں' جن میں اس نے اسرائیل کو دھمکی دی کہ اگر اس نے قیدی بنانے کے اس سلسلے کو جاری رکھا تو وہ بھی اسرائیلی سپاہیوں کو قیدی بنانا شروع کر دے گی۔ اسرائیل کو تبادلہ میں فلسطینی قیدیوں کو رہا کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ یہ وہی پالیسی ہے، جو کہ اسرائیل کے خلاف حزب اللہ نے اپنا رکھی ہے۔

حماس نے اس سلسلے میں مغربی کنارے کے جنوب میں واقع الخلیل اور دیگر شہروں میں ریلیاں بھی نکالیں' جن کو فلسطینی اتھارٹی کے امن مشن نے منتشر کر دیا تھا' مگر حماس نے ہمیشہ

قیدیوں کے سلسلے میں اپنے موٴقف کو دہرایا ہے کہ حماس تحریک قومی ہیروز اور قیدیوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ حماس قیدیوں کے مسئلے کو بہت فوقیت دیتی ہے اور تمام قیدیوں کی رہائی تک وہ اپنی مزاحمت جاری رکھے گی۔ حماس کے ساتھ اسرائیل خار رکھتا ہے' اس کی وجہ حماس کا فلسطین کی آزادی کی تحریک کا صحیح نمائندہ ہونا ہے۔ حماس کے ساتھ اسرائیل نے کبھی مذاکرات کو اہمیت نہیں دی اور ہمیشہ اسے نظر انداز کیا ہے۔

اب اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس کے درمیان قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ زیرِ غور ہے' مگر اسرائیل صرف' الفتح کے قیدیوں کی رہائی کیلئے تیار ہے' کیونکہ الفتح اسرائیل کے ساتھ شیر و شکر ہے۔ الفتح کے ذریعے ہی اسرائیل فلسطین کو محدود سرحدوں تک مقید کر دینا چاہتا ہے اور اسے آزاد مملکت تسلیم کرنے کے بعد بھی اسے مشروط خودمختاری دے کر اپنے زیرِ نگیں اور مغلوب رکھنا چاہتا ہے۔ یہ وہ مقاصد ہیں، جن کو لے کر اسرائیل فلسطین پر تسلط کا خواہاں ہے۔ الفتح اس کے ان مقاصد کیلئے آلہ کار کا کام سرانجام دے رہی ہے۔ الفتح کے قیدیوں کو چھوڑنا بھی الفتح کی حمایت کا ثبوت ہے کہ الفتح کے قیدی ان رعایتوں کے مستحق ہیں' کیونکہ وہ درپردہ اسرائیل کی حمایتی اور مددگار جماعت ہے' جس کی ناراضگی اسرائیل کیلئے مسائل کا سبب بن سکتی ہے۔

اگر اسرائیل حقیقی امن کی بحالی میں سنجیدہ ہوتا تو وہ الفتح یا حماس کے قیدیوں میں تفریق نہ کرتا بلکہ حماس کے قیدیوں کو رہا کر کے فلسطین کے ساتھ خیرسگالی کا ثبوت دیتا جو کہ فلسطینیوں کے حقوق کی واحد غیر متنازعہ جماعت ہے۔ قیدیوں اور رہائی پانے والے نوجوانوں کے امور کے ماہر فواد الخفش کے مطابق اسرائیل کے مراکز تحقیق اور قید خانوں میں شہید ہونے والے قیدیوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ انہیں گرفتاری کے بعد (سلو پوائزن) آہستہ آہستہ اثر کرنے والا زہر دیا جاتا ہے تاکہ وہ بتدریج موت کے قریب چلے جائیں۔ ان قیدیوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ القب صحراوی جیل کا آغاز 1988ء میں ہوا تھا، جسے اوسلو معاہدے کے بعد بند کر دیا گیا تھا اور اس کے قیدیوں کو دوسری جیلوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ پھر 2002ء میں دوسرے الاقصیٰ انتفاضہ کے اختتام پر از سر نو کھول دیا گیا تاکہ اسے نئے فلسطینی قیدیوں سے بھرا جا سکے۔ ان قید خانوں میں قیدیوں پر ہر طرح کے مظالم کو روا رکھا جاتا ہے' اس کیلئے عقوبت دینے والوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا ہے تاکہ وہ بلا جھجک اور بلا دریغ ان نہتے قیدیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں۔

امن و انصاف کے ساتھ نتھی نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ انصاف ہمیشہ مسخر ہوتا ہے۔ کچھ چیزوں پر لوگ اگر یہ توقع کرتے ہیں کہ تمام توقعات پوری ہوں' تمام معاملات طے پا جائیں اور تمام

متاثرہ لوگ زندگی کی طرف لوٹ آئیں تو ایسا ممکن نہیں۔ یہودی فلسطین پر قبضہ اپنا حق قرار دیتے ہیں مگر زمین ایک ہے' دعویدار دو' کیا امن ممکن ہے؟ دونوں فریق مقبوضہ بیت المقدس پر ملکیت کے دعویدار ہیں۔ اسرائیلی سپاہی جو کہ معصوم فلسطینیوں کو قتل کرتے ہیں' انہیں سزا دی جانی چاہئے۔ ادھر اسرائیل خودکش حملہ آوروں کو سزا دینے کو اپنا حق قرار دیتا ہے' ایسے میں کیا امن کی امید کی جا سکتی ہے؟

انصاف تمام معاشرے کو متحد رکھتا ہے۔ ایک متفقہ نظام کے بغیر انصاف مل سکتا ہے اور نہ امن رائج ہو سکتا ہے۔ اسرائیل اور فلسطین دونوں ایک دوسرے کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں' ایسے میں امن کیسے ممکن ہے؟ قیدیوں کا تبادلہ کیا فلسطینیوں کو ان کے حقوق دلا سکے گا؟ پیرس میں بحیرہ روم کے ساحلی ممالک اور یورپی یونین کے سربراہ اجلاس میں ہونے والے معاہدے پر بھی دونوں فریق متفق نہ ہوئے۔ یونین فار دی میڈیٹرینین نامی تنظیم 43 ممالک کے رہنماؤں کی مدد سے بنائی گئی ہے۔ اس کی اہم ترجیحات میں مشرقِ وسطیٰ کا تنازع حل کرنا شامل ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں کے ساتھ معاہدے کیلئے ان کا ملک کبھی بھی اتنا قریب نہیں تھا جتنا کہ اب ہے۔ محمود عباس نے بھی کہا ہے کہ امن کے حصول کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور نعم البدل نہیں۔

لیکن اسرائیل اگر امن کیلئے اتنا ہی سنجیدہ ہو تو وہ فلسطینیوں کو ان کے حقوق دے جبکہ اس نے تو مشرقی یروشلم میں فلسطینی قوم کی نسل کشی کی باقاعدہ مہم شروع کر رکھی ہے۔ ٹیکس اور مکانات کیلئے اجازت پر عائد پابندیوں کی وجہ سے فلسطینی اپنے گھروں کی تعمیر بھی نہیں کر سکتے۔ محصولات اور منصوبہ بندی نے فلسطینیوں کو مکان بنانے سے روک رکھا ہے۔ وہ غرب اردن کے فلسطینی علاقوں سے بھی کٹ کر رہ گئے ہیں۔

اسرائیل فلسطین کے ساتھ امن کا نہیں بلکہ صرف اس کی زباں بندی کا خواہاں ہے' کیونکہ فلسطین کے ساتھ کئے جانے والے مذاکرات کی ناکامی کا مطلب اسرائیلی ریاست کا خاتمہ ہوگا۔ اسرائیل اس حقیقت سے آگاہ ہے اور برملا اعتراف بھی کر چکا ہے کہ اگر فلسطینی ریاست نہ بنی تو جنوبی افریقہ کی طرز پر جدوجہد شروع ہو جائے گی' جس میں اسرائیل ہار جائے گا۔

فلسطین اور اسرائیل کے رہنماؤں نے 2008ء کے خاتمہ تک امریکی حمایت سے امن معاہدے تک پہنچنے کا ہدف مقرر کر رکھا ہے۔ اسرائیلی ریاست کو اس حقیقت کا اچھی طرح ادراک ہے اور ایہود اولمرٹ بھی متعدد بار اس خطرے کا اظہار کر چکے ہیں کہ ووٹنگ کے مساوی حقوق کیلئے جنوبی افریقہ کی طرز کی جدوجہد کا سامنا اگر کرنا پڑ جاتا ہے تو اس صورت میں یعنی اگر ایسا ہوتا ہے تو

اسرائیلی ریاست ختم ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کبھی قیدیوں کو رہا کر رہا ہے اور کبھی امن سمجھوتے پر رضامندی ظاہر کر رہا ہے' کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ وہ صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ اپنے وجود کو قائم رکھنے کیلئے اسے فلسطین کے وجود کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اسی لئے اسرائیل امن کے سمجھوتے پر تیار ہے۔ دو ریاستی فارمولا میں اس کا تحفظ و بقاء اور سالمیت ہے۔

مقبوضہ بیت المقدس کے حوالے سے بھی دونوں فریقوں میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ دونوں اسے اپنا دارالحکومت بنانا چاہتے ہیں۔ نزاعات پر متفقہ منظوری کے بغیر امن قائم نہیں ہوسکتا۔

اسرائیل فلسطینی قیادت کے ایک دھڑے کو تو برابر کھڑا کرتا ہے جبکہ دوسرے سے وہ بات چیت تو دور کی بات، اسے تسلیم کرنے کیلئے بھی تیار نہیں، جب تک دونوں فریقین سے بات چیت نہیں ہوتی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ حماس کا مذاکرات کے ہر عمل میں شریک رہنا ضروری ہے' اب اسرائیل اور محمود عباس کی الفتح کے درمیان قیدیوں کے معاملے پر مذاکرات چل رہے ہیں۔

قیدیوں کی رہائی اس بات کا ثبوت نہیں کہ اسرائیل آئندہ فلسطینی مجاہدین کو گرفتار نہیں کرے گا۔ وہ اپنا یہ سلسلہ جاری رکھے گا۔ ایک طرف قیدیوں کو رہا کردیا' دوسری طرف مزید کو قیدی بنالیا۔ چہ جائیکہ وہ الفتح کے ارکان ہوں یا حماس کے' ہیں تو فلسطینی' پھر امن کی دہائی' امن کیسے ممکن ہے؟ امن ٹھوس اقدامات سے آئے گا جو کہ عارضی سمجھوتوں اور معاہدات کے بجائے مستقل بنیادوں پر تشکیل پانے سے ہی ممکن ہے ورنہ یہ عارضی سمجھوتے وقت کے بہاؤ کے ساتھ بہتے چلے جائیں گے اور اپنا تشخص بھی کھودیں گے' بلکہ ان پر تعمیر کئے ہوئے گھروندے اس طرح سے بہیں گے کہ پھر کبھی ان پر کچھ تعمیر نہیں ہوسکے گا۔ اس لئے وقتی معاہدات اور عارضی مصالحتوں کے بجائے ٹھوس اقدامات کو لے کر بات کرنے سے ہی مسئلے کا حل ممکن ہے۔

❖♦❖

اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ اور وزیر خارجہ زپی لیونی کی مثال کو لے کر اس بات کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ ایک فرد کا زوال دوسرے کے عروج کا سبب ہوتا ہے۔ بدعنوانی کے الزامات میں مستعفی ہوجانے والے ایہود اولمرٹ کے بعد زپی لیونی کے مقدر نے کچھ اسی طرح سے پلٹا کھایا اور وہ وزیراعظم کے جانشین کے طور پر ابھر کر سامنے آگئیں۔ اسرائیلی صدر شمعون پیریز نے وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے استعفیٰ کے بعد زپی لیونی کو حکومت تشکیل دینے کی دعوت دی ہے۔ بدعنوانی کے الزامات کے بعد ایہود اولمرٹ کو سب سے پہلے تو قدیمہ پارٹی کی

قیادت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ حکمران قدیمہ پارٹی نے اپنی ساکھ بچانے اور ایہود اولمرٹ کی جگہ دینے کیلئے وزیر خارجہ اور موساد کی سابق ایجنٹ زپی لیونی کو جماعت کا نیا سربراہ منتخب کیا۔

وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے پارٹی سے استعفیٰ کے بعد زپی لیونی نے اسے برے لوگوں کی شکست اور اچھے لوگوں کی فتح قرار دیا۔ پچاس سالہ زپی لیونی کے قدیمہ پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے بعد انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی گئی، جسے زپی لیونی نے قبول کرتے ہوئے اسرائیل کے سابق وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو کی جماعت کو حکمران اتحاد میں شامل ہونے کی دعوت دی' کیونکہ زپی لیونی کیلئے مخلوط حکومت بنانا آسان نہیں۔ اس لئے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی 120 نشستوں میں سے صرف 29 نشستیں قدیمہ پارٹی کے پاس ہیں' جبکہ زپی لیونی کو حکومت تشکیل دینے کیلئے کم از کم 61 ارکان کی حمایت ضروری ہے۔

اگر زپی لیونی حکومت بنانے میں کامیاب ہوجاتی ہے تو وہ 35 سال بعد اسرائیلی خاتون وزیراعظم گولڈا مائر کے بعد دوسری خاتون وزیراعظم ہوں گی۔ پارٹی کی قیادت سنبھالنے کیلئے زپی لیونی کا مقابلہ مواصلات کے وزیر شاول موفاذ سے تھا۔ موفاذ کے ایران کے بارے میں سخت گیر مؤقف کی وجہ سے سکیورٹی کے معاملات پر بائیں بازو کی طرف جھکاؤ ہے۔ موفاذ کے مقابلے میں لیونی کی حمایت کرنے والوں کا یہ کہنا تھا کہ لیونی کا انتخاب بے جان سیاسی ڈھانچے میں ایک نئی روح پھونک دے گا، جو ایک عرصہ سے عمر رسیدہ مرد اور سابق فوجیوں کے زیرتسلط ہے جبکہ زپی لیونی کے مخالفین انہیں سیاسی طور پر ناتجربہ کاری کا طعنہ دیتے ہیں۔

زپی لیونی کے پاس حکومت بنانے کیلئے چھ ہفتے کا وقت ہے۔ ملک میں نئی حکومت بننے تک ایہود اولمرٹ عبوری وزیراعظم کے طور پر کام کرتے رہیں گے۔ عبوری وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے زپی لیونی کو حکومت بنانے کی دعوت کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ زپی لیونی قومی حکومت کے قیام میں کامیاب ہوجائیں گے۔ ایہود اولمرٹ نے اپنی حکومت کو بہترین قرار دیا اور کہا کہ انہوں نے گڈ گورننس کے تحت مناسب طریقے سے حکومت چلائی۔ اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کو انہوں نے غلط قرار دیا مگر اپنے خلاف ہونے والی تحقیقات پر انہوں نے اشتعال کے بجائے نرم روی کا مظاہرہ کیا۔ اسرائیلی وزیراعظم نے کہا ''مجھے فخر ہے کہ میں اس ملک کا وزیراعظم ہوں جہاں پر وزیراعظم کے خلاف بھی تحقیقات کی جاتی ہیں۔ وزیراعظم قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔'' انہوں نے بے ضابطگیوں کے الزامات کے بعد جولائی میں اس کا باقاعدہ اعلان کیا تھا کہ وہ دو ماہ کے اندر استعفیٰ دے دیں گے۔ انہوں نے بے ضابطگیوں کے الزامات کو اپنے خاندان کیلئے بھی باعث تکلیف قرار دیا اور ان کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کا عزم ظاہر کیا۔

مخلوط حکومت کے قیام میں کئی ہفتے اور مہینے بھی لگ سکتے ہیں' اس لئے ایہود اولمرٹ اس وقت تک عبوری وزیراعظم کے طور پر کام کرتے رہیں گے اور اس کی ضرورت کئی بنیادی اور متنازعہ امور کے حوالے سے بھی ہے، جن پر ایہود اولمرٹ کام کر رہے تھے۔ ان امور میں یروشلم کی حیثیت کا تعین' مجوزہ فلسطینی ریاست کی سرحدوں اور غرب اردن میں پناہ گزینوں' سکیورٹی اور پانی کے ذخائر جیسے معاملات شامل ہیں۔ امن کانفرنس کے بعد سے یہ تمام متنازعہ امور فلسطینی صدر محمود عباس اور ایہود اولمرٹ کے درمیان چل رہے ہیں' جنہیں 2008ء کے امن منصوبے کا شاخسانہ بھی قرار دیا جا رہا ہے۔ نام نہاد روڈ میپ 2008ء کی خالف امریکی حکومت چاہتی ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان صدر بش کی مدت ختم ہونے سے قبل امن معاہدہ طے پا جائے۔ اسرائیلی وزیر خارجہ زپی لیونی' قدیمہ پارٹی کی نئی سربراہ اور متوقع اسرائیلی وزیراعظم کا نام دس سال پہلے تک سیاست میں غیر معروف تھا۔ کسی کو گمان نہ تھا کہ یہی غیر معروف نام آگے چل کر وزیراعظم کے طور پر سامنے آئے گا۔ پچاس سالہ زپی لیونی سیاست میں وارد ہونے سے قبل وکیل اور اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد کی ایجنٹ رہ چکی ہیں۔ ان کا ماضی کا تاثر انتہائی سخت گیر صہیونی قوم پرست کا رہا ہے لیکن وقت نے ان کے بیانات میں تبدیلی پیدا کی ہے۔ اب وہ فلسطینیوں کے ساتھ لینڈ فار پیس یعنی ''امن کے بدلے زمین'' کا نعرہ بلند کرتی ہیں۔ اسرائیل کی تاریخ میں جہاں وہ دوسری خاتون وزیر خارجہ ہیں وہاں اگر وہ وزیراعظم منتخب ہو جاتی ہیں تو اسرائیل کی وہ دوسری خاتون وزیراعظم ہوں گی۔ ایہود اولمرٹ کی حکومت میں وہ فلسطینیوں سے مذاکرات کرنے والی اسرائیلی ٹیم کی قیادت کرتی رہی ہیں۔ اسرائیل کے عوام میں وہ انتہائی مقبول ہیں اور ان کو ''مس کلین یعنی صاف وشفاف'' کا نام بھی دیا جاتا ہے' کیونکہ اپنے سیاسی دور میں زپی لیونی کا دامن اعتراضات کی زد میں آنے سے محفوظ ہی رہا ہے جبکہ اسرائیلی سیاست میں گزشتہ کئی برس سے بدعنوانی کے الزامات میں لتھڑے سیاسی وفوجی کردار نظر آتے ہیں۔ مس کلین ہونے کی وجہ سے انہیں ایک بڑی اور خوشگوار تبدیلی قرار دیا جا رہا ہے۔ لیونی کا سیاسی کیریئر 1999ء میں دائیں بازو کی جماعت لیکوڈ پارٹی کے اسرائیل کی پارلیمنٹ میں انتخاب کے بعد شروع ہوا۔

لیونی کا شمار اس وقت کے وزیراعظم لیکوڈ پارٹی کے سربراہ ایریل شیرون کے خاص ساتھیوں میں ہوتا تھا، جنہوں نے اسے 2001ء میں علاقائی ترقی کا وزیر بھی نامزد کیا۔ مہاجرین کی آبادکاری' ہاؤسنگ اور تعمیرات اور قانون کی وزیر کی حیثیت سے کام کرنے والی زپی لیونی اب وزیر خارجہ کے عہدے پر فائز ہیں اور اس عہدے پر کام کرتے ہوئے اب ان کے عروج کا گراف بلندیوں کی سمت رواں دواں ہے۔ کامیابی کے بعد وہ ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر متمکن

ہونے والی ہیں۔ ایریل شیرون کی خاص مشیر ہونے کے ناطے اور 2005ء میں غزہ سے اسرائیلی فوج اور یہودی آبادکاروں کو نکالنے کے متنازعہ فیصلوں میں ان کا عمل دخل بھی تھا۔ 2005ء میں ایریل شیرون کے لیکوڈ پارٹی سے اختلافات پیدا ہو گئے تو انہوں نے قدیمہ پارٹی تشکیل دی۔ لیونی نے بھی ایریل شیرون کے ساتھ ہی لیکوڈ سے قدیمہ پارٹی کا رخ کیا۔ لیونی کے نظریات حیرت انگیز طور پر اس کے ماضی کے کردار اور خیالات سے متصادم نظر آتے ہیں۔ اس نظریاتی تبدیلی میں ان کے دو بیانات خاص کر اہمیت کے حامل ہیں' یعنی فلسطینیوں سے یکطرفہ طور پر جھگڑا ختم کرنے اور مجوزہ فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کا نظریہ۔ اگر لیونی اپنے نظریات کو بطور وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد عملی جامہ پہناتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اسرائیل کی تاریخ میں وہ پہلی وزیراعظم ہوں، جو فلسطینیوں کے حق میں قدرے بہتر ثابت ہوں' مگر کیا زپی لیونی میں تاریخ کا رخ موڑ لینے کی صلاحیت ہے۔ لیکن اسرائیل کی سابقہ تاریخ کو مدنظر رکھا جائے تو یہ ممکن نظر نہیں آتا؟ کیا زپی لیونی اپنے پیش رووں سے انحراف کر پائیں گی اور ایک نئی روایت چھوڑنے میں کامیاب ہو سکیں گی۔ علیحدہ فلسطینی ریاست کے قیام کی حامی زپی لیونی کا یہ نظریہ بھی صہیونی ریاست کے تحفظ کیلئے ہے۔ زپی لیونی کا خاندانی پس منظر بھی عظیم تر اسرائیل کیلئے جدوجہد سے عبارت ہے۔ زپی لیونی کے والد کا تعلق پولینڈ سے تھا اور وہ یہودیوں کی خفیہ تنظیم ''ارگن'' کے سرکردہ رکن تھے۔ یہ تنظیم 1948ء میں اسرائیل کے قیام سے قبل فلسطین پر برطانوی تسلط کے خلاف مسلح جدوجہد میں پیش پیش تھی۔ 1946ء میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل پر ہونے والے حملوں میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔

زپی لیونی عظیم تر اسرائیل کی خواہاں ہے' لیکن وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ اگر علیحدہ فلسطینی ریاست وجود میں نہیں آتی تو فلسطینی آبادی کے منتشر رہنے' آبادی کے پھیلاؤ اور غیر یقینی جغرافیائی صورتحال سے خود اسرائیل گڈ مڈ ہو کر رہ جائے گا اور اس کا تشخص تباہ و برباد ہو جائے گا۔ ایسے میں زپی لیونی اس حقیقت کو سمجھ چکی ہے کہ اسرائیل کے اپنے مستقبل کیلئے الگ فلسطینی ریاست کا قیام ضروری ہے۔ قدیمہ پارٹی کے کئی وزراء' وزیراعظم کیلئے کوششوں میں تھے۔ جماعت کی سربراہ منتخب ہونے کے بعد بطور وزیراعظم سامنے آنے کے مواقع بڑھ جانے والی زپی لیونی کیلئے حکومت بنانا اتنا آسان کام نہیں۔ دو بچوں کی ماں زپی لیونی کو مطلوبہ تعداد میں نشستوں کی کمی کا سامنا ہے اور سیاسی ناتجربہ کاری کا خطاب بھی انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لونی 1958ء میں لیکوڈ پارٹی کے پلیٹ فارم سے پارلیمنٹ کی رکن منتخب ہوئیں۔ 2005ء میں انہوں نے ایریل شیرون کے ساتھ ہی لیکوڈ سے ناطہ توڑ کر قدیمہ پارٹی میں شرکت کر لی۔

2006ء میں زپی لیونی نے ''نیو یارک ٹائمز'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ''میں اپنے والدین کو پسند کرتی ہوں۔ ان کے نظریات پر بھی مجھے یقین ہے کہ اسرائیل کی تمام زمین یہودیوں کی ملکیت ہے اور اس پر یہودیوں کا حق ہے۔ میں بھی انہی نظریات پر چلتے ہوئے جمہوری اصولوں کو پروان چڑھانے اور یہودیوں کیلئے الگ وطن اسرائیل کو مخصوص کردینے کے حق میں ہوں، مگر اپنے خوابوں اور جمہوریت کو پروان چڑھانے کی ضرورت کے درمیان اگر مجھے انتخاب کا حق دیا جائے تو زمین کے کچھ حصے کو چھوڑ دینے کو ترجیح دوں گی۔''

میڈیا میں زپی لیونی کا کردار ایک ٹھنڈی مزاج اور معتدل شخصیت کے طور پر ہی سامنے آیا ہے۔ شادی سے پہلے ہی انہوں نے موساد کے ترک تعلق کرلیا تھا۔ انہوں نے ازدواجی زندگی کو پس منظر میں ہی رکھا، ان کے شوہر کا تعلق ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے ہے۔ ان کے دو بیٹے ہیں۔ سکول کے زمانے سے ہی انہیں ایک ذہین، مستعد اور ٹام بوائے ٹائپ کردار کہا جاتا ہے۔ ملٹری سروس مکمل کرنے کے بعد وہ بیسویں صدی کے اوائل میں انٹیلی جنس ایجنسی موساد میں شامل ہوگئیں۔ موساد سے استعفیٰ کے بعد انہوں نے شادی کی اور وکالت کا امتحان پاس کیا اور سیاست میں داخل ہونے سے قبل کچھ عرصہ وکالت کی پریکٹس بھی کی۔

❖♦❖

اسرائیل ایک طرف تو امن معاہدے کے طے پا جانے اور مسئلہ فلسطین کے حل ہوجانے کی نوید سناتا پھر رہا ہے۔ دوسری طرف سکیورٹی کے نام پر مزید یہودی بستیوں پر قبضہ بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔ منافقت کی یہ پالیسی کوئی نئی بات نہیں۔ امن معاہدہ یا مسئلہ فلسطین اس نے کون سا فلسطینیوں کی خواہش اور عربوں کی تمناؤں یا مطالبات کے مطابق حل کرنا ہے۔ اس نے یہ مسئلہ الفتح کے ساتھ حل کرنا ہے۔ الفتح کے ساتھ اس کے روابط دیرپا ہیں، اسی لئے وہ مزید یہودی بستیوں کی تعمیر بھی کررہا ہے۔ مغربی کنارے پر آباد فلسطینیوں کی زمین پر قبضہ بھی جاری رکھے ہوئے ہے اور اس پر بالائے ستم فلسطینیوں پر اس کے مظالم بھی اسی طرح ہیں جیسے روز اول سے ہیں، بلکہ ہر آنے والے دن میں اسرائیل کا فلسطینیوں پر عتاب بڑھتا جارہا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ الفتح کے ساتھ مل کر وہ نام نہاد امن کے حصول کا نعرہ بلند کردے گا۔ اس کا یہی نعرہ اسے دنیا کے سامنے سرخرو کردے گا، مگر مسلمان دنیا اس کے ناپاک عزائم سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ اسرائیل فلسطین کو ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود کردینا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی قوانین کے مطابق مغربی کنارے میں یہودی آبادکاری غیرمحفوظ ہے۔ اسرائیل مسلسل اس سے انحراف کررہا ہے، اس نے مغربی کنارے کی ہزاروں ہیکٹر زمین پر قبضہ

کرلیا ہے۔ اس نے اس قبضے کا جواز یہ پیش کیا ہے کہ وہ اسرائیلی آبادکاری کو تحفظ فراہم کرنا چاہتا ہے۔ اسرائیلی آبادکاروں نے دوگنا علاقے پر قبضہ کرلیا ہے۔ یہ قبضہ سراسر ناجائز ہے، فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کرکے ان کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد انہیں وہاں قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ قبضہ غیرسرکاری طور پر گزشتہ 30 سالوں سے جاری ہے لیکن اب باقاعدہ سرکاری طور پر فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کیا جارہا ہے۔ اسرائیلی فوج کا کہنا ہے کہ وہ ایسا سکیورٹی کے تحت کررہی ہے، اس زمین میں سے آدھی زمین فلسطینیوں کی نجی ملکیت ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو وہاں جانے سے روکا جارہا ہے اور کہا یہ جارہا ہے کہ یہ قدم سکیورٹی کیلئے ضروری ہے۔ کمال ہے کہ ان کی ذاتی ملکیت کو ان سے چھین کر یہودی آبادکاروں کے حوالے کیا جارہا ہے اور پھر اسے سکیورٹی کا لبادہ پہنایا جارہا ہے۔ فلسطینیوں کے علاقوں کو عدم تحفظ کا شکار کرنے والا اور وہاں ناقص سکیورٹی کی صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ اسرائیل کا علاقے میں فساد، انتشار اور افراتفری کا ماحول پیدا کرکے سکیورٹی کے نام پر مالکوں (فلسطینیوں) کیلئے شجر ممنوعہ بنا دینا اور اپنے باشندوں یہودیوں کیلئے کھول دینا کہاں کی سکیورٹی ہے؟

نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کا منصوبہ قیام امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، مگر اسرائیل اپنے اس منصوبے سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہیں۔ اس سال بھی اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے غرب اردن میں مزید یہودی آبادکاری کے منصوبے کی منظوری دی۔ مجموعی طور پر تعمیر کئے جانے والے گھروں کی تعداد 750 بتائی گئی مگر یہ تعداد اس قبضے سے بہت کم ہے جو اسرائیل ناجائز طور پر کررہا ہے۔ فلسطینی تنظیموں نے یہودی آبادکاری کو ناجائز قرار دیتے ہوئے متعدد بار اس کی مخالفت کی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی اسرائیل کے اس اقدام کی مذمت کی ہے، مگر وہ اسرائیل ہی کیا، جو اپنے ارادوں سے ٹل جائے۔

اسرائیل پر اس سلسلے میں انسانی حقوق کی تنظیموں اور مسلمان ممالک کی طرف سے دباؤ بھی ڈالا گیا، مگر اسرائیل کی ایک قدامت پسند جماعت نے حکمران جماعت کو اتحاد سے الگ ہونے کی دھمکی دے کر یہودی بستیوں کی تعمیر کے فیصلے سے ہٹنے یا کسی قسم کی لچک دکھانے سے روک دیا۔ اسرائیل کی یہ قدامت پرست تنظیمیں حکومت کے فیصلوں پر بری طرح اثرانداز ہیں۔ صرف زمینوں پر قبضہ ہی نہیں کیا جارہا بلکہ فلسطینیوں کی دیگر اشیاء کو بھی نقصان پہنچایا جارہا ہے۔ حال ہی میں یہودی آبادکاروں نے نابلس شہر کے جنوب میں اوارسا کے گاؤں میں زیتون کے درختوں کو جلا ڈالا۔

میڈیا کی اطلاعات کے مطابق ان درختوں کے مالکوں کا آئی او ایف اور مغربی کنارے کی

نام نہاد سول انتظامیہ کے ساتھ فیصلہ ہوا تھا کہ وہ زیتون کے ان درختوں کو اگلے ماہ کاٹ لیں گے' مگر آباد کاروں نے اگلے مہینے کا انتظار کئے بغیر ان کو جلانے میں انتہائی عجلت دکھائی۔ اسرائیلی آباد کاروں نے ان درختوں کے ساتھ ساتھ زیتون کے پودوں کو بھی جلا ڈالا۔ اسی اثناء میں IOF کے فوجیوں نے اٹل گاؤں کے چار شہریوں کو اغوا کیا' انہوں نے تیلگرام کے شہر پر دھاوا بول دیا اور چار شہریوں کو زبردستی گرفتار کرلیا' مگر ان کی گرفتاری کو خفیہ رکھا گیا۔ نہ صرف تیلگرام بلکہ اسرائیلی دستوں نے مزید کئی گاؤں پر چھاپے مارے' عوامی املاک کو تباہ کیا' جس میں ایک کار بھی شامل تھی اور کئی گھروں میں زبردستی گھس کر ان کی تلاشی لی' زدوکوب کیا اور فلسطینی باشندوں کو ان کے گھروں سے تباہ کردیا۔ ایک 52 سالہ بوڑھے شخص کو بھی سپاہیوں نے اغوا کیا اور یہ سپاہی رات کو فلسطینی علاقوں میں گھومتے رہے' جس سے خوف وہراس کی فضا پیدا ہوگئی۔

فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے درمیان امن بات چیت یہودی بستیوں کی تعمیر کے منصوبے کی وجہ سے تعطل کا شکار ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس' فلسطینیوں کی واپسی کا حق اور یہودی بستیوں کا مستقبل ایسے نزاعات ہیں' جن کی وجہ سے فلسطینی رہنما غیر یقینی' غیر مستحکم صورتحال کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر ان حالات میں یعنی آنے والے مہینوں میں جب صدر بش کا عہدہ ختم ہونے والا ہے اور وہ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے ساتھ مل کر مسئلہ فلسطین کا کوئی نہ کوئی حل کردینا چاہتے ہیں۔ درحقیقت امریکی وزیر خارجہ سیکرٹری کنڈولیزا رائس اور ان کے میزبان فلسطینی اتھارٹی کے رہنما محمود عباس کے درمیان کئی ملاقاتیں بھی اسی تناظر میں ہوئیں' جن میں فلسطینی رہنما امریکہ کے امن منصوبے سے متعلق اپنے شکوک وشبہات بے چینی اور تناؤ کو چھپانے میں ناکام رہے۔ امریکہ نزاعات سے نپٹنے کے بجائے اور ان کو حل کئے بغیر امن کی ضمانت کیسے دے سکتا ہے؟ اور یہی وہ چیز ہے جو ناقابل قبول ہے۔ اسرائیلی گروپ ''پیس ناؤ'' peace now کی شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق 2008ء میں بشمول مشرقی بیت المقدس مغربی کنارے میں یہودی بستیوں کی تعداد میں مزید 500 کا اضافہ کردیا جائے گا۔

کنڈولیزا رائس اور ان کے اسرائیلی ہم منصب تزپی لیونی کا مؤقف ہے کہ وہ مل جل کر باہمی طور پر امن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ لیونی کا دعویٰ ہے کہ یہودی بستیوں کی تعمیر میں اضافہ کے بجائے کمی کی گئی ہے۔ لیونی کا یہ وہ جھوٹ ہے، جو چشم دید حقائق کو جھٹلاتا ہے' چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے۔ اس سے زیادہ ڈھٹائی اور کیا ہوگی کہ اسرائیل مزید یہودی بستیوں کو وسعت بھی دے رہا ہے اور اس سے صاف مکر بھی رہا ہے۔ اسرائیلی انتظامیہ کی یہ ڈھٹائی فلسطینی قیادت اور عوام دونوں کیلئے پریشان کن ہے۔

امن مذاکرات عام فلسطینیوں کے دل میں جگہ کیسے بنا سکتے ہیں' جب اسرائیل کے ہر فیصلے میں گہرا عناد' نفرت اور انتقام جھلک رہا ہو۔ اسرائیل نے الفتح کے ساتھ روابط کے صلے میں 198 فلسطینی قیدیوں کو رہا کر کے اسے امن کیلئے خیرسگالی کا پیغام قرار دیا۔ اس میں دو ایسے قیدی بھی تھے، جنہوں نے 32 اور 28 سال سے طویل عرصہ جیل میں گزارا۔ اس فیصلے کا مطلب حماس کے مقابلے میں الفتح کے ساتھ الفت کو ظاہر کرنا تھا۔ ان رہا کئے جانے والے قیدیوں میں حماس یا اسلامی جہاد تنظیم کا کوئی اور دوسرا رکن شامل نہیں تھا۔ ظاہر ہے اس سے اسلامی جہادی تنظیموں میں تلخی نمودار ہوئی اور اس لئے بھی کہ الفتح نے اپنے ان قیدیوں کے بدلے میں اسرائیل کے سپاہیوں کو بھی رہا کیا۔ ایک ایسے سپاہی کی رہائی بھی اس میں شامل تھی، جسے دو سال قبل فلسطینی مجاہدین نے قید کیا تھا۔ اس سیاسی عمل کو سفارتی پر الفتح کی جیت قرار دیا گیا' مگر دو وجوہات اس دعوے کو جھٹلاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسرائیل کے پاس اب بھی تقریباً 10,000 سے زائد فلسطینی سیاسی اور جہادی قیدی ہیں، جن کی تعداد میں اب بھی دن رات اضافہ جاری ہے۔ فلسطینی ذرائع کے مطابق اسرائیلی فوجوں نے گزشتہ ہفتے میں اس سے زیادہ فلسطینیوں کو گرفتار کرلیا' جتنے انہوں نے رہا کئے۔ دوسرا اسرائیل نے مروان البرغوتی کو رہا کرنے سے انکار کردیا جو الفتح کے مشہور رہنماؤں میں سے ایک ہے اور محمود عباس کی کامیابیوں کا مرکزی کردار بھی ہے۔ مزید برآں محمود عباس کو مغربی کنارے پر نئی بستیوں کی ریاست کی تخلیق' غزہ کے کنارے فلسطینیوں کے احتجاج اور فلسطینی مجاہدوں کی جانب سے مخالفت کی وجہ سے بھی سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ محمود عباس کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہئے کہ الفتح اور حماس کے اختلافات فلسطینی نصب العین کو کمزور کررہے ہیں اور اسرائیل کو ان پر چڑھائی کا موقع فراہم کررہے ہیں۔ جب تک محمود عباس ایک حقیقی سیاسی معاہدے کے ذریعے سامنے نہیں آتے، جس میں اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ختم ہو۔ محمود عباس کا سیاسی کیریئر بھی مستحکم نہیں ہوگا اور غیر یقینی صورتحال سے دوچار رہے گا۔ امن مذاکرات کا تعطل اس کی قیادت کے مزید جاری رہنے میں رکاوٹ کا باعث بن سکتا ہے' خاص کر اگر مروان برغوتی بدستور جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہتے ہیں۔ حماس کے ساتھ کشیدگی میں عباس دوہرے معیارات کا استعمال کررہے ہیں' ایک طرف اتحاد کی باتیں دوسری طرف صرف اپنے قیدیوں کی رہائی کا فیصلہ کرنا۔ عباس کی سکیورٹی ایجنسیوں کا حماس کے درجنوں سیاسی مجاہدوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے خیراتی اور تعلیمی اداروں کو بند کرنے یا ان پر قبضہ کرنے کی کوشش کون سے اتحاد کی مظہر ہے۔

کچھ فلسطینیوں کو مصر کی نگرانی میں قاہرہ میں ہونے والے مذاکرات کے نتیجے میں الفتح اور

حماس کے درمیان مفاہمتی رویے اور مصالحتی معاہدے کے طے پا جانے کی توقع ہے' مگر حماس کو الفتح کے معاندانہ رویے کے پیش نظر ایسے کسی سمجھوتے کے ہونے کی امید نظر نہیں آتی۔ وہ بھی ان حالات میں کہ حماس کے بعض رہنما مصر پر الفتح کی طرف داری کا الزام لگاتے ہیں اور حماس کے ساتھ مصری انتظامیہ کے متعصبانہ رویے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مصر کی جانب سے رفاع بارڈر کو دوبارہ کھولنے سے انکار کرنے پر بھی حماس اس سے نالاں ہے۔ حماس کا کہنا ہے کہ قاہرہ کا رفاع سرحد کھولنے کا فیصلہ حماس اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے پا جانے کی شرائط میں سے ایک تھا۔ مگر اب اس سے انکار کر کے وہ دونوں گروپوں کے درمیان مفاہمتی دروازے بند کر رہا ہے۔

نئی یہودی بستیوں کی تعمیر اور فلسطینیوں کے علاقوں پر قبضہ حماس کے اشتعال کو بڑھا رہا ہے۔ صرف اور صرف الفتح کے ساتھ تعلقات استوار کر کے امن منصوبہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ اسرائیل کا الفتح کے ساتھ امن سے رہنا فلسطین میں امن کی دلیل نہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ ان آبادیوں میں غیر ممالک سے بھی یہودیوں کو لا کر آباد کیا جا رہا ہے۔ انہیں مراعات سے نوازا جا رہا ہے' کاروبار' امن اور ترقی کی ضمانت مہیا کی جا رہی ہے۔ آئندہ سال تک وہاں یہودی آبادکاروں کو دوگنا کرنے کا ارادہ ہے۔

نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کا منصوبہ امن میں تعطل پیدا کرنے کے علاوہ حماس اور اسرائیل کے جنگ بندی کے معاہدے پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے۔ 2003ء کے روڈ میپ میں بھی واضح طور پر نئی بستیوں کی تعمیر نہ کرنے کی بات کی گئی ہے' مگر اسرائیل کو اس کی قطعاً پروا نہیں۔ ان حالات میں معاہدات اور سمجھوتوں کی حیثیت ردی کاغذوں سے زیادہ اور کیا رہ جاتی ہے جب ان پر عمل ہی نہ ہو۔

اسرائیل کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ یہاں فوجی کیمپ بنانا چاہتا ہے اور متنازعہ علاقہ ہونے کی وجہ سے وہ یہاں سکیورٹی کے اقدامات کو مؤثر کرنا چاہ رہا ہے۔ مگر کسی کے گھروں پر قبضہ کر کے امن قائم کرنے کا نعرہ شیطانی حربہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اسرائیل تمام تر معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مظلوم فلسطینیوں کے گھروں پر قبضہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ ڈھونگ نہیں تو اور کیا ہے؟ چیخ و پکار فریاد' آہوں' سسکیوں اور آنسوؤں کی قیمت پر امن قائم نہیں ہو سکتا' ہاں ظلم ضرور ہو رہا ہے اور وہ اسرائیل ڈھا رہا ہے' ہر روز فلسطینیوں پر تازہ زخم لگا کر ان پر نمک چھڑکتا ہے اور پھر ان کی آہ و فغاں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کیا یہ سب حربے یہ سب چالیں یہ سب ڈرامے امن کے ہیں؟

❖♦❖

اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے مستعفی ہو جانے کے بعد اسرائیلی صدر شمعون پیریز نے زپی لیونی کو حکومت تشکیل دینے کی دعوت دی تھی، جسے زپی لیونی نے بخوشی قبول کر لیا تھا۔ مگر حکومت سازی کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اسرائیل کی وزیر خارجہ اور برسر اقتدار قدیمہ پارٹی کی رہنما زپی لیونی نے نئے انتخابات کا اعلان کر دیا ہے۔ بدعنوانی کے الزامات نے پہلے تو ایہود اولمرٹ کو پارٹی قیادت سے ہاتھ دھونے پر مجبور کیا' بعد ازاں انہیں وزیراعظم کے عہدہ کو بھی چھوڑنا پڑا۔ حکمران قدیمہ پارٹی نے اپنی ساکھ کو داؤ پر لگا دیکھ کر وزیر خارجہ زپی لیونی کو جماعت کی قیادت کیلئے منتخب کیا۔ قدیمہ پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے بعد انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی گئی، جسے زپی لیونی نے قبول کرتے ہوئے اسرائیل کے سابق وزیراعظم نیتن یاہو کی جماعت کو ملا کر مخلوط حکومت سازی کی کوشش کی۔ اس لئے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی 120 نشستوں میں سے صرف 29 نشستیں قدیمہ پارٹی کے پاس ہیں' جبکہ زپی لیونی کو حکومت تشکیل دینے کیلئے 61 ارکان کی حمایت درکار تھی۔ مخلوط حکومت سازی کی کوششوں میں ناکامی کے بعد زپی لیونی نے مذاکرات ختم کرتے ہوئے نئے انتخابات کرانے کا مطالبہ کر دیا۔ حکومتی جماعت کی سربراہ اور متوقع وزیراعظم زپی لیونی نے نئے انتخابات کے انعقاد کی سفارش کا فیصلہ نئی حکومت سازی کیلئے سیاسی جماعتوں سے مذاکراتی عمل سے قدامت پسند جماعت شعت کے نکلنے کے بعد کیا ہے۔ مذاکرات میں شامل جماعتوں کے عدم تعاون کی وجہ سے زپی لیونی کو نئی حکومت تشکیل دینے میں مشکلات کا سامنا تھا۔ اس لئے زپی لیونی نے سیاسی جماعتوں کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کے بجائے انتخابات کی سفارش کی ہے جسے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ نے قبول کرتے ہوئے 10 فروری کو انتخابات کا اعلان کر دیا ہے۔ اس بات کا امکان ظاہر کیا جا رہا تھا کہ صدر کسی دوسری جماعت کو بھی اتحادی حکومت بنانے کی دعوت دے سکتے ہیں' مگر حتمی فیصلہ انتخابات پر منتج ہوا۔ زپی لیونی نے ممکنہ اتحادی جماعتوں کو حکومت میں شامل ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنے کیلئے جو وقت دیا تھا' اس میں ناکامی ایک اہم ممکنہ اتحادی جماعت کے بات چیت سے الگ ہو جانے پر ہوئی۔ اسرائیل کا سیاسی منظر نامہ انتہائی پیچیدہ ہے اور وہاں مخلوط حکومت تشکیل دینا آسان نہیں ہوتا۔ زپی لیونی نے اسرائیل کے صدر شمعون پیریز کو بتایا کہ انہوں نے مخلوط حکومت بنانے کی کوششیں ترک کر دی ہیں اور ملک میں انتخابات ناگزیر ہیں۔ اس موقع پر زپی لیونی نے کہا...... ''عوام اپنے رہنماؤں کا انتخاب کریں گے۔''

عام انتخابات میں زپی لیونی کو سابق وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو کی لیکوڈ پارٹی سے سخت مقابلہ ہوگا۔

خفیہ ایجنسی موساد کی سابقہ ایجنٹ زپی لیونی نے حکومت تشکیل دینے کی دعوت ملنے کے بعد اسرائیل کے سابق وزیراعظم نیتن یاہو کی جماعت لیکوڈ کو حکمران اتحاد میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ لیکوڈ پارٹی اس سے پہلے بھی اس طرح کی دعوتیں ٹھکرا چکی ہے۔ اسرائیل کی سیاسی جماعتوں نے 10 فروری کو انتخابات کرانے پر اتفاق کیا ہے۔ انتخابات کی وجہ سے امن مذاکرات میں بھی تعطل کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔ انتخابات کے انعقاد کا اعلان حکومتی دھڑوں نے یہ کہہ کر کیا کہ پارلیمنٹ کو 11 نومبر کو تحلیل کر دیا جائے گا۔ قدیمہ جماعت سے تعلق رکھنے والی زپی لیونی اور لیکوڈ جماعت سے تعلق رکھنے والے سابق وزیراعظم نیتن یاہو دونوں وزارت عظمیٰ کی دوڑ میں شامل ہیں۔ دونوں جماعتوں نے انتخابات کے جلد از جلد انعقاد پر زور دیا۔

اس وقت اسرائیل اپنے آپ کو مضبوط ملک قرار دیتا ہے اور طاقت کے نشے میں چور ہے کہ وہ ایک مضبوط ریاست بن چکا ہے اور اس کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں ہوتا ہے۔ اسی زعم میں وہ کسی امن منصوبہ پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ اسرائیل اپنے قیام کی 60 ویں سالگرہ شان و شوکت سے مناتے ہوئے درحقیقت اپنے کمزور پہلو دنیا کے سامنے اجاگر کرتا ہے کہ وہ جتنا مرضی بھی خود کو مستحکم ثابت کرے، وہ اپنی بقاء کیلئے فلسطینیوں کا قیام ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا ادراک موساد کی سابقہ ایجنٹ اور اسرائیل کی وزیر خارجہ زپی لیونی کو بھی ہے۔ اسرائیل کے سابق وزیراعظم ایہود اولمرٹ بھی اس حوالے سے تذکرہ کر چکے ہیں کہ اگر فلسطین کے ساتھ دو ریاستوں کے قیام کے سلسلے میں کئے جانے والے مذاکرات ناکام ہوجاتے ہیں تو اس کا مطلب اسرائیلی ریاست کا خاتمہ ہوگا۔ انہوں نے اس سلسلے میں جنوبی افریقہ کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگر فلسطینی ریاست نہ بنی تو جنوبی افریقہ کی طرز پر جدوجہد شروع ہوجائے گی، جس میں اسرائیل ہار جائے گا۔

اسی حقیقت کے باعث اسرائیل فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو چکا ہے۔ اسرائیل اور الفتح میں اس وقت گٹھ جوڑ زوروں پر ہے۔ اسرائیل اور الفتح کے رہنماؤں نے 2008ء کے اختتام تک امریکی حمایت سے امن معاہدے تک پہنچنے کا ہدف مقرر کر رکھا ہے۔ امریکی صدر جارج بھی اپنے عہدہ صدارت کی مدت ختم ہونے سے قبل فلسطین کے مسئلے کے حل کے خواہاں ہیں۔

وہ اناپولس کی کانفرنس کو سات برس میں پہلے جامع عرب اسرائیل امن مذاکرات کہتے ہیں اور اسے مشرق وسطیٰ میں امن خدشات درپیش ہیں۔ اگر وہ دن آتا ہے کہ دو ریاستی حل ناکام ہوجاتا ہے اور ہمیں ووٹنگ کے مساوی حقوق کیلئے جنوبی افریقہ کی طرز کی جدوجہد کا سامنا کرنا پڑتا

ہے، اور اگر ایسا ہوتا ہے تو اسرائیلی ریاست ختم ہوجائے گی۔"

اسی وجہ سے اسرائیل فلسطین کے وجود کو تسلیم کرنے اور مذاکرات پر تیار ہوا، مگر الفتح کے ساتھ فلسطینی ریاست کے وجود کو تسلیم کرنے کی بات کرتے ہوئے دو نکات ایسے ہیں، جو دونوں فریقوں میں اختلاف کا باعث بن جاتے ہیں اور وہ دو بنیادی اختلافات ہیں۔

1۔ مہاجرین کا مستقبل، 2۔ فلسطینی ریاست کے دارالخلافے کی حیثیت سے مقبوضہ بیت المقدس کا مسئلہ۔ یہ وہ نکات ہیں، جن پر الفتح اور حماس کا بھی اتفاق ہے۔ 1948ء میں بے گھر ہونے والے یہ فلسطینی آج مختلف کیمپوں میں پناہ گزینوں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ امن مذاکرات میں سب سے پیچیدہ مسئلہ یہی ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس کو مسلمان قبلہ اول کہتے ہیں اور اسے اپنا گھر قرار دیتے ہیں۔

حالیہ دنوں میں یہودیوں کی مقبوضہ بیت المقدس کے خلاف کارروائیوں میں شدت آگئی ہے اور ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت فلسطینیوں کو وہاں سے بے دخل کیا جارہا ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس کو یہودی شہر بنانے کی اسرائیلی سازشیں زوروں پر ہیں۔ اسرائیلی منصوبہ یہ ہے کہ 2020ء تک باب الزہرہ علاقے سے فلسطینیوں کو خالی کرالیا جائے اور ایک لاکھ پچیس ہزار فلسطینیوں کو فوری طور پر شہر بدر کر کے مغربی کنارے پر منتقل کیا جائے۔ یہودی انتہاپسندوں نے سینکڑوں مرتبہ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کی ہے اور اجتماعی طور پر مذہبی رسومات بھی ادا کی ہیں۔ اس پر وہ فخریہ انداز میں مقبوضہ بیت المقدس پر قبضے کا اعلان کرتے ہیں اور اسے ہیکل سلیمانی بنانے کیلئے بھی سازشوں کا تانا بانا بن رہے ہیں۔ اس امر کا انکشاف ایک عرب اخبار نے کیا ہے۔ اسرائیل کا شمار ان ملکوں میں ہوتا ہے کہ آزادی صحافت پر قدغن لگانے والے دنیا کے 160 ممالک میں سے وہ گیارہویں نمبر پر ہیں۔

اسرائیل مقبوضہ فلسطین میں آزادی اظہار رائے پر پابندی کے باعث ان ممالک میں شمار ہوا ہے۔ یہودیوں کو اس پر فخر کے بجائے شرمندگی ہونی چاہئے کہ فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو چھپانے کیلئے وہ ذرائع ابلاغ اور صحافیوں پر قدغن لگاتے ہیں۔ اسرائیل کو اس کی اس ہٹ دھرمی اور ظالمانہ کارروائیوں کی وجہ سے جارح ریاست کہا جاتا ہے۔ فلسطینیوں کے گھروں کے ملبے پر اپنے گھر تعمیر کرنے والے یہودیوں کو اس پر تفاخر کرنے کے بجائے شرمندہ ہونا چاہئے۔ اسرائیل وہ ریاست ہے، جو فلسطینیوں کو بے دخل کر کے بنائی گئی ہے۔ اگر اسرائیل کو یہودی ریاست کیلئے علاقوں کی ضرورت تھی تو مغربی تنظیموں یا اقوام متحدہ کو کوئی صورت نکالنی چاہئے تھی۔

یہودی اس وقت تین گروپوں میں منقسم ہیں۔

1۔ ایک مقبوضہ علاقوں میں رہتے ہیں۔ 2۔ دوسرے امریکہ میں جبکہ 3۔ تیسرا گروپ دیگر ممالک میں رہائش پذیر ہے۔ فلسطینیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی اسرائیل کے وجود کیلئے خطرہ ہے۔ اس وجہ سے اس کے ایک ناکام ریاست ہونے کے خطرہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہی حالت رہی تو اس بات کا امکان ہے کہ اب سے سو سال بعد یہ ریاست موجود نہیں رہے گی۔

❖♦❖

فلسطین اتھارٹی کی جانب سے محمود عباس کو فلسطینی ریاست کا سربراہ منتخب کرنے پر حماس اور دیگر جہادی گروپوں کو اختلاف ہے۔ حماس نے اس اقدام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ریاست کے سربراہ کو منتخب کرنے کا حق عوام کو حاصل ہے۔ کونسل کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فلسطینی ریاست کے سربراہ کا انتخاب کرے' یہ انتخاب لوگوں کے ووٹوں سے ہوسکتا ہے۔

حماس تنظیم' محمود عباس کے عہدے میں کسی بھی طرح کی توسیع کے خلاف تھی۔ محمود عباس کو 2005ء میں چار سال کیلئے صدر منتخب کیا گیا تھا۔ فلسطینی ریاست کے وجود کو اسرائیل نے ضم کرلیا ہے' مگر فلسطینی مجاہدین اور عوام اپنی زمین کے حصول کیلئے برسرپیکار ہیں۔ فلسطینی ریاست کا سربراہ ایک علامتی عہدہ ہے' کیونکہ ابھی تک فلسطینی ریاست قائم ہی نہیں ہوئی ہے۔

یہ عہدہ 2004ء میں یاسر عرفات کے انتقال کے بعد سے خالی ہوا تھا۔ 2005ء میں یاسر عرفات کی جگہ محمود عباس کا انتخاب عمل میں آیا۔

محمود عباس کے عہدے کی مدت 9 جنوری کو ختم ہوگئی' مگر اس عہدہ صدارت کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی فلسطینی اتھارٹی نے ایک بار پھر محمود عباس کو فلسطین کا صدر منتخب کرلیا۔ صدر کے انتخاب کیلئے علامتی ووٹنگ میں پی ایل او کے 120 ممبروں نے حصہ لیا۔ اس طرح محمود عباس کی ایک سال تک مزید اس عہدے پر رہنے کی خواہش پوری ہوگئی جس کا وہ اظہار بھی کرچکے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب تک حماس کی قیادت والی پارلیمان باقی ہے وہ ایک سال تک مزید اپنے عہدے پر رہنا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں روڈ میپ کے معاہدے کو مؤثر کرنے تک بھی وہ اپنے عہدہ میں توسیع کے خواہشمند تھے۔ صدر بش کے دور اقتدار کے خاتمے کے بعد اوباما کے برسراقتدار آنے کی وجہ سے امن معاہدہ التواء پذیر ہے۔ اس امن معاہدہ کی خواہش لئے بش تو اپنے عہدہ سے فارغ ہوگئے۔ اب محمود عباس نے بھی کہا ہے کہ امریکہ کی زیرنگرانی ہونے والے مشرق وسطیٰ کے مذاکرات ناکام ہوگئے ہیں۔ مذاکرات کامیاب نہ ہونے کی صورت میں انہوں نے آئندہ سال انتخابات کرانے کا بھی اعلان کیا' جبکہ حماس نے اسے مسترد کردیا ہے۔ فلسطینی

صدر محمود عباس نے کہا ہے کہ امریکہ کی زیرنگرانی مشرق وسطیٰ مذاکرات میں کسی مسئلے پر اتفاق نہیں ہوسکا ہے۔

محمود عباس فلسطین کے سیاسی دھڑے "الفتح" کے نامزد کردہ امیدوار ہیں۔ یاسر عرفات کے بعد محمود عباس کو بین الاقوامی طبقے اور اسرائیل کی حمایت حاصل ہے۔ محمود عباس المعروف ابو مازن کو نومبر 2004ء میں یاسر عرفات کی وفات کے بعد فلسطین لبریشن آرگنائزیشن پی ایل او کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ محمود عباس نے جنوری 2005ء میں فلسطینی اتھارٹی کے صدارتی انتخاب میں فتح حاصل کی۔ یاسر عرفات کے بعد محمود عباس کی قیادت کو اسرائیل فلسطین تعلقات میں نئے تناظر میں دیکھا جاتا ہے جس میں ان کے امن منصوبہ کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ ایک طرف اسرائیل اور حماس کی کشمکش' دوسری طرف یاسر عرفات کے ساتھ شراکت اقتدار کی جدوجہد نے ان کے امن منصوبہ کی خواہش کو متاثر کیا۔

محمود عباس 1935ء میں فلسطین میں پیدا ہوئے' وہ الفتح کے چند بانی ارکان میں سے ہیں جو کہ پی ایل او کا مرکزی سیاسی گروپ ہے۔ 1950ء کے اواخر میں قطر میں جلاوطنی کے دور میں فلسطینی ریاست کی جدوجہد کیلئے ان کا گروپ کھل کر سامنے آیا' خصوصاً جب انہوں نے فلسطینیوں کے کاز کیلئے مزید ارکان بھرتی کئے۔ ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے انہیں پی ایل او میں مرکزی اہمیت حاصل ہوگئی۔ انہوں نے یاسر عرفات کے ساتھ مل کر اپنے گروپ الفتح کو دوبارہ تشکیل دیا۔ انہوں نے اردن' لبنان اور تیونس میں دوران جلاوطنی یاسر عرفات کا ساتھ دیا۔ تحریک کے ابتدائی دنوں میں صاف اور سادہ طرز زندگی کی وجہ سے بھی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اعلیٰ فہم وفراست کے حامل محمود عباس نے ماسکو میں ڈاکٹریٹ کی اور پھر مصر میں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں' لیکن کچھ یہودی گروپ ان کی ڈاکٹریٹ اور کتابوں پر تنقید کرتے ہیں اور انہیں قابل اعتناء نہیں سمجھتے۔ محمود عباس پہ یہ الزام بھی ہے کہ وہ "ہولوکاسٹ" کے وجود سے انکاری ہیں اور اس سانحہ کو نازیوں اور صیہونیوں کے درمیان خفیہ تعلقات کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ محمود عباس پر یہ الزام بھی ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ ہولوکاسٹ میں صیہونیوں میں نازیوں کے ساتھ تعاون کیا' مگر ان الزامات کو محمود عباس مکمل طور پر جھٹلاتے ہیں۔ مئی 2003ء میں اسرائیل کے روزنامہ "ڈیلی ہیرٹز" میں وہ ان الزامات سے انکار بھی کرتے ہیں۔

ہولوکاسٹ کی مذمت کرتے ہوئے وہ بیان دیتے ہیں کہ "ہولوکاسٹ ایک سانحہ عظیم تھا۔

ناقابلِ معافی اور انسانیت کے خلاف ایک سنگین، جرم جسے انسانیت کی تذلیل کے علاوہ اور کچھ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ میں نے تاریخ دانوں سے مذکور کچھ دلائل کا بھی حوالہ دیا ہے، جن میں کہ بہت سے مظالم کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک کا کہنا ہے کہ اس سانحہ میں 12 ملین افراد شکار ہوئے جبکہ دوسرے نے ان کی تعداد 800,000 لکھی ہے۔ لیکن میں ان متنازعہ اعداد وشمار میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہولوکاسٹ ایک قوم کے ساتھ اور انسانوں کے خلاف سنگین جرم تھا' جسے کہ انسانیت کسی طور پر تسلیم نہیں کرتی۔''

محمود عباس منظر عام پر آنے سے قبل ہی فعال اور متحرک تھے۔ اگرچہ وہ پس منظر میں تھے لیکن ان کے رابطے تمام عرب رہنماؤں اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں سے تھے۔ انہوں نے پی ایل او کیلئے فنڈز اکٹھا کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور 1970ء کے اوائل میں اہم سیکورٹی کردار ادا کیا۔ ان کی ان شخصی خوبیوں کی وجہ سے 1980ء میں ان کا پی ایل او کی جانب سے قومی اور بین الاقوامی تعلقات کے سربراہ کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا۔ محمود عباس کو معتدل مزاج شخصیت کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ محمود عباس نے 1970ء میں اسرائیلی اور فلسطینی دھڑوں کے درمیان مصالحتی کردار ادا کیا۔ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان گفت وشنید کی ابتداء کیلئے بھی ان کو سراہا جاتا ہے۔ اوسلو امن معاہدے کا اعزاز بھی ان کو دیا جاتا ہے۔ 1993ء میں وائٹ ہاؤس میں اوسلو معاہدہ پر دستخط کرتے وقت وہ بھی یاسر عرفات کے ہمراہ تھے۔

محمود عباس اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کے عمل میں شریک تو ہیں' لیکن اس کیلئے انہیں حماس اور دیگر فلسطینی دھڑوں کی حمایت حاصل نہیں' کیونکہ الفتح اور حماس کے مطالبات میں بنیادی اختلافات ہیں' جن پر دونوں فریق سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محمود عباس اور ان کے گروپ کو سیاسی مسائل کا سامنا ہے۔ وہ حماس کے ساتھ اقتدار کی رسہ کشی میں پھنسے ہوئے ہیں اور انہوں نے اسی تنازعاتی مسائل کی وجہ سے دھمکی دی ہے کہ اگر مصالحتی مذاکرات میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی تو وہ انتخابات کا اعلان کر دیں گے۔ مگر تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ حماس کی طاقت کو دیکھتے ہوئے یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ محمود عباس انتخابات کا اعلان کریں۔ غزہ کو کنٹرول کرنے والی حماس کی طاقت شاید ہی محمود عباس کو انتخابات کا اعلان کرنے کی اجازت دے۔

مغربی طاقتیں حماس کے اسرائیل مخالف نظریات کی وجہ سے اس کا بائیکاٹ کرتی ہیں۔ حماس اور صدر محمود عباس کی فتح تنظیم کے درمیان 2007ء میں خونریز لڑائی کے بعد حماس نے غزہ پر اپنا کنٹرول قائم کرلیا تھا۔ جس کے بعد جوابی ردعمل کے طور پر صدر محمود عباس نے وزیراعظم اسماعیل ہانیہ کی حکومت کو برخاست کر دیا تھا' جس میں الفتح بھی حماس کے ساتھ اتحادی تھی۔ بین

الاقوامی برادری محمود عباس سے بات چیت کو فوقیت دیتی ہے، جنہیں سیکولر اور اعتدال پسند مانا جاتا ہے اور حماس کو انتہا پسند اور شدت پسند گروپ قرار دیتے ہوئے اس کا بائیکاٹ کرتی ہے اور اس سے بات چیت کرنے کو نظر انداز کرتی ہے بلکہ واضح الفاظ میں مسترد کرتی ہے۔

حماس کی حکومت برخاست کئے جانے پر اقوام متحدہ' امریکہ' روس اور یورپی یونین نے محمود عباس کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے محمود عباس کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔

فلسطینی اتھارٹی کے سابق صدر یاسر عرفات اور محمود عباس کے درمیان اختلافات بھی رہے ہیں۔ یہ اختلافات اس وقت کھل کر سامنے آئے، جب فلسطینی اتھارٹی کے صدر مرحوم یاسر عرفات اور محمود عباس المعروف ابو مازن وزیر اعظم تھے۔ اس وقت بھی اسرائیل اور امریکہ کے نقطہ نظر سے ابو مازن فلسطینی قیادت میں ہردلعزیز شخصیت تھے۔ محمود عباس اور یاسر عرفات کے درمیان فلسطینی اتھارٹی کی سیکورٹی کی تنظیموں پر کنٹرول کی وجہ سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے' کیونکہ محمود عباس فلسطینی شدت پسندوں سے نمٹنے کیلئے سیکورٹی تنظیموں پر زیادہ کنٹرول کے خواہاں تھے۔ ان کے استعفیٰ پر مغرب اور عرب لیگ نے یکساں ردعمل کا اظہار کیا تھا اور اسے مشرق وسطیٰ کے حالات پر تشویش سے تعبیر کیا تھا۔ یاسر عرفات کی وفات کے بعد سے محمود عباس کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اور انہیں اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن کی نوید قرار دیا جاتا ہے۔ یہ وہی محمود عباس ہیں، جو کہ اسرائیل کے خیر خواہ گردانے جاتے ہیں' مگر اس کے باوجود اسرائیل کے معطل وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے ایک امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے ان کی شخصیت پر شک کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ محمود عباس مذاکرات کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔ ایہود اولمرٹ نے کہا تھا کہ محمود عباس الفتح کے رکن ہیں جبکہ دوسری طرف حماس کا شدت پسند گروپ ہے۔ حماس کے الفتح سے تعلقات ناسازگار ہیں۔ حماس کا محمود عباس پر اعتماد نہیں ہے' جبکہ امن کیلئے دونوں دھڑوں کا یکساں مؤقف یا امن منصوبہ کی تائید وحمایت ضروری ہے۔ لیکن محمود عباس کا امریکہ اور اسرائیل کے مؤقف پر آشیرباد کہنے کے مسلسل عمل نے اسرائیل اور بین الاقوامی برادری کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ ان کی خواہشات کے مطابق اگر کوئی اسرائیل کے مطالبات کو تسلیم کرواسکتا ہے تو وہ صرف محمود عباس ہی ہو سکتے ہیں' کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور ایسی شخصیت نہیں جو کہ ان کے اشاروں پر چلے۔ محمود عباس اور الفتح کی نہ صرف حمایت کی جاتی ہے بلکہ بین الاقوامی برادری الفتح کو فنڈز بھی فراہم کرتی ہے' یعنی مالی اعانت بھی مہیا کی جاتی ہے جبکہ اس کے برعکس مغرب نے حماس کا مالی' سفارتی' اقتصادی ہر لحاظ سے بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ مغرب کے حماس کے ساتھ نفرت انگیز رویے کا اندازہ اس امر سے لگایا جاتا ہے کہ نومبر 2008ء میں امریکہ نے مسلمانوں کے ایک

بڑے خیراتی ادارے کے پانچ سابق سربراہوں کو حماس کی مالی امداد پر مجرم قرار دیا۔ ٹیکساس میں قائم ''ہولی لینڈ فاؤنڈیشن فار ریلیف اینڈ ڈویلپمنٹ'' نامی خیراتی ادارے کو حماس کی ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر کی مالی اعانت پر امریکی ریاست نے مجرم قرار دیا۔

اس خیراتی ادارے نے حماس کی مدد غرب اردن اور غزہ میں سکولوں' ہسپتالوں' سماجی اور فلاحی کاموں کیلئے کی تھی۔ اس کی اس مدد کو اس کا جرم بنا دیا گیا' کیونکہ امریکہ کا مؤقف ہے کہ اس نے 1995ء میں اس کو دہشت گرد گروپ قرار دیا تھا اور اس کو مالی امداد فراہم کرنا بھی غیر قانونی قرار دیا تھا۔ پھر اس ادارے نے امریکی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 1995ء سے 2001ء تک حماس کو مالی مدد کیوں فراہم کی؟ اس خیراتی ادارے کو اس کے اس جرم کی بنا پر امریکہ نے 2001ء میں بند کر دیا تھا اور اس کے تمام اثاثے منجمد کر دیئے تھے۔ عدالت نے اس خیراتی ادارے کے مسلمان گھرانوں کی جائز انداز میں مدد کے مؤقف کو یکسر مسترد کر دیا اور اس کے تمام اثاثے منجمد کر دیئے۔ اور ایسا امریکہ کی عدالت نے کیا، جسے کہ انصاف کی بالادستی کا دعویٰ ہے۔

حماس سے مغرب اور اسرائیل کی نفرت اس لئے ہے کہ حماس اسرائیل کے ناجائز وجود کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ وہ 1967ء سے پہلے کے علاقوں کی واپسی کی بھی خواہاں ہے۔ مہاجرین کی آبادکاری اور یروشلم کا مسئلہ بھی اس کی ترجیحات میں شامل ہے۔ اس کے رویے میں نہ پہلے کوئی لچک تھی اور نہ اب ہے' جبکہ الفتح اسرائیل سے سمجھوتہ کیلئے لچکدار رویہ اپنائے ہوئے ہے۔ یہی اس کی مغرب اور اسرائیل میں مقبولیت کی وجہ ہے۔ امریکہ اور اسرائیل الفتح کی تو پشت پر کھڑے ہیں مگر وہ حماس کو یکسر نظر انداز کر رہے ہیں۔ مغرب محمود عباس کی حکومت سے دستبرداری کا اس لئے خواہاں نہیں کہ وہ سمجھتا ہے کہ محمود عباس مغرب کی خواہش کے مطابق امن منصوبہ کی راہ پر گامزن ہیں۔ محمود عباس کی جگہ پر کسی دوسری شخصیت کا آنا ان کیلئے مسائل کا سبب بن سکتا ہے۔ بھلے وہ الفتح کا ہی کوئی رکن ہو' لیکن شخصی اور نظریاتی اختلاف امریکہ اور مغرب کی خواہشات کے آڑے آ سکتا ہے۔ مغرب محمود عباس کی جگہ کسی دوسری کو لا کر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا' کیونکہ ایک طرف حماس کا شدت پسند گروہ مغرب کو پریشان کئے ہوئے ہے اور دوسری طرف حزب اللہ۔ اگر محمود عباس عہدہ صدارت سے فارغ ہو جاتے ہیں تو مغرب کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔

اسی لئے محمود عباس کے دوبارہ فلسطین کے صدر منتخب ہونے پر مغرب نے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ روڈ میپ پلان پر عملدرآمد کی خواہش لئے بش عہدہ صدارت سے رخصت ہو گئے اور اب محمود عباس نے بھی امن مذاکرات ناکام ہونے کا اعلان واضح طور پر کر دیا ہے۔ لیکن پھر بھی ابھی امید کی کوئی رمق محمود عباس کے دل میں ہے کہ ہو سکتا ہے ان کا برسوں سے التواء پذیر امن کا

منصوبہ شاید کامیاب ہو جائے۔ لیکن جب تک حماس کو مذاکرات کے عمل میں شریک نہیں کیا جاتا اور فلسطینی عوام کے جائز مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جاتا' تب تک مسئلہ فلسطین کا حل یا امن منصوبہ تکمیل نہیں پا سکتا۔

❖♦❖

اوباما کی جیت سے دنیا کا منظر بدلنے کی کوئی بھی توقع رکھنا کم فہمی کے علاوہ اور کیا ہے' کیونکہ اوباما اسی امریکی نظام کا حصہ ہے جو مسلم دشمن طاقتوں کے ہاتھ مضبوط کر رہا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ بش جس امن معاہدہ کو لے کر چلے تھے امریکی انتخابات کی وجہ سے وہ تعطل کا شکار ہو گیا۔ لیکن اگر وہ ہو بھی جاتا ہے یا دسمبر کے آخر تک طے پا بھی جاتا ہے' تب بھی اس میں فلسطینیوں کیلئے کوئی خوشخبری نہیں ہے۔ بش کے جانے کے بعد اب اوباما کو اسی نظام کو لے کر چلنا ہے۔ امریکہ کی ترجیحات میں اس وقت مسئلہ فلسطین کا حل ہے' مگر وہ اسے اسرائیلی شرائط پر حل کرنے کا خواہاں ہے۔ جس میں فلسطینیوں کیلئے پابندیوں سے بھرپور زندگی یا نیم آزادی یا نیم خودمختاری کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ امریکی رائے دہندگان کا سینیٹر باراک اوباما کو بھاری اکثریت سے کامیابی دلانا تبدیلی کے نعرے کی وجہ سے تھا۔ اوباما کی بھاری اکثریت سے کامیابی اس بات کی دلیل تھی کہ صدر بش کی خارجہ پالیسی سے امریکی نالاں تھے اور بنیادی نوعیت کی تبدیلی کے متمنی تھے۔ صدر بش کی اسرائیل اور فلسطینیوں کے مابین سمجھوتہ کی امید کو اب اوباما لے کر چلیں گے۔ باراک اوباما کو مشرق وسطیٰ کے سلسلے میں اپنے اقدامات سے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ بطور صدر کس حد تک مشرق وسطیٰ میں قیام امن کیلئے مداخلت کر سکتے ہیں۔

ایہود اولمرٹ کے استعفیٰ کے بعد زپی لیونی جو کہ اسرائیل کی وزیر خارجہ بھی ہیں' کو حکومت بنانے کی دعوت دی گئی تھی۔ زپی لیونی نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے اپنی ہم جماعت پارٹیوں سے اتحاد کی کوشش کی تھی مگر اس میں انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا' جس پر انہوں نے انتخابات کی سفارش کی۔ اسرائیل میں انتخابات کے نتائج سے بھی پتہ چلے گا کہ نئی حکومت کا مشرق وسطیٰ کے سلسلے میں کیا کردار ہوتا ہے۔ پھر مسئلہ فلسطین کے حل کے تعین کا اندازہ بھی ہو سکے گا کہ کیا ایسی حکومت وجود میں آتی ہے جو ''کچھ لو کچھ دو'' کی بنیاد پر مسئلے کو حل کر سکے۔

اوباما کو اس وقت جو چیلنجز درپیش ہیں' مسئلہ فلسطین یا مشرق وسطیٰ کا مسئلہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ سعودی عرب نے اسرائیلی صدر شمعون پیریز کو مشرق وسطیٰ امن تجاویز پیش کی تھیں۔ اب ان تجاویز کو سعودی بادشاہ عبداللہ نے مذہبی رواداری پر اقوام متحدہ کے تحت ایک کانفرنس کے اجلاس میں باقاعدہ طور پر پیش کیا ہے۔ اسرائیل بھی اس کانفرنس میں شریک تھا' سعودی عرب کی

تجاویز پر اسرائیلی صدر شمعون پیریز نے ان کا خیر مقدم تو کیا ہے' مگر یہ خیر مقدم زبانی کلامی حد تک ہے یا عملی طور پر بھی کچھ کیا جائے گا' اس کا پتہ تو اسرائیل کے مستقبل کے رویوں سے لگ سکے گا۔

اگر ان تجاویز کو مان لیا جاتا ہے تو اسرائیل کو قبول کرنے کی بھی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ شمعون پیریز کا کہنا تھا کہ '' شاہ کی تجاویز نے مشرق وسطیٰ کی اب تک کی پالیسیوں کو بالکل تبدیل کر دیا ہے۔ ابھی حالیہ دنوں تک باضابطہ عرب مؤقف میں صرف تین انکار تھے کہ نہ تو اسرائیل کو تسلیم کیا جائے گا' نہ کوئی مذاکرات اور نہ ہی اسرائیل کے ساتھ کوئی امن ہوگا۔ لیکن آج ان تین نکات میں لچکدار رویہ سے ہٹ کر ہم نے ایک بالکل مختلف اور دوستانہ بات سنی ہے جو قابل فہم ہے اور یہ احساس دلاتی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جامع امن کے قیام کا وقت آ گیا ہے۔''

سعودی تجاویز آج کی بات نہیں ہے، چھ برس قبل بھی سعودی عرب نے یہ تجاویز پیش کی تھیں جن میں بنیادی تجویز یہی تھی کہ 1963ء سے اسرائیل کے قبضے میں موجود علاقوں کو خالی کر دینے کے عوض عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کر سکتے ہیں۔

بش انتظامیہ جس امن سمجھوتہ کو لے کر چل رہی تھی' وہ عربوں یا فلسطینیوں کیلئے کسی طور بھی قابل قبول نہیں تھا۔ اب اوباما کے اقتدار میں آنے سے تو یہ مسئلہ بالکل مؤخر ہو گیا ہے۔ اس کا باقاعدہ اعلان بھی بش نے کر دیا تھا' اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں بش نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ مشرق وسطیٰ امن سمجھوتہ رواں سال طے نہیں پا سکتا' حالانکہ سابق صدر بش نے سارا سال راگ الاپا کہ ان کے دور اقتدار کے خاتمہ سے قبل اسرائیلی اور فلسطینی قیادت مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے سمجھوتے پر رضامند ہو جائے گی۔ بش چاہتے تھے کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کے حل کا کریڈٹ ان کو ملے۔ اس مقصد کیلئے کنڈولیزا رائس نے بھی متعدد بار مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا تھا اور فریقین کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ خود بش نے بھی مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں دونوں فریقوں کے درمیان مختلف جگہوں پر مذاکرات کا انعقاد بھی ہوا مگر سب لاحاصل رہا۔ اسرائیل اور امریکہ نے مذاکرات اور مصالحت کیلئے الفتح کو فوقیت دی جبکہ دیگر دھڑوں خاص طور پر حماس کو نظر انداز کیا گیا۔ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جب تک حماس کو نظر انداز کیا جائے گا تب تک فلسطین میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ پیرس میں بحیرہ روم کے ساحلی ممالک اور یورپی یونین کے سربراہی اجلاس میں بھی اسرائیل اور فلسطین میں معاہدہ امن طے پا جانے کی توقع تھی' مگر دونوں فریقین معاہدے پر متفق نہیں ہوئے۔ اس اجلاس میں یہودیوں کی ریاست کی تجویز پر بھی اختلاف ہوا' فلسطینی وزیر خارجہ ریاض المالکی نے کہا تھا کہ یہودیوں کی ریاست کے الفاظ کی تجویز کو وہ یکسر مسترد کرتے ہیں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اسے تسلیم کر لیں۔

اختلاف رونما ہونے پر برنارڈ کوشنز نے کہا تھا کہ اسرائیل کیلئے قومی اور جمہوری ریاست کے الفاظ استعمال کرنے میں مشکلات درپیش تھیں۔ اس سے اپنا علاقہ چھوڑ کر جانے والے فلسطینیوں کی واپسی میں مشکلات پیدا ہوں گی اور اسے یہودی یا غیر یہودی ریاست کہلانے میں بھی۔ اس لئے بحیرہ روم کے ممالک کیلئے بنائی گئی تنظیم ''یونین فار دی میڈیٹرینین'' کے بنیادی مسودے میں تبدیلی لانی ہوگی۔

ایہود اولمرٹ نے بھی اپنے دور اقتدار میں فلسطینیوں کے ساتھ معاہدے کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ ان کا ملک فلسطینیوں کے ساتھ معاہدے کے اتنا قریب پہلے کبھی نہیں تھا، جتنا اب ہے' جبکہ محمود عباس نے کہا تھا کہ ہمارے پاس اور کوئی نعم البدل نہیں سوائے امن کے حصول کے۔ یہ تنظیم یونین فار دی میڈیٹرینین 45 ممالک کے رہنماؤں نے مل کر بنائی تھی اور اس نئی تنظیم کی اہم ترین ترجیحات میں مشرق وسطیٰ کا تنازع حل کرنا شامل ہے۔ اس تنظیم سے خطاب کرتے ہوئے فرانس کے صدر سرکوزی نے کہا تھا کہ مشرق وسطیٰ کے ممالک کو اپنے اختلافات اسی طرح ختم کرنے چاہئیں' جیسے بیسویں صدی میں یورپ نے کئے تھے۔

مسئلہ فلسطین کے حل میں دونوں فریقوں کے علاوہ فلسطینی آزادی پسند تنظیموں کے بھی آپس میں اختلافات ہیں۔ گزشتہ برس کے پرتشدد واقعات کے بعد غرب اردن پر فتح کا کنٹرول ہے جبکہ غزہ میں حماس کی حکمرانی ہے۔ عرب ممالک جہاں اسرائیل اور فلسطین میں مصالحت چاہ رہے ہیں اور اس وجہ سے انہوں نے اپنے رویہ میں خاصی لچک بھی پیدا کر لی ہے۔ وہاں عرب ممالک کی یہ بھی کوشش ہے کہ فلسطین کے دونوں فریقوں کے درمیان بھی اتحاد کروایا جائے۔

مصر دونوں فریقوں کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی تجویز ہے کہ دونوں دھڑے مل کر ایک فوجی حکومت تشکیل دیں۔ اب جون 2007ء کے بعد دونوں متحارب جماعتوں کے درمیان پہلی مرتبہ مصالحتی مذاکرات ہونے کی توقع تھی' مگر قاہرہ میں شروع ہونے والے ان مصالحتی مذاکرات میں حماس نے شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کیلئے فتح پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے' کیونکہ اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور ان سیاسی قیدیوں کو رہا نہیں کیا جنہیں اس نے غرب اردن میں قید کر رکھا ہے۔ دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے کنٹرول والے علاقوں میں اپنے سیاسی مخالفین کو جیلوں میں ڈال کر خاموش کیا ہے۔ دونوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ ان کے آپسی جھگڑے سے فلسطینی جدوجہد کو بہت نقصان پہنچا ہے' لیکن اس اعتراف کے باوجود بھی مصالحت کیلئے دونوں نے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا۔ حماس سے بات چیت سے انکار کا آغاز الفتح کی جانب سے ہوا تھا' جب محمود عباس نے کہا تھا کہ جب تک حماس غزہ کا

قبضہ نہیں چھوڑتی اس سے بات چیت نہیں کی جائے گی۔ ماضی میں بھی عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب اور یمن نے فتح اور حماس کے درمیان سمجھوتہ کرنے کی کوششیں کی تھیں مگر ناکام رہے۔ اگر دونوں جماعتوں کے درمیان یہ مذاکرات ہوجاتے تو قومی حکومت کے قیام' سکیورٹی سروسز میں اصلاحات اور صدارتی اور پارلیمانی انتخابات کی مجوزہ تاریخوں پر تبادلہ خیال کی راہ میں ایک اہم قدم ثابت ہوتے۔ مگر اس کیلئے ضروری ہے کہ الفتح اسرائیل کے ہتھے چڑھنے کے بجائے حماس کے ساتھ حقیقی مفاہمت کی طرف قدم بڑھائے اور اس نے حماس کے جن مجاہدین کو قید کیا ہے انہیں وعدے کے مطابق رہا کرے۔ اسرائیل سے امن سمجھوتہ بھی دونوں فریقین کی مرضی سے طے پانا چاہئے۔ اب غزہ میں ناکہ بندی کی صورتحال پر اقوام متحدہ نے اسرائیل کے اس اقدام کو شرمناک اور ناقابل قبول تو قرار دیا ہے' مگر بان کی مون سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ نے غزہ میں حالات کو تکلیف دہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ حماس اور تمام فلسطینی قوم کو چاہئے کہ مصر کی امن کیلئے کوششوں کا مثبت جواب دیں' لیکن اقوام متحدہ اور یورپی اداروں کو چاہئے کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے اسرائیل کو سمجھائیں کہ اگر وہ چاہتا ہے کہ ایک یہودی ریاست کے وجود کو تسلیم کرلیا جائے تو اس کیلئے اسے امن پر مبنی فضا کو قائم کرنا ہوگا۔ مگر اسرائیل امن کے بارے میں ہرگز سنجیدہ نہیں ہے اگر وہ سنجیدہ ہوتا تو دوبارہ غزہ کی ناکہ بندی نہ کرتا۔ معصوم اور مظلوم فلسطینیوں کی زندگی اجیرن کرکے وہ کون سے امن کی نوید کا نعرہ لگا رہا ہے۔ اسرائیل اور امریکہ امن کے پیامبر ہو ہی نہیں سکتے' بش جائے یا اوباما آئے، کیا فرق پڑتا ہے؟ اسرائیل کو اوباما کے آنے سے بش سے کہیں زیادہ فائدہ پہنچے گا' کیونکہ اوباما اسرائیل کا بااعتماد دوست ہے اور اس کا ثبوت اس کی جیت میں امریکی یہودیوں کے ووٹوں کی اکثریت سے ہوتا ہے اور اوباما کے بیانات اور اقدامات بھی اسرائیل کی دوستی کا کھلا ثبوت ہیں۔

❖◆❖

اقوام متحدہ' انسانی حقوق کی تنظیموں اور عالمی اداروں کو غزہ میں جنم لینے انسانی المیہ دکھائی نہیں دے رہا جبکہ انسانیت کی خدمت' فلاح بہبود اور ان کے حقوق کیلئے کام کرنے کا دعویٰ وہ زور وشور سے بلند کرتے ہیں۔ عالمی ادارے باخبر ہیں کہ غزہ میں انسانی المیہ جنم لے رہا ہے اور اسرائیل فلسطینیوں کی نسل کشی کررہا ہے۔ اسرائیل حماس کو اپنے دباؤ میں لانے کیلئے غزہ میں توانائی' غذا اور اشیائے ضروریہ کا بحران پیدا کررہا ہے۔ اسرائیلی ذرائع ابلاغ کے مطابق فلسطینی مزاحمتی جماعتوں کے پاس خطرناک میزائل موجود ہیں۔

فلسطینی مزاحمتی جماعتیں خصوصاً حماس اسرائیل کو بری طرح کھٹکتی ہے اور حماس کو کچل دینے

کی خواہش نے اسرائیل کو غزہ کا محاصرہ کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ اسرائیل اپنی مرضی کا امن سمجھوتہ یا مصالحتی فارمولا تشکیل دینا چاہتا ہے' اس کیلئے وہ حماس کو اپنے راستے سے ہٹادینا ضروری سمجھتا ہے۔ گزشتہ دنوں اس امر کا انکشاف بھی کیا گیا تھا کہ اسرائیل نے حماس کے تمام رہنماؤں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا تہیہ کررکھا ہے۔ اسرائیل کے ایک سینئر افسر نے گزشتہ دنوں واشگاف الفاظ میں کہا بھی تھا کہ حماس کے لیڈروں کو چن چن کر قتل کردینا چاہئے۔ یہ دراصل خواہش یا تمنا نہیں تھی بلکہ یہ وہ منصوبہ بندی تھی، جو اس سینئر افسر کے منہ سے اظہار نفرت کرتے ہوئے ابل پڑی۔ حماس کے گرد اپنا دائرہ کسنے کیلئے غزہ کی ناکہ بندی عظیم انسانی المیے کو جنم دے رہی ہے۔ عالمی امدادی ادارے' اقوام متحدہ' انسانی حقوق کے ادارے سب اس المناک حقیقت سے آگاہ ہیں اور عالمی خبر رساں اداروں اور امدادی کارروائیوں نے اس امر کی تصدیق بھی کی ہے کہ غزہ میں توانائی' پانی' گیس اور غذا کا بحران اپنی آخری حدوں کو پہنچ چکا ہے' جس کی وجہ سے ہسپتالوں میں ہلاک ہونے والے بچوں کی شرح تعداد روزانہ بڑھ رہی ہے۔ غزہ میں اسرائیل کی جانب سے تمام راستوں کی ناکہ بندی چھٹے ہفتے میں داخل ہوگئی ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ہزاروں افراد نے اسرائیل کی جانب سے غزہ کی پٹی پر مسلط معاشی ناکہ بندی کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے۔ فلسطینی مجاہدین کا بہانہ بنا کر اسرائیل نے غزہ پر خطرناک اسلحہ کی بھرمار کررکھی ہے۔ مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق اسرائیل نے اس کا الزام بھی مجاہدین کو دیا ہے اور کہا ہے کہ فلسطینیوں کے پاس دس ہزار میزائل موجود ہیں جو کہ اسرائیلی علاقوں میں 27 کلومیٹر اندر تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی اکثریت مقامی ساختہ میزائلوں پر مشتمل ہے۔

اگر اسرائیلی ذرائع ابلاغ کی ان رپورٹس کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر جھڑپوں کی صورت میں فلسطینیوں اور اسرائیل میں بھرپور مزاحمت کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

انسداد ناکہ بندی کمیٹی کے چیئرمین جمال حضری نے غزہ کی صورتحال کو انتہائی تشویشناک قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ناکہ بندی کے دوران غزہ میں بجلی تیار کرنے والے مقامی پاور اسٹیشن مکمل طور پر بند ہوچکے ہیں جبکہ شہر میں غذائی اجناس سمیت بنیادی ضروریات کی تمام اشیاء ناپید ہوگئی ہیں۔ ناکہ بندی کے باعث اقوام متحدہ کے امدادی قافلوں کو بھی غزہ میں داخلے کی اجازت نہیں دی جارہی جو کہ دانستہ طور پر ظلم ہے اور فلسطینیوں کی نسل کشی کا منصوبہ ہے مسجد اقصیٰ میں ہزاروں افراد نے اسرائیل کی جانب سے غزہ کی پٹی پر مسلط معاشی ناکہ بندی کو ظلم قرار دیتے ہوئے اسرائیل کے خلاف اور غزہ کے محصورین کے حق میں نعرے بازی کی اور اسرائیل کو دنیا کا سب سے بڑا جنگی مجرم قرار دیا۔ مکمل اسرائیلی ناکہ بندی نے غزہ میں انسانی حالات کو بدترین بنا دیا

ہے۔غزہ کے لوگ ہر چیز کیلئے گھنٹوں قطار میں کھڑے رہتے ہیں۔لوگ روٹی کیلئے 2 یا 3 گھنٹوں تک قطاروں میں کھڑے رہتے ہیں لیکن کبھی گیس ہوتی ہے نہ آٹا' نتیجتاً روٹی بھی نہیں مل سکتی۔50 فیصد شہریوں کو کئی روز سے پینے کا پانی بھی نہیں ملا۔بچوں کو یہ سمجھانا مشکل ہے کہ غذا یا بجلی نہ ہونے میں ان کے والدین کا کوئی قصور نہیں اور نہ ہی یہ معاملات ان کے بس میں ہیں۔جون 2007ء کے بعد سے اسرائیل نے محض بنیادی امدادی اشیاء غزہ میں لے جانے کی اجازت دی تھی' مگر اب غزہ کے مکین ان بنیادی اجزائی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔اسرائیل اور حماس کے درمیان معاہدے سے لوگوں میں کچھ امید پیدا ہوئی تھی کہ اسرائیل کی پالیسی بدل جائے گی۔اسرائیل نے اس وقت وقتی طور پر امداد کی مقدار میں اضافہ کیا تھا لیکن لوگوں اور اشیاء کی نقل وحمل پر عائد سخت پابندیوں کو برقرار رکھا تھا۔مگر اب حماس کے ساتھ دوبارہ تلخی آ جانے سے صورتحال یکسر بدل کر رہ گئی ہے۔اسرائیلی فوج نے غزہ میں کارروائیاں اور راکٹ حملوں کا دوبارہ آغاز کر دیا ہے۔اب غزہ کی سنگین صورتحال غزہ کے باشندوں پر عتاب بن کر ٹوٹ رہی ہے۔تیل کی کمی کی وجہ سے غزہ شہر میں بجلی نہیں ہے' جس کی وجہ سے پانی کے پمپ کام کر رہے ہیں اور نہ ہی نکاسی آب کا نظام چل رہا ہے۔اسرائیل امدادی کارکنوں اور صحافیوں کو بھی غزہ میں نہیں داخل ہونے دے رہا۔غزہ میں پانی کے محکمے کے سربراہ کے مطابق شہر کے 50 فیصد لوگوں کے گھروں پر پانی نہیں دیا گیا۔لوگ پوچھتے ہیں کہ پانی کب ملے گا' لیکن انہیں کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔نکاسی آب کے نظام کو روک دیا گیا ہے۔

غزہ کی سنگین صورتحال کے باعث لوگوں کا کہنا ہے کہ شہری حملوں کے ذمہ دار ہیں اور نہ حماس یا الفتح سے اسرائیل کے معاہدات کے تو پھر سزا سب کو کیوں مل رہی ہے؟ اس صورتحال کے بچوں پر دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔موجودہ صورتحال کی وضاحت بچوں پر کس طرح کی جائے گی؟ لوگوں کے مختلف خیال ہیں کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ حماس ناکہ بندی کو بہانہ بنا کر خود کو مواخذے سے آزاد سمجھتے ہوئے' من مانی کر کے کام بگاڑ رہی ہے جبکہ کچھ لوگ الفتح کی خاموشی اور اسرائیل کے سامنے سر جھکانے کی پالیسی کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔اسرائیل نے غزہ کے معاملے میں اتنا سخت اور سنگدلانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے کہ اسرائیلی حکام نے اقوام متحدہ کے دباؤ کو بھی بری طرح جھٹک دیا ہے اور غزہ کی ناکہ بندی ختم کرنے' انسانی استعمال کی ضروری' طبی' غذائی اور امدادی اشیاء کی آمدورفت کو مکمل طور پر روک دیا ہے۔اسرائیلی حکام اس کا جواز یہ پیش کر رہے ہیں کہ جب تک غزہ سے حماس کا تسلط ختم نہیں کیا جاتا اور وہاں سے اسرائیلی سرزمین پر راکٹ بازی کا عمل مکمل طور پر ختم کرنے کیلئے یقین دہانی نہیں کرائی جاتی' غزہ کی ناکہ بندی جاری

رہے گی۔اسرائیل نے ایک تو غزہ کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔دوسری اس نے عالمی صحافیوں کو غزہ کے معاملات کی کوریج سے روکنے کیلئے ان کی آمدورفت پر بھی پابندی عائد کر رکھی ہے۔اسرائیل کے اس نئے حکم نامے کو اسرائیلی اور عالمی صحافیوں نے رد کر دیا ہے اور اسرائیل کی عدالت عظمیٰ سے بھی رجوع کیا ہے اور اسرائیلی فارن پریس ایسوسی ایشن نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ عالمی صحافیوں کو غزہ کی انسانی صورتحال پر رپورٹنگ کرنے سے نہ روکا جائے۔

اسرائیل نے صحافیوں یا میڈیا پر اس لئے پابندی عائد کی ہے کہ صحافیوں نے غزہ کے انسانی المیے کی صورتحال اور وہاں آباد فلسطینیوں کی حالت زار کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے' جس سے اسرائیلی حکام چراغ پا ہو گئے ہیں اور انہوں نے صحافیوں کو باقاعدہ ایک حکم نامے کے تحت غزہ میں آنے سے روک دیا ہے۔اسرائیل کے اس اقدام کی عالمی صحافتی اداروں' بی بی سی' نیویارک ٹائمز اور سی این این سمیت کئی اداروں نے مذمت کی ہے۔غزہ کے علاقے میں قریباً پندرہ لاکھ افراد رہائش پذیر ہیں اور بجلی گھر سے پانچ لاکھ افراد کو بجلی مہیا کی جاتی ہے جبکہ دیگر دس لاکھ افراد کیلئے بجلی اسرائیل سے براہ راست آتی ہے۔

فلسطینی انجینئرز نے اس سپلائی پر زیادہ لوڈ نہ ڈالنے کیلئے غزہ شہر میں مرحلہ وار بلیک آؤٹ کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا تاہم گرڈ نظام نہ ہونے کی وجہ سے یہ ممکن نہ تھا کہ بجلی' ہسپتالوں اور نکاسی آب کے نظام کی جانب منتقل کی جا سکے۔

اسرائیل غزہ کو حماس کا گڑھ قرار دیتا ہے۔حماس کا سیاسی قوت کے طور پر فلسطین کے سیاسی نقشے پر ابھرنا کسی تنازعے سے کم نہیں ہے۔امریکہ' یورپی یونین اور اسرائیل حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دیتے ہیں۔حماس فلسطین کی سب سے بڑی اسلامی مزاحمتی تحریک ہے۔اس کی بنیاد غزہ اور غرب اردن میں اسرائیلی قبضے کے خلاف 1987ء میں رکھی گئی۔حماس کا سب سے اہم مقصد اسرائیلی فوج کو فلسطین کی سرزمین سے باہر کرنا ہے وہ اسرائیلی فوج اور یہودی آبادکاروں پر حملے کرتے رہتے ہیں' مگر یہ حملے اسرائیلی مظالم کا ہی ردعمل ہیں لیکن اسرائیل یہ کیسے برداشت کرے' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ صرف ظلم کرے اور اس کا کوئی جواب یا ردعمل سامنے نہ آئے۔حماس کی فلسطین کیلئے جدوجہد' مزاحمتی تحریک اور اس کا ردعمل اسرائیل کو پوری طرح کھٹکتا ہے' غزہ سے اسرائیلی آبادکاروں اور فوجی دستوں کا انخلا حماس کی پالیسی کی فتح ہے۔حماس کے طویل المدتی مقاصد میں اسلامی ریاست کے طور پر فلسطین کا قیام ہے۔یاسر عرفات کے انتقال کے بعد حماس نے مقامی سطح پر ہونے والے انتخابات میں حصہ لیا اور غزہ' قلقیلیا اور نابلس کے علاقوں میں متعدد نشستوں پر کامیابی حاصل کی لیکن اس کی سب سے بڑی فتح 2006ء کے انتخابات میں واضح

کامیابی تھی۔ دسمبر 2002ء میں حماس کی 15 ویں سالگرہ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے تنظیم کے مرحوم رہنما شیخ احمد یاسین نے 2025ء تک اسرائیل کے صفحہ ہستی سے ختم ہو جانے کی پیش گوئی کی تھی' 2004ء میں احمد یاسین اور ان کے جانشین عبدالعزیز رنتیسی کو قتل کر دیا گیا۔ حماس انتظامی طور پر دو بنیادی گروہوں میں منقسم ہے۔ پہلا معاشرتی امور جس میں سکول' ہسپتال اور مذہبی اداروں کی تعمیر اور دوسرا شدت پسند آپریشن، جو کہ فلسطین کی زیر زمین ''ازیدان القاسمہ بریگیڈ'' سرانجام دیتی ہے' کہا جاتا ہے کہ حماس کی ایک شاخ اردن میں بھی تھی۔ اردن نے اس تنظیم کا ہیڈکوارٹر بند کر دیا اور حماس کے سینئر رہنما قطر جلاوطن کر دیئے گئے۔ حماس امریکی اور اسرائیلی پشت پناہی کے معاہدوں کا شدید مخالف ہے۔ اس نے اوسلو معاہدے کی مخالفت بھی کی تھی۔ 1995ء میں حماس کے ایک بم بنانے والے کارکن یحییٰ عش کو اسرائیل نے قتل کر دیا۔ اسرائیل حماس کو راکٹ حملوں اور خود حملوں سے باز رکھنے کیلئے دباؤ ڈالتا ہے' جبکہ حماس اسرائیل کے اس دعویٰ کو جھٹلاتی ہے اور اس کا جواب وہ اس طرح سے دیتی ہے کہ اسرائیل کی فوج فلسطینی علاقوں میں فلسطینی شہریوں کی موت کی ذمہ دار ہے۔

بش کا امن منصوبہ ناکام ہو جانے کے بعد حالیہ 7 نومبر 2008ء میں ماسکو میں اسرائیلی فلسطینی امن مذاکرات کا سلسلہ آگے بڑھایا گیا۔ امن مذاکرات بھی صرف فلسطین کے ایک دھڑے الفتح کے ساتھ مل کر کئے جاتے رہے جبکہ حماس کو بری طرح نظرانداز کیا گیا۔ حماس کے ساتھ اب بھی ماضی والا سلوک دہرایا جا رہا ہے۔ دونوں فریقین میں اختلاف یروشلم کا مستقبل' فلسطینی ریاست کی سرحدیں اور فلسطینی پناہ گزینوں کا مستقبل شامل ہے۔

مذاکرات میں آنے والی رکاوٹوں میں سے حماس اور الفتح کے درمیان اختلافات بھی ہیں۔ حماس نے الفتح کو غزہ سے نکال باہر کیا اور الفتح کا غرب اردن کنارے پر پہلے ہی قبضہ ہے۔ الفتح کے حماس کے سینکڑوں کارکنوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔ حماس کے بہت سے کارکن اسرائیل کی قید میں بھی ہیں۔ رواں سال اسرائیل نے الفتح کے تو بہت سے قید ارکان کو رہا کیا جبکہ حماس کے کارکنوں کو بدستور قید میں رکھا ہوا ہے۔ اسرائیل اور حماس کے درمیان تصفیہ ہوئے بغیر مذاکرات کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسرائیل' امریکہ اور یورپی یونین کے خیال میں حماس ایک دہشت گرد گروپ ہے اور اس سے مذاکرات نہیں کئے جا سکتے۔

اسلامی مزاحمتی تنظیم حماس کی وجہ سے غزہ کو مسلسل نشانہ بنایا جا رہا ہے اور غزہ کو نشانہ بنائے جانے پر الفتح کی جانب سے اسرائیلی اقدامات کی مزاحمت کرنا تو درکنار' مذمت تک نہیں کر رہی ہے۔ الفتح کا یہ رویہ سراسر مجرمانہ ہے۔ کیا غزہ کے یہ باشندے اس کے بہن بھائی نہیں؟ الفتح کے

علاقوں میں اشیائے خورد و نوش کی کمیابی ہونے نہیں دی جا رہی ہے۔ اگر غزہ میں رونما انسانی المیہ کی طرف توجہ نہ دی گئی تو یہ ایک ناقابل فراموش سانحہ بن جائے گا۔ ادویات کی قلت کے باعث اموات کی شرح میں اضافہ ہو چکا ہے۔ غزہ میں انسانی جانیں بچانے والی ادویات اور خوراک کی فراہمی کی قلت نے غزہ کے باشندوں کو موت سے قریب تر کر دیا ہے۔ غزہ کے بحران کے حوالے سے المیہ یہ ہے کہ اسرائیل پر عرب ممالک کی طرف سے دباؤ نہیں ہے اور نہ ہی دیگر مسلم ممالک اسرائیل کی مذمت کر رہے ہیں۔ اسرائیلی فوج کے غزہ کے محاصرے کے معاملے کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی جا رہی۔ اعلیٰ اسرائیلی قیادت اسی لئے بڑے دھڑلے سے کہہ رہی ہے کہ وہ غزہ کا محاصرہ ختم نہیں کریں گے۔ حماس کو ہر قیمت پر شکست اور اسرائیل کی بالادستی کو قبول کرنا ہوگا۔ حماس کو جھکانے کیلئے اسرائیل نے غزہ کے معصوم لوگوں کو محصور کر رکھا ہے صرف اتنا ہی نہیں وہ تو حماس کے خاتمے کیلئے حماس کے رہنماؤں کو بھی ختم کرنے کی منصوبہ بندی کئے بیٹھا ہے بلکہ اس پر عمل بھی کر رہا ہے۔ حماس کے رہنماؤں اور مزاحمتی تحریکوں کے رہنماؤں کا قتل اس کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ غزہ میں روٹیاں پکانے کیلئے نہ گندم ہے اور نہ پسا ہوا آٹا جبکہ ایندھن کی بھی انتہائی قلت ہے' ضروریات زندگی کی قلت نے شہریوں پر عذاب توڑ رکھا ہے۔ رات کو گھپ اندھیروں کے راج نے غزہ جیسے عالمی شہر کو اندھا شہر بنا دیا ہے۔ سکول اور کالجز کی بندش نے تعلیم کو' بھوک اور پیاس نے تربیت کو منجمد کر دیا ہے۔ لیبیا کی حکومت کی جانب سے اشیائے ضروریہ اور دواؤں سے بھرا جہاز ان کیلئے نعمت مترکبہ ہے' مگر اقوام متحدہ یا عالمی اداروں کی امداد اور کسی بھی دوسرے ملک کی امداد جب تک ان کو نہیں ملے گی، وہ بدستور اسی اذیت اور تکلیف میں زندگی گزارتے رہیں گے۔

اسرائیل اور فلسطین میں یروشلم کا مستقبل، فلسطینی ریاست کی سرحدیں اور فلسطینی پناہ گزینوں کا مستقبل متنازعہ امور ہیں' جنگ بندی نہ ہونے کی صورت میں نتیجہ غزہ اور اس کے نزدیک اسرائیلی قصبوں کیلئے بھی تباہ کن ہو سکتا ہے۔ صہیونی جارحیت رکنے کا نام نہیں لے رہی۔ غزہ کی سنگین صورتحال اور شہریوں کی حالت زار اسرائیل اور فلسطینی عسکری تنظیموں کے درمیان جنگ کو ہوا دے سکتی ہے۔ اس سے عرب ممالک کی طرف سے اسرائیل کیلئے پیدا شدہ لچک کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور وہ صہیونی مملکت جو کہ فلسطینیوں کو ختم کرنے کے درپے ہے، اس صہیونی مملکت کے تسلیم کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اسرائیل کو غزہ کے باشندوں کو حماس کے رہنماؤں کی تحریک آزادی کی سزا نہیں دینی چاہئے۔ حماس کی طرف سے راکٹ حملے بلاضرورت نہیں کئے جاتے۔ اسرائیل کے زمینی اور فضائی حملوں کیلئے حماس کے پاس جوابی

راکٹ حملے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا ہے؟ اگر اسرائیل ان حملوں کو روکنے کا خواہشمند ہے تو اسے اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔

❖◆❖

اسرائیل بھی امریکہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اب دھمکیوں پر اتر آیا ہے۔ جبر اور دھونس کی پالیسی تو پہلے ہی صہیونی ریاست کا وطیرہ ہے، جسے وہ مظلوم فلسطینیوں پر روا رکھے ہوئے ہے مگر اب وہ اسرائیل کی مذمت کرنے والوں کو بھی قتل کرنے سے کم کی بات نہیں کرتا۔ جنرل اسمبلی کے صدر کو جان سے مارنے اور حماس قیادت کے سر قلم کرنے کی دھمکیاں' اسرائیل جیسی ریاست کو دہشت گرد ریاست قرار دینے کیلئے کافی ہیں مگر کون اسے دہشت گرد ریاست قرار دے گا' کیونکہ امریکہ' مغربی طاقتیں اور اسرائیل ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ یہ سب دہشت گرد عناصر ہیں جو کہ مسلمانوں کو اس صفحۂ ہستی پر کسی طور برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں اور نہ ہی وہ مسلمانوں کی حمایت کرنے والوں کے مؤقف کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم کر پا رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر میگوئل ڈسکوٹو بروک مین نے حال ہی میں فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی مظالم کی سخت مذمت کی تھی اور اسے جنوبی افریقہ کی سابق حکومت کی نسل پرست کارروائیوں سے تعبیر کیا تھا۔ ترجمان کے مطابق ان کے بیان کے بعد جنرل اسمبلی کے صدر کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں' کیونکہ انہوں نے امریکہ اور اسرائیل کی پالیسیوں کی مذمت کی تھی۔

صدر جنرل اسمبلی بروک مین نکارا گوا کے وزیر خارجہ اور رومن کیتھولک پادری بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اسرائیلی دھمکیوں کے باوجود دنیا میں امن اور انصاف کے نصب العین کیلئے اپنا کردار جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ اسرائیل نے سچ کی نمائندگی کرنے والوں کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ صرف یہی نہیں' اسرائیل نے اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندہ برائے انسانی حقوق کو حراست میں رکھنے کے بعد ملک سے نکال دیا ہے۔ رچرڈ فالک فلسطینی علاقوں میں انسانی حقوق کی صورتحال کی نگرانی اور رپورٹنگ کیلئے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہودی ہونے کے باوجود اسرائیل نے ان کو ملک سے نکال دیا' کیونکہ انہوں نے غزہ کی پٹی میں اسرائیل کی طرف سے انسانیت کے خلاف جرائم کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ اسرائیلی حکام نے انہیں تل ابیب ایئرپورٹ پر حراست میں لیا اور 20 گھنٹے حراست میں رکھنے کے بعد ملک سے نکال دیا۔ ان کو ملک سے نکالنے کے بارے میں اقوام متحدہ کو پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔

یہ ہے اس عالمی ادارے کا حال جو کہ دنیا میں امن اور انصاف کا پیامبر ہے۔ اسرائیل کا رویہ اب اس قدر دہشت گردانہ ہوگیا ہے کہ وہ برملا اور کھلے الفاظ میں حماس کی قیادت کے سر قلم

کرنے کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔ اسرائیلی وزیر مواصلات شاؤل موفاز نے کہا کہ غزہ سے حماس کی قیادت کو بھاگنے نہیں دیا جائے گا۔ انہوں نے تو صاف صاف کہا کہ وہ حماس کی چوٹی کی قیادت کی ٹارگٹ کلنگ کے ہی حامی نہیں بلکہ اس کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

حماس اور اسرائیل کے درمیان چھ ماہ سے جاری جنگ بندی بھی ختم ہو چکی ہے۔ اس جنگ بندی کے خاتمے سے قبل ہی اسرائیل نے غزہ کی ناکہ بندی اور حماس کے گرد گھیرا تنگ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بندی کی مدت کا انتظار کئے بغیر اس نے غزہ کے باشندوں کو محصور کر دیا اور حماس کے رہنماؤں کے قتل کی منصوبہ بندی کیلئے عملی قدم کا آغاز کر دیا۔ حماس کے عسکری ونگ عزالدین القسام بریگیڈ کے مطابق اسرائیل اور حماس کے درمیان چھ ماہ سے جاری جنگ بندی ختم ہوگئی اور اس میں توسیع نہیں کی جائے گی۔ حماس اسرائیل سے جنگ بندی میں توسیع نہیں چاہتا' کیونکہ جنگ بندی معاہدہ طے پا جانے کے باوجود اسرائیل نے ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فلسطینیوں کے خلاف مظالم کو جاری رکھا اور انہیں نشانہ بنانے میں کسر نہیں چھوڑی۔ جنگ بندی کا حربہ صرف حماس کو دفاعی یا جوابی حملوں سے روکنا تھا' پھر حماس پر مصالحت کی کوششیں کروانے والے فریقین کی جانب سے دباؤ تھا' جس کی وجہ سے حماس نے جنگ بندی معاہدے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ مگر جنگ بندی معاہدے کے باوجود بھی اسرائیل کے جارحانہ رویے نے اب پوری مسلم دنیا پر یہ باور کرا دیا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل اپنے آپ کو تمام معاہدات یا اصول وقوانین سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ عالمی برادری دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت کی کوشش میں ہے۔ روس نے حماس پر اسرائیل کے ساتھ جنگ بندی معاہدہ ختم کرنے کے فیصلے پر نظر ثانی کیلئے زور دیا ہے۔ مصر اور یورپی یونین نے دونوں فریقوں کو تحمل و برداشت کا مشورہ دیا ہے۔ مصری وزارت خارجہ کے ترجمان حسین ذکی نے اسرائیل کو کہا ہے کہ وہ غزہ کی ناکہ بندی ختم کر کے امداد کی ترسیل کی اجازت سے اور جنگ بندی معاہدہ میں توسیع کرے۔ یورپی یونین کے ترجمان نے کہا ہے کہ تحمل سے ہی مسئلہ کو سلجھایا جا سکتا ہے۔

اس وقت حماس اور اسرائیل دونوں میں حالات انتہائی کشیدہ جا رہے ہیں۔ ان کشیدہ حالات کو دیکھتے ہوئے برطانوی وزارت خارجہ نے بھی برطانوی باشندوں کو اسرائیل میں جائیداد نہ خریدنے کی ہدایت کی ہے۔ اسرائیل اس وقت اپنی جارحیت کو آزمانے کے موڈ میں ہے اور وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا۔ اقوام متحدہ اور کئی ممالک کی جانب سے یہودی بستیوں کو غیر قانونی قرار دیئے جانے کے باوجود بھی وہ ان کی تعمیر پر مصر ہے۔ ایک طرف وہ یہودی بستیوں کی ناجائز تعمیر کر رہا ہے' دوسری طرف وہ غزہ پر بڑا حملہ کرنے کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔ غزہ پر حملے کیلئے وہ

جواز حماس کے راکٹ حملوں کو قرار دیتا ہے مگر حماس نے ہمیشہ راکٹ حملے اپنے دفاع اور جوابی
کارروائی کے طور پر کئے ہیں۔ فلسطین کی آزادی حماس کا نعرہ اول اور قانونی و جائز مطالبہ ہے۔
اگر وہ اپنی ہی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ کرنے والوں کو نکال دینے یا فلسطینیوں کو ان کی مادر وطن میں
بسانے اور آزادی سے زندگی گزارنے کی اجازت دینے کے خواہش ہیں تو اس کیلئے انہیں دہشت
گرد کیسے کہا جا سکتا ہے۔ مگر امریکہ اور اسرائیل کی نظر میں اپنے وطن کیلئے آزادی کی جنگ لڑنے
والے دہشت گرد ہیں' چاہے وہ حماس ہے حزب اللہ یا کشمیری مجاہدین ہوں۔ اسرائیل وافر اور
خطرناک اسلحہ رکھنے کے باوجود بھی حماس کے راکٹ حملوں کو ناقابل برداشت قرار دیتا ہے اور
حماس کے راکٹ حملوں کو لے کر اس نے پوری دنیا میں واویلا مچا رکھا ہے۔ اسرائیلی حکام جنگ
بندی معاہدے کے خاتمے کے بعد غزہ پر بڑا حملہ ضروری قرار دے رہے ہیں۔ اسرائیلی انتظامیہ
کے تمام عہدیداران نائب وزیراعظم رامون اور وزیر دفاع موفاز اور فوجی افسران تک حماس
قیادت کے خاتمے اور غزہ پر حماس کا کنٹرول ختم کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ اسرائیل اور حماس
میں جنگ بندی کا اطلاق جون 2008ء سے مصر کی کوششوں سے شروع ہوا تھا۔ جنگ بندی میں
ایک دوسرے پر کارروائیوں کی روک تھام اور غزہ کی سرحد کو جزوی طور پر کھولنا شامل ہے۔
دوسرے مرحلے میں اسرائیلی فوجی گلادشالت کی رہائی اور مصر کے ساتھ دفاع کراسنگ کھولنا شامل
تھا۔ اسرائیل نے جنگ بندی کیلئے تین شرائط رکھی تھیں۔ ان شرائط میں 1۔ کارروائیوں کا مکمل
خاتمہ' 2۔ اسلحہ کی مصر سے غزہ سمگلنگ میں بندش اور 3۔ اسرائیلی فوجی گلادشالت کی رہائی میں
پیش رفت ہے۔

اسرائیل اگر جنگ بندی معاہدہ کے ساتھ مخلص ہوتا تو وہ امن پسندانہ رویہ اپناتا' لیکن اس
نے مزید تشدد اور جارحانہ پالیسی کا راستہ اختیار کیا۔ جنگ بندی معاہدے کے خاتمے کے بعد
اسرائیلی قائم مقام وزیراعظم ایہود اولمرٹ کا تندوتیز بیان سامنے آیا تھا' جس میں انہوں نے
شدت پسندوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کی حکومت جنگ میں جلدی نہیں کرے گی لیکن
جنگ سے بھاگے گی بھی نہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم کا یہ بیان اسرائیل کے عملی رویوں کی نشاندہی کر
رہا ہے' اسرائیل حماس کے ساتھ جنگ بندی میں جس عجلت میں ہے اس کا پتہ تو اسرائیل کی
انتظامیہ کے پے در پے بیانات سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ جلد از جلد حماس کا کنٹرول اپنے
ہاتھوں میں لے کر الفتح کو وہاں پر حاکم دیکھنا چاہتے ہیں۔ حماس کے خاتمے پر تمام اسرائیلی قیادت
متفق ہے' صرف موجودہ قیادت ہی نہیں بلکہ اسرائیل میں اگلے برس ہونے والے انتخابات کے
بعد وزارت عظمیٰ کے دو بڑے امیدواروں نے بھی اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ برسر اقتدار آنے کے

بعد وہ اسلامی گروپ حماس کے اقتدار کا خاتمہ کر دیں گے۔ حماس نے جنگ بندی کے خاتمے کیلئے
اسرائیل کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ اسرائیل حماس کی شرائط کو خاطر میں نہیں لایا' جن میں
رکاوٹوں کو ہٹانا اور پابندیوں کو نرم کرنا شامل ہے۔ اسرائیل جنگ بندی کیلئے حماس کو الزام تو دیتا
ہے مگر یہ بھی اس کا منافقانہ رویہ اور دوہری چال ہے' کیونکہ ایک طرف وہ حماس قیادت کا سر قلم
کرنے اور گلا کاٹنے کی باتیں کرتا ہو دوسری طرف وہ جنگ بندی کا بھی خواہاں ہو' یہ کیسے ممکن ہے؟
قدیم پارٹی سے تعلق رکھنے والی وزارت عظمیٰ کی امیدوار زپی لیونی نے تو کابینہ کے اجلاس کے بعد
باقاعدہ طور پر اعلان کیا کہ فروری میں ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں اگر وہ وزیراعظم بن
گئیں تو حماس کا تختہ الٹ دیں گی۔ ادھر لیونی کے بڑے حریف اور دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کے
سربراہ بنجمن نیتن یاہو نے کہا کہ اسرائیل کو ختم کرنے کیلئے تیار رہنے کی پالیسی اختیار کرنی چاہئے۔

مصر کی کوششوں سے طے پا جانے والے سمجھوتے پر 19 جون 2008ء سے عملدرآمد
شروع ہوا تھا مگر غزہ میں اسرائیل کی مسلح کارروائیوں کی وجہ سے جنگ بندی کے اس معاہدے کو
کئی مواقع پر سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

جنگ بندی معاہدے کے فوراً خاتمے کے بعد اسرائیل کا جنگی تیاریاں کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ
اس کیلئے تیار بیٹھا ہوا تھا' کیونکہ جنگ بندی اعلان کے خاتمے کے چند گھنٹے بعد ہی اسرائیلی فوجی
حکام نے مشقوں کے ساتھ ساتھ غزہ کی سرحد کے قریب تعینات فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ۔
اسرائیل کا غزہ کی ناکہ بندی کرنے کا مقصد ہی حماس کو تنہا کر دینا ہے' یہ وہ ہٹ دھرمی ہے' جس پر
اسرائیلی سچ کو جھٹلاتے ہوئے عمل پیرا ہیں۔ دسمبر میں ایک بار سلامتی کونسل میں آزاد فلسطینی
ریاست کے قیام کی قرارداد منظور کی گئی' جس میں کہا گیا کہ اسرائیل اور فلسطین میں قطعی مذاکرات
ہونے چاہئیں تاکہ دیرینہ تنازع کو حل کیا جا سکے۔ یہ سلامتی کونسل میں مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں
کوئی پہلی قرارداد نہیں۔ فلسطین کے اعلیٰ مذاکرات کار صائب ارکان نے اسی بات کو دہراتے
ہوئے کہا کہ اس سے قبل بھی کئی قراردادیں منظور کی گئیں' تاہم ان پر عمل نہ ہو سکا۔ انہوں نے عالمی
برادری کو اس قرارداد پر عملدرآمد کیلئے کہا۔ امریکہ اور روس کی جانب سے مشترکہ طور پر پیش کی گئی
اس قرارداد پر 14 ممالک نے حمایت میں دستخط کئے جبکہ مخالفت میں کوئی ووٹ نہیں پڑا' لیکن یہ وہ
قراردادیں ہیں جو نئی نہیں عالمی برادری مسئلہ فلسطین کا حل بھی چاہتی ہے' مگر یہودیوں کی منشا کے
مطابق جو کہ وہ فلسطینیوں اور ان کی تنظیموں پر ٹھونس دینا چاہتی ہیں۔ اسرائیل کا رویہ اب صرف
فلسطینیوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اب وہ فلسطینیوں کی حمایت کرنے والوں کے بھی خلاف ہو گئی
ہے' جس کا ثبوت اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے میگوئیل کو قتل کی دھمکیاں اور اقوام متحدہ کے خصوصی

نمائندہ برائے انسانی حقوق رچرڈ فالک کو ملک سے نکال دینا ہے۔

اسرائیلی حکام نے انہیں تل ابیب ایئرپورٹ پر حراست میں لیا اور 20 گھنٹے سے زائد وقت حراست میں رکھنے کے بعد ملک سے نکال دیا۔ سچ اسرائیل کو ہضم نہیں ہو پا رہا' کیونکہ انسانی حقوق کے ادارے اور اقوام متحدہ کی مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کے کردار کی غیر جانبدارانہ رپورٹنگ اسرائیل کیلئے قابل برداشت نہیں۔ اقوام متحدہ کے نامزد تفتیش کاروں کا کہنا ہے کہ غزہ میں اسرائیل کا رویہ نازیوں جیسا ہے۔ پروفیسر رچرڈ ٹالک نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ان کے خیال میں اسرائیل کی جتنی مذمت کی جانی چاہئے تھی' وہ اس سے بچنے میں کامیاب رہا ہے۔ پروفیسر رچرڈ فالک کے سچ پر مبنی بیانات اور تحقیقی رپورٹنگ پر اسرائیل نے اشتعال کا مظاہرہ کیا اور اس نے ان پر فلسطینیوں کا ساتھ دینے کا الزام لگایا۔

اتنا ہی نہیں' پروفیسر رچرڈ فالک نے واضح الفاظ میں کہا کہ وہ امریکیوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنا چاہتے ہیں جو کہ اسرائیل کے مظالم پر خاموش ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر چین نے تبت میں یا سوڈان نے دارفور میں (اسرائیل جیسے انداز میں) کارروائیاں کی ہوتیں تو ان کا نازیوں سے موازنہ کیا جاتا۔

پروفیسر فالک کا یہ سخت بیان اسرائیل کو خاصا ناگوار گزرا ہے' کیونکہ ان کا یہ بیان اقوام متحدہ کے تفتیش کار جان ڈوگارڈ کے خیالات سے بھی سخت ہے، جو اسرائیل کی کارروائیوں سے ناخوش رہے ہیں۔ پروفیسر فالک کے اس بیان سے اس امر کو تقویت ملتی ہے کہ اسرائیل فلسطینیوں پر نازیوں جیسے انداز میں ظلم ڈھا رہا ہے۔ امریکہ اور دیگر عالمی طاقتیں اس کے جرائم سے پردہ پوشی کر رہی ہیں' نہ صرف پردہ پوشی بلکہ اسرائیل کو کھلی شہ دی جا رہی ہے کہ وہ عسکری مجاہدین کا قلع قمع کردے جو کہ فلسطین یا لبنان میں اسرائیل کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔

اس وقت غزہ اسرائیل اور حماس کے درمیان لڑائی کا مرکز بنا ہوا ہے' اسرائیل حماس کے ممبران کے ٹھکانوں پر حملے کر رہا ہے اور حماس جواب میں اسرائیل کے علاقوں میں راکٹ حملے کر رہا ہے۔ اسرائیل نے غزہ کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ محصورین کی بنیادی انسانی ضروریات تک رسائی کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔

اسرائیل نے اپریل میں راکٹ حملے کرنے والے عسکریت پسند گروہ کے اہم کمانڈر ابوعلبہ کو ایک فضائی کارروائی میں ہلاک کر دیا تھا۔ شمالی غزہ کے علاقے بیت لیہہ میں کی جانے والی فضائی کارروائی کا نشانہ ابراہیم ابوعلبہ تھے جن کا تعلق ڈیموکریٹک فرنٹ فار لبریشن آف فلسطین سے تھا۔ ابوعلبہ نہ صرف اسرائیل پر حملوں میں ملوث تھے بلکہ وہ نئے حملوں کی منصوبہ بندی بھی کر

رہے تھے۔ اسرائیل نے جون میں جنگ بندی معاہدے طے کئے جانے کے بعد کچھ عرصہ تو صبر کئے رکھا' مگر اس عرصہ میں اس نے عسکریت پسندوں کے خاتمے کی منصوبہ بندی مکمل کر لی اور اب وہ حماس کے خاتمے کیلئے کمربستہ ہو گیا ہے۔

عسکریت پسند تنظیم حماس کو فلسطینی پارلیمان کے انتخابات میں برتری حاصل ہوئی۔ ممبران کی پارلیمان میں حماس نے 132 میں سے 76 جبکہ الفتح نے 43 نشستیں حاصل کیں' جس پر الفتح کے اس وقت کے وزیراعظم احمد قریع نے اپنا استعفیٰ محمود عباس کو پیش کیا تھا۔

غزہ میں ایک کروڑ پچاس لاکھ افراد اسرائیلی ناکہ بندی کا شکار ہیں۔ مغربی کنارے کی الفتح اور وہاں کے باسیوں پر تو اسرائیل مہربان ہے' کیونکہ وہ اسرائیل کے اشاروں پر چلنے اور اس کی ماتحتی میں مشروط آزادی سے زندگی گزارنے کو تیار ہیں' مگر حماس یا غزہ کے باسی اس قسم کی آزادی پر جانیں قربان کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ حماس کا یہی رویہ اسرائیل کو ناگوار گزرتا ہے' اسرائیل امریکہ اور یورپ حماس کو دہشت گرد تنظیم سمجھتے ہیں' جبکہ روس حماس کو اس لیبل سے آزاد قرار دیتا ہے۔ روس کے سابق صدر ولادی میر پیوٹن نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ''وہ مغرب اور اسرائیل کی طرح حماس کو دہشت گرد تنظیم نہیں سمجھتے' ہمیں فلسطینی عوام کے انتخاب کا احترام کرنا چاہئے۔ اس حقیقت کو ہمیں قبول کر لینا چاہئے کہ جائز انتخابات کے نتیجے میں حماس کو لوگوں نے ووٹ دے کر اقتدار تک پہنچایا ہے۔ ہمیں فلسطینی عوام کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے اور یہ اقوام عالم کے فائدے میں بھی ہے اور اسرائیل کے بھلے میں بھی۔''

روس امریکہ' اقوام متحدہ اور یورپی اتحاد چاروں کو مشرق وسطیٰ کوارٹیٹ کا نام دیا جا رہا ہے۔ روس کے حماس کو دہشت گرد تنظیم نہ قرار دینے کی بات پر اسرائیل خاصا برانگیختہ ہوا تھا اور اسرائیل کے حکام نے کہا تھا کہ روسی صدر کے بیان سے تو ایسا لگتا ہے کہ کوارٹیٹ کے تین رکن یعنی امریکہ یورپی اتحاد اور اقوام متحدہ کہیں اور جا رہے ہیں اور چوتھا رکن روس کسی اور طرف۔ اسرائیل اور امریکہ کے سامنے بولنے کی جرأت روس کو ہی ہو سکتی تھی ورنہ اقوام عالم سچائی اور دل کی بات کو چھپا کر اسرائیل اور امریکہ کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ جنگ بندی معاہدے سے انہیں نقصان ہوا ہے' مگر حماس نے تو پہلے ہی سے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ جنگ بندی معاہدے میں توسیع نہیں کرے گا۔ اسرائیلی وزارت دفاع کی جانب سے نومبر میں اعلان کیا گیا تھا کہ اسرائیلی ریاست پر میزائل حملے روکنے کی یقین دہانی پر وہ جنگ بندی میں توسیع پر راضی ہے اور اب اسرائیل حماس کے جنگ بندی معاہدے میں توسیع نہ کرنے کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دے رہا ہے۔ دسمبر میں غزہ میں فلسطینی مزاحمتی تنظیم حماس کی 21 ویں سالگرہ کے موقع

پر بھی جنگ بندی معاہدے میں مزید توسیع کے امکانات کو مسترد کر دیا گیا۔ حماس کے سیاسی شعبہ کے قائد خالد مشعل تو پہلے ہی جنگ بندی میں توسیع کے امکانات کو رد کر چکے تھے۔ اسرائیل غزہ کے باشندوں پر ظلم توڑ رہا ہے جبکہ الفتح کے حامیوں کو اسرائیل کی حمایت وضروریات زندگی کی سہولتوں کو پہنچانے میں قطعاً کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈال رہا ہے اور الفتح کے قیدیوں کو بھی رہا کیا جا رہا ہے تو حماس کے ساتھ جنگ بندی کس لئے؟ کیا صرف حماس کے راکٹ حملوں کو روکنے کیلئے' تو کیا حماس اسرائیل کے مظالم کے جواب میں راکٹ حملوں سے جوابی حملہ بھی نہ کرے۔

❖♦❖

بارک اوباما سے اس وقت دنیا کو جو بہت سی توقعات وابستہ ہیں ان میں سے ایک مسئلہ فلسطین کے حل میں ان کا کردار بھی ہے کہ آیا وہ کس طرح سے اس مسئلہ سے نبٹتے ہیں۔ اس الجھے ہوئے معاملے کو سلجھانے میں کامیاب ہو پاتے ہیں یا نہیں۔ بارک اوباما کو مسئلہ فلسطین یا مشرق وسطیٰ کے حوالے سے تجاویز بھی دی جارہی ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو اسرائیل اور فلسطین میں مفاہمت کو اپنی ترجیحات میں فوقیت نہیں دینی چاہئے۔ کیونکہ ان کے درمیان کوئی سمجھوتہ یا معاہدہ ہونا انتہائی مشکل کام ہے' ہاں اگر کوئی معاہدہ ہونے کی توقع ہے تو وہ اسرائیل اور شام کا ہے۔ اوباما کو بھی اسی مسئلے پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہئے۔ بلاشبہ اسرائیل کو فلسطین کے مسئلے ترجیحات میں رکھنے کے سلسلے میں کافی مضبوط آراء بھی ہیں۔ فلسطینیوں کیلئے ان کی ایک اپنی الگ آزاد اور خودمختار ریاست ضروری ہے۔ بارک اوباما کو بھولنا نہیں چاہئے کہ فلسطینی ریاست کا وجود عرب اسرائیل تعلقات کی بہتری سے کہیں زیادہ یہودی ریاست کے وجود کی بقاء کیلئے بھی اہم ہے۔ اسرائیل فلسطین سمجھوتہ وہ کنجی ہے، جس سے اسرائیل کے نہ صرف عرب ممالک سے تعلقات بہتر ہوں گے بلکہ اس طرح اسرائیلی ریاست کے مٹ جانے کا خدشہ ختم ہو جائے گا۔ صیہونی ریاست کو طویل المدتی میعاد پر حقیقی جمہوری صیہونی ریاست کے طور پر عالمی سطح پر تسلیم بھی کرلیا جائے گا۔ نئے امریکی صدر عالمی سطح پر امریکہ کی گرتی ہوئی ساکھ کو اگر بحال کروانا چاہتے ہیں اور واقعی تبدیلی کے نعرے کا عملی ثبوت دینا چاہتے ہیں تو انہیں اس معاہدے کیلئے سر توڑ کوشش کرنا ہوگی' لیکن اس سلسلے میں انہیں حتمی نتیجہ نکالنے سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے' کیونکہ اسرائیل فلسطین معاہدہ آسان نہیں۔ یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس کو یقین میں بدلنے کیلئے وقت درکار ہے' حتیٰ کہ معاہدہ طے پا جانے کے بعد بھی کشمکش یا محاذ آرائی کے خاتمے کا یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں چاہے گا کہ یہ معاہدہ عجلت میں طے پائے' لہٰذا امریکہ کو اس سلسلے میں زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے یا ضرورت سے زیادہ توقعات سر پر سوار کرنے کی

ضرورت نہیں۔ حالات اور امکانات تو یہی ظاہر کر رہے ہیں کہ امریکہ کو اسرائیل فلسطین معاہدہ میں ناکامی کیلئے تیار رہنا چاہئے' یعنی امریکہ کی ایک اور محاذ میں ناکامی' کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان اختلافات کی خلیج بہت وسیع ہے جو اتنی جلدی پاٹے نہیں جا سکے گی۔ مقبوضہ بیت المقدس' سرحدوں کا معاملہ' مسئلہ مہاجرین اور سکیورٹی کی صورتحال ایسے معاملات ہیں جن پر دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی سر ہلاتا نظر نہیں آتا۔ خاص کر اسرائیل اور فلسطین کی مرکزی قیادت اس قدر مضبوط نہیں کہ تنہا و یکجا یہ فیصلے کر سکے۔ اس وقت اسرائیل اور فلسطین میں جو سیاسی بے یقینی اور پیچیدگی پائی جاتی ہے وہ کسی قابل اعتماد اور پائیدار سمجھوتے یا گفت وشنید کی اجازت نہیں دیتی۔

فلسطین میں الفتح اور حماس دونوں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ الفتح اور حماس میں جغرافیائی' سیاسی اور اختلافی نظریات کی وجہ سے یکجائی مشکل ہے۔ ایک متحدہ فلسطینی ریاست کی تشکیل کا چانس بہت تھوڑا ہے جو تمام دھڑوں کیلئے قابل قبول ہو۔ جو اسرائیل کے ساتھ یکساں مؤقف کو لے کر چلے اور جو اسرائیل کیلئے بھی قابل قبول ہو۔ اس لئے فلسطینی دھڑوں سے مفاہمت کے کسی خیال کو لے کر چلنا ناممکن سی بات ہے' کیونکہ جب تک الفتح اور حماس کی مفاہمت نہیں ہو جاتی' اسرائیل کے ساتھ مفاہمتی فضا کا پروان چڑھنا بہت مشکل ہے۔

دوسری طرف اسرائیل ہے، جہاں اس وقت کمزور اور غیر مستحکم اتحادی سیاست حکومت میں ہے' کوئی پائیدار اور مستحکم حکومت وہاں قائم ہوتی نظر بھی نہیں آتی۔ ان حالات میں کوئی معاہدہ کرنے کیلئے کوششیں کامیاب ہونے کے بجائے ناکام ہوتی نظر آتی ہیں۔ اس لئے امن معاہدے کو لے کر چلنا حماقت ہی ہوگی۔ اسرائیل جس عقیدہ اور نظریہ کو لے کر چل رہا ہے وہ قابل قبول نہیں' اسے اپنی خارجہ پالیسی میں بنیادی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔ دنیا کی عظیم طاقتوں میں سے خود کو شمار کرنے والے اسرائیل کیلئے ضروری ہے کہ وہ کوئی مناسب اور قابل قبول خارجہ پالیسی تشکیل دے۔ امریکہ جیسی عالمی سپر پاور کو بھی اپنی خارجہ پالیسی میں احمقانہ پالیسیوں کو جگہ دینے کے بجائے دانشمندانہ اقدامات لینے چاہئیں اور ان کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں۔

اوباما کو چاہئے کہ وہ اسرائیل فلسطین مسئلہ کے بارے بل کلنٹن کی صدارت میں جولائی 2000ء میں ہونے والے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کو سامنے رکھیں جو کم از کم اس موجودہ صورتحال سے قدرے بہتر تھا اور اس میں اس قدر مشکلات یا پیچیدگیاں نہیں تھیں، جن کا آج نئی انتظامیہ کو سامنا ہے۔

دوسرے مذاکرات یعنی اسرائیل اور شام کے درمیان بھی امریکہ کو ٹھوس کردار ادا کرنا ہے۔ اس مذاکراتی عمل میں ایک ریاست کے بجائے دو ریاستیں آمنے سامنے ہیں' جو اپنی اپنی قوموں کی

نمائندہ ہیں اور دو ریاستوں کی دعویدار ہیں۔ ہنری کسنجر کی زیر نگرانی 1974ء میں دونوں کے درمیان بہتر تعلقات کے آثار پیدا ہوئے تھے' اسرائیل اور شام کے درمیان تنازعاتی مسائل بھی کم ہیں۔ ان میں گولان کی پہاڑیوں کا معاملہ زیادہ پیچیدہ ہے اور مقبوضہ بیت المقدس جیسا کوئی نزاع نہیں' جو گفت وشنید کو ہوا میں اڑا دیتا ہے۔

اسرائیل اور شام کے درمیان معاملات واضح ہیں۔ انخلاء' امن' سکیورٹی اوز پانی کے تنازعات کی خلیج مشکل نہیں مگر پاٹنا مشکل ضرور ہے۔ اسرائیل شام تعلقات صدر اوباما کی صلاحیت جانچنے کا بہترین پیمانہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ نئے امریکی صدر کی خارجہ کابینہ کتنی مضبوط' مستحکم' بااثر اور ذہین ہے۔ بہرحال امریکہ کی جانب سے بیرونی محاذوں پر لئے جانے والے ابتدائی اقدامات امریکہ کی دلچسپیوں کو ظاہر کریں گے' لیکن کچھ تحفظات و خدشات بہرطور اس میں بھی موجود ہیں۔ وائٹ ہاؤس کو اسرائیل شام تعلقات میں بھی صبر کرنا پڑے گا۔ شام ایران کے ساتھ 30 سالہ تعلقات کی وجہ سے اسرائیل کے ساتھ مفاہمت میں گریز کرے گا اور اس پر فوری طور پر رضامند نہیں ہوگا' مگر شام کو ایران سے قطع نظر اپنے معاملات چلانے کیلئے آہستہ آہستہ اپنی ڈگر پر لانا ہوگا۔ اس کیلئے دمشق کی اقتصادی اور سیاسی سپورٹ کی ضرورت بھی ہے جو کہ اس کا امریکہ پر اعتماد بڑھائے۔ اسرائیلی شام کے مفاہمتی عمل کو حماس' حزب اللہ اور ایران کی جانب سے متاثر ہونے کا بہرحال امکان زیادہ ہے' یہ سب آسان نہیں۔ اوباما کے انتظامیہ اور خاص کر نئے صدر کو ان تمام معاملات کو گہرائی سے سوچ کر قدم اٹھانا ہوں گے۔ یہ عمل کافی مشکل' وقت کے ضیاع کا باعث اور اسرائیل اور شام کی اقتصادی اور سکیورٹی ضرورتوں کو لے کر مہنگا بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ حتمی معاہدے تک امریکہ کے امن کے سفیروں کو ہمہ وقت اس میں اپنی توانائیوں کو صرف بھی کرنا پڑے گا۔ سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو دونوں اطراف کو اس طرح سے لے کر چلنا ہوگا کہ وہ اس پر بھروسہ کریں اور اس پر تیار ہوجائیں' جس کیلئے ان کے درمیان تنازع چل رہا ہے' لیکن اسرائیل اور شام کے ان رہنماؤں سے مذاکراتی عمل آگے بڑھانا ہوگا، جو سنجیدہ ہوں اور سفارتی محاذ پر مشکل' منفرد اور ایماندارانہ فیصلے کرنے کی جرأت رکھتے ہوں۔ تبھی یہ معاہدہ طے پاسکتا ہے۔ یہی امریکہ کا امتحان ہے کہ وہ شام کو گولان کی متنازعہ پہاڑیاں واپس کرنے پر اسرائیل کو رضامند کرے اور دونوں ممالک کے تعلقات کو معمول پر لے کر آئے۔

اس لئے نئے صدر کو اب ایک قدم آگے بڑھ کر اسرائیل اور فلسطین میں جنگ بندی کیلئے کوشش کرنی چاہئے۔ فلسطین کی سکیورٹی کی حالت کو بہتر بنانا چاہئے' غزہ اور مغربی کنارے پر

امدادی سرگرمیوں میں بہتری لانی ہوگی۔ لیکن ان تمام کوششوں کو کسی بھی حتمی نتیجہ کے بغیر لے کر چلنا ہوگا۔ اسرائیل اور شام کے درمیان امن کیلئے امریکہ کو بغیر نفع نقصان کی سوچ کے سرمایہ کاری کرنا ہوگی' تب ہی امریکہ ان متنازعہ امور میں اپنے مذاکرات کو کامیاب بنا سکتا ہے اور تاریخی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ امریکہ کی ان متنازعہ امور میں کامیابیاں اس کا کھویا ہوا وقار عالمی سطح پر بحال کرسکتی ہیں۔ اگر امریکہ ایماندارانہ اور غیر جانبدارانہ ہوکر اسرائیل' فلسطین مذاکرات میں اپنا کردار ادا کرے تو وہ زیادہ بہتر انداز سے کامیابی حاصل کر کے داد و تحسین حاصل کرسکتا ہے۔ مگر یہ امریکہ کا غیر مخلصانہ کردار ہی ہے، جس نے اب تک اس معاملے کو الجھا رکھا ہے۔

❖♦❖

اسرائیل اور شام کے کشیدہ تعلقات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔1967ء سے دونوں ممالک کے درمیان چلا آنے والا گولان پہاڑیوں کا معاملہ متنازعہ حیثیت رکھتا ہے۔شام پر لبنان کے گروپ حزب اللہ کی امداد کا بھی الزام ہے۔علاوہ ازیں اسرائیل شام کے عسکری گروہوں سے بھی خائف ہے۔شام پر امریکہ اور اسرائیل شمالی کوریا کی مدد سے ایٹمی ری ایکٹر تعمیر کرنے کا الزام بھی لگاتے ہیں' جس سے شام انکار بھی کر چکا ہے۔مگر شام کے انکار کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسرائیل نے 2007ء میں شام پر حملہ بھی کیا تھا' جس سے وہ پہلے تو انکار کرتا رہا مگر بعد ازاں شام کے اصرار اور ثبوت وشواہد پیش کرنے پر اسے مانتے ہی نہیں' بلکہ اسرائیل کے شام پر حملے کا اعتراف امریکہ نے بھی کیا۔امریکہ نے بھی 2008ء میں شام پر حملے کر کے اسرائیل کا پکا حمایتی ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا' کیونکہ امریکہ ایسے کسی ملک کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں، جو اسرائیل کو للکارتا ہے۔شام نے وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ایران' روس کے ساتھ تعلقات کو پختہ کرنا شروع کر دیا۔اسرائیل اور امریکہ شام کے ایران اور روس سے بڑھتے ہوئے تعلقات سے اچھی طرح آگاہ ہیں اور وہ انہیں ناقابل شکست بننے سے پہلے ہی شکست وریخت سے دوچار کر دینا چاہتے ہیں۔2008ء میں اسرائیل نے شام کو گولان کی متنازعہ پہاڑیاں واپس دینے پر بھی اتفاق کیا تھا' مگر ابھی تک اس نے اپنے اس بیان کو عملی شکل نہیں دی۔اسرائیل آج کل پھر شام کے رہنماؤں سے خفیہ مذاکرات کا سلسلہ چلائے ہوئے ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر طرف سے محاذ جنگ کا کھول دینا اس کیلئے مسائل کا سبب بن سکتا ہے۔اس دفعہ ان مذاکرات میں ترکی کا دخل ہے جو کہ دونوں ممالک کے درمیان مصالحتی راہیں ہموار کروانا چاہتا ہے۔

مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق ترکی کی وساطت سے لندن میں سہ فریقی مذاکرات ہوئے۔اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے شام کی سرکردہ شخصیات سے برطانیہ کے دارالحکومت لندن میں خفیہ ملاقات کی۔اس ملاقات میں ایہود اولمرٹ کے علاوہ انٹیلی جنس

ادارے موساد کے چیف مئرگان بھی شریک تھے۔اولمرٹ اور شامی صدر بشار الاسد کے درمیان تفصیلی پیغامات کا تبادلہ خیال کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ترکی کی ثالثی کے تحت ہونے والے مذاکرات کے بعد اسرائیل شام سے براہ راست بات چیت کرے گا۔ابھی اسرائیل کی شام سے بات چیت کے ادوار کا آغاز ہی ہوا تھا کہ اسرائیل نے حماس پر وحشیانہ بمباری کی اور غزہ پر توپیں کھول دیں۔ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے' جس کے بارے میں اسرائیل کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت تک غزہ پر بمباری جاری رکھے گا جب تک حماس قیادت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔اسرائیل اور حماس مخالف ممالک امریکہ اور مغرب اسے دہشت گرد تنظیم سمجھتے ہیں اور وہ حماس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔حماس پر تابڑ توڑ حملوں کا سلسلہ اسی منصوبے کا حصہ ہے۔اسرائیل کے خیال میں حماس قیادت کے خاتمے کے بعد اس کیلئے غزہ کا کنٹرول سنبھالنا ممکن اور غزہ کے شہریوں کو قابو کرنا آسان ہو جائے گا۔شام اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ اسرائیل کی حماس پر بمباری سے تعطل پذیر ہو گیا ہے۔شام نے حماس پر اسرائیل کی شدید بمباری کی مذمت کی ہے اور اسے اس سے باز رہنے کیلئے کہا ہے۔شام کے لبنان سے تعلقات رفیق حریری کے قتل کے بعد سے کشیدہ رخ اختیار کر چکے ہیں۔لبنان رفیق حریری کے قتل میں شام کو ملوث سمجھتا ہے' مگر لبنان اور شام اسرائیل مخالف ملکوں میں شمار ہوتے ہیں۔لبنان کے شام مخالف رہنما سعد حریری نے اسرائیل اور شام کے درمیان مذاکرات پر کہا کہ لبنان اسرائیل کے ساتھ کبھی مذاکرات میں پہل نہیں کرے گا' نہ ہی اس قسم کی درخواست کرے گا۔اس قسم کے فیصلوں کا واحد اختیار لبنانی کابینہ کو حاصل ہے۔اسرائیل اور شام نے ان مذاکرات کی تصدیق بھی کی ہے اور کہا ہے کہ وہ پائیدار امن مفاہمت کیلئے بالواسطہ بات چیت کر رہے ہیں۔ایہود اولمرٹ نے اس حوالے سے بیان دیا ہے کہ فریقین یہ بات چیت کھلی اور نیک نیتی سے کر رہے ہیں۔ان مذاکرات کیلئے طیب اردگان بھی دمشق پہنچے۔

2000ء کے بعد پہلی بار شام نے بھی ترک ثالثی میں ہونے والی بات چیت کی تصدیق کی ہے۔بات چیت کا آخری دور گولان کی پہاڑیوں سے اسرائیل کی دست برداری پر اختلافات پر ختم ہوا تھا۔شام کے وزیر خارجہ ولید معلم نے کہا ہے کہ فریقین نے پائیدار امن کے حصول کیلئے مذاکرات نیک نیتی سے کرنے اور مسلسل سنجیدگی سر قرار رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔اس سال اپریل میں اطلاعات آئی تھیں کہ ترک وزیراعظم طیب اردگان شام اور اسرائیل کے درمیان مفاہمت کیلئے ثالث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔اب حالیہ ملاقاتوں کے بعد شام کے وزیر خارجہ نے بھی بیان دیا ہے کہ اسرائیل گولان کی پہاڑیوں سے دستبردار ہونے اور 1967ء کی پوزیشن پر واپس جانے کیلئے تیار ہے' مگر یہ بیان صرف شام کی جانب سے آیا ہے۔اسرائیل نے

اس دعویٰ پر کوئی بھی تبصرہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان ملاقاتوں کے بعد کوئی بیان جاری کیا ہے۔
اسرائیل اور امریکہ شام پر مختلف قسم کے الزامات لگاتے چلے آ رہے ہیں جن میں شام پر نیوکلیئر پروگرام پر کام کرنے کا الزام بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کیلئے امریکی وائٹ ہاؤس کی طرف سے جاری بیان میں کہا گیا تھا کہ 6 ستمبر 2007ء سے پہلے تک شام اپنے مشرقی صحرا میں ایک نیوکلیئر پروگرام پر کام کر رہا تھا جس سے پلوٹونیم پیدا کی جا سکتی ہے۔ امریکہ نے شام کے نیوکلیئر پروگرام میں معاونت کیلئے شمالی کوریا کو ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے اہلکاروں نے کانگرس کو باقاعدہ بریفنگ دیتے ہوئے شام کو متنبہ کیا کہ وہ اپنے خفیہ نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں حقائق واضح کرے۔ سی آئی اے کی اس بریفنگ میں ایسی تصاویر دکھائی گئیں، جن میں بقول سی آئی اے' شمالی کوریا اور شام کے نیوکلیئر اداروں کے ارکان اکٹھے کھڑے ہیں۔ امریکہ کیلئے کسی بھی ملک پر الزام لگانے کیلئے خفیہ رپورٹس تیار کروانا مشکل کام نہیں۔ عراق پر ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے الزامات لگا کر اس کو تہ و بالا کر دیا گیا اور اب رخصتی سے قبل بش نے اس امر کا اعتراف کیا کہ عراق پر حملہ کرنے کیلئے امریکی اداروں نے جعلی رپورٹس تیار کیں اور عراق پر ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا جھوٹا الزام لگایا گیا۔ یہ سب امریکی حکومت کے ایماء پر ہوا' اور بش نے اس اعتراف کے بعد معذرت کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور صدام حسین کو سنگین خطرہ قرار دیتے ہوئے عراق پر جنگ کو پھر بھی ضروری قرار دیا۔ امریکہ وہی فارمولے شام پر بھی استعمال کر رہا ہے۔ امریکہ کے شام پر الزامات کے بعد 2007ء میں اسرائیل نے بم حملے سے شام کے اس ری ایکٹر کے مقام کو تباہ کر دیا' جسے وہ شمالی کوریا کے ماہرین کی اعانت سے شمالی کوریا کے ری ایکٹر کی طرز پر تعمیر کردہ قرار دے رہا تھا۔

امریکی انٹیلی جنس ادارے سی آئی اے کے سربراہ مائیکل ہیڈن نے کانگریس کو یہ ثبوت ویڈیو ٹیپ پر مشتمل دکھایا تھا' جس میں شمالی کوریا کے چند شہریوں کو شام کی ایک عمارت میں کام کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ شام جوہری ہتھیار بنانے کے پروگرام اور اس حوالے سے شمالی کوریا کی طرف سے ایٹمی تعاون کی کئی مرتبہ تردید کر چکا ہے۔ امریکہ شام کو عراق میں حالات خراب کرنے کا ذمہ دار بھی ٹھہراتا ہے۔ 2005ء میں لبنان کے وزیراعظم رفیق الحریری کے قتل کا الزام بھی شام پر عائد کیا جاتا ہے۔ شام اور امریکہ کے درمیان بھی مذاکرات کا سلسلہ 2007ء میں مئی میں شروع ہوا تھا۔ مصر میں شرم الشیخ کے تفریحی مقام پر امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے شام کے وزیر خارجہ ولید معلم سے ملاقات کی تھی۔ امریکہ ایران اور شام کو اپنے اور اسرائیل کیلئے مخالف خیال کرتا ہے۔ امریکہ نے 1980ء میں ایران کے ساتھ تعلقات منقطع کر دیئے تھے۔

اسرائیل نے جس طرح فلسطین کو ہتھیا رکھا ہے، اسی طرح 1967ء میں مشرق وسطیٰ کی جنگ میں اس نے گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ جما رکھا ہے۔ ایک طرف وہ مقبوضہ فلسطین میں فلسطینیوں کو نکال کر یہودی آبادکاروں کو بسا رہا ہے' دوسری طرف وہ شام سے چھینی ہوئی گولان کی پہاڑیوں پر یہودیوں کو گھر بنا کر دے رہا ہے۔ آبادکاروں کا سلسلہ اس نے دونوں جانب سے شروع کر رکھا ہے' جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دونوں حصوں پر قبضہ چھوڑنے کیلئے تیار نہیں۔

2003ء میں بھی اسرائیل کی طرف سے گولان پہاڑیوں پر نئے آبادکاروں کیلئے ہزاروں گھر بنانے کا اعلان کیا گیا۔ اس وقت اسرائیلی وزیر زراعت نے کہا تھا کہ شام سے 1966ء میں چھینی گئی زمین پر قبضہ مضبوط کرنے کیلئے آئندہ تین سال میں آبادی میں پچاس فیصد اضافہ ہوگا۔ اسرائیل کا یہ اعلان غنڈہ گردی کے سوا اور کیا ہے؟ کہ وہ ان علاقوں میں اپنے باشندوں کو بسا رہا ہے جو متنازعہ ہیں اور جہاں ان کی ملکیت کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔ 2003ء میں اسرائیل کے اس اقدام اور گولان کی پہاڑیوں پر آبادکاری کے فیصلے پر شام کے صدر نے اسرائیل کو مذاکرات کا پیغام دیا تھا' جس کا جواب اسرائیل کی طرف سے کچھ مثبت نہیں آیا تھا اور اسرائیل نے مذاکرات کا سلسلہ چلانے کے بجائے ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے اسرائیلی ریڈیو پر کہا تھا کہ ہمارا مقصد صاف طور پر یہ پیغام بھیجنا ہے کہ گولان اسرائیل کا اٹوٹ حصہ ہے۔ اسرائیلی وزیر زراعت کا یہ پیغام شام کو مذاکرات کی دعوت پر ٹکا سا جواب تھا۔ وہ گولان کو شام کا علاقہ ہی تصور نہیں کرتا تو مذاکرات کیوں اور کس بات پر' بلکہ شام کے ردعمل پر مزید وضاحت کی گئی کہ اس علاقے میں 9 نئی بستیاں تعمیر کی جائیں گی جبکہ اس علاقے میں پہلے ہی 17 ہزار اسرائیلی آبادکار رہتے ہیں۔

1966ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران چھینی گئی گولان کی پہاڑیوں پر اسرائیل کا حق ملکیت جتانا زبردستی کے سوا اور کیا ہے؟ شام نے ہمیشہ امریکہ اور اسرائیل کے الزامات کو جھٹلاتے ہوئے خود کو صفائی کیلئے پیش کیا ہے' جس میں ایٹمی ری ایکٹر کے معائنے کیلئے آئی اے ای اے کے جوہری انسپکٹرز کو مبینہ جگہ کا دورہ کروانا بھی شامل ہے۔ شام نے نیوکلیئر ری ایکٹر کی تعمیر کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ جس علاقے کی بات کر رہا ہے وہ ایک فوجی مقام ہے' جہاں تعمیراتی کام جاری ہے اور نیوکلیئر پروگرام کی بات بالکل بے بنیاد ہے۔ حتیٰ کہ شام کے اس مؤقف کی تصدیق آئی اے ای اے کے سربراہ محمد البرادی نے بھی کی تھی۔ انہوں نے امریکہ کی جانب سے شام کے بارے میں حاصل معلومات کی فراہمی میں تاخیر اور شام کے علاقے پر اسرائیل کی بمباری پر تنقید کی تھی۔ 2007ء میں اسرائیل نے شام پر بمباری کی اور 2008ء میں امریکہ نے چار جنگی ہیلی کاپٹروں کا استعمال کرتے ہوئے عراق سے ملحق اس کی سرحد کے آٹھ کلو

میٹرانڈر حملہ کیا۔ یہ دانستہ کارروائی تھی نہ کہ کوئی غلطی۔ امریکی افسران نے انکشاف کیا تھا کہ کارروائی کا ہدف ابو غادیہ نامی عراقی شخص تھا' جو شام سے عراق میں عسکریت پسندوں کو اسلحہ سمگل کرتا تھا۔ رپورٹ کے مطابق ابو غادیہ کو اس حملے میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔

شام کے وزیر خارجہ ولید معلم نے امریکہ کے حملے پر کہا تھا "عام شہریوں کو قتل کرنا بین الاقوامی قوانین کے تحت دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے' ہم اس حملے کو مجرمانہ اور دہشت گردانہ جانتے ہیں اور اس کی ذمہ داری امریکی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔" امریکہ شام پر عراق کے عسکریت پسندوں کی مدد کا الزام لگاتا ہے۔ امریکہ کا الزام ہے کہ شام سے عسکریت پسندوں کو اسلحہ اور پیسے کی شکل میں اعانت فراہم کی جاتی ہے اور شام اس مسئلے پر خاموش ہے اور اس سے نمٹنے کیلئے کوئی کارروائی نہیں کرتا۔ امریکی فوجیوں نے ہیلی کاپٹروں سے زیر تعمیر سویلین عمارت کو نشانہ بنایا' اندر کام کرنے والے مزدوروں پر گولیاں چلائیں جس سے 8 لوگ ہلاک ہوئے۔

امریکہ اور اسرائیل نے شام کے گرد گھیرا تنگ کرنے کیلئے منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اسرائیل اور امریکہ آئے دن شام کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے ہیں۔ اب دونوں ملکوں کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ انتہائی خفیہ رکھا گیا ہے۔ اسرائیلی اخبارات کے مطابق اسرائیل اور شام کے رہنماؤں کے درمیان خفیہ معاہدے طے پا چکا ہے' اگرچہ اسرائیل اور شام کی حکومتیں اس سے انکار کر رہی ہیں۔ ویسے تو دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات کی تفصیل میں کچھ نیا نہیں ہے۔ اسرائیل اور شام کے درمیان ماضی میں بھی امن کیلئے تبادلہ خیال ہو چکا ہے۔ بعض اوقات امریکہ کی نگرانی میں جیسا کہ میڈرڈ میں 1991ء کی کانفرنس' 1990ء کے اواخر میں اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو اور شام کے حافظ الاسد کے درمیان خفیہ مذاکرات ہوئے۔ واشنگٹن نے ان رابطوں کی منظوری بھی دی' اس وقت مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے شام کو ملوث کیا گیا۔ خطے میں امن لانے کیلئے شام اور اسرائیل دونوں حریف اپنا کردار ادا کریں گے' مگر یہ سب 11 ستمبر سے پہلے کی بات ہے۔ شام کے ایران اور شمالی کوریا سے تعلقات منظر عام پر آنے کے بعد صدر بش نے تینوں کو ایران' شمالی کوریا اور ایران کو برائی کا محور قرار دیا۔ مشرق وسطیٰ میں امن کیلئے اہم گردانے جانے والے بعث گروپ کے بشار الاسد کو اچانک مشرق وسطیٰ کے امن کو بگاڑنے کا ذریعہ قرار دیا گیا' اس کے بعد تو الزامات کی بوچھاڑ شروع کر دی گئی۔ شام پر عراق کے عسکریت پسندوں کی مدد کا الزام لگایا گیا اور لبنان میں سیاسی حالات بگاڑنے کا ذمہ دار بھی شام کو ٹھہرایا گیا اور اسے ایران کا ایجنٹ قرار دیا گیا۔ اب شام کے ایران کے مدار میں شامل ہونے پر بلاک مضبوط شکل اختیار کر گیا ہے جو کہ اسرائیل کیلئے خطرناک ہے۔ وہ شام کو ایران سے الگ کرنے کا خواہاں ہے' ایران پر حملہ

کرنے کیلئے وہ ضروری خیال کرتا ہے کہ شام کو ایران سے الگ تناظر میں لے جائے تاکہ شام کی سرحدوں سے حملے اور میزائلوں کا خطرہ اسے درپیش نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے رویے میں لچک پیدا کرتے ہوئے شام کے ساتھ مذاکرات کیلئے رضامندی ظاہر کی ہے۔ اگر اسرائیل اور شام کے درمیان مفاہمت ہو جاتی ہے تو اسرائیل کا شام کی طرف سے حملوں اور عسکریت پسندوں کی مدد کا خطرہ کم ہونے میں مدد ملے گی۔ مغرب اور شام کے درمیان تعلقات اس وقت سے کشیدہ ہونا شروع ہوئے، جب امریکہ نے شام پر نیوکلیئر ری ایکٹر کی تعمیر' ایران کا ساتھ دینے اور بالخصوص عراق کے عسکریت پسندوں کی مدد کا الزام لگایا۔ امریکہ نے شام پر الزام لگایا کہ وہ عراق میں داخل ہونے والے اسلام پسند جنگجوؤں کی طرف سے دانستہ طور پر چشم پوشی کر رہا ہے۔ بش انتظامیہ نے 2004ء میں فلسطینی تنظیم حماس اور لبنان کی تنظیم حزب اللہ کی تائید کرنے کی پاداش میں شام پر الزامات عائد کئے۔ یورپی یونین بھی کہتی ہے کہ شام حزب اللہ کی تائید کر رہا ہے۔ شام کو اس سوال کا جواب دینا ہے کہ غیر ملکی جنگجوؤں کا کس طرح عراق میں داخلہ جاری ہے۔ ملی بینڈ برطانیہ کے خارجی امور کے سیکرٹری نے واضح الفاظ میں شام کو کہا کہ شام کو اب یہ طے کرنا ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرے گا' شام اس خطہ میں عدم استحکام پیدا کر رہا ہے۔ اسرائیل بھی شام پر عسکریت پسندوں کی پشت پناہی کا الزام لگاتا ہے۔ شام اسرائیل اور امریکہ دونوں کو کھٹکتا ہے' کیونکہ شام اسرائیل اور امریکہ کے تمام اقدامات کی کھل کر مخالفت کرتا ہے۔ شام نے عراق پر امریکی قبضے کی بھی مخالفت کی تھی' وہ فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کے بھی خلاف ہے۔ وہ ایران کی دشمنی پر امریکہ اور اسرائیل کے رویہ سے بھی نالاں ہے۔ یہی وہ جوابات ہیں، جنہوں نے شام کو اسرائیل اور امریکہ کی نظر میں برا بنا دیا ہے۔

❖♦❖

غزہ میں اسرائیل کی نہتے فلسطینیوں پر بربریت نے یہودیوں کی درندگی اور سفاکی کو پوری دنیا پر عیاں کر دیا ہے۔ غزہ کی 15 لاکھ آبادی پر قتل وخون کی بارش نے ثابت کر دیا ہے کہ دہشت گرد اسرائیل ہے نہ کہ وہ ممالک جن کو امریکہ اور اسرائیل دہشت گرد کے لقب سے نوازتے رہتے ہیں' اور نہ ہی حماس جسے کہ یورپی ممالک دہشت گرد تنظیم قرار دیتے ہیں۔ اسرائیل کی وحشت ناک بمباری نے غزہ کو ایک ملبہ میں بدل دیا ہے۔

اسرائیلیوں کی غزہ پر وحشیانہ جارحیت کا سلسلہ تو 18 ماہ سے چلا آ رہا ہے' جب سے غزہ کی ناکہ بندی کر کے اسے محصور کر دیا گیا ہے' مگر 27 دسمبر 2008ء سے ہونے والی تازہ اسرائیلی دہشت گردی نے یہ صورتحال پیدا کر دی ہے کہ کثیر تعداد میں شہادتوں کے سبب غزہ شہر کے

قبرستانوں میں شہداء کی تدفین کیلئے کوئی جگہ نہیں رہی' حتیٰ کہ قبرستان تک کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ مردوں' عورتوں تو کجا' بچوں تک کو نہیں بخشا گیا۔ اسرائیلی جارحیت کی یہ مثال تو تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔ اسرائیل کی اس جارحیت پر مبنی کارروائیوں میں صہیونیوں کی ایک اور سفاکی سامنے آئی ہے کہ حالیہ دہشت گردی کے دوران اسرائیل نے فلسطینیوں پر سفید فاسفورس بم کا بھی استعمال کیا۔ سفید فاسفورس بموں کے بے دریغ استعمال نے مظلوم فلسطینیوں کی دھجیاں اڑا دیں۔ سفید فاسفورس بم اتنی خطرناک زہریلی گیس ہے کہ اس سے انسانی گوشت پوست کے علاوہ ہڈیاں تک گل جاتی ہیں۔ فاسفورس بموں کا استعمال بین الاقوامی حقوق اور قوانین کی رو سے ممنوع ہے' مگر اسرائیل نے امریکہ کی شہ پر ان خطرناک بموں کا بے دریغ استعمال کیا ہے۔ اقوام متحدہ میں جنگ بندی کیلئے بین الاقوامی اپیلیں اور قراردادیں منظور کی گئیں' مگر اسرائیل نے ان تمام قراردادوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی جارحیت کو جاری رکھا۔ دنیا کی مجرمانہ خاموشی' عرب ممالک کی نظر اندازی' اکثر ممالک کی تائید وحمایت نے اسرائیل کے غرور اور ہٹ دھرمی کو اور بڑھا دیا اور صہیونیوں نے اپنے وحشیانہ سلسلے کو روکنے کے بجائے اپنا دفاعی حق کہہ کر جاری رکھا۔ فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کی بہترین شکل یہی ہے کہ اسرائیل کا سفارتی' اقتصادی' فوجی' تجارتی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس سے اپنے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ فلسطین کے مظلوم عوام کو عطیات کی فراہمی سے کیا ان پر لگائے گئے زخموں کو مندمل کیا جا سکتا ہے؟ کیا ان جانوں کو واپس لایا جا سکتا ہے، جو اسرائیل کی وحشت پر بربریت کا شکار ہو چکی ہیں۔ کیا جان و مال اور املاک کی تباہی کا ازالہ کیا جا سکتا ہے؟ انسانیت کی دھجیاں اڑانے والے اسرائیل سے باز پرس کرنے سے اقوام متحدہ بھی گریزاں ہے۔ اقوام متحدہ ایک طرف اسرائیل کو فلسطین پر جاری تشدد روکنے کیلئے کہتی ہے' دوسری طرف اقوام متحدہ حماس کے راکٹ حملوں کو جواز بنا کر اسرائیل کے حملوں کو جائز قرار دیتی ہے۔ اقوام متحدہ کی زبان وہی ہے، جو امریکہ کی ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری بان کی مون کے بیان سے عالمی ادارے کے دوہرے معیار کا ثبوت مل جاتا ہے' جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اسرائیلی کارروائیاں حد سے تجاوز اور اسرائیلی مملکت پر حماس کے راکٹ حملے قطعی طور پر ناقابل قبول ہیں۔

حماس نے کتنے راکٹ حملے اسرائیل پر کئے، جس سے اسرائیل کی آبادی پر غزہ کی طرح قہر ٹوٹ پڑا۔ حماس کے حملوں سے کتنی تباہی آئی؟ حماس کے راکٹ حملوں اور اسرائیل کی وحشیانہ بمباری کا کیا کوئی تقابل ہے۔ اقوام متحدہ جیسے عالمی انصاف اور امن کے داعی اور علمبردار ادارے کا یہ دوہرا رویہ اور متضادانہ معیار کوئی نئی بات نہیں۔ اقوام متحدہ نے اب کی بار بھی بجائے مظلوم کا

ساتھ دینے کے، ظالم اور مظلوم کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ یہی وہ ڈھیل ہے جس کی وجہ سے اسرائیل نے کبھی بھی اقوام متحدہ اور اس کی سکیورٹی کونسل کی منظور شدہ قراردادوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اسرائیل کی وحشت اور جارحیت کے خلاف ساری دنیا میں احتجاج جاری ہے' مگر اقوام متحدہ' یورپ خصوصاً امریکہ اسرائیل کی تائید میں لگے ہوئے ہیں۔ اسرائیل نے 27 دسمبر کو غزہ پر ہوائی حملے شروع کئے اور اس کا جواز اس نے یہ پیش کیا کہ اس کا مقصد حماس کی جانب سے راکٹوں کے حملے روکنے کیلئے حماس کے سکیورٹی ڈھانچے کی تباہی ہے۔ مگر اسرائیل کے حملوں نے ثابت کر دیا کہ اس کا مقصد حماس کے سکیورٹی ڈھانچے کو تباہ کرنا نہیں تھا' بلکہ حماس کے تمام قائدین کو ہلاک کرنا' غزہ کی آبادی کو حماس کا ساتھ دینے کی سزا دینا تھا۔ 27 دسمبر سے 29 دسمبر تک 300 سے زائد فلسطینی شہید ہو چکے تھے اور دنیا بھر میں احتجاجی مظاہرے اور ردعمل کا آغاز ہو گیا تھا۔ 30 دسمبر کو حماس تنظیم کی وزارت دفاع کو نشانہ بنایا گیا' 31 دسمبر کو قاہرہ میں عرب لیگ کے وزرائے خارجہ کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا' مگر نتیجہ خیز نہ رہا۔ یکم جنوری کو حماس کے ایک سینئر رہنما نذر ریان کو ہوائی حملے میں نشانہ بنایا گیا۔ اسرائیلی حملوں میں شہید ہونے والے وہ پہلے سینئر رہنما تھے۔ 2 جنوری کو 400 سے زائد افراد لقمہ اجل بن گئے۔ 3 جنوری کو غزہ میں اسرائیل کی زمینی فوج نے دھاوا بول دیا۔ 5 جنوری کو اسرائیلی وزیر خارجہ نے یورپی یونین کی جانب سے فوری فائر بندی کی درخواست مسترد کر دی۔ 6 جنوری کو اسرائیل نے اقوام متحدہ کے زیر انتظام غزہ کے تین سکولوں پر حملہ کیا جس میں 40 سے زائد بچے ہلاک ہو گئے۔ 8 جنوری کو خان یونس شہر کے مشرق میں واقع خوزہ کے علاقے میں اسرائیلی فوج نے مبینہ طور پر فاسفورس (گندھک) کے بم پھینکے' جس سے 50 سے زائد افراد شہید ہو گئے۔ 8 جنوری کو ہی حماس اور اسرائیل نے اقوام متحدہ کی جنگ بندی کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ اپنی ماں کی لاش کے قریب بیٹھے چار بچوں کی زیتون کے باغ سے برآمد لاشوں کو عالمی تنظیم انٹرنیشنل کمیٹی فار ریڈ کراس کے طبی عملے نے ''دہلا دینے والا منظر'' قرار دیا۔ 11 جنوری کو اقوام متحدہ کی مذمت اور عالمی احتجاج پر اسرائیل نے بچوں کے سکول پر حملے کو فائرنگ کی وجہ بتا کر غلطی سے حملہ قرار دیا۔ 12 جنوری کو مسلسل بمباری میں تقریباً 300 بچوں سمیت 820 سے زیادہ فلسطینی شہید ہوئے۔ اسرائیل نے بجائے شرمندہ ہونے کے فوجی کارروائی کو مزید تیز کرنے کی دھمکی دی۔

13 جنوری کو اقوام متحدہ کے رابطہ کار برائے ہنگامی امداد جان ہومز نے کہا کہ غزہ میں ہلاک ہونے والے افراد میں 40 فیصد سے زائد بچے اور عورتیں ہیں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون فائر بندی کی کوششوں کیلئے علاقے میں پہنچے۔ 14 جنوری کو غزہ میں ہلاک ہونے والوں

کی تعداد کا اندازہ ایک ہزار سے زیادہ تھا اور 5 ہزار کے لگ بھگ زخمی بھی ہوئے۔ 90 ہزار حملوں سے بچنے کیلئے گھر چھوڑ گئے۔ 17 جنوری کو کابینہ اجلاس کے بعد اسرائیل نے یکطرفہ فائر بندی کا اعلان کر دیا اور فائر بندی کو اتوار یعنی 18 جنوری سے نافذ کر دیا۔ 18 جنوری کو حماس نے بھی ایک ہفتے کی فائر بندی کا اعلان کر دیا' اس دوران اس نے اسرائیلی فوجوں کی واپسی کا دوبارہ مطالبہ دہرایا۔ جنگ بندی کے سلسلے میں اسرائیلی حکام کا کہنا تھا کہ بارک اوباما کی حلف برداری سے قبل تمام فوجی دستوں کو واپس بلا لیا جائے گا۔ جنگ بندی کے بعد بھی شہر میں ہر طرف پھیلی تباہی و بربادی سکون کی ترجمان نہیں۔ اس ہولناک تباہی میں غزہ اجڑ کر رہ گیا ہے۔ دسیوں ہزار لوگ بے گھر ہوئے۔ 1300 فلسطینی شہید جبکہ ہزاروں زخمی ہوئے۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر جانے والے فلسطینیوں کی تعداد اب گھروں کو لوٹنا شروع ہو گئی تھی' جہاں تباہ حالی کے سوا کچھ نہیں بچا۔ کویت میں عرب لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے غزہ میں تعمیر نو کیلئے ایک ارب ڈالر امداد دینے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ''فلسطینی خون کا ایک ایک قطرہ زمین کے تمام خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ مجرم ٹولے نے غزہ میں فلسطینیوں کا قتل عام کیا ہے' اسرائیل جنگ یا امن میں سے ایک راستہ چن لے۔ عرب دنیا کے آپسی اختلافات نے صرف دشمن کو فائدہ پہنچایا ہے۔ عربوں کو سیاسی اختلافات بھلا کر مل کر چلنا ہوگا۔'' اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کویت کے امیر نے غزہ میں پناہ گزینوں کی امداد کیلئے اقوام متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین کو 34 ملین ڈالر دینے کا اعلان کیا۔ شام کے صدر بشارالاسد نے اسرائیل کو ایک دہشت گرد ملک قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ مصر کے صدر حسنی مبارک نے البتہ اسرائیلی جارحیت کا ذمہ دار حماس کو ٹھہرایا۔

حالانکہ مسئلہ فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کے مقصد میں صرف ایک ہی جماعت مخلص ہے اور وہ ہے حماس۔ حماس نے مسئلہ فلسطین کو لے کر کبھی سودے بازی نہیں کی بلکہ فلسطین کے حقیقی حل اور آزادی کی طلب کی۔ سر پر کفن باندھے حماس کے جیالے دنیا کی چوتھی بڑی فضائی طاقت کے آگے سینہ سپر ہیں۔ اپنے محدود وسائل کے باوجود اسرائیل جیسے ظالم کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ فلسطینی منظرنامے میں اسلامی تحریک مزاحمت حماس مختصر عرصہ میں واحد نمائندہ جماعت بن کر ابھری اور اس نے مغرب کو ہلا دیا۔ حماس کا قیام 1987ء میں عمل میں آیا' اور اس کے بانی چیئرمین شیخ احمد یاسین تھے۔ شیخ احمد یاسین کو 11 سال مسلسل اور وقفے وقفے سے کئی برس تک اسرائیلی جیلوں میں قید رکھا گیا۔ حماس نے تعلیم' صحت' مزاحمت اور رفاہی کاموں کو ایک ساتھ کرنے کا عزم کیا۔ حماس کے عسکری ونگ نے اسرائیل کے علاقوں میں جا کر بھی فدائی

کارروائیاں کی۔ شیخ احمد یاسین کی شہادت نے حماس کے جذبوں کو ماند نہیں کیا اور انہوں نے اسرائیل کے مظالم کا جواب دینا جاری رکھا۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے گزشتہ چھ دہائیوں سے فلسطینیوں کی زندگی کو اجیرن کر رکھا ہے۔ غزہ پر وحشیانہ بمباری نے شہادتوں کا سلسلہ اس حد تک بڑھا دیا ہے کہ غزہ کے مسلمان اپنے پیاروں کو سپرد لحد کرنے کیلئے قدیم قبریں تک کھولنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ایک ایک گھر سے پانچ پانچ جنازے اٹھ رہے ہیں۔ اسرائیلی بربریت نے دنیا کے جمہوری اور انصاف پسند ممالک کو بھی حیران کر دیا ہے۔ اسرائیل اپنی تمام تر سفاکی اور جدید اسلحے اور کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے باوجود حماس کے مجاہدین اور فلسطینیوں کے جذبوں کو زیر نہیں کر سکا' کیونکہ ان کے پاس اسرائیل کی طرح جنگی جہاز' ٹینکس اور فاسفورس تو نہیں لیکن ایمان کی طاقت اور حوصلہ ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل غزہ میں فتح حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ حماس کے رہنما اسماعیل ہانیہ نے کہا کہ اسرائیل مقصد کے حصول میں ناکام رہا۔ صہیونی فوج کی واپسی حماس کی کامیابی ہے۔

عرب لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے عرب رہنماؤں نے اسرائیل کی شدید مذمت اور غزہ کی تعمیر نو کیلئے 2 ارب ڈالر کا فنڈ قائم کرنے کا بھی اعلان کیا۔ فنڈ کی نصف رقم سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے ادا کرنے کا اعلان کیا۔ عرب لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فلسطینی صدر محمود عباس نے فلسطینی علاقوں میں ایک پارلیمانی اور صدارتی انتخابات اور قومی حکومت کی تشکیل پر زور دیا۔ محمود عباس کا قومی حکومت کی تشکیل پر زور اور بین الاقوامی فوج کی تعیناتی کے بیانات فلسطینی عوام سے یکجہتی' ہمدردی کی بناء پر نہیں بلکہ اسرائیلیوں کے حمایت یافتہ محمود عباس قومی حکومت کی آڑ میں تمام غیر عرب دنیا سے خود کو فلسطینیوں کے واحد قومی رہنما کی حیثیت سے منوانے کے چکر میں ہیں۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی فوج کی تعیناتی وہ فلسطینیوں کی حفاظت کیلئے نہیں بلکہ اپنی حفاظت کیلئے کروانے کے خواہاں ہیں' تاکہ ان کو قومی حکومت اور بین الاقوامی فوج کی تعیناتی کی آڑ میں حفاظت کی ضمانت مل جائے اور ان کے جانی و مالی خدشات کا مناسب بندوبست ہو جائے۔ اس جنگ میں شکست پر ایران نے اسے حماس کی فتح قرار دیا ہے اور جنگ بندی کا یکطرفہ اعلان اسرائیل کی شکست کا اعلان ہے۔ اسرائیل کی داخلی سلامتی کی خفیہ ایجنسی شن بیت کے سربراہ یووال ڈسکن نے اعتراف کیا ہے کہ صہیونی ریاست غزہ کے نہتے اور محصور فلسطینیوں کے خلاف 22 روزہ فضائی حملوں اور زمینی کارروائیوں کے باوجود حماس کی زیرزمین سرنگوں کا نظام تباہ کرنے میں ناکام ہو گئی ہے۔ اس بات کا اعلان انہوں نے اسرائیلی سیکیورٹی کابینہ کے اجلاس پر اختتام پر کیا۔ اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ غزہ اور مصر کے درمیان سرحدی علاقے

میں کم از کم 300 سے 500 سرنگوں کے ذریعے اسلحہ سمگل کیا جاتا ہے۔ 22 روزہ جارحیت میں صہیونی فوج نے علاقے پر ہزاروں بم پھینکے مگر فتح حاصل کرنے اور ان تمام سرنگوں کے خاتمے میں ناکام رہی۔

اسرائیل کی جارحیت اور بمباری نے پوری دنیا کے سامنے اسرائیل کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر نے غزہ پر تشدد کی وجہ سے امریکہ اور اسرائیل کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ جنرل اسمبلی کے صدر میگوئیل ڈی ایسکوٹو برائمین نے اقوام متحدہ میں ایک پریس کانفرنس کے دوران زور دیتے ہوئے کہا کہ اقوام متحدہ کو یونائیٹڈ نیشنز یا اتحاد اقوام عالم ہونا چاہئے نہ کہ بجیو گیٹڈ نیشنز یا پچھاڑی ہوئی اقوام۔'' اسرائیلی وزیر خارجہ کی جانب سے سفارتی مقاصد کیلئے وقت یعنی مزید مدت کی درخواست پر بھی صدر جنرل اسمبلی نے شدید نکتہ چینی کی اور کہا کہ ''وقت درکار اس لئے ہے؟ تا کہ وہاں بے گناہ لوگوں کی مزید ہلاکتیں ہوں' مزید تباہی ہو اور ان کیلئے مزید مصائب پیدا کئے جا سکیں۔''

اسرائیل کو دنیا بھر میں ہونے والے مظاہروں کی قطعاً کوئی پروا نہیں۔ وہ بجائے ہوش مندی سے کام لینے کے اپنی جارحیت کو مستقل بنیادوں پر روکنے کیلئے تیار نہیں' حتیٰ کہ اسرائیل کے جنونی مذہبی پیشواؤں نے بھی اپنے وزیر اعظم ایہود اولمرٹ سے مطالبہ کیا ہے کہ غزہ میں خواتین اور بچوں پر بھی رحم نہ کھائیں۔ شیر خوار بچوں' مردوں' عورتوں' بوڑھوں اور مویشیوں تک کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ عربی جریدہ ''الحیات'' کے مطابق اسرائیل کے اول درجے کے مذہبی پیشوا ''موردخائی'' نے وزیر اعظم اولمرٹ کو خط میں ترغیب دی ہے کہ وہ توریت کی آیات کے مطابق فلسطینیوں کے خلاف اجتماعی سزا کا سلسلہ جاری رکھیں۔ یہودی مذہبی جنونی پیشواؤں کے فتوؤں کے بموجب اسرائیلی حکام کیلئے توریت کے احکام اور رب کی طرف سے فلسطینی عورتوں اور شیر خوار بچوں کا خون بہانا جائز ہے۔ موردخائی کی طرف سے اس تخریبی کتابچے کو یہودی عبادت خانوں میں ہر جمعہ کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔

یہ وہ مذموم پراپیگنڈا ہے جو کہ متعصب اور جنونی ہندو دنیا بھر میں فلسطینیوں کے خلاف کر رہے ہیں۔ فلسطین میں امن پسندی اور مفاہمتی رویہ کے بجائے جنگ جاری رکھنے کے پلان بنائے جا رہے ہیں۔ امریکہ اور یورپی ممالک مسلم ممالک میں انتشار اور افراتفری پیدا کرنے کی سازشیں ترتیب دیتے رہتے ہیں تا کہ مسلمان ممالک کو عدم استحکام سے دوچار کیا جائے۔ سوڈان' صومالیہ' افغانستان' عراق' مسلمان ممالک میں بگاڑ پیدا کرنے کیلئے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا۔ مسلمان ممالک کو نشانہ پر رکھا گیا ہے۔ ایک طرف تو غزہ میں تباہی و بربادی برپا کی گئی' دوسری طرف

امدادی تنظیموں کو بھی غزہ میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جب ان کو جانے کی اجازت دی گئی' تب تک وہاں بڑی تعداد میں خونچکاں داستانیں رقم ہو چکی تھیں۔ بڑی تعداد میں لاشیں' زخمی اور صدمے کا شکار بچے' تباہ حال عمارتیں' خستہ حالی' دل دہلا دینے والے مناظر' لہولہو داستانیں' سفاکی و بربریت کی انتہا اس سے زیادہ اور کیا ہو گی کہ عالمی امدادی اداروں کے غزہ میں داخلہ پر پابندی لگا دی گئی۔ اسرائیل کی عالمی میڈیا اور صحافیوں پر پابندی تو قابل فہم ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ غیر جانبدارانہ رپورٹ اور حقائق منظر عام پر آئیں' مگر امدادی اداروں کو غزہ میں جانے نہ دینا ظلم کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ امدادی اداروں کی غزہ میں داخلہ پر پابندی اسی لئے لگائی گئی کہ وہ وہاں کے دل دہلا دینے والے مناظر کو میڈیا کے سامنے نہ لائیں۔ اسرائیلی فوجیوں کو واضح طور پر علم تھا کہ ان گھروں میں کیا ہو رہا ہے جن پر اسرائیل نے وحشیانہ بمباری کی' مگر باوجود اس حقیقت کے انہوں نے عالمی امدادی اداروں کو غزہ کے علاقے میں جانے سے روکا۔ ریڈ کراس نے تو اسرائیل کے اس ظالمانہ رویے پر تنقید کرتے ہوئے خاصے سخت الفاظ استعمال کئے' جبکہ اس سے قبل ریڈ کراس نے اتنا قریب ترین اور واضح اشارہ نہیں دیا۔ ریڈ کراس نے واضح الفاظ میں کہا کہ اسرائیل غزہ میں جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ بین الاقوامی قانون کے تحت حالت جنگ میں مخالفین کی ذمہ داری ہے کہ وہ زخمیوں کا علاج کریں یا ان کا آزاد طبی ٹیموں کے ذریعے علاقے سے انخلاء ممکن بنائیں۔'' اقوام متحدہ نے متعدد دفعہ غزہ میں امداد کی فراہمی روکنے کا اعلان کیا' حتیٰ کہ امدادی اداروں اور قافلوں کو بھی اسرائیل کی طرف سے نشانہ بنایا گیا۔ اقوام متحدہ کے کئی اداروں پر حملے کئے گئے' جن پر ان اداروں نے اعلان کیا کہ امداد کی فراہمی اس وقت تک معطل رہے گی' جب تک عملے کی حفاظت کی یقین دہانی نہیں مل جاتی۔ امدادی اداروں پر اسرائیل کے حملے اسی خواہش کے پیش نظر کئے جاتے ہیں کہ امدادی ادارے خوف کے بجائے وہاں امدادی سرگرمیاں روک دیں اور غزہ کے عوام بھوک پیاس سے تڑپتے ہوئے زخمی حالت میں جان دے دیں۔ اسرائیل نے وقتی طور پر پسپائی اختیار کرتے ہوئے جنگ کا اعلان تو کر دیا ہے مگر صہیونی قوم کی یہ صرف ایک سازش ہو سکتی ہے' کیونکہ امن کا راستہ کبھی بھی یہودی قوم کی ترجیحات میں نہیں رہا۔ جہاں تک تعلق ہے اسرائیل اور حماس کا۔ اسرائیل حماس کے وجود کو کیسے برداشت کر سکتا ہے' کیونکہ حماس فلسطینیوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ حماس کا مطلب ہے اسرائیل کے مفادات کو جھٹلاتے ہوئے فلسطینی حقوق کیلئے کوشش جاری رکھنا' جن میں فلسطینی سرحدوں کا تنازع اور فلسطینی مہاجرین کی واپسی کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ حماس کے کارکن فلسطینیوں کے بنیادی حقوق سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی سودے بازی پر آمادہ ہیں' بلکہ وہ تو جان

دینے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ اسرائیل چاہتا ہے کہ حماس قیادت کا خاتمہ کردے تاکہ غزہ کے باشندوں کا زور توڑا جاسکے اور ان کو جھکنے پر مجبور کردیا جائے۔ غزہ پر قبضہ کیلئے حماس قیادت کا خاتمہ ضروری ہے۔ اسرائیل حماس کے رہنماؤں کے خاتمے کا کئی دفعہ اعلان کرچکا ہے۔ علاوہ ازیں وہ بارہا غزہ پر قبضے کے حصول کی خواہش کا بھی اعلان کرچکا ہے۔ ابھی تک حماس کی جواں ہمت قیادت اور غزہ کے باسیوں کے اعلیٰ حوصلوں کی بدولت اسرائیل اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکا' مگر اس کے ارادوں اور حوصلوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر تمام عرب ممالک متحد و یکجا ہوجائیں اور اسرائیل کا ہر سطح پر بائیکاٹ کردیں تو فلسطینی مزاحمت کار ایک دن اسرائیلی ریاست اور اس کا غرور خاک میں ملادیں گے۔

❖♦❖

ایہود اولمرٹ کے مستعفی ہوجانے کے بعد قدیمہ پارٹی کی سربراہ اور وزیر خارجہ کے عہدے پر فائز ''موساد'' کی سابقہ ایجنٹ زپی لیونی کو حکومت بنانے کی دعوت دی گئی تھی' جس میں ناکامی کے بعد اسرائیل کے صدر شمعون پیریز نے فروری میں دوبارہ انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ اسرائیلی انتخابات میں کوئی بڑی سیاسی جماعت واضح اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی' البتہ ان انتخابات میں انتہا پسند جماعتیں فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ اسرائیل کی دائیں بازو کی جماعت لیکوڈ کے سربراہ اور سابق وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو اور قدیمہ پارٹی کی سربراہ زپی لیونی دونوں کو کامیابی کا دعوئی ہے' مگر دونوں کے دعوے متضاد حیثیت کے حامل ہیں۔ وزارت عظمیٰ کے حصول کیلئے کوشاں دونوں بڑی جماعتوں کے امیدوار اپنی اپنی فتح کا اعلان کرتے ہوئے حکومت کی تشکیل کیلئے پرامید ہیں۔

درحقیقت اس غیر واضح فتح کے باعث دونوں جماعتوں کو حکومت سازی کیلئے دوسری جماعتوں کی مدد لینا پڑے گی۔ ان انتخابات سے قبل یہ بات واضح نہ تھی کہ اسرائیل میں ایک انتہا پسند حکومت تشکیل پائے گی جو کہ امن کے کسی بھی فارمولے پر کام کرنے کیلئے تیار نہیں اور مقبوضہ فلسطین کا قبضہ چھوڑنے کیلئے کسی بھی طرح کی سودے بازی یا مذاکراتی عمل کے خلاف ہے۔ یا پھر ایسی جماعت سامنے آتی ہے جو کہ معتدل اور متوازن راستے کو ترجیح دیتی ہے اور فلسطینیوں کے ساتھ امن مذاکرات اور گفت وشنید کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ انتہا پسند حکومت کے برسراقتدار آنے کا مطلب مشرق وسطیٰ میں امن مذاکرات کیلئے اوباما انتظامیہ کیلئے مسائل کھڑے کرنا بھی ہے۔

انتخابی نتائج کے مطابق مرکزی قدیمہ پارٹی کی سربراہ زپی لیونی کو پارلیمنٹ کی 120 میں

سے 30 نشستوں پر کامیابی ملی ہے' جبکہ بنجمن نیتن یاہو کی قیادت میں دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کو 29 نشستیں حاصل ہوئی ہیں۔ مجموعی طور پر دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کو اویگدور لائبرمین کی حمایت کی وجہ سے حکومت کی تشکیل سازی کے قابل قرار دیا جارہا ہے۔ اس جماعت نے پارلیمنٹ میں 15 نشستوں پر کامیابی حاصل کی ہے اور وزیر دفاع ایہود باراک کی لیبر جماعت کی 13 نشستوں کے مقابلے میں 15 نشستیں حاصل کرکے خود کو تیسرے بڑے دھڑے کے طور پر منوالیا ہے۔ مستقبل کی حکومتی پارٹی کا انحصار لائبرمین کے فیصلے پر ہے کہ وہ اتحاد سازی کیلئے کس جماعت کو ترجیح دیتے ہیں' فی الحال تو دونوں جماعتوں کے سربراہ کامیابیوں کے دعویدار ہیں۔ قدیمہ پارٹی کی سربراہ زپی لیونی نے انتخابات کے بعد کہا کہ وہ نئی حکومت بنانے کیلئے تیار ہیں اور لیکوڈ پارٹی کو حکومتی اتحاد میں شامل ہونے کی دعوت دیتی ہیں۔ دوسری بڑی جماعت کے سربراہ نیتن یاہو نے اپنے حامیوں سے خطاب میں کہا کہ خدا کی مرضی سے اگلی حکومت دائیں بازو کی جماعتیں بنائیں گی۔ نیتن یاہو اس سے بھی زیادہ پرامید ہیں کہ ان دونوں بڑی جماعتوں کے علاوہ انتخابات میں دائیں بازو کی جماعتوں کی مجموعی کارکردگی بہتر رہی۔ نیشنلسٹ کیمپ کی فتح پر نیتن یاہو مسرور ہیں۔ لیکوڈ پارٹی انتہائی دائیں بازو کی جماعت یزائیل بیتن کے ساتھ مل کر جس نے 15 نشستوں پر کامیابی حاصل کی' حکومت سازی میں نمایاں کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ یزائیل بیتن ناہو کے سربراہ لائبرمین عربوں کے ساتھ امن مذاکرات کے مخالف ہیں۔ اس طرح دائیں بازو کی جماعت لیکوڈ پارٹی اور انتہائی دائیں بازو کی جماعت یزائیل بیتن ناہو کے ملنے کے امکانات واضح ہیں' لیکن ابھی اسرائیلی انتخابات کے حتمی نتائج میں کئی روز لگ سکتے ہیں۔ عرب مخالف جذبات کی وجہ سے مقبولیت حاصل کرنے والے لائبرمین کی انتخابات میں اچھی کارکردگی کی توقع ظاہر کی جا رہی ہے۔

انتخابات سے قبل عوامی جائزوں کے مطابق قدیمہ پارٹی کی رہنما زپی لیونی کو مقبول قرار دیا جارہا تھا۔ انتخابی مہم کے آخری روز تک امیدواروں نے عوام کے ووٹ حاصل کرنے کیلئے تگ ودو کی۔ لیکوڈ پارٹی کے رہنماؤں زپی لیونی اور ایہود اولمرٹ نے مختلف جگہوں پر درخت لگا کر اپنی انتخابی مہم کا آغاز کیا' جبکہ دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کے سربراہ بنجمن نیتن یاہو اور یزائیل بیتن ناہو پارٹی (اسرائیل ہمارا بیت نو ہے) کے رہنما اویگدور لائبرمین نے اپنی مہم کے اختتام پر قدیم یروشلم میں یہودیوں کیلئے انتہائی مقدس دیوار گریہ کا دورہ کیا' جو بین الاقوامی قوانین کی رو سے متنازعہ اور مقبوضہ علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے گزشتہ سال اپنے اوپر لگائے گئے بدعنوانی کے الزامات کے پیش نظر اپنے عہدے سے علیحدہ ہونے کا اعلان کیا تھا جس کی وجہ

سے ملک میں قبل از وقت انتخابات کی نوبت آئی۔ ایہود اولمرٹ کے عہدے سے الگ ہونے کے بعد قدیمہ پارٹی کی وزیر خارجہ زپی لیونی نے حکومت بنانے کی کوشش کی، لیکن لیونی کی حکومت سازی میں ناکامی کے بعد ملک میں عام انتخابات کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ زپی لیونی اس وقت بھی تمام تر کوششوں کے باوجود حکومت سازی میں ناکام رہیں۔ اب ایک بار پھر جیتنے والی دونوں جماعتوں کو حکومت سازی کیلئے دوسری جماعتوں سے اتحاد کرنا پڑے گا، جس کیلئے زپی لیونی کو پسندیدہ قرار نہیں دیا جارہا، کیونکہ اگر زپی لیونی نے اپنے مدمقابل بنجمن نیتن یاہو پر سبقت حاصل کر بھی لی تو اسرائیل کی پارلیمانی کیبنٹ میں دائیں بازو کی جماعتوں کو اکثریت حاصل رہے گی، جن کے ساتھ اتحاد کیلئے زپی لیونی کو ایک بار پھر حکومت سازی میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ غزہ آپریشن نے عربوں اور اسرائیلیوں کو ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا اور اب غزہ آپریشن کے تقریباً فوری بعد اسرائیل کی انتہائی دائیں بازو کے خیالات رکھنے والی پارٹی یزائیل بیتن ناہو کی انتخابات میں کامیابی نے عرب اسرائیل کشیدگی کو اور بڑھا دیا ہے۔ سابق سوویت یونین یا روس نواز ملکوں سے نقل مکانی کرنے والے یہودیوں میں اس پارٹی کو زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ اس پارٹی کی قیادت انتہا پسند رہنما ایوگدور لائبرمین کے ہاتھوں میں ہے جو کہ غزہ پر حملوں سے اختلاف رکھنے والے اسرائیلی سیاستدانوں کو بے نقط سناتے رہتے ہیں۔ غزہ پر حملے کی مخالفت کرنے والے یا اس حملے کو نسل کشی قرار دینے والے ''کیبنٹ'' کے چند ارکان کو تو ایوگدور لائبرمین نے باقاعدہ دہشت گرد قرار دیا اور کہا کہ جس طرح حماس سے نمٹا گیا ہے ان کے ساتھ بھی اسی طرح سختی سے نمٹنا چاہئے۔ صرف اتنا ہی نہیں لائبرمین نے یہ کوشش بھی کی کہ دو اسرائیلی عرب پارٹیوں پر انتخابات میں حصہ لینے پر پابندی لگا دی جائے، لیکن اسرائیلی سپریم کورٹ نے لائبرمین کی درخواست پر کان نہ دھرتے ہوئے اسے مسترد کر دیا۔

اسرائیلی عرب جماعتوں کی مخالفت لائبرمین نے اس لئے کی کہ وہ انہیں یہودی اسرائیلی باشندے ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اسرائیلی عرب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو فلسطینی عرب میں اور جو اب ان علاقوں میں رہتے ہیں، جن پر 1948ء میں اسرائیل قائم کر دیا گیا تھا۔ ان عربوں کو اسرائیلی شہری ہونے کی حیثیت سے مکمل حقوق حاصل ہیں، لیکن ان کے ساتھ وسیع پیمانے پر امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ لائبرمین کا مؤقف ہے کہ ان علاقوں میں آباد اسرائیلی شہری فلسطینیوں کیلئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ ''عربوں کو ختم کردو'' کا نعرہ لگانے والی جماعتوں یا ان کے سربراہوں سے ان مقبوضہ عرب علاقوں میں رہنے والے باشندوں کو کسی قسم کا انس اور محبت نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ جماعتیں نہ صرف خود فلسطینیوں پر ظلم کرتی ہیں بلکہ انہوں نے دوسرے

یہودیوں کو بھی فلسطینیوں کے خلاف کر دیا ہے۔ اس علاقے میں رہنے والے 35 سالہ احسان کا کہنا ہے کہ ''عربوں کو ختم کردو'' کا نعرہ پہلے انتہائی دائیں بازو کے لوگ لگاتے تھے، لیکن اب کہیں زیادہ لوگ یہ بات کرنے لگے ہیں۔ لیونی ہو یا نیتن یاہو انہیں حکومت سازی کیلئے لائبرمین کی پارٹی کی شراکت درکار ہے۔ دونوں جماعتوں کے سربراہوں کو اپنی اپنی کامیابی کا دعویٰ تو ہے مگر اسرائیل کے لوگوں نے لیکوڈ پارٹی کی سربراہی میں قائم نیشنلسٹ کیمپ کو ووٹ دے کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو جان سے مار دینے والوں کے ساتھ ہیں۔

لیونی کا حکومت بنانے کا دعویٰ دائیں بازو کی جماعتوں کی کامیابیوں کی وجہ سے دھندلاتا ہوا نظر آتا ہے۔ وزیر دفاع ایہود باراک بائیں بازو کی جماعت کے سربراہ نے حزب اختلاف میں بیٹھ کر لوگوں کیلئے کام کرنے کے عزم کا اعادہ کیا ہے۔ باراک نے یہ امید بھی ظاہر کی ہے کہ وہ مستقبل میں ٹھوس منصوبہ بندی کے ساتھ آئیں گے اور اپوزیشن میں بیٹھ کر اپنی جماعت کی تعمیر نو کریں گے۔

عربوں کو ان انتخابات کے حوالے سے توقعات تھیں کہ معتدل پسند جماعت کے برسراقتدار آنے سے امن کوششوں کو تقویت ملے گی، مگر انتخابات کے نتائج نے واضح کر دیا ہے کہ امن کی کوششوں کیلئے ماحول سازگار نہیں۔ کیونکہ اسرائیل کی سیاسی فضا میں ایسے لوگ سامنے آئے ہیں جو کہ فلسطینیوں کیلئے نرم گوشہ نہیں رکھتے۔ اسرائیلی انتخابات کے بعد اوباما کی امن کوششوں کی مساعی کے تیز تر ہونے کی توقعات بھی اب دم توڑتی نظر آرہی ہیں، کیونکہ اسرائیل میں بنجمن نیتن یاہو اور لیکوڈ جماعت دونوں دو ریاستی فارمولے کے خلاف ہیں، جبکہ قدیمہ اور لیبر پارٹی اس کے حق میں ہیں۔ انتخابات کے ان غیر واضح نتائج کی روشنی میں جو کثیر الجماعتی اتحادی حکومت تشکیل پاتی نظر آتی ہے، وہ دونوں مواقع کی نمائندگی کر سکتی ہے۔ امن کیلئے فضا سازگار یا پھر امن کیلئے مشکلات حائل کرنا دونوں اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ فلسطینی قیادت بھی اس وقت دو دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے، جبکہ ان دونوں دھڑوں حماس اور الفتح کے بھی اپنے حمایتی ہیں۔ جہاں تک عربوں کا مسئلہ ہے وہ اسرائیل سے مفاہمت کے خلاف ہرگز نہیں۔ بیروت میں 2002ء میں 22 عرب ممالک نے شاہ عبداللہ کی تجویز پر ان کی سربراہی میں ایک متفقہ اعلامیے پر دستخط کئے تھے، جس میں اسرائیل کو پیشکش کی گئی تھی کہ اگر وہ 1967ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس جائے، اور فلسطینی مہاجرین کے مسئلے کے حل پر غور کرے تو تمام عرب ممالک اس کے ساتھ نارمل تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔ سات سال گزر جانے کے بعد سعودی عرب کے شاہ نے اس تجویز کو دہرایا ہے کہ اگر اسرائیل 1967ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس چلا جائے، فلسطینی مہاجرین کو آبادکاری کا حق دیا

جائے تو عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس سے تعلقات قائم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ مگر اب کی بار نتیجہ پھر وہی نکلا' امریکہ' اسرائیل یا اسرائیل نواز کسی ملک کی طرف سے حوصلہ افزاء جواب سامنے نہیں آیا۔ عربوں کی اس تجویز کے جواب میں امریکہ نے اپنا امن منصوبہ ہی بار بار دہرایا۔ یوں عربوں کا مصالحتی منصوبہ کبھی اینا پولس کانفرنس کی بھینٹ چڑھا دیا گیا' تو کبھی بین الاقوامی مفاہمتی اصولوں کی نذر کر دیا گیا۔ ایہود اولمرٹ کے استعفیٰ سے پہلے امریکہ کا پیش کردہ امن معاہدہ طے پا جانے کی توقع ظاہر کی جا رہی تھی۔ یہ وہ امن منصوبہ تھا، جس کے بارے میں فلسطین کو باور کرادیا گیا تھا کہ اگر وہ امن چاہتے ہیں تو انہیں امریکہ کے اس امن منصوبے کو تسلیم کرنا ہوگا۔

اب نئی اسرائیلی حکومت سے کیا توقع کی جا سکتی ہے' جبکہ برسر اقتدار آنے والے نمائندوں کا رویہ انتہا پسندانہ ہے۔ اس کی انتہا پسندانہ سوچ اور عربوں سے مخالفت کے پیش نظر ان سے مفاہمت یا مصالحت کی امید رکھنا بے جا ہے' مگر اس مسئلے کے تمام فریقین کو بھی اب اچھی طرح یہ احساس ہو چکا ہے کہ پہلے کی تمام پالیسیاں ناکام ہو چکی ہیں اور اب وقت ہے کہ امن مذاکرات کو آگے بڑھایا جائے۔ دوسری صورت میں اسرائیلیوں کو ان کی شناخت کا مسئلہ بھی درپیش ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام عرب ہمسایوں سے بہتر تعلقات کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی سکیورٹی کو بھی سنجیدگی سے لیں اور اسے یقینی بنانے کیلئے فلسطینیوں کے ساتھ امن و مفاہمت یا فلسطین کے وجود کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ عرب لیگ' فلسطینی اتھارٹی یا عرب ممالک کے متفقہ گروپ کی جانب سے مذاکرات کی دعوت پر نئی اسرائیلی حکومت عرب ممالک کو خیر سگالی کا پیغام بھیج کر ثابت کر سکتی ہے کہ وہ عربوں کے ساتھ مل کر مشرق وسطیٰ کے خطے کو جنت بنانے میں اپنا کردار ادا کرے گی۔ مثالی حالات یا امن پسند رہنماؤں کا انتظار کرنے کے بجائے یہی وقت ہے کہ آگے بڑھا جائے اور ڈائیلاگ کئے جائیں' کیونکہ ہر جاتا ہوا لمحہ اور آخری سانسیں لیتا ہوا بچہ اس کشیدگی کو اور ہوا دے رہا ہے۔ لیکن حکومت سازی کیلئے پر تولتی سیاسی جماعتوں سے امن اور مفاہمت کی امید کم ہی نظر آ رہی ہے' کیونکہ دائیں بازو کی جماعتیں نہ صرف امن منصوبے کیلئے کسی قسم کے مذاکرات کے خلاف ہیں بلکہ وہ تو فلسطینیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے عزائم رکھتی ہیں۔ ان کے خیال میں اسرائیل کی سرزمین پر کسی فلسطینی کے سانس لینے کی گنجائش نہیں۔ یہ ان ہی انتہا پسند جماعتوں کا کارنامہ ہے کہ فلسطین میں باقاعدہ نسل کشی کا منصوبہ بنایا گیا۔ معصوم بچوں کی ہلاکت' گھروں کے گھر اجاڑ دینا نسل کشی نہیں تو اور کیا ہے۔ مظالم کی داستانیں رقم کرنے والے ان اسرائیلیوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فلسطینیوں کو زندہ رہنے کا حق دیں گے۔

یہ ایک ایسی نئی حکومت ہے، جس کے قیام پر غیر یقینی برقرار ہے' کیونکہ بنجمن نیتن یاہو کی

لیکوڈ پارٹی سے قدیمہ پارٹی صرف ایک نشست آگے ہے۔ لیونی کی قدیمہ پارٹی کو 120 رکنی پارلیمنٹ میں نیتن یاہو کی دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی سے ایک نشست کی سبقت حاصل ہے۔ ایسے میں زپی لیونی نے ایک نئی حکومت کی قیادت کا عہد کیا ہے اور نیتن یاہو کو حکومت میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔ نیتن یاہو نے پارلیمنٹ میں ایک بڑے قوم پرست کیمپ کی نشاندہی کرتے ہوئے وزیراعظم بننے کا عزم دہرایا ہے اور کہا ہے کہ وہ دائیں بازو کی جماعتوں کے ساتھ حکمرانی کا ایک اتحاد قائم کریں گے۔ 59 سالہ نیتن یاہو نے انتخابات کے نتائج کے بعد کہا کہ انتخابات میں قدیمہ پارٹی کو قلیل سی اکثریت حاصل ہوئی ہے لیکن دائیں بازو کی پارٹیوں کے پارلیمنٹ میں 64 ارکان ہیں۔ 50 سالہ لیونی نے کہا کہ جب ہم حکومت تشکیل دیں گے تو اسرائیلی عوام دوبارہ مسکرا سکتے ہیں۔ وہ 1970ء کی دہائی میں حکمرانی کرنے والی گولڈا میئر کے بعد اسرائیل کی پہلی وزیراعظم بنیں گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ البتہ اس کا فیصلہ شمعون پیریز پر منحصر ہے کہ وہ سیاسی جماعتوں سے سفارشات کی سماعت کے بعد طے کریں کہ آیا حکومت کی تشکیل کیلئے لیونی سے درخواست کریں گے یا نیتن یاہو کو حکومت کی تشکیل کی دعوت دیں گے۔

انتخابات اور ان کے نتائج نے حماس کے ساتھ مفاہمت کے راستوں کو بند کر دیا ہے۔ لبنان میں حماس کے نمائندے اسامہ حمدان نے کہا ہے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کے حالیہ انتخاب میں بائیں بازو کی جماعتوں کی جیت سے فلسطینیوں کے ساتھ امن قائم کرنے کا باب ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے۔ اسامہ حمدان نے کہا کہ انتخابی نتائج حماس کیلئے کوئی غیر متوقع بات نہیں۔

انتخابات کے نتائج کے بعد غزہ پر حملوں میں بھی تیزی آ گئی ہے۔ اسرائیل نے ان حملوں میں حماس کے مقامی ہیڈ کوارٹر کو بھی نقصان پہنچایا۔ اسرائیل حماس کے معاملے میں اقوام متحدہ کی قراردادیں ماننے کو بھی تیار نہیں اور نہ ہی عالم اسلام کی بات پر کان دھرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ فلسطین کے خطے کو ضم کر کے صرف اور صرف اسرائیل کی شکل میں ہی دیکھنے کا خواہاں ہے' اور اس مقصد کو لے کر وہ بڑی بے دردی سے بے گناہوں کا خون بہا رہا ہے۔

❖◆❖

اسرائیل کا اپنے فوجی گیلاد شالیط کی رہائی سے امن معاہدے کو مشروط کر دینا اس کے منافقانہ اور غیر مصلحانہ رویے کا واضح ثبوت ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے حماس کے ساتھ اس وقت تک امن معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا ہے، جب تک اس کے قبضے میں موجود اسرائیلی فوجی کو رہا نہیں کیا جاتا۔ ایہود اولمرٹ نے یہ بیان اس وقت دیا جب یہ توقع کی جا رہی تھی کہ اسرائیل اور حماس کے درمیان مصر کے ذریعے کرائے جانے والے امن معاہدے کے بارے

میں جلد اعلان کر دیا جائے گا۔ اسرائیل کی حکومت نے اپنے بیان میں کہا کہ گیلا دشالیط کی رہائی
سے قبل کسی امن معاہدے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اسرائیل کا یہ جارحانہ رویہ اس بات کا واضح
اشارہ ہے کہ وہ امن کیلئے کی جانے والی کوششوں میں سنجیدہ نہیں ہے۔ غزہ میں تین ہفتوں کی
ظالمانہ جارحیت کے بعد بھی اسرائیل حماس کو شکست دینے اور غزہ کے باسیوں کے حوصلوں کو
مات دینے میں ناکام رہا۔ اسرائیل نے غزہ کی حالیہ جارحیت کے بعد یکطرفہ فائر بندی کا اعلان کیا
تھا' جس کے بعد حماس نے بھی فائر بندی کا اعلان کیا' مگر فائر بندی کے اعلان کے باوجود اسرائیل
نے وقتاً فوقتاً غزہ پر بمباری جاری رکھی۔ مصر امن و مفاہمت کیلئے دونوں فریقوں کے درمیان
سمجھوتہ کرانے کی کوششوں میں فعال کردار ادا کر رہا ہے۔ حماس کے رہنماؤں نے گزشتہ دنوں
فائر بندی کے معاہدے پر اعلان کی چند دنوں تک امید ظاہر کی تھی۔ حماس کے رہنما ابومرزوق نے
کہا تھا کہ غزہ کی پٹی اور اسرائیل کے درمیان رابطے کے چھ راستے کھولنے اور ہر قسم کی فوجی نقل و
حرکت اور جارحیت روکنے کے بدلے میں اسرائیل کے ساتھ ڈیڑھ سالہ جنگ بندی پر اتفاق
ہو گیا ہے۔ اس ممکنہ معاہدے کے تحت اسرائیل کا رفتہ رفتہ غزہ کی ناکہ بندی ختم کرنا شامل ہے۔
اسرائیل نے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ مصر سے سرنگوں کے ذریعے غزہ میں لائے جانے والے
ہتھیاروں کو بھی روکا جائے۔

اسرائیل نے فوجی گیلا دشالیط کے معاملے کو لے کر امن معاہدے سے انکار کر دیا ہے، جو
اس کی بدنیتی کا ثبوت ہے۔ اسرائیلی فوجی گیلا دشالیط کو 2006ء میں فلسطینی مجاہدین نے اغوا کر لیا
تھا۔ 28 اگست 1986ء کو پیدا ہونے والا گیلا دشالیط ایک فرانسیسی شہری ہے جو کہ اسرائیل کی مسلح
افواج میں فوجی خدمات انجام دے رہا ہے۔ حماس نے گیلا دشالیط کو 25 جون 2006ء کو غزہ کی
پٹی پر اسرائیل کے حملے کے دوران گرفتار کیا۔ شالیط کو گرفتار کرنے والی تنظیم حماس کا کہنا ہے کہ وہ
شالیط کو 18 سال سے کم عمر فوجیوں کی رہائی کے بدلے میں آزاد کرنے کیلئے تیار ہے۔ جب حماس
نے اسے گرفتار کیا تو وہ کارپورل کے عہدے پر فائز تھا' لیکن اب اسے سٹاف سرجنٹ کے عہدے
پر ترقی دے دی گئی ہے۔ 1994ء میں گرفتار ہونے والے نچستون واچ مین کی گرفتاری کے بعد
فلسطینی تحریکوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے والا یہ پہلا اسرائیلی سپاہی ہے۔ شالیط کی فرانسیسی شہریت
کی وجہ سے فرانس اور یورپی یونین اس کی رہائی کے معاملے میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔
شالیط 28 اگست 1986ء کو نہاریہ اسرائیل میں پیدا ہوا اور دو سال کی عمر میں اسے مغربی گیلیلی
میں مٹز پی ہلا میں تعلیم کی غرض سے داخل کیا گیا۔ اس نے مانز کبیری ہائی سکول سے امتیازی نمبروں
میں گریجویشن کی اور جولائی 2005ء میں اس نے اسرائیل کے دفاعی دستوں میں خدمات انجام

دینا شروع کیں۔ طبی بنیادوں پر کچھ مسائل کے باوجود اس نے جنگی محاذ کو ترجیح دی۔ اس کے پاس
اسرائیلی اور فرانسیسی شہریت ہے۔ 25 جون 2006ء اتوار کی ایک صبح کو شالیط کو فلسطینی جہادیوں
نے اس وقت گرفتار کر لیا، جب انہوں نے جنوبی غزہ کی پٹی سے ملحقہ اسرائیلی سرحدوں کے
نزدیک قائم اسرائیلی فوجی چوکی پر حملہ کیا۔ اس حملے میں دو فلسطینی جہادی اور دو اسرائیلی ڈیفنس
فورس (IDF) کے سپاہی ہلاک ہوئے اور تین زخمی ہوئے' جن میں ایک سپاہی شالیط بھی تھا جس کا
اس حملے میں دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا اور کندھے پر معمولی زخم آئے۔ 26 جون 2006ء کو شالیط کو
گرفتار کرنے والے فلسطینی مجاہدین نے شالیط کی گرفتاری کی اطلاع دیتے ہوئے پیشکش کی کہ اگر
اسرائیل 18 سال سے کم عمر فلسطینی خواتین اور بچوں کو رہا کر دے تو وہ اس کے بدلے میں شالیط کو
رہا کرنے کیلئے تیار ہیں۔

اسرائیلی فوجیں شالیط کی تلاش میں 28 جون 2006ء کو خان یونس میں داخل ہوئیں۔
واشنگٹن ڈی سی میں اسرائیل کے سفارتخانے کے ترجمان ڈیوڈ سیگل نے کہا کہ گیلا دشالیط کی رہائی
کیلئے اسرائیل سفارتی اور ملٹری ہر سطح پر کوشش کرے گا۔ اس سلسلے میں محمود عباس کو بھی آگے بڑھایا
جائے گا۔ اسی دن چار اسرائیلی ایئر کرافٹ نے لاطاکیہ میں بشارالاسد پر حماس کی حمایت کا الزام
لگایا' جس پر حماس کے دائیں بازو کے گروپ نے اس حملے پر سخت تنقید کی۔ سفارتی سطح پر شالیط کی
رہائی کیلئے اسرائیل اور فرانس کے بشپ حضرات کے ذریعے غزہ کے کیتھولک چرچ سے رابطہ
کر کے معاملہ نبٹانے کی کوشش کی گئی۔ اکتوبر 2006ء میں مصر کے ذریعے شالیط کی رہائی کیلئے
گفت و شنید کی گئی۔ دفاعی مزاحمتی کمیٹی کی طرف سے ایک بیان بھی جاری کیا گیا کہ شالیط کی رہائی
کیلئے تینوں فریق متفق ہو گئے ہیں۔ نومبر 2006ء میں حماس کے رہنما خالد مشعل نے اشارہ دیا
کہ شالیط زندہ اور اچھی حالت میں ہے۔ 9 جنوری 2007ء کو حماس نے اسرائیل کو ایک ویڈیو
ٹیپ جاری کرنے کی پیشکش کی کہ '' شالیط زندہ ہے' اگر اسرائیل تمام فلسطینی خواتین اور بچوں کو رہا
کر دے تو اس کے بدلے میں حماس شالیط کی رہائی کیلئے تیار ہے۔'' اسرائیلی وزیراعظم ایہود
اولمرٹ نے شالیط کے متعلق اس تجویز کو رد کر دیا' جبکہ شالیط کے باپ' نوم شالیط نے حکومت کے
انکار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ انہیں ان کا بیٹا واپس چاہئے' نہ کہ ویڈیو یا خط۔ 9 جنوری 2007ء
کو ابومجاہد فلسطینی ترجمان نے بیان دیا کہ شالیط کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ وہ ابھی زندہ
اور سلامت ہے۔ اس کے ساتھ اسلامی اصولوں کے مطابق جنگی قیدیوں کے ساتھ روا رکھا جانے
والا بہترین سلوک کیا جا رہا ہے۔ تاہم ہم قیدیوں کو چھ ماہ سے زیادہ قبضے میں رکھنے کا اہتمام نہیں
کر سکتے' مگر اپنے مطالبات منوانے کیلئے اسے سالوں تک رکھا جا سکتا ہے۔

17 جنوری 2007ء کو ''آرمی آف اسلام'' جس کے سربراہ ممتاز درمش ہیں' انہوں نے دعویٰ کیا کہ شالیط کو اس وقت حماس کی نگرانی میں دے دیا گیا ہے۔ 8 مارچ 2007ء کو ''یروشلم پوسٹ'' میں شالیط کی رہائی کیلئے حماس اور اسرائیل میں معاملہ طے پا جانے کی نوید سنی گئی۔ 7 اپریل 2007ء کو رپورٹ کی گئی کہ شالیط کو مصری نمائندگان کے ذریعے اسرائیل منتقل کر دیا گیا ہے۔ 1300 فلسطینی قیدیوں کی رہائی کیلئے فہرست بھی دی گئی جو کہ الفتح سے تعلق رکھتے ہیں' جبکہ 4 فروری 2008ء کو رپورٹ شائع ہوئی کہ حماس نے گیلا دشالیط کی فیملی کو اس کا دوسرا خط بھیجا ہے۔ اس خط کے بعد شالیط کے والد نوم شالیط امریکہ کے سابق صدر جمی کارٹر کے ان کے اپریل 2008ء کے اسرائیل کے دورہ کے دوران ملے۔ جمی کارٹر نے دمشق میں حماس کے رہنما خالد مشعل سے ملاقات کی۔ نوم شالیط نے کہا کہ کارٹر ان کے بیٹے کی رہائی کے سلسلہ میں زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوسکتے۔ 9 جون 2008ء کو حماس نے گیلا د کی فیملی کو تیسرا خط بھیجا۔ 12 اگست 2008ء کو حماس نے کہا کہ وہ اسرائیلی محاصرے کو مکمل ختم کر دینے کے معاملے تک شالیط کی رہائی کی بات چیت کو مؤخر کر رہے ہیں۔ اس فیصلے نے مصر کو مشتعل کر دیا جو کہ شالیط کی رہائی کا بنیادی کردار ہے۔ حماس نے شالیط کی رہائی کے بدلے میں رفاہ بارڈر کھولنے کو مشروط کرتے ہوئے مصر کی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

ادھر دوسری طرف الفتح کے قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ چھیڑ دیا گیا اور حماس کے قیدیوں کی رہائی کو قطعاً نظرانداز کر دیا گیا۔ غزہ پر اسرائیل کی حالیہ جارحیت میں یہ چرچا ہوا کہ غزہ پٹی پر حملے کے دوران شالیط زخمی ہوگیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حماس کے سیاسی ونگ کے ڈپٹی چیف ابومرزوق نے کہا کہ ''ہوسکتا ہے کہ شالیط زخمی ہوا ہو' مگر یہ موضوع اب ہمارے لئے قطعاً دلچسپی کا حامل نہیں۔ ہم اس کے اچھے ہونے کے بارے میں فکرمند ہیں اور نہ ہی اس کیلئے کوئی خصوصی گارڈ رکھتے ہیں۔'' 26 جنوری 2009ء کو یہ رپورٹ پیش کی گئی کہ اسرائیل نے شالیط کے بدلے میں 1,000 فلسطینی قیدیوں کی رہائی کیلئے پیشکش کی ہے۔ 25 جون 2007ء کو اسرائیلی ہیومن رائٹس آرگنائزیشن (انسانی حقوق تنظیم) نے کہا کہ بین الاقوامی قوانین دشمن سے مطالبات منوانے کیلئے کسی شخص کو جبراً رکھنے اور مطالبات پورے نہ ہونے کی صورت میں نقصان پہنچانے یا قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ علاوہ ازیں شالیط کو اس کے حقوق نہ ملنا بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتا ہے۔ اسرائیلی ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کو فلسطینی قیدیوں کے حقوق کی پاسداری کا تو خیال نہیں' مگر اپنے قیدی کیلئے انہیں بین الاقوامی قوانین فوراً یاد آجاتے ہیں۔ 16 دسمبر 2008ء کو شالیط کو پیرس' فرانس کا اعزازی شہری قرار دیا گیا اور اس کی

رہائی کیلئے کوششوں کو تیز تر کرنے کا اعلان کیا گیا۔ جبکہ 21 دسمبر 2008ء کو روم اٹلی کے میئر نے بھی شالیط کو روم کا اعزازی شہری قرار دینے کی تجویز پیش کی۔ اس کی وضاحت میں کہا گیا کہ اس سے ان کا مقصد یہودی آبادی کو ''خودمختاری آزادی کی علامت'' قرار دے کر اس کی عزت میں اضافہ کرنا ہے۔ فلسطینی مجاہدین نے شالیط کی رہائی کیلئے مدت بھی دی تھی' جسے کہ اسرائیلی حکومت نے نظرانداز کیا تھا کہ اگر اسرائیل فلسطینی قیدیوں کی رہائی شروع نہیں کرتا تو اس کے فوجی کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس پر حماس حکومت کے ترجمان غازی حماد نے دانش مندی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا کہ ''اسرائیلی فوجی کی زندگی کی حفاظت کرنی چاہئے اور اس مسئلہ کو سفارتی طریقوں سے حل کیا جانا چاہئے۔'' اس پر شالیط کی رہائی کا مسئلہ مزید گفت وشنید پر مؤخر کر دیا گیا تھا۔ اسرائیل نے شالیط کی رہائی کے مسئلے کی نزاکت کو بھانپنے کے بجائے فلسطین پر حملوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ فلسطینی مجاہدین کی طرف سے ایک ہزار فلسطینی قیدیوں جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں' کی رہائی کے مطالبے کو فلسطین میں عوامی سطح پر بھی بہت حمایت حاصل ہے۔ گیلا دشالیط کی قید اور خطوط کے باوجود اسرائیلی حکومت اپنا رویہ نرم کرنے کیلئے تیار نہیں تھی اور اس سلسلے میں قومی مجاہدین سے کسی قسم کی مفاہمت کیلئے بھی رضامند نہیں تھی۔ اسرائیل کے مبصرین کا یہ کہنا تھا کہ فلسطینی مجاہدین صرف گیدڑ بھبکیاں لگا رہے ہیں' وہ اسرائیلی فوجی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ کافی دیر تک حماس کی بار بار یاد دہانیوں کے باوجود اسرائیل اس معاملے میں لاتعلق سا رہا۔ حالانکہ گیلا دشالیط کے پکڑے جانے کے فوراً بعد اسرائیل نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ وہ اسرائیلی فوجی کو ضرور چھڑوائے گا۔ کارپورل گیلا دشالیط کو غزہ کی پٹی پر چھاپہ مار حملے کے دوران اغوا کیا گیا تھا' جس پر حماس کی طرف سے فوراً یہ بیان آیا تھا کہ اسے لاپتہ فوجی کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے' تاہم اس نے اغوا کرنے والوں سے اپیل کی تھی کہ وہ جس گروپ کے پاس بھی ہے' وہ اسے زندہ رکھیں اور اچھی طرح اس کی دیکھ بھال کریں۔ یہ حملہ کریم شالوم کراسنگ کے نزدیک کیا گیا تھا اور حکام کے مطابق یہ حملہ تین سوفٹ ایک لمبی سرنگ کھود کر کیا گیا تھا۔ اس حملے میں اسرائیلی فوجی بھی زخمی ہوئے اور حملے کے چند گھنٹوں بعد گن شپ ہیلی کاپٹرز سمیت درجنوں اسرائیلی ٹینک غزہ میں گھس گئے تھے۔ اس حملے کے بعد غزہ کی پاپولر ریزسٹنس کمیٹی کے ترجمان نے دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے حماس کے ملٹری ونگ کے ساتھ مل کر یہ حملہ ان کے رہنما کی اسرائیلی حملے میں ہلاکت کے بدلے کیلئے کیا تھا۔ حماس کے مسلح بازو نے کہا تھا کہ اس کے حامیوں نے آتش گیر مادے اور بموں سے حملہ کیا تھا' جبکہ اسرائیلی فوج کے مطابق یہ حملہ اینٹی ٹینک میزائل سے کیا گیا تھا جس کے بعد فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوگیا۔

گیلا د شالیط کے والد نوم شالیط نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے بیٹے نے اپنے خطوط میں انہیں کیا لکھا تھا' بس انہوں نے اسرائیلی قیادت سے اپیل کی تھی کہ وہ حماس کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ کر کے گیلا د کی زندگی بچا لیں۔ گیلا د شالیط کے خطوط کے متعلق خالد مشعل نے جمی کارٹر سے ملاقات میں کہا تھا کہ اسرائیلی فوجی کو انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت خط لکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اب جبکہ غزہ میں حالیہ حملے کے بعد اسرائیل اور حماس میں عارضی فائر بندی کا معاہدہ ہوا تھا اور مزید ڈیڑھ سالہ جنگ بندی معاہدے پر بات چیت چل رہی تھی کہ اسرائیل نے بات چیت کو آگے بڑھانے سے انکار کر دیا اور امن معاہدے کو گیلا د شالیط کی رہائی سے مشروط کر دیا۔ امن کے سلسلے میں سعودی فارمولا بہترین تصفیہ ہے اگر اسرائیل اس پر عمل کرے۔ اس فارمولے کے تحت 1967ء میں قبضہ کی گئی زمین چھوڑنے کے بدلے تمام عرب ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔ جبکہ اس معاہدے کے مطابق اسرائیل کو 1948ء میں جبری طور پر بے دخل کئے گئے مہاجرین کی واپسی' فلسطینی ریاست کیلئے مقبوضہ بیت المقدس کو دارالحکومت بنانے کی اجازت دینا اور گولان کی پہاڑیاں شام کو لوٹانا ہوں گی۔ اسرائیل کے صدر شمعون پیریز سعودی عرب کے شاہ عبداللہ کی تجویز پر اقوام متحدہ کے تحت ہونے والی بین المذاہب کانفرنس سے خطاب کے دوران مقبوضہ اراضی چھوڑنے کے بدلے عرب ملکوں کے ساتھ قیام امن کی تجویز کی تعریف کر چکے ہیں۔ جبکہ بارک اوباما بھی شاہ عبداللہ کی تجویز کو سراہ چکے ہیں' مگر سراہنے کے باوجود اسرائیل کی طرف سے امن تجاویز پر ابھی تک کوئی عملی قدم سامنے نہیں آیا اور نہ ہی سامنے آنے کی توقع ہے۔ کیونکہ اسرائیل امن کا خواہشمند ہی نہیں' وہ فلسطین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور اس کیلئے فلسطینیوں کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اسرائیل فلسطین کی مقبوضہ اراضی ہڑپ کرنے کے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے فلسطینیوں پر دن رات ظلم ڈھا رہا ہے اور فلسطینیوں کی قیادت کے خاتمے کیلئے کاربند ہے' تاکہ فلسطین کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ جائے اور صرف اسرائیل ہی اس علاقے میں راج کرے۔

❖♦❖

حماس کا فلسطینی مجاہدین کیلئے جاں نثارانہ اور حقیقی کردار اسرائیلی اور یورپ کو کسی طور گوارا نہیں' یہی وجہ ہے کہ وہ حماس کی قیادت کے خاتمے کے درپے ہے تاکہ فلسطینیوں کی نمائندگی کرنے والی یہ تنظیم اپنا وجود کھو دے اور باقی صرف الفتح رہ جائے، جو اسرائیل کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے اور یورپ کی منظور نظر ہے۔ الفتح اسرائیل اور یورپ کے آقاؤں کی خواہشات پر سر جھکانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی' اسی لئے وہ صہیونیوں اور یورپ کی چہیتی تنظیم ہے۔ مسلمانوں کا یہ المیہ ہے کہ جہاں ان میں جاں نثاروں کی کوئی کمی نہیں' وہیں ان کی عصری تاریخ میں میر جعفر اور میر صادق جیسے غدار بھی ہر دور میں مسلمانوں کی تحریکوں کیلئے نقصان کا باعث بنتے رہے ہیں۔ مسلمان تحریکوں کو غیروں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا ہوگا، جتنا اپنوں نے پہنچایا ہے۔ ایسے ضمیر فروش افراد اپنے مفادات کیلئے قوم کو کھوکھلا کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ حالیہ عرصہ میں امریکہ اسرائیل اور دیگر مسلم دشمن طاقتوں کو عالم اسلام کے خلاف مختلف خطوں میں اگر کوئی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں تو اس میں ان سانپوں کا بہت زیادہ کردار رہا ہے جو کہ مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل رہے ہیں' عراق افغانستان اور اب مقبوضہ فلسطین عراق کے بارے میں بھی رپورٹس کے مطابق ان غیر مسلم طاقتوں نے مسلمانوں کو مخبری کیلئے استعمال کیا۔ افغانستان میں بھی مسلمانوں کے اندر سے ضمیر فروش خریدے گئے۔ ان ضمیر فروشوں کے ذریعے مزاحمت کاروں کے ٹھکانے معلوم کئے جاتے ہیں اور پھر غیر مسلم طاقتیں ان پر چڑھائی کر دیتی ہیں۔ غزہ پر حالیہ یلغار میں اسرائیل نے الفتح سے روابط کو استعمال کیا۔ الفتح کے اراکین نے اسرائیل کو حماس کے ٹھکانوں کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ جن کی بنا پر حماس کے مراکز اور قیادت کو نشانہ بنانا آسان ہوگیا۔ مغربی کنارے پر آباد باشندوں میں سے اسرائیل نے اپنے نمائندے منتخب کئے' جنہیں ہم بجا طور پر اسرائیلی ایجنٹ کہہ سکتے ہیں۔ ان اسرائیلی ایجنٹوں کا انتخاب الفتح کے اراکین یا الفتح سے وابستہ فلسطینی باشندوں میں سے کیا گیا' ان الفتح کے ممبروں نے حماس کے ٹھکانوں پر یلغار کو اسرائیل

کیلئے آسان بنا دیا۔ ان اسرائیلی ایجنٹوں کا مسئلہ پہلے بھی موضوع بحث تھا لیکن حالیہ غزہ پر حملے کے بعد یہ دوبارہ گرم موضوع بن گیا ہے۔ غزہ کی حالیہ یلغار کے بعد حماس کے سیاسی شعبہ کے نائب صدر ابومرزوق کا بیان الفتح کی حقیقت آشکارا کردینے کیلئے کافی ہے۔ انہوں نے بغیر لگی لپٹی رکھے واضح طور پر کہا کہ حماس کے خلاف جاسوسی کرنے والے فلسطینی ایجنٹوں نے حالیہ یلغار کے دوران غزہ میں واقع حماس کے ٹھکانوں کی نشاندہی کرکے اسرائیل کے پانچویں فوجی دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ حماس کی قیادت کی جانب سے الفتح کو جاسوسی کا الزام دینا کوئی قرین معاملہ نہیں بلکہ حقیقت برمحل ہے' کیونکہ حماس کو ایسی بہت سی مصدقہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ الفتح کے یہ اراکین حماس کے خلاف جاسوسی کررہے ہیں۔ اسرائیلی ایجنٹوں کے طور پر کام کرنے والے فلسطینیوں کی نقل وحرکت کے متعلق حماس کو ثبوت شواہد ملے۔

اسلامی تحریک مزاحمت کے عسکری ونگ القسام بریگیڈ کو غزہ پر حالیہ جارحیت سے کچھ عرصہ قبل پتہ چلا کہ غزہ میں اسرائیل کیلئے حماس کی جاسوسی کیلئے ایک پورا نیٹ ورک کام کررہا ہے۔ یہ خفیہ گروپ خاص طور پر حماس کی جاسوسی ومخبری کیلئے تشکیل دیا گیا تھا۔ یہ گروپ اسماعیل ہانیہ اور ان کے رفقاء کار کی نقل وحرکت کے متعلق معلومات اکٹھی کررہا تھا' اسماعیل ہانیہ کے مکان اوران کے رفقاء پر بھی نگاہ رکھی جارہی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں اس امر کا انکشاف بھی ہوا ہے کہ یہ خفیہ گروپ نہ صرف حماس کے متعلق جاسوسی کررہے تھے بلکہ اسرائیلی جارحیت کو طوالت ووسعت دینے کیلئے بھی کام کررہے تھے۔ اس کے علاوہ ایجنٹوں کے کئی گروپ حماس حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے فوجی سطح پر بھی سازشوں میں مصروف تھے۔ غزہ کے تل الھوی علاقہ میں فلسطینی ایجنٹوں نے حماس کے کارکنوں پر پیچھے سے فائرنگ کرکے ثبوت فراہم کردیا کہ وہ اپنے مفادات کیلئے حماس سے دوبدو لڑائی پر آمادہ ہیں۔ فضا سے اسرائیل حملے کررہا تھا اور زمین پر یہ ایجنٹ حماس کے ساتھ دوبدو تھے۔ اسرائیل نے مسئلہ فلسطین کو ہمیشہ کیلئے ختم کردینے کی سازش تیار کی۔ ایسی سوچی سمجھی سازش، جس کا اعتراف خود اسرائیل اور یورپی قیادت نے کیا۔ جرمنی روزنامہ یونجا ویلیٹ میں سیاسی تجزیہ نگار وولورا ینھارٹ نے اپنی تجزیاتی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ الفتح کو ساتھ ملانے کا کوئی منصوبہ نیا نہیں۔ امریکی صدر بش کی انتظامیہ نے فلسطین کی داخلی صورتحال کو دھماکہ خیز بنا کر فتنوں کی آگ بھڑکا کر فائدہ اٹھانے کا منصوبہ تو بہت پہلے ہی سے تیار کرلیا تھا بلکہ حماس تحریک کے سیاسی وعسکری قائدین کا صفایا کرنے کیلئے الفتح اراکین کو بھی آمادہ کیا گیا۔

تل ابیب کے مقیم امریکی فوجی رابطہ کار کے ذمہ دار جنرل کیتھوڈائٹن نے اعتراف کیا تھا کہ فتح تحریک کے تمام ہی دھڑوں پر امریکہ کا مضبوط اثر ہے۔ غزہ پٹی کے علاقے میں جلد ہی

ایسی بھیانک اور ظالمانہ کارروائی ہوگی کہ رحم وکرم اور ہمدردی کو پاس پھٹکنے نہیں دیا جائے گا اس منصوبے پر کام کرنے کیلئے اسرائیل وامریکہ کے دوست وہمنوا اور اتحادی ''الفتح'' کے رہنماؤں نے ساتھ دینے کا وعدہ کرلیا ہے اور اس سلسلے میں مفاہمت کرلی ہے۔ حماس تحریک کے خلاف کارروائی شروع کرنے سے پہلے الفتح کے اراکین کی تربیت کی گئی۔ اس کے علاوہ انہیں ضروری سازوسامان بھی فراہم کیا گیا۔ اتھارٹی صدر کے گارڈوں کی تربیت کیلئے 59 ملین یورو کو بھی منظور کیا گیا۔ جرمن اخبارات نے تو باقاعدہ حوالہ جات کے ساتھ کیا کہ سینٹرل امریکن انٹیلی جنس (CIA) نے جمہوریہ سلفاڈور کے سابقہ تجربہ کار اور ماہرین کو بلا کر فتح کے ساتھ انہیں شامل کردیا تاکہ وہ حماس قائدین کو ٹھکانے لگانے کیلئے ''موت کی ٹیم'' تشکیل دیں۔ فلسطینی ایجنٹ اسرائیل کو حماس قائدین کے مکانات اور ان کے ٹھکانوں کے متعلق معلومات فراہم کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض ایجنٹوں نے تو حماس کے مراکز پر فاسفورس حملوں کیلئے بعض نشانات وضع کئے تاکہ اسرائیل کو بمباری میں مشکل پیش نہ آئے۔ تحقیقات کے بعد یہ بات تو اب پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حالیہ جارحیت کے دوران حماس کے دو اعلیٰ عہدیدار نزار ریان اور سعید صیام کی شہادت میں ان ایجنٹوں نے بنیادی کردار ادا کیا' اگر یہ ایجنٹ اسرائیل کے ساتھ مکمل تعاون نہ کرتے تو اسرائیل انہیں ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ حماس کے وزیر خارجہ سعید صیام کے گھر کی نشاندہی ان ہی ایجنٹوں نے کی۔ ان ایجنٹوں کا یہ معاملہ صرف چند افراد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادیں بہت گہری اور مضبوط ہیں۔ اس وقت سے جب فلسطینی اتھارٹی نے اسرائیل کے ساتھ معاہدوں کا آغاز کیا بالخصوص 1993ء کا اوسلو معاہدہ اور پھر اس کے بعد کے دیگر سلامتی معاہدے جن میں اسرائیل کو باقاعدہ سرکاری حیثیت سے تسلیم کیا اور قابض اسرائیلی افواج کے تعاون سے فلسطینی علاقوں میں سکیورٹی کے مسائل حل کئے جانے لگے تب ہی موقع تھا کہ اسرائیل کو بھرپور طریقہ سے اپنے ایجنٹ پھیلانے کے مواقع ہاتھ آئے اور پھر باقاعدہ ایجنٹوں کی تقرری کیلئے ادارے کام کرنے لگے۔ حتیٰ کہ فلسطینی اتھارٹی کے حکام بھی اس میں پیش پیش رہنے لگے۔ اسرائیل کا غزہ پر حالیہ جارحیت کا مقصد غزہ سے حماس کا مکمل صفایا اور اسے محمود عباس کے زیر اقتدار لانا تھا۔ محمود عباس کو اقتدار میں لانے اور الفتح نے اپنی حکومت کیلئے اسرائیل کیلئے بھرپور جاسوسی کی اور اسرائیل کی ہر اس طریقے سے رعایت کی، جس سے حماس کو نیچا دکھایا جاسکے۔ غزہ پر حالیہ یلغار کے دوران پیش آنے والے واقعات نے ثابت کردیا ہے کہ محمود عباس کی حکومت کا تعاون اسرائیل کے ساتھ پورے طور پر رہا ہے اور ان کی ہی معلومات نے اسرائیل کو حملہ کرنے میں شہ دی۔ شواہد کی بنا پر غالب امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ غزہ پر حملے کے متعلق محمود عباس کو مکمل اطلاع تھی'

حتیٰ کہ حملے کے مقاصد اور اس کے مراحل کے بارے میں بھی علم تھا۔ الفتح کے قائد محمود دحلان اسرائیل کے ساتھ اس دوران روابط میں تھے۔ اسرائیلی ادارہ برائے عمومی سلامتی کے صدر جنرل یوفارڈ میکین نے محمود حلان کے سامنے حملہ کی مکمل نوعیت رکھی تھی، جس پر الفتح کارکنوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اسرائیل کو مکمل معلومات فراہم کیں۔

محمود عباس نے غزہ پر جارحیت سے قبل 1500 سکیورٹی گارڈ العریش شہر کو روانہ کئے تاکہ حماس کی شکست کے فوری بعد غزہ پر کنٹرول سنبھالا جاسکے۔ ناٹو افواج کو بھی تیار رکھا گیا۔ مذکورہ تمام تر شواہد اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ غزہ پر کی گئی حالیہ جارحیت محمود عباس اور اسرائیل کی مشترکہ منصوبہ بندی کا نتیجہ تھی۔ القسام (حماس کے عسکری ونگ) نے بہت سے فلسطینی ایجنٹوں کو گرفتار کیا' ان میں بہت سے ایسے ایجنٹ تھے جو کہ فوجی لباس میں ملبوس تھے۔ حماس کی خصوصی فورس کے 100 کے قریب ایسے افراد کو گرفتار کیا، جو اسرائیل کیلئے خاص کر جاسوسی کے مشن پر تعینات تھے' یہ جاسوس اسرائیل کی طرف سے فراہم کردہ خصوصی آلات کے ذریعے حماس کی اہم تنصیبات کے اعلیٰ کمانڈروں کی رہائش گاہوں اور اسلحہ کے ذخیروں کی نشاندہی کرتے رہے۔ گرفتار ہونے والے ان جاسوس ایجنٹوں نے اعتراف کیا ہے کہ ایسا کرنے کیلئے انہیں رملہ سے الفتح کے بیشتر ارکان نے ہدایات دی تھیں۔

ان گرفتار ہونے والے ایجنٹوں کی جاسوسی کی مزید شہادت اسرائیلی اخبار ''یروشلم پوسٹ'' نے دی' جس نے لکھا کہ الفتح کے اراکین اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے گرفتار ہوئے' کیونکہ وہ کھلے عام ریڈیو پر گفتگو اور تبصرے کررہے تھے کہ ''حماس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں' اسرائیلی فوج جلد غزہ کا کنٹرول سنبھال لیں گی اور دوبارہ یہاں حکمرانی الفتح کی ہی ہوگی۔'' حماس نے ان ایجنٹوں کی کارروائیوں کا نہ صرف مشاہدہ کیا بلکہ مواصلاتی رابطوں میں ان کی گفتگو کو بھی سنتی رہی۔ حماس کی طرف سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا کہ الفتح کے اراکین پر جاسوسی کا شک انہیں اس وقت ہوا جب غزہ پر اسرائیلی حملہ کے دوران حماس کے چوٹی کے قائد نزار ریان کو شہید کردیا گیا۔ اس آپریشن سے پہلے الفتح کے اراکین نے اسرائیل کو یقین دلایا تھا کہ مغربی کنارہ میں کسی قسم کی پریشانی کھڑی نہیں کی جائے گی' یہ منصوبہ بندی کئی ماہ قبل کی گئی تھی۔ فلسطین میں اسرائیل کیلئے جاسوسی کافی عرصہ سے جاری ہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق 30 ہزار الفتح کے اراکین مغربی کنارے اور غزہ میں اسرائیل کیلئے جاسوسی کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں ہزاروں ڈالر حاصل کرسکتے ہیں' ان غداروں کی جاسوسی کے سبب کئی قائدین کی شہادت واقع ہوئی اور کئی کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہوا۔ شیخ احمد یاسین کی شہادت کا واقعہ بھی اس طرح کی ہی جاسوسی کے سبب ہوا اور

اس کیلئے حسن محمد مسلم نامی فلسطینی کا نام لیا جاتا ہے' جس نے شیخ یاسین کی ہلاکت کیلئے اسرائیل کو معلومات فراہم کی تھیں۔ اس جاسوسی کے بدلے میں اسرائیل نے اسے تین ہزار امریکی ڈالر عطا کئے تھے' جس کو بعد میں القسام عسکری ونگ نے گرفتار کرلیا۔ اس ایجنٹ نے اعتراف کیا تھا کہ اسے اسرائیلی فوجیوں نے گرفتار کرلیا تھا اور اسے جبراً جاسوسی پر مجبور کیا۔ ایجنٹ بننے کے بعد اس نے مختلف کارروائیوں میں شرکت کی۔ حماس محمود عباس کے دوغلے کردار سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عرب وزرائے خارجہ کے اجلاس میں فلسطینی صدر محمود عباس کی مدت صدارت میں توسیع کی حمایت کو غیر دستوری کہتے ہوئے ناقابل عمل قرار دیا تھا۔ حماس کے سیاسی شعبہ کے نائب صدر ڈاکٹر موسیٰ ابومرزوق نے کہا تھا کہ محمود عباس کی صدارت میں توسیع کا فیصلہ فلسطینی عوام کے بنیادی حقوق اور اصولوں کے خلاف ہے۔ فلسطینی عوام اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ محمود عباس کے عہدہ صدارت میں توسیع کی حمایت سے فلسطین میں انارکی اور انتشار کی فضا پیدا ہوگی۔ ایک شخص کی حمایت کے بجائے فلسطین میں آئین اور قانون کی بالادستی ہوگی۔ صدر محمود عباس کو غیر آئینی طور پر فلسطینی عوام کے کندھوں پر مسلط رکھنا مصالحت کے راستے بند کرنے کا حربہ ہے۔

حماس کا تجزیہ درست ثابت ہوا' کیونکہ محمود عباس نہ صرف فلسطینی عوام پر زبردستی مسلط ہوچکے ہیں بلکہ وہ فلسطینی عوام کے حقوق غصب کرنے کیلئے بھی سرگرم ہوچکے ہیں۔ الفتح کی اسرائیل کیلئے جاسوسیاں فلسطینی عوام کی خیر خواہی میں تو ہرگز نہیں آتیں۔ الفتح کا رویہ اور اس کی منفی سرگرمیاں فلسطینی تحریک کو نہ صرف نقصان پہنچا رہی ہیں بلکہ عالمی دنیا پر یہ ثابت کررہی ہیں کہ مسلمانوں کے اندر سے ہی غداروں کو چن کر مسلمانوں کو ختم کروایا جاسکتا ہے۔ تحریکوں کی دھڑے بندیوں سے فائدہ اٹھا کر ان میں نفاق پیدا کرکے اسلامی تحریکوں کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس کی واضح مثال الفتح تنظیم نے قائم کی' جس پر گفت وشنید بھی شرمانے کے مترادف ہے۔

عرب دنیا کی بہرحال کوشش رہی ہے کہ حماس اور الفتح میں مفاہمت اور مصالحت کی کوئی راہ نکل آئے۔ حالیہ غزہ آپریشن کے بعد دونوں دھڑوں کے درمیان مفاہمت سازی کیلئے مصر بنیادی کردار ادا کررہا ہے۔ قاہرہ میں ہونے والے فلسطینیوں کے قومی مذاکرات میں دونوں گروپوں میں مثبت تعلقات کی ابتداء کی توقع کی جارہی ہے۔ ان مذاکرات میں فلسطینیوں کے ایک درجن کے قریب گروہوں میں مغربی کنارہ اور غزہ پٹی کو دوبارہ ملحق کرکے نئی حکومت قائم کرنے میں اتفاق رائے کروانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جون 2007ء میں حماس کے غزہ پر قبضہ کے بعد فلسطینیوں کے دو علاقے الگ ہوگئے تھے۔ مغربی کنارہ فلسطینی اتھارٹی کے قبضے میں چلا گیا تھا

جبکہ غزہ کی پٹی پر حماس کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ قومی حکومت سازی کیلئے شروع ہونے والے ان مذاکرات پر مصر کے انٹیلی جنس شعبہ کے سربراہ عمر سلیمان نے کہا تھا کہ مصر کو توقع ہے کہ فلسطینی علاقوں کی تقسیم کے خاتمہ کا نیا دور شروع ہوگا اور قومی حکومت کے قیام پر اتفاق ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تقسیم بہت دور تک جا چکی ہے۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ایک نیا باب شروع کریں۔ فلسطینی گروپوں کا اجلاس مصری خفیہ ایجنسی کے مرکزی دفتر میں ہوا۔ مصری انٹیلی جنس شعبہ کے سربراہ عمر سلیمان نے حماس اور الفتح کے مندوبین سے کہا ہر شخص آپ کی طرف دیکھ رہا ہے اور سبھی نے آپ سے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں' اس لئے ناراضگی کو طول اور باہمی نفاق کو مزید گہرا نہ کیا جائے۔ حماس اور الفتح کو چاہئے کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں تاکہ آزاد فلسطینی ریاست کی توقعات کو پورا کیا جا سکے۔ اس افتتاحی اجلاس میں 5 کمیٹیوں کا قیام عمل میں لانے پر غور کیا گیا جو کہ فلسطین کے دونوں حصوں کو دوبارہ متحد کرنے کیلئے خصوصی پہلوؤں کا جائزہ لے گا۔ قاہرہ میں مصر کی ثالثی میں ہونے والے مذاکرات میں حماس' الفتح اور دیگر فلسطینی تنظیموں کے درمیان قومی حکومت سازی پر باہمی اتفاق ہوگیا ہے' اس سے دونوں دھڑوں میں مفاہمت کا نیا باب شروع ہوگا۔ لیکن اصل چیز یہ ہے کہ الفتح حماس کی طرح خود کو فلسطینی عوام کا حقیقی نمائندہ سمجھے اور حماس کو اپنی بھائی تنظیم سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ مل کر فلسطینی عوام کے حقوق کیلئے جدوجہد کرے نہ کہ حماس کے ٹھکانوں کی مخبری کرے اور اس کی قیادت اور اراکین کے خاتمے کیلئے جاسوسی کرے۔ وقتی طور پر وہ اپنے اس عمل سے جمہوریت اور یورپ کی آنکھوں کا تارا تو بن سکتی ہے' مگر حقیقی عزت اپنی قوم کے ساتھ استوار رہنے میں ہے۔ بھلے اس میں جان چلی جائے' مگر شان اسی وقت تک رہتی ہے جب اپنی قوم کے حقوق اور حقیقی مفادات کا خیال رکھتے ہوئے اس پر تن من دھن قربان کر دیا جائے۔ حماس اور الفتح کا مشترکہ حقیقی کردار ہی تحریک آزادی فلسطین کو کامیابی سے ہمکنار کروا سکتا ہے۔

❖♦❖

عرب دنیا آج کل فلسطینی دھڑوں کے درمیان مصالحت کروانے کی کوششوں میں مصروف ہے تاکہ متحارب گروپوں کو قومی حکومت کے قیام پر متفق کیا جا سکے' مگر یہ مساعی کچھ کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دے رہی' کیونکہ دونوں گروپوں کے اپنے تحفظات ہیں جس پر جھکنے یا لچک پیدا کرنے کیلئے وہ تیار نہیں۔ قاہرہ میں مذاکرات کے دوران قومی حکومت کی تشکیل کیلئے حائل رکاوٹیں دور کرنے میں ناکامی کے بعد فلسطینی لبریشن فرنٹ کے سیکرٹری جنرل واصل ابو یوسف نے کہا کہ ''متحارب فلسطینی گروپوں کی قائم کردہ 5 قومی مذاکراتی کمیٹیاں بھی حکومت کی تشکیل کیلئے

اختلافات کے خاتمہ میں ناکام رہیں' جس کے بعد وہ مزید کام ختم کر رہی ہیں۔ کیونکہ اتفاق ہو جانے کے بعد ان کمیٹیوں نے صدارتی اور پارلیمانی انتخابات کیلئے تجاویز مرتب کرنا تھیں' جبکہ اتفاق رائے نہ ہونے کی صورت میں اب ان کمیٹیوں کے کام جاری رکھنے کا جواز یکسر ختم ہو گیا ہے۔''

قاہرہ میں ہونے والے مذاکرات میں صدر محمود عباس کی الفتح تحریک کا اس بات پر اصرار رہا ہے کہ اسلامی تحریک مزاحمت حماس اسرائیل کے ساتھ ماضی میں طے پائے امن معاہدوں کی پاسداری کرے' جبکہ حماس نے ایسا کوئی وعدہ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حماس کا دوران مذاکرات اس بات پر اصرار رہا ہے کہ ان معاہدوں کے ضمن میں لفظ پابندی کے بجائے احترام استعمال کیا جائے۔ لیکن امریکہ' اسرائیل اور مغرب اس سے مطمئن نہیں' کیونکہ ان کا اصرار ہے کہ حماس اسرائیل کے ساتھ ماضی میں طے امن معاہدوں کی توثیق کرے۔

الفتح جو کہ امن معاہدوں کی توثیق کیلئے حماس پر زور دے رہی ہے۔ خود اس نے اسرائیل کے ساتھ معاہدوں اور سمجھوتوں پر دستخط کر رکھے ہیں۔ حماس نے 3 سال قبل ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں اکثریت حاصل کی تھی اور 2007ء میں حماس اور فتح کے دوران مختصر مدت کیلئے قومی اتحاد کی حکومت بھی تشکیل پائی تھی' مگر عوامی رائے کا احترام کئے بغیر اس حکومت کو صدر محمود عباس نے ختم کر دیا تھا' جس کے بعد حماس نے اسی سال جون میں غزہ کی پٹی پر کنٹرول حاصل کر لیا تھا' مگر اس کیلئے حماس کو مجرم نہیں ٹھہرایا جا سکتا' کیونکہ حماس کو زبردستی حکومت سے بے دخل کیا گیا۔ غزہ کی پٹی کا کنٹرول حماس کا حق تھا۔ یہی وجہ ہے اس نے فتح کے کارکنوں اور سکیورٹی فورسز کو مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا تھا۔ اس وقت سے حماس کی غزہ کی پٹی اور الفتح کا مغربی کنارے پر حکومت ہے' مگر دونوں فریقوں کے درمیان اکثر و بیشتر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں' جس کا اثر لازمی صورت میں تحریک آزادی فلسطین پر پڑ رہا ہے۔ اسی چیز کو لے کر عرب ممالک خصوصاً مصر دونوں فریقوں کو قومی حکومت کے قیام پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جبکہ بات بنتی نظر نہیں آتی۔

مغربی کنارے کے شہر رملہ میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے فلسطینی صدر محمود عباس نے اعتراف کیا ہے کہ مذاکرات میں مشکلات حائل ہیں۔ قومی مصالحت کے عمل میں کوششوں اور حقیقی عزم کی ضرورت ہے۔ ہم حائل رکاوٹوں کے بارے میں بات کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہمیں امید ہے مذاکرات کامیاب رہیں گے۔ محمود عباس کے برعکس حماس کے مندوب فوزی برہوم نے کہا کہ اختلافات ابھی تک برقرار ہیں۔ ہمارے درمیان نئی حکومت کے قیام کیلئے

ایجنڈے پر بھی اتفاق رائے نہیں ہوا۔ ابھی ایسی رکاوٹیں موجود ہیں، جنہیں ختم کرنے کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں ایک متوازن فارمولا طے پانے کی ضرورت ہے۔

قومی متحدہ حکومت کے مسئلے پر تو دونوں فریق کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے، مگر صدارتی انتخابات پر فلسطینی گروپ البتہ متفق ضرور ہو گئے۔ حماس اور الفتح میں اختلافات میں بنیادی امر یہ ہے کہ اسرائیل کے ساتھ کیسے نمٹا جائے۔ الفتح کی پالیسیاں اپنی ہیں جنہیں وہ متوازن کہتی ہے جبکہ حماس مسلح جدوجہد پر یقین رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ جنگ بندی پر غور کرنے کیلئے تیار ہے جبکہ محمود عباس صہیونی ریاست کے ساتھ بات چیت کی حمایت کرتے ہیں۔ دونوں گروپ صدارتی اور اسمبلی کے الیکشن 25 جنوری 2010ء تک کروانے پر متفق ہیں۔ مگر اس بات پر اختلاف ہے کہ بات چیت کے بعد بننے والی متحدہ کابینہ سیاسی گروپوں پر مشتمل ہو یا غیر سیاسی ٹیکنو کریٹس پر۔ قومی حکومت کی تشکیل پر تو اتفاق رائے نہیں ہو سکا مگر فلسطینی گروپوں نے غزہ پٹی اور مغربی کنارہ میں سکیورٹی ایجنسیوں کو یکجا کرنے جیسے امور کی یکسوئی کیلئے 5 کمیٹیوں کی تشکیل سے اتفاق کیا تھا' لیکن انتخابی قانون پر مفاہمت پر دونوں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے' مگر دونوں میں اس بات پر غور کیا جارہا ہے کہ آیا یہ متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہوگا یا حلقوں کی بنیاد پر۔ کمیونسٹ پیپلز پارٹی کے ولید السعودنے اس بارے میں اظہار رائے کرتے ہوئے کہا کہ قومی مفاہمت اور فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) میں اصلاحات پر غور و خوض کرنے والی کمیٹیوں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ پی ایل او عباس اور ان کے وفادار گروپوں کے زیر اثر ہے جو 1964ء سے فلسطینیوں کی نمائندگی کر رہی ہیں' تاہم حالیہ عرصہ میں فروغ پانے والی اسلامی تحریکیں حماس یا اسلامی جہاد کبھی بھی اس کا حصہ نہیں رہے' سوائے 2005ء کے معاہدہ کے، جو کہ ان تنظیموں کو پی ایل او کے تحت لانے کیلئے کیا گیا تھا۔

یورپ ان دنوں حماس اور الفتح کو قریب لانے کی مساعی کر رہا ہے۔ حماس کے ساتھ کبھی بھی روابط نہ رکھنے کے دعویٰ کرنے والے یورپ کو احساس ہو گیا ہے کہ حماس کی شرکت کے بغیر فلسطین میں امن قائم کرنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب برطانیہ' یورپی یونین حماس کے ساتھ بات چیت پر آمادہ ہیں۔ برطانوی پارلیمنٹ کے 4 ارکان نے حماس لیڈر خالد مشعل سے ملاقات کی اور ان کی حکومت پر فتح گروپ کا بائیکاٹ ختم کرنے پر زور دیا تاکہ امن کا حصول آسان بنایا جا سکے۔ حکمران لیبر پارٹی مکلر شارٹ کا یہ اعتراف حماس کی اہمیت کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ امن پیش رفت کیلئے ہمیں حماس سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ فلسطینیوں کے ایک بڑے تناسب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ حماس کے ساتھ بات چیت نہ کرنے کے دعوے کرنے والوں کا اب حماس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ حماس نے اپنی مسلح جدوجہد سے ثبوت دے دیا ہے کہ

وہ تمام فلسطینیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے جو غیر متنازعہ ہے۔ حماس کو اسی کلیدی حیثیت نے یورپ کو اس سے بات چیت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حالانکہ یورپی یونین اور امریکہ کے ساتھ ساتھ برطانیہ کا بھی یہ مؤقف رہا ہے کہ وہ حماس کے ساتھ کوئی معاملات نہیں کریں گے' تاوقتیکہ وہ اسرائیل کو تسلیم نہ کرے۔ مسلح جدوجہد سے باز نہ آئے اور عبوری امن معاہدوں کو تسلیم نہ کرے۔ کلئر شارٹ برطانوی رکن پارلیمنٹ نے خالد مشعل سے ملاقات کے بعد کہا کہ حماس کے ساتھ مذاکرات کے آغاز کے ساتھ ہی اس امید کو تقویت حاصل ہوگی کہ وہ امن کے حصول کے قریب ہیں۔ اس ملاقات کو خاصی تشہیر حاصل ہوئی ہے۔ خالد مشعل سے ملاقات کرنے والے وفد میں دارالعوام کے دوسرے لیبر رکن اور ایوان بالا لبرل ڈیموکریٹ کے دو ارکان شامل تھے۔ آئرلینڈ کے ایک رکن پارلیمنٹ' اسکاٹ لینڈ کے ایک رکن پارلیمنٹ بھی اس وفد کا حصہ تھے۔ اٹلی اور یونان سے تعلق رکھنے والے ارکان پارلیمنٹ بھی خالد مشعل سے ملاقات کریں گے۔ غزہ پٹی میں علیحدہ علیحدہ جنگ بندی اعلان کے بعد یورپ حماس سے گفت و شنید کے ذریعے معاملہ حل کرنے کا خواہاں ہے۔ اسرائیلی کارروائیوں میں تقریباً 1300 فلسطینی جاں بحق ہوئے جبکہ 13 اسرائیلی ہلاک ہوئے تھے۔ حالیہ غزہ حملے میں اسرائیل نے فلسطینیوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ قومی حکومت کی تشکیل ایک اچھا قدم تو ہے' مگر حماس اور الفتح کی متحدہ حکومت کو ناکام کرنے والے اسرائیل امریکہ اور یورپ کیا اب کی بار اس قومی حکومت کو چلنے دیں گے۔ اس وقت بھی اسرائیل' امریکہ اور یورپ نے مل کر حماس کی قانونی حکومت کو فلسطین سے بے دخل کیا' بلکہ اسے غزہ سے جبراً نکال دیا گیا۔ یہ سازش صرف حماس کے خلاف نہیں تھی بلکہ فلسطین کے خلاف ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ الفتح اور محمود عباس کا اسرائیل اور مغرب کا آلہ کار بننا اپنے ہاتھوں خود کو کمزور کرنا ہے۔ حماس اور الفتح کے درمیان دشمنی کی بنیاد ڈالنے کا مقصد تحریک آزادی فلسطینی کو زک پہنچانا تھا۔ جس میں خاصی حد تک یورپ کامیاب ہو چکا ہے۔ محمود عباس کا اسرائیل کی طرف جھکاؤ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ آزادی سے پہلے ہی حماس اور الفتح کو اقتدار میں الجھانا یورپ کی سازش تھی۔ اس سے دونوں کے درمیان خون کی لکیر کھینچی گئی اور دونوں کو آپس میں برسرپیکار کر دیا گیا۔ اس طرح دونوں کے ٹکراؤ نے اسرائیل اور یورپ کیلئے طمانیت کا بندوبست کر دیا۔ حماس کی جمہوری طریقے سے کامیاب ہونے والی حکومت کو امریکہ اور اسرائیل نے قبول نہیں کیا تھا۔ اسرائیل اور امریکہ دونوں گروپوں الفتح اور حماس کو اپنی شرائط پر ماننے کیلئے تیار ہیں اور وہ شرائط کیا ہیں صرف یہ کہ الفتح اور حماس امریکہ کے اقدامات کی ہاں میں ہاں ملائیں اور مشروط فلسطینی حکومت کو چلائیں۔ حماس کی وجہ سے جب اسرائیل اور امریکہ کی توقعات پوری نہ ہو سکیں تو اس نے فلسطینیوں کو طاقت

سے کچلنے کا منصوبہ بنایا جس پر وہ ہنوز عمل پیرا ہے۔ فلسطین کی آزادی کی متوالی دو جماعتوں کو لڑا کر صہیونیت اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔ اسرائیل فلسطین کو آزادی دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ غزہ پر چڑھائی نہ کرتا۔ اب انتہا پسند حکومت کے آ جانے کے بعد تو اسرائیل کا فلسطینی ریاست کے قیام پر راضی ہو جانا کسی طور ممکن نظر نہیں آتا۔ فلسطین کے متحارب گروپوں کو چاہیئے کہ وہ فلسطین میں پائیدار امن کیلئے یکجا ہو کر جنگ لڑیں۔ چاہے وہ سفارتی سطح پر ہو یا عسکری سطح پر۔ اسرائیل کا سارا زور اس بات پر رہا ہے کہ حماس تنظیم کو دوبارہ مسلح ہونے سے روکا جائے۔ اس کیلئے وزیراعظم اسرائیلی حکومت نے فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی کو خاص طور پر پیغام بھی دیا کہ حماس کو اسلحہ کے حصول سے روکنے کی شرط کسی بھی نئے امن معاہدے کی بنیاد ہونی چاہیئے' کیونکہ یہ بہت اہم معاملہ ہے۔ اسرائیل کسی صورت میں ایسے معاہدے کیلئے تیار نہیں ہو گا جس کے تحت حماس کو اپنے میزائلوں کی رینج 60 کلومیٹر تک بڑھانے کا موقع ملے اور ان کی پہنچ تل ابیب کے نواحی علاقوں تک ہو جائے۔ حالیہ غزہ کارروائی میں اسرائیل کی جارحیت کا حقیقی مقصد غزہ پٹی کے فلسطینیوں کو حماس کے خلاف بغاوت کیلئے اکسانا تھا جو کہ اسے حاصل نہیں ہو سکا۔ اسرائیل کا یہ وار ناکام ہو گیا اور نفرت کے بجائے غزہ پٹی میں فلسطینیوں کا اسرائیل سے نفرت اور حماس سے محبت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

حال ہی میں عرب لیگ کا ایک خصوصی وفد بھی تشکیل دیا گیا ہے جو کہ اسرائیلی جنگی جرائم کا جائزہ لے کر فہرست مرتب کرے گا۔ اس سلسلے میں عرب لیگ کا ایک خصوصی وفد اسرائیلی جنگی جرائم کا جائزہ لینے کیلئے غزہ بھی پہنچا۔ یہ وفد 22 روزہ جارحیت کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کا جائزہ لے کر عرب لیگ کے سربراہ امر موسیٰ کو اسرائیلی جنگی جرائم کے حوالے سے رپورٹ پیش کرے گا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی دونوں فریقوں کو اسلحے کی فراہمی پر پابندی عائد کرنے کی سفارش کی ہے۔ کیونکہ شواہد کے مطابق پتہ چلا ہے کہ دونوں فریقوں نے اسلحہ شہری آبادی کے خلاف استعمال کیا۔ ایمنسٹی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ان کے گروپ کو غزہ میں کھیل کود کی جگہوں' ہسپتالوں اور رہائشی مکانات سے توپخانے کے گولوں' ٹینک شکن گرنیڈ اور طیاروں سے فائر کئے گئے راکٹوں کے ٹکڑے ملے۔ اسرائیل کی طرف سے استعمال کئے گئے ہتھیار امریکہ سے حاصل کردہ تھے۔ اسرائیل نے اس رپورٹ کو متعصبانہ اور پیشہ ورانہ قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا ہے۔ اسرائیل کی حکومت کا کہنا ہے کہ حماس ایک دہشت گرد تنظیم ہے، جو اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ ہم نے بین الاقوامی قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے ان ہتھیاروں کا استعمال کیا ہے۔ ہم نے کبھی جان بوجھ کر فلسطینی شہریوں کو نشانہ نہیں بنایا جبکہ حماس نے دانستہ شہریوں کو انسانی

ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔

حقیقت یہی ہے کہ اسرائیل کو غزہ جنگ کیلئے اسلحہ امریکہ نے فراہم کیا۔ اسرائیل میں جس کی مرضی حکومت بنے اور وہ قتل عام کرے یا فلسطینیوں پر مظالم' امریکہ نے ہمیشہ اسرائیل کی حمایت کی ہے۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے اسرائیل کی غیر متزلزل حمایت کا ایک بار پھر اعادہ کیا ہے۔ ہلیری کلنٹن کی زبان سے امریکی مؤقف ایک بار پھر عوام کے سامنے آ گیا ہے۔ شمعون پیریز سے ملاقات کے بعد ہلیری کلنٹن نے کہا کہ امریکہ اسرائیل کیلئے غیر متزلزل' پائیدار اور اہم حمایت کا اعادہ کرے گا۔ ہم اسرائیل کی حکومت کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ جو اسرائیل کے لوگوں کی جمہوری خواہشات کی نمائندگی کرتی ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کے وزیراعظم سلام فیاض نے فوجی حکومت کی تشکیل کیلئے استعفیٰ صدر محمود عباس کو پیش کیا ہے' مگر دونوں دھڑوں میں اختلافات ختم نہ ہونے کی صورت میں اس بارے میں بھی اختلافی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اسرائیل کی غزہ میں حالیہ بہیمانہ کارروائی' فلسطینی بستیوں میں ناجائز تعمیرات اور مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی اور دیگر معاملات پر الفتح صدر محمود عباس نے بھی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ محمود عباس نے امریکہ سے مطالبہ بھی کیا ہے کہ وہ اسرائیل کو فلسطین میں ناجائز یہودی بستیوں کی تعمیر سے روکے اور غزہ کا محاصرہ ختم کرائے۔

محمود عباس نے سابق امریکی صدر بش کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے ان کی ناکام پالیسیوں سے ہلیری کلنٹن کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اوباما اسرائیلیوں کو فلسطین پر مسلط ہونے سے روکیں۔ محمود عباس کے موجودہ بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر واقعی وہ امن کیلئے مخلص ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور اسرائیل فلسطینیوں کو دبا کر رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں حماس کے ساتھ مل کر قومی مفاہمت کیلئے اپنی کوششوں کو تیز کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ دونوں تحریکوں کی مشترکہ جدوجہد سے تحریک آزادی فلسطین کو تقویت پہنچے گی اور پائیدار امن کے ساتھ ساتھ ارض مقدس کا حصول نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جائے گا۔

❖◆❖

عربوں کو اس حقیقت کا ادراک تو پہلے سے ہے کہ یہودی کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے' لیکن مسئلہ فلسطین کے حل میں اگر وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں تو ان کے اس رویے کو تعمیری معنوں میں لیتے ہوئے مثبت ردعمل سامنے آنا چاہیئے' مگر افسوس! اسرائیل نے عربوں کی مصالحتی پیشکش کو ہمیشہ رد کیا بلکہ ان کے مفاہمتی رویے کو ان کی کمزوری سمجھتے ہوئے دوستی کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نہ صرف ٹھکرایا بلکہ فلسطینی مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی' جس کا

ثبوت حالیہ غزہ کارروائی بھی ہے۔

حالیہ غزہ کارروائی اور اب اسرائیل میں انتہا پسند حکومت کے برسر اقتدار آ جانے کے بعد امن کے امکانات خاصی حد تک معدوم ہو چکے ہیں۔ اسرائیل کے بنیاد پرست وزیر اعظم نیتن یاہو سے صلح جو رویے کی توقع بھی نہیں۔ موصوف اکثر و بیشتر اپنے بیانات میں مسلم دشمنی اور فلسطینی قوم سے نفرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ مسئلہ فلسطین پر فریقین سے بات چیت کیلئے تو تیار ہیں مگر دو ریاستی فارمولے سے اتفاق نہیں کرتے۔ نیتن یاہو کا یہ بیان سراسر فلسطینی ریاست کی قبولیت سے انکار کے زمرے میں آتا ہے' بلکہ فلسطینی ریاست کے وجود کو ہی مٹا دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عربوں نے بھی اپنے فارمولے میں تبدیلی لاتے ہوئے اسرائیل سے مذاکرات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے۔ گزشتہ دنوں دوحہ چوٹی کانفرنس میں عرب لیگ نے مشترکہ طور پر اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ یہودیوں کے غیر مفاہمتی اور مسلم دشمن رویوں کو دیکھتے ہوئے ان سے مذاکرات نہ کئے جائیں۔ عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری عمرو بن موسیٰ نے کہا کہ ''اب اسرائیل سے مذاکرات نہیں کئے جائیں گے۔ تمام اسرائیلی حکومتوں کا ایک ہی ایجنڈا ہے' دائیں یا بائیں بازو کی جماعتوں میں کوئی فرق نہیں۔ عمرو بن موسیٰ نے مزید کہا کہ اب اسرائیل سے اس وقت تک مذاکرات نہیں ہو سکتے جب تک وہ مقبوضہ بیت المقدس میں آباد کاری نہیں روکتا۔''

اسرائیل نے مسئلہ فلسطین کو اس قدر الجھا کر رکھ دیا ہے کہ وہ خطے میں صرف اور صرف اسرائیلی ریاست کا وجود چاہتا ہے۔ فلسطینی ریاست کو تو وہ تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ڈھٹائی کے اصول پر عمل کرتے ہوئے یہودی بستیوں کی آباد کاری میں بھی مصروف ہے اور دھڑا دھڑ ان کو وسعت دے رہا ہے جو کہ امن فارمولے یا بین الاقوامی ایجنڈے کے بالکل منافی ہے۔

عربوں کی یہ بھی کوشش ہے کہ فلسطینی دھڑوں میں اتفاق رائے ہو جائے اور یہ دھڑے منظم ہو کر فلسطین کی جدوجہد کیلئے اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ حماس نے فلسطینی جماعتوں کے درمیان جاری مذاکرات میں مصر کی ثالثی کوششوں کی تعریف کی ہے اور فریقین پر زور دیا ہے کہ وہ مذاکرات میں غیر ملکی دباؤ کے جھانسے میں نہ آئیں۔ غیر مسلم قوموں خصوصاً امریکہ اور اسرائیل کی پوری کوشش ہے کہ ان دھڑوں کو متفق نہ ہونے دیا جائے۔

ادھر اسرائیل حماس کے ساتھ مصالحت کیلئے بھی کئی قسم کی شرائط عائد کر رہا ہے، جن میں حماس کا غیر مسلح ہونا پہلی شرط ہے۔ اسرائیل بار بار حماس کے غیر مسلح ہونے پر اصرار کر رہا ہے۔ نئے اسرائیلی وزیر خارجہ لیبرمین نے کہا کہ ''ہم باتوں کے بجائے عملی اقدامات پر یقین رکھتے ہیں'

اس لئے مفت میں فلسطینیوں کو رعایت نہیں دیں گے۔'' لیبرمین نے یہ بھی کہا کہ ضرورت پڑی تو یہودی آبادیوں کے انخلا کے بارے میں سوچیں گے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب کچھ مفت میں ہو جائے گا۔ انہوں نے سابقہ حکومت کی کارکردگی کو ناقص ٹھہراتے ہوئے کہا کہ سابقہ حکومت کاغذی کارروائی پر عمل پیرا رہی ہے لیکن ہم عملی اقدامات کریں گے۔ فلسطینیوں کے ساتھ مذاکرات کیلئے فلسطینی اتھارٹی کو حماس اور دیگر تمام مسلح تنظیموں کو غیر مسلح کرنا ہوگا۔ یورپی یونین سمیت کئی دیگر ممالک نے ہماری حکومت کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔ لیبرمین نے کہا کہ 2007ء میں امریکہ میں ہونے والی ایناپولس کانفرنس کے فیصلوں کو امریکہ اسرائیل پر مسلط نہیں کرے گا۔'' سابق اسرائیلی وزیر خارجہ اور ''قدیمہ پارٹی'' کی چیئرپرسن زپی لیونی نے لیبرمین کے بیان پر کڑی تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ ان کے اقدامات نے اسرائیل کو کئی سال پیچھے کی جانب دھکیل دیا ہے۔

اسرائیل کی نئی حکومت کے عہدیدار خصوصاً وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کے کڑے بیانات مسئلہ فلسطین کو اور الجھا رہے ہیں' جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نئی حکومت مسئلہ فلسطین کو سلجھانے کے حق میں نہیں۔ نو تشکیل زدہ حکومت نے نہ صرف فلسطینی ریاست کے تشخص کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے بلکہ وہ امن کیلئے کسی بھی قسم کی سنجیدہ پیش رفت کیلئے تیار نہیں۔ وزیر خارجہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ ایناپولس امن سمجھوتے کو بھی ماننے کیلئے تیار نہیں اور اسے جبر کے تحت مسلط کیا گیا معاہدہ سمجھتی ہیں۔ یہودی آبادیوں کے بارے میں ان کے رویے میں کوئی لچک سامنے نہیں آئی۔ اسرائیل کی نئی حکومت حماس اور دیگر فلسطینی دھڑوں کے غیر مسلح ہونے پر تو مصر ہے مگر خود بھاری اسلحہ اور جدید ترین ہتھیاروں کی مدد سے غاصبانہ قبضے کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس کے بارے میں اس کا کیا خیال ہے؟ حماس اور دیگر فلسطینی تنظیموں کو غیر مسلح کرنے پر وہ جس طرح زور دے رہی ہے' اس سے اس کی بدنیتی کا صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ فلسطینی دھڑوں کو بالکل تنہا اور غیر مسلح کر دیا جائے تاکہ وہ ظلم کا جواب کسی طور دینے کے قابل رہے اور نہ اپنا دفاع کر سکے۔ اس صورت میں اسرائیل کو کھلا میدان مل جائے اور وہ حماس اور دیگر تنظیموں کے قائدین اور جانبازوں کا مکمل صفایا کر سکے۔ اسرائیل نے حالیہ غزہ کارروائی میں جو ظلم توڑے ہیں یورپ کو وہ تو نظر نہیں آتے اور حماس کے راکٹوں کو وہ شدید حملے گردانتی ہے۔ اگر حماس کے راکٹ اتنے مؤثر ہوتے یا اس کے پاس اتنا جدید ترین اسلحہ ہوتا تو آج اسرائیل خطے کا چودھری نہ بنتا اور اس کی قطعاً جرأت نہ ہوتی کہ وہ عرب ممالک کے وسط میں ایک صہیونی ریاست تخلیق کرے اور عربوں کے سر پر مسلط ہو کر بیٹھ جائے۔ حماس کو غیر مسلح کرنے کی شرط رکھنے والا اسرائیل کیا خود کو غیر مسلح

کرنا پسند کرے گا؟ حماس کے راکٹ اسرائیل کو قبول نہیں، مگر کیا اسرائیل کا جدید ترین اور مہلک اسلحہ وہتھیار فلسطینی قوم کے حق میں ہیں۔ اسرائیل کو اپنے حقوق اور اپنی قوم کی حفاظت کا تو خیال ہے مگر وہ فلسطینیوں کی جان کا دشمن بنا بیٹھا ہے۔ اب حماس اور دیگر تنظیموں کو غیر مسلح کر کے وہ ان کا مکمل صفایا کر دینا چاہتا ہے تا کہ فلسطینی عوام کے حقوق کیلئے کوئی بھی آواز اٹھانے والا نہ رہے۔ ایک قوم کے حقوق کو غصب کر کے اس پر اپنے حقوق کی آبیاری کرنا سراسر ظلم اور استحصال ہے۔ اسرائیل کے اس ظلم اور استحصال کی گواہی تو واضح ہے۔ اوپر سے یورپی یونین کے کرتا دھرتا اس کے بیانات اور اقدامات کی مذمت کرنے کے بجائے اسے شہ دے رہے ہیں کہ حماس کے راکٹ اسرائیل کیلئے مہلک ہیں۔ حماس کو راکٹوں کے استعمال سے ہاتھ کھینچ لینا چاہئے اور غیر مسلح ہو جانا چاہئے۔ امریکہ اور یورپی یونین نے اسرائیل کو مکمل تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اسرائیل کی انتہا پسند حکومت امن کی راہ میں مزید رکاوٹ کا باعث بن گئی ہے، اس نے اپنی مرضی اور خواہشات کے برعکس کسی بھی سمجھوتے کو تسلیم کرنے سے مکمل طور پر انکار کر دیا ہے۔ اپنے سابقہ حکمرانوں کی روش کو اس نے احمقانہ قرار دیا ہے اور ان پر عمل کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ زپی لیونی موساد کی ایجنٹ بھی رہ چکی ہیں، مگر اس کے باوجود مسئلہ فلسطین کے الجھاؤ نے انہیں اس حقیقت کا ادراک کرنے پر مجبور کر دیا، جس کا وہ اظہار بھی کر چکی ہیں کہ اگر فلسطینی ریاست وجود میں نہ آئی تو اسرائیلی ریاست کا تشخص خطرے میں پڑ جائے گا۔ دو ریاستی فارمولا خود اسرائیلی ریاست کے تحفظ و بقا کیلئے ضروری ہے۔ نوتشکیل شدہ اسرائیلی حکومت اس کلیے کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ یک ریاستی فارمولا خود اسرائیلی ریاست کے تشخص کیلئے خطرہ ہے۔ عرب لیگ اجلاس میں عربوں کے درمیان باہمی اعتماد اور اتفاق کی فضا میں فلسطینیوں کے درمیان مصالحت اور غزہ کی آبادکاری جیسے متعدد اہم مسائل زیر بحث آئے۔ یہ ایسے مسائل ہیں، جن میں مصر بہت اہم کردار ادا کر رہا ہے اور فلسطینی دھڑوں میں ثالثی کا کردار بھی نبھا رہا ہے۔ ایسے میں مصر کی اس کانفرنس میں عدم شرکت نے کانفرنس کی اہمیت کو متاثر کیا، مگر بحیثیت مجموعی عربوں نے مختلف معاملات میں اظہار یکجہتی سے تجاویز پیش کیں۔ اس کانفرنس کے انعقاد کیلئے قطر کا انتخاب کیا گیا جہاں پہلے بھی کئی مصالحتیں کروائی جا چکی ہیں۔ عرب ممالک کے درمیان اشتراک عمل ہی مسلم امہ کے مسائل کا واحد حل ثابت ہو سکتا ہے۔ اس وقت عرب ممالک بمقابلہ اسرائیل ہیں۔ انتہا پسند حکومت برسر اقتدار آ جانے کے بعد مفاہمتی عمل متاثر ہوا ہے اور یقینی طور پر عرب و فلسطین مسئلہ پر اس کا اثر پڑا ہے۔ اس نئی حکومت کا یقین ہے کہ عرب ممالک کے ساتھ امن کی بات کرنے یا امن سمجھوتہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وزیر خارجہ لیبر مین تو فلسطینیوں کے حقوق کو کسی طور پر تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔

ان کا پرزور مطالبہ رہا ہے کہ بجائے فلسطینی باشندوں کو ان کی سرزمین پر بسانے کا حق دینے کے، ان کو ان کے وطن سے بے دخل کر کے کہیں اور منتقل کر دیا جائے۔ ان کا شد و مد سے کہنا ہے کہ ان فلسطینیوں کو اسرائیل سے منتقل کر کے کسی عرب ملک میں بھیج دیا جائے یا کسی اور ملک پر قبضہ کر کے انہیں وہاں بسا دیا جائے۔ اسرائیل کی سرزمین کو ان عرب فلسطینیوں کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ اسرائیل نے نہ تو امریکہ کے اینا پولس امن سمجھوتے کو قبول کیا اور نہ ہی سعودی عرب کے امن فارمولے کو۔ عربوں کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کیلئے دی گئی سات سالہ مدت کا خاتمہ بھی ہو رہا ہے، مگر اسرائیل کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں۔ اسے اس امر کی پروا نہیں کہ عرب ممالک اسے تسلیم کرتے ہیں یا نہیں، کیونکہ امریکہ اور یورپ اس کی پشت پر کھڑے ہیں۔ اسرائیل کی ان سازشی پالیسیوں کا توڑ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ عرب ممالک سنجیدگی سے غور کر کے مناسب حکمت عملی اور متوازن پالیسی اختیار کریں تا کہ اسرائیلی سیاست کا توڑ کیا جا سکے اور عربوں کے مفادات کو محفوظ رکھا جا سکے۔ عراق کی بربادی اور اب سوڈان کے وسائل اور خزانوں پر قبضے کا منصوبہ، سوڈان کے صدر عمر البشیر کے خلاف سوچی سمجھی سازش، یہ سب کیا ہے۔ عربوں کو ذلیل و رسوا کرنا، مسلمانوں کی تذلیل کے طریقے اور ان کے وسائل کو ہتھیانے کیلئے ڈرامے۔ اب اگر عرب ممالک متفقہ اعلامیے پر چلتے ہیں اور اسرائیل سے مذاکرات کا راستہ منقطع کرتے ہیں تو انہیں کسی کے دباؤ میں آنے کے بجائے آزادانہ اور خودمختارانہ روش کو اپنانا چاہئے۔ امریکہ کے اشاروں پر چلنے یا اسے اپنا خیرخواہ سمجھنے کے بجائے اپنی پالیسیوں کو خود مرتب کرنا چاہئے اور اپنے لئے اچھے برے کی تمیز و تفریق خود کرنی چاہئے۔ متحدہ حکومت کے ذریعے وہ امریکہ پر دباؤ ڈال سکتے ہیں کہ وہ عربوں کے تعلق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی پالیسیوں میں عربوں کیلئے تعمیری تبدیلیاں لائے، جس میں اسرائیل کی ناجائز حمایت سے دستبرداری ہو۔ امریکہ اسی صورت عرب اسرائیل جھگڑے میں منصفانہ سیاست اپنا سکتا ہے۔ اگر عرب اسرائیل سے مذاکرات نہ کریں اور امریکہ کی ہاں میں ہاں ملانے کے بجائے یک زبان ہو کر اسے اپنے موقف پر جھکنے پر مجبور کر دیں۔

امید تو یہی ہے کہ یہ کانفرنس عربوں کے ایک نئے دور اور نئے عمل کا نقطہ آغاز ثابت ہوگی، وہ اس کانفرنس میں کئے گئے عہد و پیمان پر قائم رہیں گے۔ اسرائیل کی نئی حکومت کے سربراہ کٹر قسم کے صیہونی لیڈر ہیں۔ وہ مصالحت کے بجائے فلسطین کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے قائل ہیں۔ وہ فلسطینیوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک پر یقین رکھتے ہیں اور ان کو آزادی دینے کے قائل نہیں۔ نیتن یاہو اور لائبرمین جس قماش کے صیہونی ہیں، وہ نہ صرف فلسطینی قوم کیلئے عذاب

بلکہ اسرائیل کیلئے بھی تباہ کن ثابت ہوں گے۔ بنجمن نیتن یاہو کا تو انتخابی منشور ہی یہ تھا کہ غرب اردن سے یہودی آبادی کے خاتمہ کے بجائے اسے وسعت دی جائے' یروشلم مکمل طور پر اسرائیل کا حصہ اور دارالحکومت ہے' حماس کا تختہ الٹ دیا جائے' ایران کو تباہ و برباد کردیا جائے۔ اسرائیل کا مسئلہ عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ عربوں اور عالم اسلام کے حکمرانوں کی بنیادی کمزوری ان کا آپسی انتشار ہے۔ عصر حاضر میں کانفرنسوں کو صرف مل بیٹھنے کا بہانہ یا کاغذی کارروائیوں تک محدود کردیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب بھی ہوش کے ناخن لئے جائیں اور اسرائیل کی سیاست اور امریکہ کی منافقت کا توڑ کرنے کیلئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ متنازعہ مسائل کے حل کیلئے متحد و یکجا ہوکر ان ممالک سے دوٹوک بات، چیت کی جائے' اگر یہ عالم اسلام کے مسائل پر سر نہیں دھنتے تو ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔

❖♦❖

خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ نیتن یاہو اور نئی کابینہ میں اس کا ہم خیال ٹولہ مشرق وسطیٰ امن پراسیس میں زیادہ سے زیادہ تاخیری حربے استعمال کرکے فلسطینیوں' عربوں اور خود اوباما کو الجھائے رکھیں گے۔ بلکہ ان خدشات کا بھی اظہار کیا جارہا ہے کہ 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ میں بن گوریان' 1967ء کی 6 روزہ جنگ میں موشی دیان اور 1982ء کے اسرائیلی ہیرو ایریل شیرون کی طرح نیتن یاہو خطے میں کوئی بڑی گیم شروع کرکے یا ایران پر حملہ کرکے اسرائیل کی صیہونی لابی میں امر ہونے کا خواہشمند ہے۔ اوباما کی ایران کو بات چیت کی پیشکش اور ایران سے تعلقات بہتر بنانے کے عزم کو اسرائیل میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جارہا۔ اسرائیل ایران کو اپنے وجود کیلئے بڑا خطرہ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیتن یاہو نے انتخابات کی مہم میں ایران کے خلاف نفرت انگیز جذبات کو پوشیدہ نہیں رکھا' بلکہ علی الاعلان کہا کہ اگر وہ منتخب ہوا تو ایران کو کسی قیمت پر بھی نیوکلیئر ہتھیار حاصل کرنے نہیں دیں گے' چاہے اس کیلئے اسے کوئی انتہائی قدم ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ ایک اور موقع پر نیتن یاہو نے ایرانیوں کو جرمن نازیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے موجودہ وقت کا سب سے بڑا خطرہ قرار دیا۔ اسرائیل کے ایک مشہور اخبار ہاریتز (HARETZ) میں ایک معروف تبصرہ نگار الوف بین (ALOF BEN) نے لکھا کہ نیتن یاہو کے وزیراعظم بننے کے بعد ایران سے جنگ کے امکانات بہت بڑھ گئے ہیں۔ بین نے لکھا ہے کہ نیتن یاہو کے قریبی ساتھیوں کے مطابق نیتن یاہو نے ایران کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا ہے۔ نیتن یاہو کے مطابق اگر ایران کو جتنا زیادہ وقت دیا گیا اسرائیل کیلئے اس کو روکنا مزید مشکل ہوجائے گا۔ ایران کی ایٹمی تنصیبات پر اس وقت حملہ کم از کم تین سے چار برسوں

کیلئے ایرانی خطرے سے نکال دے گا۔ یہ بالکل ایسا ہی آپریشن ہوگا جیسا کہ میناہم بیگن نے عراق کے ''اوسیراک نیوکلیئر ریکٹر'' کے خلاف کیا تھا' جس کے بعد عراق دوبارہ اس منصوبے کو شروع نہ کرسکا۔ امریکی وزیر دفاع رابرٹس گیٹس نے ''فنانشل ٹائمز'' سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے مطابق اسرائیل اس سال ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہیں کرے گا اور اگر اسرائیل نے ایسا کیا تو یہ انتہائی حیران کن بات ہوگی۔ جبکہ دوسری جانب عراق اور افغانستان میں امریکی ملٹری آپریشن کے انچارج جنرل ڈیوڈ پیٹریاس نے خبردار کیا ہے کہ اسرائیل کی جانب سے ایران پر حملے کے امکانات حقیقی خطرہ ہیں' کیونکہ اسرائیلی حکومت ایران کے ایٹمی پروگرام سے اتنی خوفزدہ ہے کہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر ایران پر پیشگی حملہ کرسکتا ہے۔ جنرل ڈیوڈ پیٹریاس کا یہ اندیشہ اسرائیل کے ملٹری انٹیلی جنس ڈائریکٹر آموس یدلن کے اس بیان کی روشنی میں درست نظر آتا ہے' جس میں اس نے اسرائیلی پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایران ٹیکنالوجی کی اس سرحد کو عبور کرچکا ہے کہ جہاں اب اس کیلئے ایٹم بم بنانا ناممکن نہیں رہا اور اس کے ساتھ ساتھ ایران نے زمین سے زمین تک مار کرنے والے میزائلوں کے بھی کامیاب تجربے کرلئے ہیں، جو نیوکلیئر وار ہیڈ لے جانے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ کچھ باوثوق رپورٹس کے مطابق اسرائیل نے ایران کے ایٹمی پروگرام کو نقصان پہنچانے کیلئے پیشہ ور قاتلوں' ایجنٹوں اور جعلی کمپنیوں کے ذریعہ پوشیدہ جنگ شروع کردی ہے۔

نیتن یاہو اور اویگڈر لائبرمین جس قماش کے صیہونی ہیں، ان کی کٹر صیہونی پالیسیوں کی بناء پر وہ خود اسرائیل کیلئے بھی تباہ کن ثابت ہوں گے۔ نیتن یاہو اور لائبرمین صرف ایران کے حوالے ہی سے انتہائی سخت مؤقف نہیں رکھتے بلکہ انہوں نے اپنے انتخابی منشور میں واضح اعلان کیا تھا کہ غرب اردن سے یہودی آبادی ختم نہیں ہوگی اور یروشلم مکمل طور پر اسرائیل کا حصہ ہے اور اس کا دارالحکومت ہے۔ انہوں نے عہد کیا تھا کہ برسراقتدار آتے ہی حماس کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔

نیتن یاہو ایسا سفاک شخص ہے، جو سمجھتا ہے کہ غزہ میں 1300 فلسطینیوں کی ہلاکتیں' 5000 زخمی اور دس ہزار بے گھر افراد اور ایک ماہ کی خوفناک جنگی صورتحال غزہ میں بسنے والے فلسطینیوں کو سبق سکھانے کیلئے کافی نہیں تھی' اس کو مزید جاری رہنا چاہئے۔ تھا۔ اسرائیل کی تاریخ میں اسحاق رابن ایسا شخص تھا جو فلسطینیوں کے ساتھ صلح جوئی اور امن کے قیام کا حامی تھا جس پر نیتن یاہو نے الزام لگایا کہ وہ نازی ہے اور رابن اسحاق کو ہر ممکن طریقے سے اس کے عہدے سے برطرف کردینا چاہئے۔ نیتن یاہو نے رابن اسحاق کو ''غدار'' بھی قرار دیا تھا۔ اس کے چند روز کے بعد ہی ایک جنونی اور انتہا پسند یہودی نے رابن اسحاق کو قتل کردیا تھا۔ نیتن یاہو کا دوسرا ساتھی اور

موجودہ وزیر خارجہ لائبرمین کسی طرح بھی سفاکیت میں نیتن یاہو سے کم نہیں ہے۔ اس کے خیال میں فلسطینیوں سے بالکل اسی طرح نپٹنا چاہئے جس طرح پیوٹن نے 1990ء میں چیچنیا میں بمباری کر کے وہاں کی ایک تہائی آبادی کو ہلاک کر دیا تھا۔ وہ ایسا صیہونی لیڈر ہے جو مصالحت اور مذاکرات کی زبان نہیں سمجھتا۔ وہ فلسطین کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا قائل ہے' وہ صرف جنگ کی زبان سمجھتا ہے۔ وہ اسرائیل کے مقبوضہ علاقوں کے فلسطینی باشندوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ المختصر موجودہ مخلوط اور کٹر اسرائیلی حکومت میں فلسطین کے ساتھ سمجھوتے کے امکانات پہلے سے زیادہ معدوم ہو چکے ہیں۔ نیتن یاہو تل ابیب میں پیدا ہوا تھا جب اس کی عمر 14 سال ہوئی تو اس کے والدین امریکہ چلے گئے' جہاں پر نیتن یاہو نے تعلیم حاصل کی۔ 1975ء میں اس نے میساچوسٹس سے گریجوایشن کی' ہاورڈ میں پولیٹیکل سائنس میں ماسٹر کیا۔ نیتن نے واشنگٹن میں اسرائیلی سفارتخانے میں بھی خدمات انجام دیں۔ 1984ء سے 1988ء تک اقوام متحدہ میں اسرائیلی سفیر رہا۔ نیتن یاہو کے بارے میں یہ رپورٹس بھی منظر عام پر آئی ہیں کہ اس کے پاس اسرائیل کے ساتھ ساتھ امریکہ کی بھی نیشنلٹی ہے اور اسرائیلی قوانین کے مطابق دوہری شہریت کا حامل شخص اسرائیلی وزیر اعظم یا صدر کے عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس رپورٹ کو چھپانے اور منظر عام پر آنے سے روکنے کی حتی المقدور کوششیں کی گئیں۔ ادھر اگر اسرائیل میں مخلوط حکومت بنی ہے تو ادھر امریکہ میں بھی موجودہ کابینہ میں پچھلی کابینہ کے کئی افراد موجود ہیں۔ نیتن یاہو یا جو بھی اسرائیل میں برسر اقتدار ہو' اس سے تعاون امریکہ کی مجبوری بھی ہے اور ضرورت بھی۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ امریکہ کی مضبوط یہودی لابی اسرائیل کی سرپرستی کرتی ہے۔ دوسرے اگر کبھی مستقبل میں امریکہ کو ایران کے خلاف فوجی آپریشن کرنا پڑا تو اسرائیل ہی ایسا ملٹری پارٹنر ہے، جو امریکہ کی بھرپور مدد کر سکتا ہے۔

تین سال قبل عام انتخابات میں اسرائیلی عوام نے قدیمہ پارٹی کے حق میں ووٹ دیا تھا تو انہیں قوی امید تھی کہ پارٹی اپنے وعدے کے مطابق اسرائیل اور فلسطین کے درمیان حتمی سرحدیں کھینچے گی' اور دو مملکتی فارمولے کے تحت فلسطین کی علیحدہ ریاست کو تسلیم کر لے گی۔ لیکن بعد میں یہ بات سامنے آئی کہ قدیمہ پارٹی کے رہنماؤں کے دل میں کھوٹ تھی۔ ایریل شیرون نے غزہ سے یہودی آبادی کو ختم کر دیا تھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اسرائیل مصالحت اور امن کا کتنا خواہشمند ہے' لیکن درحقیقت یہ ایک دھوکہ تھا اور حکمت عملی یہ تھی کہ غزہ پر بھرپور حملہ کیا جا سکے اور کوئی بستی یا یہودی اس کی زد میں نہ آئے۔ 27 دسمبر کو وہی ہوا جس کی اتنی طویل مدت سے منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ قدیمہ پارٹی نے فلسطینی مملکت کے قیام میں مدد دینے کے بجائے اس کی ہر قدم پر بیخ کنی کی کوشش

کی' فلسطین کی حماس اور الفتح تنظیموں کو آپس میں لڑایا اور جب حماس غزہ کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں لینے کیلئے مجبور ہو گئی تو قدیمہ پارٹی کی حکومت نے غزہ کا محاصرہ کر کے 15 لاکھ فلسطینیوں کا گلا گھونٹنے کے جتن کئے۔ جب اس سے بھی اس کا جی نہیں بھرا تو اس درندگی میں اور شدت پیدا ہو گئی اور غزہ پر پوری قوت سے حملہ کر دیا اور قیامت خیز تباہی مچا کر پسپائی اختیار کر لی۔ قدیمہ پارٹی نے تین سال کے عرصے میں ملک کو دو جنگوں میں جھونکا۔ پہلے 2006ء میں لبنان کے خلاف جنگ چھیڑی' پھر غزہ میں اور دونوں جنگوں میں قدیمہ پارٹی اپنے مقصد میں ناکام رہی بلکہ رسوائی ہاتھ آئی۔ اسرائیل کی موجودہ انتہا پسند حکومت کے دور میں مشرق وسطیٰ امن معاہدے میں پیش رفت ناممکن نظر آتی ہے۔ نیتن یاہو کی حکومت کو فلسطین کے ساتھ بات چیت اور امن معاہدے کیلئے پیش رفت پر راضی کرنا اوباما کیلئے آنے والے وقت میں کڑا امتحان ہوگا۔

❖♦❖

اسرائیل کی نئی انتہا پسند حکومت برسر اقتدار آ جانے کے بعد مسئلہ فلسطین کے حل میں رہی سہی امیدیں اور توقعات بھی ختم ہو گئی ہیں۔ اسرائیل کی انتہا پسند حکومت کا مؤقف یہی ہے کہ وہ مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے مشروط بات چیت نہیں کرے گی' البتہ غیر مشروط بات چیت کیلئے ہیں۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے پہلے تو کسی بھی قسم کی بات چیت سے ہی انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ تشدد کے ذریعے حماس تحریک کا خاتمہ اور آزادی کی جدوجہد کو کچلنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مذاکرات پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ہی ہم ایک علیحدہ فلسطینی مملکت کے قیام پر بات چیت کیلئے پابند عہد ہیں۔

اسرائیلی حکومت کے اس متشددانہ اور جارحانہ رویے نے امن کے امکانات کو تو معدوم کیا ہی ہے' مگر ان فلسطینیوں کے حالات کی بہتری کی توقعات کو بھی خدشات سے دوچار کر دیا ہے جو کہ کیمپوں میں انتہائی بے بسی اور بے چارگی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مثال کے طور پر لبنان کے کیمپوں کو لے لیجئے۔ لبنانی کیمپوں میں موجود فلسطینیوں کی حالت زار بدترین صورتحال کی عکاس ہے۔ لبنان کے صدر علاقہ میں فلسطینی پناہ گزینوں کیلئے تین کیمپ ہیں۔ ان کیمپوں اور اس سے ملحق علاقے کی آبادی کو ساحلی پٹی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس علاقے میں ہیلتھ سنٹر ناکافی ہیں اور جو ہیں' وہاں بنیادی صحت کی سہولیات موجود نہیں۔ ان مراکز سے 40 فیصد سے بھی کم ضروریات پوری ہوتی ہیں اور جتنے لوگوں کو علاج معالجے کی سہولیات ان مراکز میں دستیاب ہوتی ہیں' ان میں سے نصف نے بھی ان مرکز میں علاج سے فائدہ نہیں اٹھایا ہے' کیونکہ سہولیات بہت ناقص ہیں۔ زیادہ مریضوں کے علاج کی گنجائش نہیں۔ ان کی خدمات محدود پیمانے پر ہیں' کئی شفاخانے تو ہفتے میں ایک دو دن ہی کھلتے ہیں۔ ایسے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فلسطینی پناہ گزین

کن مشکلات سے دوچار ہوں گے۔

وہ ہیلتھ سنٹر جو ہفتے میں ایک دو دن کھلتے ہیں وہاں علاج معالجے کی کیا سہولیات ہوں گی؟ مریض تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور ڈاکٹر کم۔ ایک ڈاکٹر 300 مریض کیسے اچھی طرح دیکھ سکتا ہے' بھلا اچھی طرح کیا' سب کو دیکھنا بھی ممکن نہیں ہوسکتا۔ فلسطینی مریضوں کو تو اتنا وقت بھی نہیں ملتا کہ وہ اپنی بیماری کی تفصیل ہی بیان کر سکیں۔ اپنی کیفیات اور حالات بارے بتا سکیں۔ ایسے میں بہت سے مریضوں کو ایک دوسرے کے مشابہ خیال کر کے ایک ہی جیسی دوا تجویز کر دی جاتی ہے۔

اسرائیل نے جب غزہ کی پٹی پر حملہ کیا تھا تو اس نے فوجیوں کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ شہروں کو اس طرح تباہ حالی سے دوچار کر دیں کہ شہری دوبارہ پلٹ کر اس طرف نہ آئیں اور وہ بے بس ہو کر کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں۔ فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کا کہنا ہے کہ جب ہم نے غزہ پر حملوں کے بعد غزہ کو دیکھا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہم نے غزہ کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔ غزہ کی ہر قابل ذکر عمارت کو تباہ کیا جا چکا تھا۔

مقولہ ہے کہ ''تخریب کیلئے ایک لمحہ جبکہ تعمیر کیلئے کئی برس درکار ہوتے ہیں۔'' اسرائیلی فوج کے ظلم وستم سے تنگ آ کر تو بہت سے فلسطینی پہلے ہی اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہو چکے ہیں، باقی جو رہ سہے ہیں' وہ بھی اب غزہ حملوں کے بعد سے پناہ گزینی پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اسرائیلی فوج نے وائٹ فاسفورس' کیمیائی اور حیاتیاتی اسلحے کا بے دریغ استعمال کیا۔ اسرائیلی طیاروں نے 82 مساجد' 68 سے زائد سکولوں' 100 سے زائد پولیس ہیڈ کوارٹرز اور 500 کے قریب سرکاری اور حکومتی عمارات کو تباہ کیا۔ فلسطینیوں کے قبرستان اور مقابر تک کو نہیں بخشا گیا۔ صیہونیوں نے خوراک اور بنیادی ضروریات تک رسائی کو مشکل کر دیا ہے۔ ان کیمپوں میں فلسطینیوں کو خوراک اور بنیادی سہولیات کی کمی کا سامنا ہے۔

اسرائیل نے ماضی میں بھی فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کیا ہے اور ابھی تک وہ مزید فلسطینیوں کو پناہ گزین بنانے کے راستے پر گامزن ہے۔ اسرائیل نے 2008ء میں مغربی کنارے کی ہزاروں ہیکٹر زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے یہ قبضہ یہ کہہ کر کیا ہے کہ یہاں اس کا قانونی حق ہے' حالانکہ انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے مغربی کنارے میں یہودی آبادکاری غیر قانونی ہے۔ یہودی آبادکاروں نے دوگنا زائد علاقے پر قبضہ کیا ہے۔ فلسطینیوں کو ان علاقوں میں آنے کی اجازت بھی نہیں۔ یہ قبضہ پچھلے 30 سال سے جاری ہے لیکن اب اسرائیلی فوج زمین پر قبضہ یہ کہہ کر کر رہی ہے کہ وہ ایسا سکیورٹی کے تحت کر رہی ہے۔ اس زمین میں سے آدھی زمین فلسطینیوں کی اپنی نجی ملکیت ہے۔ اس طرح یہودیوں کا وہاں

آبادکاری کا کوئی حق نہیں بنتا' لیکن پھر بھی یہودی نہ صرف ان پر ناجائز قبضہ کر رہے ہیں بلکہ فلسطینیوں کو وہاں جانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اب وہ قبضہ سکیورٹی کے نام پر کر رہی ہے۔ اسرائیلی آبادکاروں کا قبضہ مزید فلسطینیوں کو بے گھر کرنے کا باعث بنے گا۔ فلسطینی پناہ گزین نہایت بے بسی اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ 1948ء میں فلسطینی معاشرہ جنگ کے وزن میں دب کر رہ گیا۔ 1947ء کے آخری مہینوں میں سے لے کر 1949ء کے اوائل تک تقریباً سات لاکھ فلسطینیوں کی حیثیت بدل کر پناہ گزینوں کی بن گئی۔ جس زمین پر وہ رہتے تھے' کاشتکاری کرتے تھے' اس کو فلسطین سے اسرائیل میں بدل دیا گیا۔ بہت سے افراد کو طاقت کے بل پر زمین بدر کر دیا گیا یا پھر وہ ہلاکت کے خوف سے جگہ چھوڑ گئے۔ ان کی املاک غصب کر لی گئیں اور انہیں واپسی کا پروانہ کبھی نہ مل سکا' وہ کیمپوں میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔ کچھ نے لبنان' کچھ عراق اور کچھ نے شام اور مصر میں پناہ لی۔ اس طرح یہ پناہ گزینی ہمیشہ کیلئے ان کا مقدر بن کر رہ گئی۔ فلسطینیوں کے اندراج کرنے والے ادارہ اقوام متحدہ کے مطابق کاغذوں میں اس وقت تقریباً 47 لاکھ فلسطینیوں کی حیثیت پناہ گزینوں کی ہے۔ فلسطینیوں کو کیمپوں میں موت سے بدتر زندگی گزارنا پڑ رہی ہے۔ اسرائیلی نسل نے نہ صرف ان کے گھر اجاڑے بلکہ ان کے دیہات بھی اجاڑ دیئے۔ فلسطین سے عربوں کی نسلی صفائی کیلئے ان کو پناہ گزینی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ کیمپوں میں مقیم پناہ گزین اس وقت غربت کی انتہائی نچلی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ پانی اور بجلی کی شدید قلت ہے۔ لوگوں کو موجود تھوڑی بہت رقم بھی اقساط سے خرچ کرنا پڑ رہی ہے' کیونکہ ان کے پاس ذرائع روزگار ہے نہ ذرائع آمدنی۔ بچوں کی تعلیمی حالت بدتر ہے۔ تعلیمی ضروریات تو کجا بنیادی اشیاء کی فراہمی ہی بڑی بات ہے۔ عالمی ادارہ خوراک کے مطابق لوگوں کی پہنچ مشکل سے بنیادی اشیاء تک ہی ہے۔ لوگوں کے پاس خوراک کی انتہائی کمی ہے۔ زیادہ تر ٹماٹر اور روٹی پر گزارا اور بعض اوقات تو یہ بھی نہیں' بھوک' فاقہ کشی چلتی ہے۔ کیمپوں میں صفائی کی حالت بدترین ہے۔ علاقے کوڑے کچرے کے ڈھیر سے بھرے پڑے ہیں۔ کمسن بچے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر سے خوراک تلاش کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کیمپوں میں خصوصاً لبنانی کیمپوں میں مریضوں کی حالت تو نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ ڈاکٹر تعداد میں بہت کم ہیں' جو ہیں وہ مریضوں کو سرسری دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہم مالی وسائل کی کمی کا شکار ہیں' مالی وسائل کی کمی کے باعث وہ مریضوں کے حالات کے ذمہ دار نہیں۔

لیکن ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ جب کوئی وی آئی پی شخصیت ان کیمپوں کے دورے پر آتی ہے تو اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اس ایک ماہ کا خرچہ ایک ماہ کے مریضوں کی فارمیسی کے

اخراجات سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ یہی کہ فلاحی اداروں اور ان خیراتی تنظیموں کے اندر مالی بدعنوانی کا دور دورہ ہے۔ جب کیمپوں میں فلاحی اداروں کی نام نہاد فلاحی خدمات کی نمائش کا موقع ہوتا ہے تو پھر پیسے یا اخراجات کہاں سے پورے ہو جاتے ہیں؟ جیسے اچانک خزانہ کھل گیا ہو' لیکن جب فلسطینیوں کی زندگی' بیماری اور علاج معالجہ کا مسئلہ ہو تو غربت و افلاس اور مالی بحران کا واویلا کیا جاتا ہے۔

ایک خطرناک صورتحال جو کہ ان ہیلتھ سنٹر پر نوٹ کی گئی ہے' وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر نسخہ کچھ اور لکھ کر دیتا ہے۔ فارماسسٹ نسخہ دیکھے بغیر مریضوں کے ہاتھوں میں دوائی تھما دیتا ہے۔ پھر بہت سی دوائیں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اب ان صحت کے مراکز پر بیمار فلسطینیوں کا کیا علاج ہوگا؟ یہ تو ان کو اور بیمار کرنے والی باتیں ہیں۔ فلسطینیوں کا اعتبار ان طبی مراکز پر سے اٹھ چکا ہے۔ شدید طبی مسئلہ سے دوچار مریض کو ہاسپٹل میں داخل کروایا جاتا ہے' جہاں ان کو علاج معالجے کی بہتر سہولیات میسر نہیں۔ مختلف ممالک کے ہاسپٹلز سے ان پناہ گزین فلسطینیوں کے علاج معالجے کیلئے فلسطینی ہلال احمر کا اگری منٹ ہے' ان کے اپنے چارجز ہیں۔ ہاسپٹل مریضوں کا تمام ضروری معائنہ بھی نہیں کرتا اور پھر فلسطینیوں کو اس بات کی رعایت بھی حاصل نہیں کہ اگر وہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوتے تو ان کو ڈسچارج کرنے کے بجائے ہاسپٹل میں ہی ایڈمٹ رہنے دیا جائے۔ ابھی مریض کی حالت مکمل بہتر ہوتی نہیں کہ اسے ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔ ہسپتال والوں کو فلسطینیوں کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں۔ وسائل جتنے بھی ہیں مگر تقسیم پر بدعنوانیوں کا غلبہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ باز پرس کرنے والا نہیں کوئی۔ کیمپوں میں کیا ہے؟ لوگ گھنٹوں ہر چیز کیلئے قطار میں کھڑے رہتے ہیں۔ نہ گیس ہے نہ آٹا' نتیجتاً روٹی بھی نہیں مل سکتی۔ لوگوں اور اشیاء کی نقل وحمت پر سخت پابندیاں عائد ہیں۔ تیل کی کمی کی وجہ سے بجلی کا بحران ہے۔ بجلی نہیں تو پانی کے پمپ بھی کام نہیں کر رہے اور نکاسی آب کا نظام بھی متاثر ہوا ہے۔ نکاسی آب کے نظام کی وجہ سے صحت کے کئی مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔

60 سال قبل اسرائیل کے قیام کے وقت سے لے کر اب تک فلسطینی قوم اور مہاجرین کی آبادکاری کیلئے مختلف مظاہرے تو منعقد کئے جا رہے ہیں مگر عملی طور پر ابھی تک کوئی حل سامنے نہیں آیا۔ 1948ء میں اسرائیل کی طرف سے علیحدہ ریاست کے قیام سے پہلے جنگ کے دوران 7 لاکھ فلسطینی اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ فلسطینی اسرائیل کے قیام کو بڑی تباہی کے طور پر مناتے ہیں اور آج بھی فلسطینی علیحدہ ریاست کے قیام کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ 1948ء سے بے گھر ہونے والے ان پناہ گزینوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ فلسطینی مختلف

کیمپوں میں پناہ گزین کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ فلسطینیوں کے ان بدترین حالات کا ذمہ دار کون ہے؟ یہودی اور یورپی اقوام جو کہ کسی صورت مسلمانوں کا پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے بس میں ہو تو مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے بے دخل کر کے صرف اور صرف پناہ گزین بنا دیا جائے۔ مسلمان کسی ریاست یا علاقہ پر حکمرانی نہ کریں اور جہاں بھی رہیں وہاں حکم کسی اور کا چلتا رہے۔ وہ بس وہاں غلامی و محکومی کی زندگی گزاریں اور سسکتے تڑپتے ہوئے اپنی جانیں دے دیں۔

❖◆❖

بیت المقدس پر اپنی ملکیت کے دعوے کو سچ ثابت کرنے کیلئے اسرائیل کے منصوبے نے اس کی مذموم سازشوں کے جال کو کھول دیا ہے جو وہ عرصہ دراز سے بُن رہا تھا۔ قدیم شہر یروشلم پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے کیلئے اسرائیل نے خفیہ منصوبہ بنایا ہے۔ اس منصوبے کے تحت اسرائیلی حکومت شہر کے اطراف میں قومی پارکس' سڑکیں اور سیاحتی مقامات تعمیر کر رہی ہے۔ ان تعمیرات سے بیت المقدس کی ہیئت بدل جائے گی اور یوں یہ اسلامی شناخت کا مظہر نہیں رہے گا' بلکہ یہودی تصرف و قبضے کی منہ بولتی تصویر بن جائے گا۔ اس منصوبے کا انکشاف ایک غیر سرکاری تنظیم کے حوالے سے اسرائیلی اخبار روزنامہ "ہارٹز" نے کیا ہے۔ منصوبہ کو عمل آوری کیلئے یروشلم ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اس کے مالی اخراجات وزیراعظم اور یروشلم کے میئر کی جانب سے برداشت کئے جا رہے ہیں۔ منصوبے کو راز میں رکھنے کیلئے ان کا برسرعام تذکرہ یا حوالہ نہیں دیا جا رہا۔ اس سازش کا تانا بانا ایہود اولمرٹ کے دور میں تیار ہوا' جب یروشلم ڈویلپمنٹ اتھارٹی کو باقاعدہ شہر کی ہیئت تبدیل کرنے کیلئے رپورٹ تیار کرنے کو کہا گیا۔ ایہود اولمرٹ کو ستمبر 2008ء میں یہ رپورٹ پیش کی گئی۔ اس رپورٹ میں قدیم شہر کے چار اطراف پارکس کی تعمیر کا منصوبہ پیش کیا گیا۔ اسرائیلی حکام کا منصوبہ یہ ہے کہ اس علاقہ پر جہاں آج بھی عرب فلسطینیوں کی کثیر تعداد آباد ہے' کو بے دخل کر کے اپنا قبضہ مضبوط کیا جائے۔ اس کیلئے شہر کے اسلامی آثار و تاریخی مقامات کا تشخص مٹانے کی سازش تیار کی گئی ہے۔ بظاہر تو اسرائیلی حکومت کا دعویٰ ہے کہ وہ یروشلم کو آئندہ اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کیلئے بنیاد مستحکم کر رہی ہے' مگر درپردہ مقاصد بیت المقدس کو ہتھیانا ہے اور اس پر یہودیوں کے تسلط کو جائز ثابت کرنا ہے۔ اس قبضے کو دوام بخشنے بلکہ اپنی ملکیت ثابت کرنے کیلئے اسرائیل شہر کی شکل و صورت اور اس کی ہیئت کو روایتی اور قدیم رنگ سے نکال کر جدید اور یہودی انداز میں بدلنے میں مصروف ہے۔ اس پراجیکٹ پر عملدرآمد کیلئے نومبر 2007ء میں یروشلم کی بلدیہ کی جانب سے منظوری دی جا چکی ہے۔ اس منصوبہ کے مطابق اسرائیل کے ایک اہم ترین تاریخی مقام پر جو مقبوضہ ہے اور فلسطینیوں کی ملکیت ہے' ایک ایکڑ میں

24 رہائشی عمارتوں کی تعمیر کی جائے گی اور کھیل کود کے میدان (سٹیڈیم کی تعمیر بھی زیرغور ہے) ظاہر ہے یہ تعمیراتی منصوبے پارکس' سیاحتی مراکز' سٹیڈیم وغیرہ کیلئے جگہ درکار ہوگی اور اس کیلئے فلسطینیوں کو جبراً تخلیہ کروایا جائے گا۔ یہ پراجیکٹ اتنا خفیہ رکھا گیا ہے کہ مسلم وقف یا چرچ اتھارٹی سے بھی اجازت حاصل نہیں کی جارہی۔ اس منصوبے سے متعلق مختلف آراء اور تجزیے کئے جارہے ہیں۔ ایک اسرائیلی ماہر قانون نے تو اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اس پراجیکٹ پر عمل آوری کی صورت میں تمام یروشلم غیر مستحکم ہوجائے گا' اس کی تمام ہیئت بدل کر رہ جائے گی۔ جبکہ اسرائیلی حکومت نے ان تمام دعوؤں کو جھٹلایا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ نئی تعمیرات سے یروشلم کے تمام شہریوں کو فائدہ حاصل ہوگا' کیونکہ اسرائیل کے زیرکنٹرول علاقہ میں واقع مقامات مقدسہ تک تمام عقائد کے ماننے والے شہریوں کو رسائی کی اجازت حاصل ہے۔

اسرائیل کے اس خفیہ منصوبے کو ایک غیر سرکاری تنظیم نے بھی اپنی رپورٹ میں طشت ازبام کیا ہے کہ تل ابیب ایک خفیہ منصوبے کے تحت مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں فلسطینیوں کے گھر مسمار کرکے وہاں سیاحتی مرکز تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اس اقدام کا مقصد متنازعہ شہر پر یہودی تسلط کو مضبوط بنانا ہے۔

"ایڈوکیسی گروپ" کے بانی دانیال سید حسین کا کہنا ہے کہ منصوبے کے تحت انتہا پسند نیشنلسٹ گروپوں کے تعاون سے شہر میں نو بائیبلی پارک تعمیر کئے جائیں گے۔ ان پارکوں کی تعمیر میں قدیم یہودی شہر کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا گیا ہے۔ اسرائیل اسے شہر کی خوبصورتی بڑھانے کے حوالہ سے بیان کررہا ہے' جبکہ یہ سراسر اور صریحاً جھوٹ ہے۔ اسرائیلی ترجمان کا کہنا ہے کہ "فلسطینیوں کے صرف بغیر اجازت تعمیر کردہ گھر منہدم کئے جائیں گے اور اس میں مسلمانوں کی تاریخی اہمیت کی عمارات یا مقامات کو چھیڑا نہیں جائے گا۔" ترجمان کے اس دعوے کے برعکس اسرائیلی حکومت کا یہ پلان ترتیب ہی اس لئے دیا گیا ہے کہ فلسطینیوں کو بے دل کیا جائے۔ مسلمانوں کی تاریخی اہمیت کی عمارات کی جگہ پارک اور سیاحتی مراکز تعمیر کردیئے جائیں تاکہ اسلامی تاریخی ورثہ ختم ہوکر رہ جائے۔ یہ منصوبہ ایہود اولمرٹ کے دور میں تیار کیا گیا' مگر امن فارمولے کو لے کر چلنے والے ایہود اولمرٹ کے جاتے ہی انتہا پسند حکومت برسر اقتدار آگئی' جس نے امن فارمولے کو یکسر تسلیم کرنے سے ہی انکار کردیا۔ ایہود اولمرٹ سے بھی البتہ یہ توقع نہیں تھی کہ وہ فلسطینیوں کیلئے امن کی نوید ثابت ہوں گے' مگر کسی حد تک وہ بش کے فارمولے پر رسماً ہی سہی' چل رہے تھے۔ ادھر بش صاحب گئے' ادھر ایہود اولمرٹ کو زوال آگیا۔ اب اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو اور وزیر خارجہ لیبرمین برسر اقتدار ہیں جو کہ سرے سے امن مذاکرات کے

ہی قائل نہیں' بلکہ وہ تو فلسطین اور فلسطینیوں کا وجود ہی سرے سے ختم کرنے کے قائل ہیں۔ مقبوضہ بیت المقدس مشرق وسطیٰ کے صدیوں پرانے تنازع کا ایک انتہائی حساس مسئلہ ہے۔ متبرک بیت المقدس شہر پر تل ابیب چار دہائیوں سے قابض ہے۔ عیسائیوں' یہودیوں اور مسلمانوں کیلئے یکساں طور پر متبرک اس شہر کو اب یہودی صرف اپنے نام کروانا چاہتے ہیں۔ اسرائیل اسے اپنا ناقابل تقسیم اور ابدی دارالحکومت قرار دیتا ہے' مگر بین الاقوامی برادری صیہونی ریاست کے اس دعوے کو جائز تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔

فلسطینی اس شہر کو اپنی آزاد ریاست کا صدر مقام بنانا چاہتے ہیں۔ بجا طور پر یہ فلسطینیوں کا حق بھی ہے۔ فلسطینیوں سے ان کا یہ حق چھیننے کیلئے اسرائیل مختلف ہتھکنڈے آزمارہا ہے۔ بیت المقدس میں پوری دنیا سے یہودیوں کو لاکر آباد کرنے کی مہم بھی چلائی گئی جو کہ تاحال جاری ہے۔ فلسطینیوں کے مکانات منہدم کرنے کا منصوبہ اسرائیل کی سازشوں میں سرفہرست ہے۔ اسرائیلی میئر نے فلسطینی ساکنین کو مزید عمارات کی اجازت دینے کیلئے منصوبہ تیار کیا تھا تاکہ فلسطینیوں کو متبادل رہائش مہیا کی جائے۔ میئر برکات نے اپنے بیان میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مشرقی بیت المقدس میں 23,550 مکانات کی تعمیر کی اجازت دینے کیلئے گزشتہ 50 سالوں میں پہلی بار ملک کا پہلا ماسٹر پلان پیش کیا ہے۔ مگر برکات کے فلسطینی ہم منصب بیت المقدس کے گورنر عدنان الحسینی نے اس منصوبے کو یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ "فلسطینیوں کے مسائل اس سے حل نہیں ہوں گے اور یہ منصوبہ فلسطینی رہائشی ضروریات پوری کرنے کیلئے بھی ناکافی ہے۔" حقیقت ہے بھی یہی کہ اسرائیل نے بیت المقدس کو پوری طرح اپنے تصرف میں لینے کیلئے سیاحتی مراکز اور پارکس کی تعمیر کا منصوبہ بنایا ہے اور اس پر دلیل دی ہے کہ شہر کو مزید خوبصورت بنانے کیلئے یہ سب کیا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں فلسطینیوں کو دربدر نہیں کیا جائے گا' انہیں ان کے گھروں کو چھوڑنے کے بدلے میں متبادل رہائش گاہیں مہیا کی جائیں گی' اس کیلئے بیت المقدس کے اسرائیلی میئر برکات نے جو منصوبہ پیش کیا ہے اسے کسی صورت قابل اعتبار قرار نہیں دیا جاسکتا' کیونکہ اس سے فلسطینیوں کی بے دخلی ہوگی اور اسرائیل کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہوجائے گی۔ فلسطینیوں کو شہر بدر ہونے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ شہر کے اس حصے میں جہاں بیشتر فلسطینی 1930ء سے رہتے ہیں' اسرائیل نے 1967ء کی مشرق وسطیٰ جنگ میں مشرقی بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تھا اور اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ ایک حصہ میں وہ اپنا دارالحکومت قائم کرنے کا خواہاں ہے۔ اسلامی برادری اسرائیل کے اس مذموم منصوبے کی کسی صورت تائید نہیں کرسکتی۔ فلسطینی چاہتے ہیں کہ مشرقی بیت المقدس کو مستقبل کی فلسطینی مملکت کا دارالحکومت بنائیں۔ بیت المقدس

میں آباد 7 لاکھ 40 ہزار آبادی کا زائد از 30 فیصد فلسطینی ہیں' باقی یہودی ہیں جن کی اکثریت شہر کے مغربی علاقہ میں رہتی ہے۔ برکاٹ کا فلسطینیوں کو متبادل رہائشگاہ دینے کا پلان دراصل در بدر کرنے کا منصوبہ ہے۔ برکاٹ نومبر میں منتخب ہوئے' وہ سیاسی طور پر ایک آزاد رکن ہیں' لیکن بیت المقدس کی یہودی اکثریت کیلئے ان کے جذبوں کی پختگی اور وفاداری کی وجہ سے انہیں اسرائیل کی نئی منتخب دائیں بازو حکومت کے وزیراعظم نیتن یاہو کی مکمل سرپرستی اور تائید حاصل ہے۔ اب فلسطینیوں کے مکانات کی حالیہ انہدامی کارروائی کیلئے اسے عالمی سطح پر تنقید کا سامنا ہے۔ مگر وہ کسی تنقید کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے انہدامی منصوبے پر اسی رفتار سے عمل پیرا ہے۔ کہیں فلسطینیوں کے مزید گھر مسمار کئے جارہے ہیں اور کہیں یہودیوں کی آبادکاری کیلئے مزید بستیاں بنائی جارہی ہیں' دونوں کا مقصد ایک ہے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ادارے کی جانب سے ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 1500 مکانات کی انہدامی کے احکامات زیرالتواء ہیں۔ اگر ان احکامات پر عملدرآمد کیا جائے تو 9000 فلسطینی مزید بے گھر ہو جائیں گے۔ اسرائیل نے انہدامی کارروائیوں کو جائز ثابت کرنے کی بھونڈی دلیل یہ دی ہے کہ یہ بغیر اجازت کے تعمیر کردہ ہیں۔ ان کو زمین دوز کر دیا جائے گا۔ اسرائیلیوں کے اس مؤقف پر فلسطینیوں کو بے دخل کرنے کا جواز اس لئے باقی نہیں رہتا' کیونکہ اجازت ناموں کا حصول اور طریق کار انتہائی مشکل امر ہے' جو صرف اس لئے اتنا پیچیدہ یا مشکل رکھا گیا ہے کہ فلسطینی وہاں گھر تعمیر نہ کرسکیں۔ برکاٹ کے ترجمان اسٹیفن ملر کا کہنا ہے کہ نیا منصوبہ فلسطینیوں کی آبادی پر مشتمل علاقوں میں مزید مکانات کی ضرورت کو پورا کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ بے شمار تعمیری اجازت نامے جاری کئے گئے ہیں جبکہ 2006ء میں اور گزشتہ سال 346 مکانات کی تعمیر کی اجازت دی گئی۔ میئر نے فلسطینیوں کے گھروں کی مسماری کے متعلق کہا کہ شہر بھر میں ناقص منصوبہ بندی کے تحت مکانات تعمیر ہوئے تھے' اس لئے ان کی غیر قانونی تعمیر اور قانون کو توڑنے پر کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

اسرائیل میں انتہا پسند حکومت آ جانے کے بعد سے تو دو ریاستی فارمولا دم توڑ گیا ہے' کیونکہ نومنتخب حکومت فلسطین کے تشخص پر تیار نہیں' حالانکہ عالمی سطح پر اسرائیل پر دباؤ ہے کہ اسے دو ریاستی فارمولا تسلیم کرنا چاہیے۔ عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ بینڈیکٹ نے بھی کہا ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان جاری تصادم کا واحد حل دو ریاستوں کی تشکیل ہے۔ تمام ذمہ دار اور صاحب شعور شخصیات کو مسئلے کے حل کیلئے کوشش کرنی چاہیے تاکہ دونوں طرف کے لوگ پرسکون زندگی گزار سکیں۔ پوپ نے اسرائیل کے دورہ میں یہودیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا' مگر انہوں نے دو ریاستی فارمولے کی تائید کر کے فلسطینی مملکت کے قیام کی وکالت کی۔ مفتی اعظم

فلسطین نے عیسائیوں کے روحانی پیشوا پوپ بینڈیکٹ سے فلسطینی عوام پر اسرائیلی حملے بند کروانے کی اپیل کی۔ پوپ بینڈیکٹ کی مقبوضہ بیت المقدس آمد اور گنبد صخریٰ کے دورہ کے موقع پر مفتی اعظم محمد حسین نے کہا کہ عیسائی رہنما کو فلسطینی عوام کے خلاف صیہونی جارحیت کے خاتمے کیلئے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ فلسطینی منتظر ہیں کہ پوپ بیت المقدس' غزہ اور مغربی کنارہ میں رہنے والے باشندوں' ان کی املاک اور مقدس مقامات پر حملے بند کروانے کیلئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ ویٹی کن کی طرف سے جاری کئے گئے بیان میں کہا گیا ہے کہ پوپ نے اپنی دعا میں لکھا ہے کہ ''اے اللہ اس مقدس سرزمین پر' مشرق وسطیٰ اور پوری انسانیت پر اپنی رحمت نازل فرما۔''

اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو دو مملکتی حل کے کسی طور حق میں نہیں۔ موصوف کا مؤقف ہے کہ وہ فلسطینیوں کو بزور طاقت کچلنے کے قائل ہیں۔ ایسے میں فلسطینیوں کی جہادی تنظیموں کا خاتمہ بھی کر دینا ضروری ہے۔ وہ فلسطینیوں سے بات چیت پر تیار ہیں مگر غیر مشروط۔ ایسے میں امن یا دو ریاستی مملکت کا فارمولا کیسے کامیاب ہوسکتا ہے۔ نئے آنے والے امریکی صدر اوباما سے یہ توقع ہرگز نہیں کہ وہ دو ریاستی فارمولے پر نیتن یاہو یا اسرائیلی حکومت کو آمادہ کرلیں گے۔ نیتن یاہو اور انتہا پسند حکومت کے دام میں آ جانے کے بعد اوباما سے دو ریاستی تجویز سے دستبرداری کا خدشہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ توقع یہی ظاہر کی جارہی ہے کہ اوباما جلد نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے یہودیوں سے جا ملیں گے اور اس حل کی بانسری بجاتے نظر آئیں گے جو کہ سازشی صیہونیوں نے تیار کیا ہے۔ درحقیقت جو مسئلہ کا حل نہیں' بلکہ بگاڑ ہے۔ کیونکہ اسرائیل اگر دو ریاستی حل پر متفق ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ''گریٹر اسرائیل'' یعنی عظیم تر اسرائیل کے خواب سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ عظیم اور وسیع ترین اسرائیل کا منصوبہ صرف فلسطینی سرزمین تک محدود نہیں بلکہ وہ تو افریقہ سے لے کر بشمول خیبر و مدینہ منورہ پوری خلیج کو اپنے وسیع تر اسرائیل میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ عرب دنیا چاہتی ہے کہ اسرائیل فلسطین پر اپنا غاصبانہ قبضہ چھوڑ دے' اس کے بدلے وہ اسے تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ امن کی راہ عرب حکومت نے کئی سال پہلے منتخب کی۔ انہوں نے اس لئے یہ راستہ چنا کہ اس جھگڑے کو حل کیا جائے اور 60 سالوں سے جاری اس کشمکش کو ختم کر دیا جائے۔ اس کیلئے انہوں نے زمین کے بدلے امن اور پھر عرب امن اقدامات بھی پیش کئے۔ سعودی عرب کے شاہ عبداللہ کے اقدامات کو اسرائیل نے ظاہراً تو سراہا مگر اس پر عملدرآمد کیلئے آمادہ نہ ہوا' کیونکہ وہ فلسطین کی شناخت نہیں چاہتا' اس کا خاتمہ چاہتا ہے۔ اس کیلئے وہ فلسطینیوں کی بے دریغ جانیں لے رہا ہے اور ان کے گھروں کو منہدم کر کے وہاں اپنی تعمیرات کر رہا ہے۔

❖♦❖

اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کٹر یہودی ہیں۔ صیہونیت کی تمام تر سازشوں کے پروردہ نیتن یاہو کے بارے میں یہ گمان کہ وہ فلسطینی ریاست کے قیام پر متفق ہو گئے ہیں' ایک مفروضہ یا افواہ سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ البتہ اس کا امکان اسرائیلی وزیر دفاع ایہود باراک کے بیان کے بعد پیدا ہوا ہے، جو انہوں نے وائٹ ہاؤس میں امریکی صدر اوباما کے ساتھ ملاقات سے قبل دیا۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ اگلے تین سال میں یہ علاقائی معاہدہ ہو سکتا ہے۔ علاقائی معاہدہ کی بات کو فلسطینی ریاست کے قیام کی رضامندی سے محمول کرنا خوش فہمی یا غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہیں' جبکہ وزیر دفاع کا بیان بھی اس کی توثیق کرتا ہے۔ انہوں نے اسرائیلی ٹی وی پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس عمل میں شامل ہونے کیلئے تیار ہیں' جس کے تحت ایک علاقائی معاہدہ ممکن ہو۔ جہاں تمام لوگ امن کے ساتھ ایک دوسرے کے پڑوس میں رہتے ہوں۔ نیتن یاہو ابھی تک دو ریاستوں کے حل پر بات کرنے کیلئے تیار نہیں' ان کا کہنا ہے کہ وہ ''نئی سوچ'' چاہتے ہیں۔ نئی سوچ کی بات کرنے والے نیتن یاہو کی نئی سوچ ہے کیا؟ یہ کہ یہودی آبادی کو وسعت دی جائے اور فلسطینیوں کو جبراً بے دخل کر دیا جائے اور بے دخلی کا یہ کھیل اس دیدہ دلیری سے کھیلا جائے کہ دنیا کو یہی پتہ چلے کہ بیت المقدس کو خوبصورت سیاحتی مرکز میں بدلنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور فلسطینی ریاست کو الگ تشخص دینے کی۔ حالانکہ وہ الگ تشخص ہے کیا؟ یہ کہ فلسطین بظاہر تو آزاد ہو مگر درحقیقت اسرائیل کے زیرنگیں اور ماتحت ہو۔ اپنا عہدہ سنبھالنے کے بعد مصر اور اردن کا دورہ کرنے والے نیتن یاہو کو اچھی طرح پتہ ہے کہ امریکہ' مصر اور اردن دو آزاد ریاستوں کے حل کی حمایت کرتے ہیں۔ درحقیقت نیتن یاہو کے دورے کا مقصد ان ممالک کو اس طرح سے اپنے دام میں لینا تھا کہ وہ فلسطینی مملکت کی تشکیل کے معاملے سے دستبردار ہو جائیں اور اسرائیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ مگر اپنی کوششوں کی بار آوری نظر نہ آتے ہوئے اب نیتن یاہو انتظامیہ نے ایک اور چال سوچ لی ہے اور یہ وہ ہے کہ فلسطینی ریاست کی تشکیل کے مطالبے کو پس پشت ڈالا جائے اور اس کے بجائے علاقائی امن معاہدہ کا شوشہ چھوڑا جائے۔ ایہود باراک کا کہنا ہے کہ اسرائیل اور فلسطین اور اس کے پڑوسی ممالک کے درمیان اس طرح کا معاہدہ تین سال کے اندر ممکن ہے اور مزید پانچ سال اس پر عملدرآمد کیلئے چاہئیں۔ اسرائیلی وزیر ٹرانسپورٹ یسرائیل کائنز کا کہنا ہے کہ وزیراعظم اسرائیل کی سرحدوں پر ایک مسلح فلسطینی ریاست کے قیام کی مخالفت کریں گے، جو اسرائیل کی سلامتی کیلئے خطرہ ہے۔ اسرائیل کو اپنی سلامتی کا تو بہت زیادہ خیال ہے جبکہ عین ریاستوں کے وسط میں اسرائیلی مملکت کا وجود اور وہ بھی جدید ترین اسلحے ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی

سے لیس عرب ممالک کیلئے شدید خطرے کا باعث ہے۔ امریکہ ہی ہے جس نے یہودیوں کو عربوں کے سر پر لا سوار کیا اور اسے ایٹمی قوت بنایا۔ اب انہی ایٹمی ہتھیاروں کے بل بوتے پر وہ عربوں کو للکارتا ہے اور فلسطینی مملکت کے بخیئے ادھیڑنے کو تیار ہے۔ امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات بہت مضبوط ہیں مگر امریکہ پر فلسطینی ریاست کی تشکیل اور امن سمجھوتے کے سلسلہ میں دباؤ بھی ہے۔ یہی دباؤ ہے جو کہ نیتن یاہو' اوباما کے ساتھ چلتے ہوئے محسوس کریں گے۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران نیتن یاہو کا منشور ہی اس پر مبنی تھا کہ فلسطینی ریاست کو کسی صورت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ نیتن یاہو نہ صرف انتخابات کے دوران فلسطینی ریاست کی تشکیل کے منصوبے کی مخالفت کرتے رہے بلکہ وہ غزہ میں حماس انتظامیہ کے خلاف بھی بولتے رہے۔ مئی میں انہوں نے ''سہ رخی طریق کار'' کا تذکرہ کیا۔

فلسطینی ریاست کے جائز مطالبے کو تسلیم نہ کر کے اسرائیل اپنے لئے بھی کچھ اچھا نہیں کر رہا۔ مگر بزور طاقت فلسطینی جذبہ کو کچلنے والے اسرائیلی اپنے حق میں یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ انہیں قرب و جوار میں فلسطینیوں کا وجود بھی نظر نہ آئے۔ مشرق وسطیٰ میں شاہ عبداللہ کا امن فارمولا اسرائیل کیلئے بھی گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ اگر اسرائیل اس پر غور کرتا اور اسے تسلیم کر لیتا۔ عرب ممالک نے امن فارمولے کیلئے اسرائیل کو ایک وقت دے رکھا ہے' مگر اسرائیل کی طرف سے امن منصوبے کو نہ ماننے کی صورت میں یہ وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ شاہ عبداللہ نے اس کیلئے اسرائیل کو خبردار بھی کیا ہے کہ امن معاہدہ نہ ہونے کی صورت میں اگلے 12 سے 18 مہینوں میں ایک نیا تنازع کھڑا ہو جائے گا۔

برطانوی اخبار ''ٹائمز'' نے انکشاف کیا ہے کہ امریکہ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے جس اہم منصوبے پر کام کر رہا ہے اس کی تیاری میں وہ امریکہ کی مدد کر رہے ہیں۔ اس منصوبے میں شام اور لبنان کے ساتھ اسرائیل کے تنازع کو حل کرنے کی تجاویز بھی شامل ہیں۔ شاہ عبداللہ نے حال ہی میں ایک انٹرویو میں کہا کہ تمام نظریں واشنگٹن کی جانب ہیں اور اگر اب واضح حل سامنے نہ آیا تو سب کو یہی محسوس ہوگا کہ ایک اور امریکی حکومت ہے، جو ہمیں مایوس کرے گی اور دنیائے عرب میں صدر اوباما کی جو اچھی ساکھ بنی ہے وہ راتوں رات ختم ہو جائے گی۔ عرب ممالک خاص کر سعودی عرب امریکہ کے ساتھ جو امن فارمولا لے کر چل رہا ہے اس میں صرف فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کی بات نہیں کی جا رہی بلکہ اسرائیل کے ساتھ شام اور لبنان کے مذاکرات کی بات بھی کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ میں بھی مشرق وسطیٰ پر بحث و مباحثہ چھڑا ہوا ہے۔ عرب ممالک کی طرف سے اس منصوبے میں اسرائیل کو کافی رعایتیں شامل ہیں، جن میں عرب ممالک میں ویزا کی

پیشکش' اسرائیل کی فوجی ایئر لائن کو عرب علاقوں سے گزرنے کی اجازت کی پیشکش اور آگے چل کر او آئی سی کے تمام رکن ملکوں کی جانب سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات بھی شامل کرنے پر غور کیا جارہا ہے۔ اسرائیل اگر ان رعایتوں کو اپنے لئے مثبت تسلیم کر لے تو ان پر حوصلہ افزا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے اپنی بستیوں کی تعمیر کو روک دے اور عرب ممالک کا مطالبہ مانتے ہوئے ان علاقوں کو خالی کر دے جن پر اس نے 1967ء میں قبضہ کیا تھا۔

امریکہ اور یورپ کی جانب سے اسرائیل پر پڑنے والے دباؤ نے نیتن یاہو کو کچھ تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسرائیل نے اس تنقید کو برا مناتے ہوئے یورپ کو تنبیہ کی ہے کہ وہ بنجمن نیتن یاہو کی حکومت پر تنقید کرنے سے باز رہیں' ورنہ ان کو مستقبل میں مشرق وسطی امن مذاکرات سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اسرائیل کسی صورت یہ نہیں چاہتا کہ یورپ فلسطین کے مسئلے پر اس پر دباؤ ڈالے یا اسے کسی بھی حل کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کرے۔ یورپی اتحاد کے کمشنر فریرو والڈنر نے کہا تھا کہ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کو فلسطینیوں کے ساتھ مذاکرات کا پختہ وعدہ کرنا چاہئے۔ یورپ کے اس انتباہ کا اسرائیل نے بہت برا منایا۔ خاص طور پر یورپ کا یہ بیان اسرائیل کے انتہائی دائیں بازو کے نئے وزیرخارجہ ایوگڈور لیبرمین کے یورپ کے پہلے دورے سے قبل سامنے آیا۔ اسرائیل کے دفتر خارجہ کے ترجمان رفیع براک نے باقاعدہ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یورپ سے اسرائیل پر تنقید کا سلسلہ جاری رہا تو وہ مشرق وسطی میں سفارت کاری کا حصہ نہیں ہوگا۔ رفیع براک نے کہا کہ اسرائیل یورپی یونین کو پارٹنر بنانا چاہتا ہے' لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ سنجیدہ اور دانشمندانہ مذاکرات کئے جائیں نہ کہ عمومی رائے ظاہر کی جائے۔ علاوہ ازیں انہوں نے یورپ کو متنبہ کیا کہ اگر اس نے اپنا رویہ نہ بدلا تو علاقے میں یورپ کے اثر ورسوخ کو نقصان پہنچے گا۔ اسرائیل اگر علاقائی سمجھوتے یا پھر امن معاہدے پر رضامند ہوتا تو وہ مغربی کنارہ میں یہودی نو آبادیاتی توسیعی منصوبہ لے کر نہ چلتا۔ یہودی نو آبادیاتی توسیعی منصوبے کی عالمی مخالفت کے باوجود بھی اسرائیل اسے لے کر چلنے میں مصر ہے۔ ایک طرف مزید یہودی بستیاں تعمیر کی جا رہی ہیں' دوسری طرف تل ابیب ایک خفیہ منصوبے کے تحت بیت المقدس کو مکمل اپنے تصرف میں لینے کیلئے کام کر رہا ہے۔ اس منصوبے کے تحت وہ مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں فلسطینیوں کے گھر مسمار کر کے وہاں سیاحتی مرکز تعمیر کرنا چاہتا ہے' اس کیلئے قدیم عمارات کو ڈھا کر نیا شہر آباد کیا جائے گا۔ جس کا مقام تو وہی مخصوص ہوگا مگر ہیئت بدل دی جائے گی۔ تل ابیب چار دہائیوں سے بیت المقدس پر قابض ہے اور اسے اپنا اٹل' ناقابل تقسیم اور ابدی دارالحکومت قرار دیتا ہے۔

پوپ نے بھی دورہ اسرائیل میں کہا کہ اسرائیل اور فلسطین کے جاری تصادم کا واحد حل دو

ریاستوں کی تشکیل ہے۔ امن وسکون سے زندگی بسر کرنے کیلئے سب کو کوشش کرنی چاہئے۔ اسرائیل اپنے عظیم تر یعنی ''گریٹر اسرائیل'' کیلئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ اس لئے وہ اپنے مؤقف سے کیسے دستبردار ہو سکتا ہے' جبکہ اس کے ارادے بڑے اونچے ہیں۔ اس کا منصوبہ صرف فلسطینی سرزمین تک محدود نہیں بلکہ اس سے بہت آگے کا ہے' جس میں افریقہ سے لے کر بشمول خیبر و مدینہ پوری خلیج کو اپنے وسیع تر یعنی گریٹر اسرائیل میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسرائیل کی ان تمام بین الاقوامی قراردادوں کی پامالی کھلا اور واضح اظہار ہے کہ وہ ان قراردادوں کا قطعاً احترام نہیں کرتا اور وہ ان کے خلاف عمل پیرا رہے گا۔ اسرائیل کی مقبوضہ عرب سرزمین کے مقامات مقدسہ کی دست درازی دراصل فلسطینی علاقوں کو یہودی رنگ میں رنگنے کی کوشش ہے۔ اسرائیلی قبضے کی وجہ سے بیت اللحم شہر کی ترقی رک چکی ہے اور اس کی اقتصادیات کو جان بوجھ کر معطل کر دیا گیا ہے۔ یہ کھلی حقیقتیں اس بات کا واضح اظہار ہیں کہ اسرائیل اس شہر کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینا چاہتا ہے اور وہ پوری تندہی سے اس پر عمل پیرا ہے۔ بیت اللحم کی صرف 13 فیصد زمین ایسی بچی ہے جسے کہ فلسطینیوں کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ باقی 87 فیصد زمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ شہر کی ترقی رک چکی ہے' حتیٰ کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ مغربی کنارہ اور اسرائیل کے زیر قبضہ علاقوں میں کالونیوں کی تعمیر اور نسل پرستانہ فاصل دیوار کے قیام نے شہری ترقی کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ اس کی اقتصادیات کو بھی تباہ کر دیا ہے۔ بیت اللحم کے باشندوں کا عرصہ حیات تنگ ہو گیا ہے اور اس کا زمینی رقبہ سکڑ کر رہ گیا ہے۔ برطانوی روزنامہ ''گارڈین'' نے اسرائیل کی ان کارروائیوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے بین الاقوامی برادری سے اپیل کی کہ وہ حد فاصل دیوار کے بقیہ حصہ کی تعمیر روک دینے کیلئے اسرائیل پر دباؤ ڈالیں اور اسے مجبور کریں کہ وہ اسے وسعت دینے یعنی کالونیاں بسانے کی کارروائیاں بند کرے۔ مظالم کی حد اور کیا ہوگی کہ فلسطینیوں کو ان کے اپنے ہی ملک میں غلاموں کی طرح زندگی بسر کرنا پڑ رہی ہے۔ پوپ کو بیت المقدس اور بیت اللحم شہر کے باشندوں کی زندگیوں کی بے بسی کا نظارہ کرنا چاہئے تھا۔ بیت اللحم کے سینکڑوں ہزاروں لوگ چیک پوائنٹ عملے کی جانب سے اجازت ملنے کے منتظر رہتے ہیں۔ حماس اسرائیل کو کھٹکتا ہے جبکہ الفتح کے ساتھ اس کے گہرے روابط ہیں۔ اسرائیل الفتح کو خود سے نتھی کر لینے کیلئے مختلف لقمے بھی دیتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر اسرائیل محمود عباس کے صاحبزادے کو تعمیراتی کاموں کے ٹھیکے دیتا رہتا ہے جس سے ان کی زبان اور دماغ کو بند کر دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا اور ان کے دینی شعائر کی بے حرمتی کرنا یہودیوں کا آج سے نہیں' زمانہ دراز سے وطیرہ رہا ہے۔ یہی کوشش عیسائیوں کی رہی ہے کہ اسلام کو پھیلنے

پھولنے کا موقع نہ دیا جائے اور مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ فلسطینیوں پہ بے جا مظالم، مسجد اقصیٰ کے تقدس کو پامال کرنے اور فلسطینی شہروں کی ہیئت بدلنے کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ ان تمام کارستانیوں کا مقصد ایک عظیم تر اسرائیل کا قیام ہے۔ اس مقصد کیلئے صیہونی طاقتیں ہر ظلم کرنے کو تیار ہیں اور اس کا عملی مظاہرہ بھی وہ کرتی رہتی ہیں۔ یہودی اور عیسائی اپنے مذہب کے خلاف تو کچھ بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے جبکہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی ان کا روز کا معمول بن چکا ہے۔

نیتن یاہو سے یہ توقع کہ وہ فلسطینی ریاست کی تشکیل پر رضامند ہو جائیں گے۔ دیوانے کے خواب سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ نیتن یاہو اور اوگڈور لائبرمین کٹر صیہونی ہیں اور ان کی پالیسیاں فلسطین کیلئے تباہ کن ہیں۔ دونوں علیحدہ فلسطینی مملکت کے قیام کے مخالف ہیں۔ نیتن یاہو نے انتخابات میں نعرہ ہی اس بات کا لگایا تھا کہ غرب اردن سے یہودی آبادی ختم نہیں ہوگی اور بیت المقدس مکمل طور پر اسرائیل کا حصہ اور دارالحکومت رہے گا۔

اسرائیل فلسطین کے مسئلہ کو حل کرنے کے بجائے عالمی برادری کو ایران میں الجھا دینا چاہتا ہے۔ وہ عربوں کو ایران سے بار بار ڈرا دھمکا رہا ہے اور انہیں یہ باور کرا رہا ہے کہ فلسطین کے مسئلے پر عرب ممالک کو سر تسلیم خم کر لینا چاہئے اور بجائے فلسطینی ریاست کے، اپنی توجہ ایران پر مرکوز کرنی چاہئے، کیونکہ ان کیلئے حقیقی خطرہ ایران ہے۔ ایران عربوں اور اسرائیل کا مشترکہ دشمن ہے۔ چند دن قبل نیتن یاہو نے کہا کہ یہودی اور عرب دنیا ایران کو مشترکہ خطرہ سمجھتے ہیں۔ امریکی فکرساز ادارے Aipal سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پہلی بار عرب اور اسرائیل کسی معاملے پر ایک دوسرے سے اتفاق کر رہے ہیں۔ ایران کو ایٹمی ہتھیار بنانے کی اجازت دینا اسرائیل اور عرب کیلئے خطرہ ہے۔ نیتن یاہو نے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ فلسطینیوں سے دوبارہ مذاکرات شروع کر دے۔ نیتن یاہو نے فلسطینی مذاکرات میں فلسطینی مملکت کیلئے الگ ملک کا ذکر نہیں کیا، جبکہ انہوں نے سہ رخی حکمت عملی پر زور دیا۔ سیاسی معاملات پر گفتگو، فلسطینیوں کی معیشت اور سیکیورٹی فورسز کو مضبوط بنانا شامل ہے۔ نیتن یاہو فلسطینی مملکت کی تشکیل کی بات نہیں بلکہ علاقائی سمجھوتے کی بات اور سہ رخی معاملات کی بات کرتے ہیں، اس لئے مسلم دنیا کو اسے خوش تعبیری سے موسوم کرنے کے بجائے مل جل کر اسرائیل کے خلاف مؤثر حکمت عملی اپنانی چاہئے۔[9]

❖♦❖

حماس اور الفتح میں مشترکہ سیکیورٹی فورس کے قیام پر مذاکرات کا سلسلہ کافی دیر سے چل رہا

تھا، مگر اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ رہا تھا۔ لیکن آخرکار دونوں تنظیمیں مشترکہ سیکیورٹی فورس کے قیام پر رضامند ہو گئی ہیں۔ فلسطین کی دونوں بڑی تنظیموں حماس اور الفتح نے جنوری 2010ء تک مشترکہ سیکیورٹی فورس کے قیام پر اتفاق کر لیا ہے، جبکہ مصر نے دونوں فریقوں میں معاہدے کی صورت میں غزہ بارڈر کھولنے پر بھی رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ اس معاہدے کے بارے میں الفتح کے سینئر رہنما نبیل شاہ نے خبر رساں اداروں کو بتایا، انہوں نے کہا کہ غزہ کی سیکیورٹی کیلئے مشترکہ فورس کے قیام کے معاہدے پر اصولی اتفاق ہو گیا ہے۔ یہ فورس اگلے سال 5 جنوری تک قائم کی جائے گی، جبکہ 5 جنوری کو فلسطینی عوام الیکشن کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ مصری انٹیلی جنس کے سربراہ عمر سلیمان نے جو ان دونوں گروپوں میں ثالثی کروا رہے ہیں، دونوں فریقوں کو یقین دلایا کہ اگر وہ مفاہمت پر راضی ہو گئے تو مصر غزہ سرحد کھول دے گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حماس اور الفتح میں حقیقی پائیدار اور مثبت روابط فروغ پائیں تا کہ مسئلہ فلسطین کا کوئی حل سامنے آسکے۔ اسرائیل میں انتہا پسند حکومت برسر اقتدار آ جانے کے بعد حماس اور الفتح میں خوشگوار تعلقات کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے، کیونکہ انتہا پسند اسرائیلی حکومت فلسطینی ریاست کی تشکیل کے ہرگز حق میں نہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو بارہا دو ریاستی فارمولے کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکے ہیں۔ فلسطینی ریاست کی تشکیل کی نفی تو ان کا وطیرہ خاص بن چکی ہے، حالانکہ اس وقت عالمی محاذ پر نیتن یاہو حکومت کو سخت تنقید کا سامنا ہے۔

یورپی یونین نے بھی اسرائیل کو خبردار کیا ہے، جبکہ امریکی صدر اوباما نے بھی بطور خاص دو ریاستی فارمولے کا تذکرہ کیا ہے، مگر اسرائیل کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی اور وہ کسی صورت دو ریاستی فارمولے پر گھٹنے ٹیکنے کیلئے تیار نہیں۔ وہ یورپی یونین اور امریکہ کے دباؤ میں آنے کے بجائے ان پر شدومد سے دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ عربوں کی حمایت کرنا چھوڑ دے، خصوصاً مسئلہ فلسطین میں دلچسپی لینا ترک کر دے، ورنہ اسرائیل یورپی یونین سے تعلق توڑ لے گا اور امریکہ سے اپنے روابط ختم کر دے گا۔ اسرائیل کو جب عالمی سطح پر اپنی مخالفت نظر آتی ہے تو وہ مختلف تاویلات اور شرائط پر اتر آتا ہے۔ حال ہی میں اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے فلسطینی حکومت سے مذاکرات پر مشروط رضامندی ظاہر کی۔

نیتن یاہو نے کہا کہ وہ اسرائیل سے مذاکرات کیلئے تیار ہیں مگر مذاکرات سے قبل اسرائیل کو تسلیم کیا جائے۔ نیتن یاہو کی یہ شرط چالاکی کے سوا اور کچھ نہیں، کیونکہ مذاکرات کا انعقاد پہلے ہوتا ہے اور کسی فارمولے یا ریاست کو تسلیم کرنے کی بات بعد میں۔ اسرائیل یہ سب کچھ پہلے چاہتا ہے، حالانکہ عرب لیگ متعدد بار کہہ چکی ہے کہ اگر اسرائیل چند جائز مطالبات کو تسلیم کر لے تو تمام عرب

ممالک نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کر لیں گے بلکہ اس سے صلح کن مفاہمتی عمل کو آگے بڑھایا جائے گا۔اس سے تجارتی تعلقات کو بھی فروغ دیا جائے گا' اسرائیل کو یہ سودا منظور نہیں' کیونکہ وہ ''کچھ دو اور کچھ لو'' کے اصول کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔وہ اس بنیادی اصول کی دھجیاں اڑا کر دم لینا چاہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ کسی مطالبے کو ماننے کیلئے تیار نہیں' نہ ہی وہ کسی امن فارمولے کو تسلیم کرتا ہے۔اس کی یہ ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی ساری دنیا پر عیاں ہے۔

اسرائیل اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہے' جب تک وہ فلسطینی دھڑوں میں پھوٹ نہ ڈلواتا۔اسرائیل کے الفتح سے قریبی روابط کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ درحقیقت یہ اسرائیل ہی ہے جو کہ ان دونوں گروپوں میں محاذ آرائی کا خواہاں ہے اور اس کیلئے ماحول پیدا کرتا رہتا ہے۔فلسطین میں دونوں دھڑوں کی اپنی اپنی مشترکہ سکیورٹی فورس ہے۔حماس کی سکیورٹی فورس غزہ کے کنارے پر جبکہ الفتح کی مغربی کنارے پر کام کر رہی ہے۔فلسطین کی آزادی کے حمایتی فریقوں کی فورس تو ایک ہونی چاہئے' جبکہ یہ دونوں بجائے اسرائیل کے خلاف یکجا ہو کر صف آراء ہونے کے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔

اکثر حماس اور الفتح کی فورسز کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے جو فلسطینی کاز کیلئے بذات خود نقصان دہ ہے۔ایسے میں ایک مشترکہ سکیورٹی فورس کے قیام کی ضرورت بہت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔مصر دونوں فریقوں میں مختلف معاملات کو لے کر چل رہا تھا' مصر کی مداخلت اور کوششوں کی وجہ سے دونوں فریقوں میں مشترکہ سکیورٹی فورس کے قیام پر اتفاق رائے ہو گیا ہے' لیکن اس فورس کے قیام کی تشکیل 2010ء کے جنوری میں کی جائے گی۔اس وقت تک دونوں فریقوں میں امن اور باہمی اتفاق یا پختہ عزم رہنا ضروری ہے تاکہ یہ منصوبہ کسی گڑبڑ کا شکار نہ ہو جائے۔

اسرائیل کی پوری کوشش یہی ہو گی کہ وہ ان دونوں فریقوں کو کسی بھی صورت یکجا نہ ہونے دے اور کسی نہ کسی طریقے سے ان میں پھوٹ ڈال دے۔اسرائیل اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے کیلئے تیار نہیں' ایسے میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ حماس اور الفتح بشمول دیگر تمام فلسطینی دھڑوں کے' پوری طرح اسرائیل پر دباؤ ڈالیں۔اسرائیل پر حماس اور الفتح کی یکجائی شاق بن کر گزرے گی اور وہ خود کو سمیٹنے پر مجبور ہو جائے گا۔کیونکہ فی الوقت اسرائیل کسی طرح کے سمجھوتے کیلئے تیار نہیں' جس کا ثبوت اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کے بیانات سے ہوتا ہے' اسرائیلی صدر نیتن یاہو نے اعلان کیا ہے کہ امریکی کوششوں کے باوجود مغربی کنارے کے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں یہودی بستیوں کی تعمیر جاری رہے گی۔ہفتہ وار کابینہ کے اجلاس سے مطالبہ

کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کوئی ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا۔اسرائیلی وزیر خارجہ لیبرمین نے سرحدیں 1967ء کی پوزیشن میں لے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کئی عشروں سے جاری فلسطینی اسرائیلی لڑائی کا حل نہیں۔اس سے امن کی ضمانت نہیں ملے گی۔اسرائیل حماس کو دشمن سمجھتا ہے اور وہ پسند نہیں کرتا کہ عالمی برادری حماس سے تعلقات بڑھائے یا حماس کو فلسطینی عوام کی رہنما تنظیم خیال کرتے ہوئے اس سے مذاکرات کرے۔روسی وزیر خارجہ سرگئی لاروف کی حماس کے سربراہ خالد مشعل سے دمشق میں ملاقات کو اسرائیل ہضم نہیں کر پا رہا اور اس نے روس کے وزیر خارجہ کی خالد مشعل سے ملاقات پر مایوسی کا اظہار کیا اور کہا ہے کہ اسرائیل روس کی طرف سے دہشت گرد تنظیم کے ساتھ تعلقات رکھنے کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے اس کا شدید صدمہ ہوا ہے۔

اسرائیل حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دیتا ہے اور اس نے عالمی سطح پر حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دلوانے کی مہم چھیڑ رکھی ہے۔یورپی یونین اور امریکہ اسرائیل کے اسی پروپیگنڈے کی وجہ سے اور اپنے مفاداتی مقاصد کیلئے حماس کو کانٹا سمجھنے کی وجہ سے دشمن خیال کرتے ہیں۔حماس بہادری اور دلیری کے ساتھ اپنے کاز کیلئے لڑ رہا ہے۔وہ کسی لالچ یا دباؤ میں آ کر اپنے مقاصد کو پس پشت ڈالنے یا فلسطینی جدوجہد آزادی سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں۔اس نے اپنی جانوں اور مالوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آزادی کا علم بلند رکھا ہے۔یورپ' یہود نے اسے اپنے دباؤ میں لینے یا لالچ دینے کی بہت کوشش کی مگر حماس اس طرح کے کسی فریب میں نہیں آئی' حماس کا یہ سخت گیر رویہ اسرائیل اور یورپ کو کھٹکتا ہے۔اب اسرائیل اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ کسی کی بات ماننے کیلئے تیار نہیں۔وہ یہودی آبادکاری کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔امریکی صدر بارک اوباما نے بھی اسرائیل پر زور دیا ہے کہ وہ مغربی کنارے میں یہودی آبادکاری کو روک دے۔

صدر اوباما نے کہا کہ اسرائیل کو بہرحال کسی سمجھوتے پر پہنچنے کیلئے یہودی آبادکاری کو روکنا ہو گا۔انہوں نے ایک بار پھر دو ریاستی حل کی حمایت پر زور دیا ہے اور کہا کہ وہ آزاد ریاستوں کا حل فلسطین' اسرائیل' امریکہ اور عالمی برادری کیلئے نیک شگون ہو گا۔محمود عباس نے آزاد فلسطینی ریاست کی حمایت کرنے پر اوباما کے اعلان کا خیر مقدم کیا ہے۔گزشتہ دنوں پوپ بینڈیکٹ نے اسرائیل کا دورہ کیا۔انہوں نے مقبوضہ بیت المقدس میں تمام مذاہب کے لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس شہر میں رہائش' ملازمت اور تعلیم کے معاملے میں کسی مذہب کے لوگوں کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہیں ہونا چاہئے۔اس دورہ میں پوپ نے

فلسطینیوں کی آزاد و خود مختار ریاست کی حمایت کرتے ہوئے عالمی برادری پر زور دیا کہ وہ مشرق وسطیٰ کے دیرینہ مسئلے کے حل کیلئے آگے بڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ فلسطینیوں کو اپنے آباؤ اجداد کی زمین پر آزاد ریاست کے قیام کا اختیار ہے، جس کی بین الاقوامی سرحدیں ہونی چاہئیں۔ فلسطینیوں اور یہودیوں کا نام لئے بغیر انہوں نے کہا کہ دونوں کو ماضی کی تلخیاں بھلا کر مفاہمت کی پالیسی اپنانی چاہئے۔ مشرق وسطیٰ کا مسئلہ اس وقت عالمی سطح پر زیر بحث ہے۔ ایسے میں فلسطین کے دونوں گروپوں کے درمیان مفاہمت بے حد ضروری ہے۔ فلسطین کے ان دونوں دھڑوں میں جون 2006ء میں حماس کے غزہ کا زبردستی کنٹرول حاصل کرنے کے بعد شدید مخالفت پائی جاتی ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے غزہ پر حماس کے قبضے کو بغاوت قرار دیتے ہوئے حماس کے اتحادیوں کی کابینہ کو معطل کر دیا تھا اور اسرائیل سے پینگیں بڑھانا شروع کر دی تھیں۔ فلسطین کے ان دونوں دھڑوں کے اختلافات روز بروز بڑھتے چلے گئے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے عرب ممالک نے ثالث کا کردار ادا کرنا ضروری سمجھا۔ 2008ء میں سینی گال میں بھی ان دونوں کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ چلا۔ سینی گال نے دونوں کے درمیان معاہدے یا مذاکرات کی بھرپور کوشش کی مگر بیل کسی منڈھے نہ چڑھ سکی۔ ان مذاکرات میں پیش رفت کا سہرا حماس کو جاتا تھا، جس پر حماس کے ترجمان نے کہا تھا کہ حماس نے مذاکرات کی طرف قدم بڑھائے ہیں مگر الفتح تنظیم سے بھی مطالبہ ہے کہ وہ ایسے مثبت اقدامات کرے جو سنجیدگی اور اچھی نیت پر مبنی ہوں۔

سینی گال سے قبل مصر اور یمن نے بھی حمایت اور الفتح کے درمیان اختلافات ختم کروانے کی کوششیں کی تھیں، اب مصر نے دوبارہ دونوں فریقوں کو ایک معاہدے کی صورت میں اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے 2007ء میں اس وقت تک حماس سے بات چیت کرنے سے انکار کر دیا تھا، جب تک حماس غزہ کا قبضہ نہیں چھوڑتی۔ 2008ء میں یمنی حکومت کی ثالثی کے بعد دونوں دھڑے مذاکرات پر رضامند ہوئے، اس وقت بھی محمود عباس نے ان مذاکرات کو اس لئے قبول کیا کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ حماس غزہ کا کنٹرول محمود عباس کے حوالے کر دے۔

محمود عباس کا حماس کے ساتھ مذاکرات کو خوش دلی سے قبول نہ کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اسرائیل کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے یہ خدشہ تھا کہ اسرائیل الفتح سے تعلقات منقطع کر دے گا۔ اب محمود عباس کے حماس سے تعلقات کو اسرائیل صرف اس لئے گوارا کر رہا ہے، کیونکہ اس نے غزہ پر جارحیت کے دوران اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ حماس کو کچلنا یا صفحہ ہستی سے مٹا دینا دیوانے کا خواب ہے۔

حماس اگر الفتح کے ساتھ کسی معاہدے میں آ جاتا ہے تو اسرائیل الفتح کو اپنے دام میں الجھا کر حماس کو بھی الجھا سکتا ہے۔ فلسطین کے عوام ان دونوں دھڑوں کے درمیان مفاہمت دیکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں آپس کی لڑائی فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کو سخت نقصان پہنچا رہی ہے۔

یہودی بستیاں آباد کرنے، فصلیں کھڑی کرنے سے، دیہاتوں اور شہروں میں چیک پوائنٹ قائم کرنے سے اور غزہ پر فوج کشی اور متواتر لوگوں کو حراست میں لینے سے امن و استحکام قائم نہیں ہو سکتا اور یہ ایک طرف تو اسرائیل دو ریاستی فارمولے کو تسلیم کرنے کی بات کرتا ہے، دوسری طرف وہ اسرائیل کی بھرپور اور غیر مشروط حمایت کا بھی اعلان کرتا ہے اور یہ کہ یورپی یونین کا یہی دو رخی اور دوغلانہ رویہ مسئلہ فلسطین کے درمیان رکاوٹ ہے۔ کیونکہ یہ رویہ اسرائیل کو شہ دیتا ہے کہ وہ فلسطینیوں کے حقوق غصب کرے اور اپنی من مانی کرے، دونوں فریقوں کے درمیان رکے ہوئے مذاکرات کے آغاز کا اعزاز مصر کو جاتا ہے۔ قومی حکومت کی تشکیل کیلئے بھی دونوں دھڑوں میں مذاکرات ہوئے تھے، مگر دونوں گروپ قومی حکومت کی تشکیل کیلئے حائل رکاوٹیں دور کرنے میں ناکام رہے۔ اس ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ فتح اسرائیل کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کی پاسداری کیلئے حماس پر زور دے رہی تھی، جبکہ حماس کا ان مذاکرات میں مؤقف رہا کہ ان معاہدوں کے ضمن میں پابندی کے بجائے احترام کا لفظ استعمال کیا جائے۔ 2007ء میں بھی حماس اور فتح قیادت کے درمیان مختصر مدت کیلئے قومی اتحاد کی حکومت تشکیل پائی تھی، لیکن اس حکومت کو محمود عباس نے ختم کر دیا تھا، جس کے بعد حماس نے فتح کے کارکنوں اور سکیورٹی فورسز کو مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا تھا۔ قومی مصالحت کے عمل میں کوششوں اور حقیقی عزائم کی ضرورت ہے۔ حائل رکاوٹوں کو لچکدار رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اتفاق رائے تبھی ہو سکتا ہے جب متوازن فارمولا تشکیل پائے۔ قاہرہ میں متحارب فلسطینی گروپوں میں جاری مذاکرات کے دوران قومی حکومت کی تشکیل کیلئے بات چیت ہوئی تھی، جس میں پانچ قومی مذاکراتی کمیٹیاں کام کر رہی تھیں۔ ان کمیٹیوں کو صدارتی اور پارلیمانی انتخابات کے انعقاد کیلئے تجاویز مرتب کرنا تھیں۔ سکیورٹی سے متعلق امور کے حوالے سے بھی پیش رفت ہوئی تھی، مگر کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا تھا۔ اب مصر کی سرکردگی میں کم از کم دونوں گروپ مشترکہ سکیورٹی فورس کے قیام پر تو رضامند ہو گئے ہیں، اس کامیابی کیلئے روس کے کردار کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ روس نے دونوں دھڑوں میں باہمی اتفاق رائے کیلئے دونوں کو ایک نقطہ پر لانے کی کوشش کی۔ روس کے وزیر خارجہ سرگئی لاروف نے تو دمشق میں حماس کے رہنما خالد مشعل سے خاص طور پر علیحدگی میں

ملاقات کی۔ بعد میں روسی وزیر خارجہ سرگئی لاروف نے اپنے بیان میں حماس اور الفتح کے درمیان مصالحت کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ روس کو توقع ہے کہ فلسطین کے یہ دونوں دھڑے حماس اور الفتح آپس کے اختلافات کو بھلا کر امن کے راستے پر چل کر چلیں گے اور فلسطین کی آزادی کے حقیقی نمائندہ نہ بن کر سامنے آئیں گے۔ حماس اور الفتح کا مشترکہ سکیورٹی فورس پر رضامند ہونا' بہت سے ممالک کو ایک آنکھ نہیں بھا رہا' کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں تو ایک منظم تنظیم کو سنبھالنا مشکل ہے' کجا دو دو تنظیمیں مشترکہ کاز کیلئے صف آراء ہو جائیں تو یہود کو پسپائی اور شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

❖♦❖

اسرائیل نے نہ صرف ارضِ مقدس پر زبردستی قبضہ جما رکھا ہے بلکہ اس نے فلسطینی شہریوں پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے ہیں' انہیں جنگی جرائم اور انسانیت سوز مظالم میں ہی شمار کیا جا سکتا ہے۔ حالیہ غزہ کارروائی میں اسرائیل کو جنگی جرائم کا مرتکب ٹھہرایا جا رہا ہے' جس سے اسرائیل بڑی ڈھٹائی سے انکار کر رہا ہے۔ اسرائیل کے جنگی جرائم کے خلاف تحقیقات کیلئے عالمی سطح پر زور و شور سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اسرائیل نے اس مطالبے کو ٹالنے کی بہت کوشش کی' مگر اس پر دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ جنگی جرائم کی تحقیقات کیلئے اقوام متحدہ کی ایک ٹیم رچرڈ گولڈ سٹون کی قیادت میں غزہ جا پہنچی۔ جسے کہ اسرائیل کسی صورت ہضم نہیں کر پایا اور اس کا ردعمل ٹیم کے ساتھ عدم تعاون کی صورت میں سامنے آیا۔ اسرائیلی حکومت نے عالمی ادارے کی بار بار درخواست کے باوجود اقوام متحدہ کے چار رکنی وفد کو ویزے جاری نہیں کئے، جس کی وجہ سے ٹیم کو مصر کے راستے غزہ آنا پڑا۔

اقوام متحدہ پر دباؤ تھا کہ وہ اسرائیل پر لگائے گئے جنگی جرائم کے الزامات کی تحقیق کرے' جس پر اقوام متحدہ کو یہ قدم اٹھانا پڑا۔ ورنہ اقوام متحدہ خود ایک ایسا ادارہ بن چکا ہے جس پر چند عالمی طاقتوں کی اجارہ داری ہے۔ اقوام متحدہ نے اس ٹیم کو یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ اسرائیل کی جانب سے دسمبر اور جنوری میں غزہ میں تین ہفتے تک جاری رہنے والی فوجی کارروائی میں اسرائیل اور حماس جنگی جرائم کے مرتکب ہوئے تھے یا نہیں۔ اسرائیل کو اقوام متحدہ کی یہ کارروائی کس قدر گراں گزری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسرائیل کا رویہ انتہائی عدم تعاون پر مبنی ہے۔ اسرائیل اقوام متحدہ کی اس شاخ پر جانبداری کا الزام عائد کرتا ہے جو جنگی جرائم کی تحقیق کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کی حقوق انسانی کونسل کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ باقی عالمی تنظیم کے باقی ذیلی اداروں کے مقابلے میں کم قابل اعتبار ہے۔ اسرائیل کو اس ذیلی ادارے کے بارے میں تشویش میں اس لئے مبتلا نہیں ہونا چاہئے' کیونکہ یہ ذیلی ادارے اسرائیل کے دوست اور اتحادی ملکوں کے مہرے ہیں' جنہیں وہ جس طرف چاہے دھکیل سکتا ہے۔

حقوق انسانی کے فورم اور مخیّر اداروں کو مسلمان ممالک اور عوام کے ساتھ ہونے والی چیرہ دستیوں سے کوئی غرض نہیں۔ انہیں مسلمان ممالک کے ساتھ ہونے والی زیادتیاں نظر نہیں آتیں' بلکہ وہ مسلمان ممالک کے صدور اور شخصیات کو نشانہ بنانے اور انہیں کٹہرے میں کھڑا کرنے کیلئے تیار رہتا ہے۔ جیسا کہ سوڈان کے صدر عمر البشیر جن کو ہدف بنائے جانے پر تمام عالمی دنیا سراپا احتجاج بنی ہوئی ہے۔ اب اگر کسی کو اسرائیل کے جرائم نظر آنے لگ پڑے ہیں اور اس نے اسرائیل کے خلاف تحقیقات کا فیصلہ کر ہی لیا ہے بلکہ ابھی تو صرف تحقیقات کے فیصلہ کا ابتدائی دور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بھی ایک رسمی کارروائی ہو اور یہ اسرائیل کو مبینہ جنگی جرائم سے بری قرار دینے کیلئے ہو' لیکن بظاہر یہ اسرائیل کے خلاف ایک ایسا اقدام ہے، جو اسے بری طرح کھٹک رہا ہے' اس لئے وہ اس ٹیم پر مختلف الزامات رکھ رہا ہے۔ اسرائیلی وزارت خارجہ کے ترجمان یگل پالمور کا کہنا ہے "یہ ٹریبونل جانبدار ہے' اسے خاص ہدایت کی گئی ہے کہ اسرائیل کو مورد الزام ٹھہرایا جائے' لہٰذا وہ ایسی کسی کوشش کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے۔"

اسرائیل اگر خود کو جنگی جرائم سے بالاتر سمجھتا ہے یا اس کا خیال ہے کہ وہ کسی جنگی جرم کا مرتکب نہیں تو اسے انصاف کے کٹہرے سے ڈرنے کے بجائے خود کو کھلے دل اور وسیع النظری سے تحقیقات کیلئے پیش کر دینا چاہئے۔ اب وہ ان تحقیقات سے بچنے کیلئے اس ادارے پر جانبداری کا الزام لگا رہا ہے بلکہ دھڑلے سے واشگاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ وہ اس لئے اس ٹیم کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسے لازماً مجرم ٹھہرا دیا جائے گا۔ اقوام متحدہ کی ٹیم کی کوشش ہے کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کیلئے تمام فریقین سے ملے' جن میں غیر سرکاری تنظیمیں' اقوام متحدہ کے ادارے' عینی شاہدین اور بین الاقوامی انسانی قوانین کی خلاف ورزی سے متاثرہ افراد شامل ہیں۔ وفد کے سربراہ گولڈسٹون کو امید تھی کہ انہیں جنوبی اسرائیل میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی' جبکہ اسرائیل نے اس پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔

اس ٹیم کی تحقیقات کا دائرہ ابتداء میں صرف اسرائیل کی حد تک محدود تھا' مگر اسرائیل نے واویلا کر کے حماس کو بھی اس میں شامل کر لیا' کیونکہ اسرائیل محض اپنے خلاف الزامات کی تحقیقات کی ذمہ داری ٹیم کو دینے پر سخت نالاں تھا۔ اسرائیل کی اس چیخ و پکار اور مگرمچھ کے آنسوؤں کی وجہ سے اس ٹیم کے تحقیقاتی دائرہ کار میں فلسطینی مجاہدین کی سرگرمیوں کو بھی شامل کر دیا گیا۔

اقوام متحدہ نے اپنی رپورٹ میں اسرائیل پر الزام دیا ہے کہ اس نے عالمی ادارے کی عمارت کو تباہ کر کے اس میں پناہ لینے والے لوگوں کو ہلاک یا زخمی کیا۔ اسرائیل نے غزہ میں عالمی ادارے کی املاک کو نقصان پہنچایا تھا' جس پر اقوام متحدہ نے اسرائیل سے ایک کروڑ دس لاکھ ڈالر

ہرجانے کا مطالبہ کیا تھا۔ اسرائیل کے جنگی جرائم کی فہرست بہت طویل ہے' حالیہ غزہ کارروائی میں اس نے مظالم کی انتہا کر دی ہے۔ ان حملوں میں اسرائیل نے فلسطینیوں پر جہنم کے دروازے کھول دیئے تھے' حتیٰ کہ اقوام متحدہ کو بھی نہیں بخشا۔ اقوام متحدہ کے ایک سکول پر اسرائیل کے حملوں میں چالیس' ایک اور حملے میں تین پناہ گزین شہری ہلاک ہوئے۔

اسرائیل کے حوالے سے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ 1982ء میں اسرائیل کے لبنان پر حملے میں خواتین اور بچوں کے بشمول تقریباً 17500 شہریوں کی ہلاکت' صابرہ شتیلہ کے قتل عام میں 1700 نہتے فلسطینی شہریوں کی ہلاکت' 1996ء کے قتل عام میں 106 لبنانی پناہ گزین شہریوں کی موت جن میں نصف سے زائد بچے تھے۔ 2006ء میں مرداہین کے پناہ گزینوں کا قتل عام جنہیں اسرائیلیوں نے گھروں سے بے گھر کیا اور پھر اسرائیلی ہیلی کاپٹر کریو نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 2006ء میں ہی بمباری اور لبنان پر حملے 2000ء کی موت جو سب عام شہری تھے۔ یہ مختصر سے واقعات کیا یہ یاد دلانے کیلئے کافی نہیں کہ اسرائیل کے جنگی جرائم پر حیرت کیونکر؟ اسرائیل نے عام شہریوں کو بچانے کیلئے کبھی کوشش نہیں کی' لیکن وہ اس کے دعوے ضرور کرتا رہا۔ غزہ قتل عام سے چند گھنٹے قبل اسرائیلی سفیر نے کہا کہ وہ عام شہریوں کو ہلاکت سے بچانے کی پوری کوشش کریں گے' لیکن یہ صرف ایک بیان تھا۔ اسرائیل کا عمل اس کے برعکس تھا۔ اسرائیل نے جان بوجھ کر شہریوں کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تاکہ فلسطینی نسل کا صفایا کیا جائے۔

اسرائیل کے تمام تر مظالم جنگی جرائم کی فہرست میں ہی آتے ہیں۔ یہ سفاکانہ کارروائیاں انسانیت کے دامن پر بہت بڑا دھبہ ہیں۔ اسرائیل اپنے جنگی جرائم پر پردہ ڈالنے کیلئے دعویدار ہے کہ وہ "بین الاقوامی دہشت گردی" کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ اسرائیل فلسطینیوں پر مظالم کیلئے خود انہی پر الزام دھرنے کی گھٹیا روش میں بھی مبتلا ہے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ ہم نے قتل عام نہیں کیا بلکہ ظلم تو ہم پر ہو رہا ہے۔ فلسطینیوں نے اپنے پناہ گزینوں کو خود مارا ہے' انہوں نے قبرستانوں سے لاشیں نکالیں اور ان کو لا کر ملبوں میں ڈال دیا۔ اسرائیل حماس پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اس پر راکٹ برساتی ہے اور حماس کے راکٹوں سے اسرائیلی شہروں اور شہریوں دونوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اسرائیل فلسطینیوں پر یہ مظالم ڈھاتا ہے اور اس کا الزام بھی خود انہی پر لگاتا ہے۔

1996ء میں گاہند میں اقوام متحدہ کے ایک ٹھکانے پر اسرائیل کے مسلح دستوں کی جانب سے شیل باری کے بعد اسرائیل نے دعویٰ کیا تھا کہ وہاں حزب اللہ کے بندوق بردار پناہ لئے ہوئے تھے' لیکن یہ جھوٹ تھا۔ 2006ء میں جب حزب اللہ نے سرحد سے اسرائیل کے دو سپاہیوں کو یرغمال بنایا تو جنگ شروع ہونے پر 1000 سے زائد افراد ہلاک ہوئے' جسے آسانی

سے حزب اللہ کی ذمہ داری قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح قانہ کے دوسرے قتل عام میں جو بچے مارے گئے اس پر اسرائیل نے یہ دعویٰ کیا کہ انہیں قبرستان سے لایا گیا ہے۔ یہ ایک اور جھوٹ تھا۔ مرداہین کے قتل عام پر بھی اسرائیل شرمندہ نہیں ہوا۔ اس گاؤں کے لوگوں کو فرار ہونے کا حکم دیا گیا' جب انہوں نے اس کی تعمیل کی تو اسرائیل کے ایک جنگی جہاز نے ان پر حملہ کردیا۔ فلسطینیوں نے اپنے بچوں کو ٹرکوں میں اطراف سے کھڑا کردیا تاکہ اسرائیلی پائلٹ ان معصوموں کو دیکھ کر خاموش رہیں' لیکن اس کے باوجود ہیلی کاپٹروں نے ان پر نزدیک سے حملہ کردیا۔ اسرائیل کے جہازوں اور ہیلی کاپٹروں نے ایمبولینس پر حملہ کرنے میں بھی کبھی عار نہیں سمجھا۔ جنگ بندی توڑنے کا الزام اسرائیل حماس پر لگاتا ہے' لیکن سچ یہ ہے کہ جنگ بندی حماس نہیں اسرائیل نے ختم کی تھی۔ پہلے 4 نومبر کو غزہ میں اسرائیل کی جانب سے بمباری میں مزید فلسطینی ہلاک ہوئے۔ اسرائیل اپنے شہریوں کی ہلاکت کا الزام فلسطینیوں خصوصاً حماس پر دھرتا ہے۔ مگر اعدادوشمار کا صحیح جائزہ لگایا جائے تو بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ 10 سال میں غزہ کے اطراف و اکناف میں کتنے اسرائیلی مارے گئے۔ وہ صرف 20 اسرائیلی تھے' کیا یہ بہت بڑی تعداد ہے؟ جبکہ ایک ہفتے کے اندر 600 فلسطینی ہلاک ہوئے اور 1948ء سے لے کر اب تک اندازہ لگا لیں کتنے ہزاروں فلسطینیوں کی جانیں گئیں۔ اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی قیدی نہایت کسمپرسی کی حالت سے دوچار ہیں۔ الاشقر نامی قیدی کی شہادت اس وقت ہوئی جب قیدیوں کو بیخ کنی کرنے والی صیہونی تنظیم ''تخشون'' کے ایک یونٹ کے دہشت گردوں نے انتقب صحرائی جیل پر 22 اکتوبر 2007ء کو گولیوں' بموں اور آنسو گیس سے حملہ کردیا' جس میں اشقر کی شہادت کے علاوہ 250 فلسطینی قیدی زخمی ہوگئے۔ اسرائیلی جیلوں میں عقوبتوں اور انسانیت سوز وحشیانہ سزاؤں کے نتیجے میں 1967ء سے 28 ستمبر 2000ء کے الاقصیٰ انتفاضہ کے آغاز تک 123 فلسطینی قیدی شہید ہوئے۔ 68 سے زائد قیدیوں کو بدترین سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فلسطینی قیدی غاصب اسرائیل کی جیلوں میں کن عقوبتوں اور مصیبتوں سے دوچار رہے ہیں اور اسرائیل ان کے خلاف بھیانک جرائم کا ارتکاب کس طرح کرتا ہے؟ قیدیوں کو گرفتار کرنے سے پہلے وحشیانہ سزائیں دی جاتی ہیں' جبکہ اتنی ہی تعداد میں گرفتاری کے بعد پکڑ کر گولی ماردی جاتی ہے۔ قیدیوں کو سخت ترین وحشیانہ سزائیں دی جاتی ہیں' جبکہ اتنی ہی تعداد میں گرفتاری کے بعد پکڑ کر گولی ماردی جاتی ہے۔ قیدیوں کو سخت ترین وحشیانہ سزائیں' عقوبت' طبی لاپروائی اور علاج سے محرومی گرفتاری کے بعد بالقصد اور ارادہ سے گولی مار کر ہلاک کردینا جیسے واقعات عام ہیں۔ قید خانوں میں عقوبتوں' طبی لاپروائی اور علاج سے محرومی کے اثرات آزادی د

رہائی کے بعد بھی ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہزاروں رہائی پانے والے جوان مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوچکے ہیں' قربانیوں کی یہ داستانیں نہایت طویل ہیں۔ ایسے میں کیا ہم اسرائیل کو بری الذمہ قرار دے سکتے ہیں۔ درحقیقت اسرائیل ایسے بھیانک اور انسانیت سوز جرائم کا مرتکب ہوا ہے کہ اسے نہ صرف عالمی عدالت کے کٹہرے میں لانا چاہئے بلکہ اس پر سخت قوانین کا اطلاق کرنا چاہئے تاکہ وہ خود کو آزاد سمجھنے کے بجائے کسی دائرہ کار یا اختیار میں محسوس کرے اور کم از کم سخت قوانین کی وجہ سے ہی خود کو روکے رکھے۔

❖◆❖

نیتن یاہو کی فلسطینی ریاست کے قیام پر مشروط رضامندی فلسطینیوں کے جائز حقوق کے مطالبے کو تسلیم کرنے کیلئے نہیں بلکہ انہیں غلام بنانے کی سازش ہے۔ صہیونی انتظامیہ کا فلسطین کے مسئلہ پر مذاکرات کیلئے آمادگی ظاہر کرنا دراصل فلسطینی ریاست کو اپنے ماتحت کرنے کی ایک چال ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے اعلان کیا ہے کہ اگر فلسطینی اسرائیل کو یہودی ریاست تسلیم کرلیں اور فلسطین کو اسلحے سے پاک کرنے کی یقین دہانی کرائیں تو اسرائیل بھی علیحدہ فلسطینی ریاست کے قیام کو تیار ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم کے اس اعلان کو مغربی دنیا نے تو خوش آئند قرار دیا مگر اس اعلان کا پس منظر فلسطینیوں کو آزادی دینا نہیں بلکہ اپنے تابع کرنا ہے' کیونکہ نیتن یاہو نے اس اعلان کی وضاحت کرتے ہوئے دنیا کو خصوصاً فلسطینی رہنماؤں کو یہ بتادیا کہ یہ آزادی یا خودمختاری مشروط ہوگی۔ آزاد فلسطینی ریاست فضائی اور بری فوج نہیں رکھ سکے گی۔ ایران یا حزب اللہ کے ساتھ کوئی فوجی معاہدے نہیں کرے گی۔ علاوہ ازیں فلسطینی مہاجرین کو دوبارہ اسرائیلی علاقوں میں بسانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔''

نیتن یاہو کا یہ بیان کیا فلسطین کی حقیقی آزادی کا مظہر کہا جاسکتا ہے۔ نیتن یاہو نے امن مذاکرات کیلئے بھی رضامندی ظاہر کی اور کہا کہ وہ اوباما کی خواہش اور اعلانات کا خیر مقدم کرتے ہوئے دمشق' ریاض اور بیروت جانے کو تیار ہیں۔ اوباما کے امن کے نئے دور کے آغاز کی خواہش میں وہ برابر کے شریک ہیں۔

نیتن یاہو کی یہ رضامندی اور امن کوششوں میں حصہ داری کا اعلان امریکہ کی فلسطین کو نام نہاد آزادی اور اسرائیل کو باقی دنیا سے یہودی ریاست تسلیم کروانے کی سازش کا ایک حصہ ہے۔ فلسطینی رہنما اور برادری نیتن یاہو کی مذاکرات پر آمادگی اور فلسطین کو مشروط خودمختاری دینے کی تقریر کو مشرق وسطیٰ امن مساعی سبوتاژ کرنے کی کوششوں کا حصہ قرار دے رہی ہے۔ حتیٰ کہ الفتح کے رہنما محمود عباس کے ایک مشیر نے اس تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''اسرائیل کے وزیراعظم

بنجامن نیتن یاہو کی مغربی ایشیا میں امن معاہدے کیلئے شرائط بہت سخت ہیں۔'' محمود عباس نے کہا کہ '' دنیا کی طاقتوں کو اسرائیل کے وزیراعظم نیتن یاہو کو عالمی برادری سے الگ تھلگ کر دینا چاہئے۔'' ایک ایسی فلسطینی ریاست جس کے پاس فوجی طاقت نہ ہو' فلسطینیوں کے مطالبات کی تکمیل نہیں۔ اسرائیل کو ایک صہیونی ریاست کے طور پر تسلیم کرنے کے مطالبہ سے بھی انہیں سخت مایوسی ہوئی ہے۔ صہیونی انتظامیہ کو اس بات کی طرف توجہ دینی چاہئے تھی جو امریکہ کے صدر بارک اوباما نے کہی تھی کہ مغربی کنارے کے مقبوضہ علاقے میں یہودی بستیوں کی تعمیر روکی جائے۔''

محمود عباس کے مشیر یاسر عابد رابو نے نیتن یاہو کی پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ بین الاقوامی قاعدوں کی پابندی کرے۔ 2003ء کے امن منصوبے کے مطابق نیتن یاہو نے عہد کیا تھا کہ مقبوضہ بیت المقدس کو اسرائیل اور فلسطین کا مشترکہ دارالحکومت بنایا جائے گا' مگر اب نیتن یاہو اس معاہدے کی تمام شقوں سے منحرف ہو گئے ہیں۔'' فلسطینی رہنماؤں نے کہا کہ فلسطینیوں کا اصل مقصد تباہ حال لوگوں کے تمام مسائل کا حل تلاش کرنا اور ان کی آبادکاری کیلئے کام کرنا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عباس حامیوں اور حماس نوازوں میں اتفاق رائے ہو۔ اب انہیں باہمی اختلافات کو بھلا کر متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ فلسطینی رہنماؤں نے نیتن یاہو کے بیانات پر امریکہ کو خبردار کیا ہے کہ صہیونی لیڈر کا یہ بیان امن مذاکرات کی بحالی نہیں بلکہ اس کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اب امریکہ کو چاہئے کہ وہ نیتن یاہو کو لگام دے اور حقیقی امن کی بحالی کیلئے اسرائیل پر دباؤ ڈالے۔''

اسرائیلی رہنما کا فلسطین کو علیحدہ ملک کا درجہ دینے کا مطالبہ اتنی سخت شرائط پر مبنی ہے کہ اس میں فلسطینیوں کیلئے امن وسکون کا کوئی راستہ نہیں' بلکہ اس کو تسلیم کرنے کا مطالبہ اپنے آپ کو بہت سی پابندیوں میں جکڑنا ہے۔ اسرائیل کا زیادہ زور حماس کو کچلنے پر ہے۔ نیتن یاہو نے واضح طور پر کہا ہے کہ فلسطین کو امن کے راستے یا حماس میں سے ایک کو منتخب کرنا ہوگا۔ فلسطین حماس کے شدت پسند اسلامی گروپوں کو شکست دے کر امن قائم کرے۔ حماس نے بھی اسرائیلی وزیراعظم بنجامن نیتن یاہو کی اس تجویز کو قطعی طور پر ناقابل عمل قرار دیا ہے۔ حماس کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ نیتن یاہو کا بیان نسل پرستی کا مظہر ہے جس کا مقصد فلسطینیوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنا اور یہودیوں کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرنا ہے۔ اسرائیل ایسی فلسطینی مملکت کا خواہاں ہے جس کی اپنی کوئی شناخت نہ ہو' کوئی حکومت اور سیاسی قیادت نہ ہو' فوج اور اسلحہ نہ ہو اور نہ ہی بے گھر فلسطینیوں کو دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔'' حماس نے واضح الفاظ میں اسرائیلی وزیراعظم کی جانب سے امن کی بات چیت کو ایک دھوکہ قرار دیا اور کہا کہ اسرائیل کی تمام

تر کوششیں ارض فلسطین کو ارض یہود قرار دینے پر مرکوز ہیں۔ فلسطینیوں کے تمام حقوق کی نفی کر کے امن بات چیت کا دعویٰ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ نیتن یاہو کی تقریر نے اسرائیل کے فلسطینیوں سے نفرت اور بغض کو دنیا کے سامنے واضح انداز میں پیش کر دیا ہے۔ حماس نے اسرائیل سے مذاکرات کے حامی ملکوں سے اپیل کی کہ وہ اسرائیل کی چالوں میں مت پھنسیں۔ اس چال میں پھنسنے کے بجائے اسرائیل پر فلسطینیوں کے حقوق کی بحالی کیلئے دباؤ ڈالیں۔ حماس کے قائد اسامہ حمدان نے کہا کہ نیتن یاہو ایک بار پھر فلسطینیوں پر غلبہ چاہتے ہیں تاکہ اسرائیل فلسطینیوں کی زندگی اور ان کی معیشت کو کنٹرول کرے۔ حکومت شام نے بھی کہا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے امن پر اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کی تقریر میں کچھ نیا نہیں ہے۔ امریکہ کو مزید مساعی کرنی چاہئیں۔ الثورہ اخبار نے شام کی انتظامیہ کے حوالے سے کہا ہے کہ ''نیتن یاہو نے اپنے مؤقف میں ذرا سی تبدیلی بھی پیدا نہیں کی' وہ صرف وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں۔'' اخبار کے مطابق امریکہ یا تو خطہ کو تباہ ہونے کیلئے چھوڑ سکتا ہے یا پھر اپنی ذمہ داری ادا کر سکتا ہے۔ اسے اس سلسلے میں واضح اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے' کیونکہ امن کا انتخاب از راہ تفنن نہیں ہے بلکہ استحکام کیلئے عملی ضرورت ہے۔ تجزیہ نگاروں کے بقول نیتن یاہو نے فلسطینیوں کیلئے ایک محدود حکمرانی کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش نہیں کی۔ اسرائیل حماس کو اپنا دشمن تصور کرتا ہے اور مکمل طور پر اسے تباہ کر دینے کے درپے ہے۔ حماس نے اپنے مطالبات کو پھر دہرایا ہے کہ آزاد فلسطینی مملکت کے قیام کی حمایت کی جا سکتی ہے۔ ان کی تنظیم 1967ء کی سرحدوں کی بنیاد پر آزاد خود مختار فلسطینی ریاست کے قیام کیلئے تیار ہے' کیونکہ آزاد خود مختار فلسطینی مملکت کے قیام کے بغیر مشرق وسطیٰ میں دیرپا اور پائیدار امن کو یقینی نہیں بنایا جا سکتا۔ جب تک اسرائیل مقبوضہ فلسطینی علاقوں کو خالی نہیں کرتا اور مقبوضہ علاقوں میں بستیوں کی تعمیر کو نہیں روکتا' اس وقت تک امن اور استحکام ممکن نہیں ہے۔

مصر کے صدر حسنی مبارک نے کہا ہے کہ مصر سمیت کوئی ملک اسرائیل کو کبھی یہودی ریاست تسلیم نہیں کرے گا۔ نیتن یاہو کے بیان سے امن کے بجائے حالات مزید خراب ہوں گے۔

مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے سابق امریکی صدر جمی کارٹر خاصے سرگرم ہیں۔ جمی کارٹر مشرق وسطیٰ کے مسائل کے حل کیلئے کافی عرصہ سے کوششیں کر رہے ہیں۔ نیتن یاہو کی مشروط قیام پر رضامندی کی تجویز کے بعد ان کا دورہ خاصی اہمیت کا حامل رہا۔ سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے مغربی کنارے میں اسلامی تحریک مزاحمت حماس کے پارلیمانی وفد سے ملاقات کی۔ ایک گھنٹہ ہونے والی اس طویل ملاقات میں نئی امریکی انتظامیہ کی طرف سے مشرق وسطیٰ امن تجاویز سے

متعلق بات کی گئی۔ حماس نے مسئلہ فلسطین کے حوالے سے جمی کارٹر کے مؤقف کو سراہا۔ تجزیہ نگاروں کے بقول جمی کارٹر کا یہ دورہ سرکاری نوعیت کا نہیں تھا۔ سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے کہا کہ غزہ کے دورے کے دوران تباہی دیکھ کر ان کیلئے آنسو روکنا مشکل ہو رہا تھا۔ جمی کارٹر نے غزہ تباہی کو بہت کربناک قرار دیا۔

نیتن یاہو کے فلسطینی ریاست کی تشکیل کے بیان کا یورپی یونین نے خیر مقدم کیا ہے اور کہا ہے کہ 27 یورپی اقوام پر مشتمل یورپی یونین کے غیر منجمد منصوبے موجود ہیں‘ جن کے مطابق اسرائیل کے ساتھ تعلقات میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر نیتن یاہو دو ریاستوں کے قیام کے منصوبہ کا وعدہ کر لیں۔

یورپی یونین نیتن یاہو کے بیان کو مثبت تو قرار دے رہی ہے مگر صرف دو ریاستی حل کافی نہیں‘ کیونکہ فلسطینی ریاست کو نام کا فلسطینی قرار دینا اور جبکہ وہاں قانون کی عملداری اسرائیل کی ہو۔ ایسی فلسطینی ریاست سے فلسطینی قوم کا بھلا نہیں‘ نقصان ہوگا۔ نیتن یاہو کا کہنا ہے کہ وہ فلسطینی ریاست کے قیام کی تائید کرتے ہیں‘ لیکن اس سے قبل عالمی برادری کو پیشگی ضمانت دینی ہوگی کہ نئے ملک کی کوئی فوج نہیں ہوگی اور فلسطینی اسرائیل کو ایک یہودی مملکت کے طور پر تسلیم کر لیں گے۔ نیتن یاہو کی نئی یہودی آبادیوں کی مقبوضہ علاقوں میں تعمیر کی مدافعت‘ آبادیوں کے قیام کے ناقدین کی نئی اسرائیلی حکومت کے ساتھ کشیدگی بھی امن کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

اوباما نے نیتن یاہو کے بیان کو سراہا ہے‘ مگر فلسطینی دھڑوں نے اسے مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی تقریر میں یروشلم پر اسرائیلیوں کا حق اور فلسطینی پناہ گزینوں کی واپسی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ امریکہ اسرائیل کے مشروط بیان کی اصلاح کرنے کے بجائے توضیح کر رہا ہے کہ فلسطینی مملکت کا قیام ہی امن کی ضمانت ہے۔ امریکی سفارتکار جارج مشیل نے کہا کہ فلسطینی مملکت کا قیام ہی اسرائیل کے ساتھ تنازع کا واحد حل ہے۔ مسئلہ کا حل دونوں فریقوں کی خواہشات کے مطابق ہونا چاہئے۔ زپی لیونی کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے جارج مشیل نے کہا کہ واشنگٹن ایک جامع علاقائی امن چاہتا ہے جس میں نہ صرف اسرائیل اور فلسطین شامل ہوں بلکہ شام‘ لبنان اور اس کے اطراف کے ممالک بھی شامل ہوں۔ اسرائیل کے ساتھ بات چیت اس وقت تک کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک نیتن یاہو دو ریاستی حل تسلیم نہ کریں اور یہودی آبادیوں کو منجمد نہ کریں۔

نیتن یاہو فلسطینیوں پر غلبہ چاہتے ہیں۔ حال ہی میں اسرائیلی فوج کے سابق چیف آف سٹاف موشے کے بیان نے فلسطینیوں پر غلبہ حاصل کرنے کی اصل حقیقت کو بھی بیان کر دیا۔ جس میں انہوں نے کہا ہے کہ فلسطینیوں کے دل کی گہرائیوں میں احساس شکست کو جاگزیں کرنے کیلئے غزہ

پر جان لیوا اور خوفناک حملے کئے گئے‘ مگر اس کے باوجود غزہ کے عوام کے حوصلے بہت بلند ہیں۔ انہوں نے اسرائیلی بالادستی کو کبھی قبول نہیں کیا۔ اسرائیلیوں نے ان کی حالت ایسی بنا دی ہے جیسے جانوروں کو پنجروں میں رکھا جاتا ہے یا قیدیوں کو زندان میں رکھا جاتا ہے‘ لیکن اس کے باوجود وہ اسرائیلی حملوں کی مدافعت کر رہے ہیں۔ فلسطینیوں نے اسرائیل کی طرف سے بلڈوز کئے جانے والے پختہ گھروں کو اب مٹی اور گارے سے بنانا شروع کر دیا ہے‘ کیونکہ اسرائیل محصورین کے علاقے میں سریا یا دوسرا تعمیراتی سامان لے جانے کی اجازت نہیں دے رہا۔ امریکہ کی حکمت عملی میں اپنا مفاد ہمیشہ سرفہرست رہتا ہے۔ امریکہ نے اسرائیل میں فوجی اڈے قائم کئے اور علاقے میں کشیدگی کے خاتمے کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا تاکہ امریکہ کا بالادست کردار قائم ہو جائے۔ مشرق وسطیٰ میں جمہوری حکومت کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہی امریکہ تھا۔ اس وقت سوویت یونین کے خطرے کو لے کر امریکہ کا مؤقف تھا کہ مغربی ایشیائی خطے میں صرف امریکہ کی وفادار حکومتیں ہونی چاہئیں۔ سوویت خطرہ ختم ہو جانے کے بعد بھی امریکہ کی روش بدستور وہی ہے‘ بلکہ حالیہ عرصہ میں امریکہ نے اس علاقے میں اور زیادہ فوجی اڈے قائم کر دیئے ہیں اور خطے کے ممالک کو دھڑا دھڑ اسلحے کی فروخت شروع کر دی ہے‘ جس کا مقصد امریکہ کے مالیاتی بحران پر قابو پانے کی کوشش بھی ہے۔ 1950ء کے عشرے میں امریکہ نے ایران میں جو کردار ادا کیا اس کے بعد لبنان اور اردن میں کھلی مداخلت جاری رکھی‘ وہی کردار امریکہ آج فلسطین میں ادا کر رہا ہے۔ دہشت گردوں کے خلاف عالمی جنگ کو اب امریکہ مشرق وسطیٰ میں استعمال کر رہا ہے اور وہ مسئلہ فلسطین کے حل میں اسی لئے متفکر ہے کہ اپنی معاشی اور فوجی ضروریات کی کفالت کر سکے۔ فلسطینیوں کی جائز تکالیف کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور اسرائیل کے مؤقف کو کھلے عام تسلیم کیا جاتا ہے۔ حماس سے تو وعدہ لیا جاتا ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف راکٹ بازی بند کر دے‘ مگر اسرائیل کو کسی قاعدے قانون کا پابند نہیں کیا جاتا۔ اگر اسرائیل غزہ کی سرحدوں کا محاصرہ ختم کر دے تو ان سرحدوں پر یورپی یونین اور اقوام متحدہ کے فوجی دستے تعینات کئے جا سکتے ہیں۔

فلسطینی نیتن یاہو کی مشروط رضامندی کی اصل حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف سراپا احتجاج بھی ہیں۔ فلسطینیوں نے مغربی کنارے میں یہودیوں کی جانب سے متنازعہ دیوار کی تعمیر پر بھی مظاہرہ کیا۔ ہزاروں فلسطینیوں نے اپنے احتجاجی مظاہرے میں بینرز اور کتبے اٹھا رکھے تھے جس میں یہودی بستیوں کی تعمیر کے خلاف نعرے درج تھے۔

وزیراعظم اسرائیل نیتن یاہو امن کی بات کس زبان سے کرتے ہیں‘ کیونکہ ان کے

اقدامات عمل سے محروم ہیں۔ انہوں نے بارہا اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ مقبوضہ بیت المقدس کے اندر یہودی بستیوں کی تعمیر پر کوئی تحدیدات قبول نہیں کریں گے۔ ایک طرف مذاکرات کی بات کی جارہی ہے' دوسری طرف اسرائیل مقبوضہ مغربی کنارے میں ایک یہودی نوآبادیاتی توسیعی منصوبہ کے ساتھ آگے آیا ہے۔ امریکہ نے اس منصوبہ کو امن مساعی میں رکاوٹ قرار دیا ہے' مگر امریکہ کے چہیتے اسرائیل کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔

ریجنل کونسل کے سربراہ ڈیوڈ الباپانی نے میڈیا کو بتایا کہ گھروں کیلئے انفراسٹرکچر پر کام شروع کرنے کیلئے اسرائیلی اخبارات میں ٹینڈر بھی شائع کئے جارہے ہیں اور شمال مغربی کنارے پر یہودی بستیوں کے مقامات کا معائنہ بھی کیا جارہا ہے۔ الباپانی نے بتایا کہ اسرائیل کی وزارت دفاع نے اس پراجیکٹ کی منظوری دی تھی۔ اسرائیل کا ہر منصوبہ فلسطینی علاقوں کو ہڑپ کرنے اور فلسطینیوں کو ان کے گھر اور املاک سے محروم کردینے کی طرف جاتا ہے۔ نسل پرستی کی بنیاد پر تعمیر کی جانے والی اسرائیلی دیوار بھی دولاکھ شہریوں کو ان کے گھروں اور زمینوں سے بے دخل کرنے کے منصوبہ کا آغاز ہے۔ نسلی دیوار کی تکمیل کے بعد فلسطینیوں کیلئے مجموعی طور پر صرف 2700 مربع کلومیٹر رقبہ باقی رہ جائے گا جو کہ فلسطین کے کل رقبے کا دس فیصد بنتا ہے۔ اس دیوار کا آغاز شیرون کے دور میں 2008ء میں ہوا' اس کی تعمیر کا بہانہ فدائی حملوں کی روک تھام تھا۔

یہودی بستیوں اور اسرائیلی دیوار کی تعمیر کس مقصد کی عکاس ہے' صرف اور صرف فلسطین کو ہڑپ کرلینے کی خواہش تاکہ فلسطین کا وجود ہی ختم کردیا جائے۔ فلسطینی صہیونی ریاست میں اقلیت بن کر رہ جائیں یا محدود رقبے میں زندگی گزاریں جو کہ اسرائیل کے ماتحت ہو' جہاں قانون اسرائیل کا ہو' حکم صہیونی انتظامیہ کا چلے کیونکہ نیتن یاہو کی بنیاد پرست جماعت فلسطینی گروپوں خصوصاً حماس کیلئے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتی اور اس نے اس بات کا باضابطہ اعلان بھی کیا ہے کہ وہ حماس کو نرمی سے نہیں بلکہ سختی سے کچلنے کی قائل ہے۔ حکومت بنانے کا معاہدہ نیتن یاہو اور شاذ پارٹی کے درمیان طے پایا ہے۔ اس معاہدے کے تحت انتہاپسند یہودی مذہبی جماعت تاتن پارٹی کو چار وزارتیں دی جائیں گی جن میں داخلہ' ہاؤسنگ اور مذہبی امور کی وزارتیں بھی شامل ہیں۔ مذہبی اور انتہاپسند جماعتوں کے ساتھ معاہدوں کے بعد لیکوڈ پارٹی کے سربراہ نیتن یاہو کے وزیراعظم بننے کے امکانات واضح ہوگئے ہیں۔

3 اپریل تک نیتن یاہو کے حکومت تشکیل دینے کے امکانات واضح ہیں۔ حماس قیدیوں کے تبادلے کیلئے مذاکرات پر تیار ہے' مگر اسرائیلی حکام کی ہٹ دھرمی اور بے جا ضد اس معاملے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ دمشق میں فلسطینی تنظیم حماس نے ایک بار پھر قیدیوں کے تبادلے

کیلئے مذاکرات بحال کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ حماس کے نائب سربراہ موسیٰ ابومرزوق نے کہا کہ ان کی جماعت اسرائیلی جیلوں سے قیدیوں کی رہائی قیدیوں کے تبادلے کے حوالے سے مصری حکام کے ساتھ دوبارہ مذاکرات پر آمادہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیلی جیلوں سے تمام فلسطینی قیدیوں کی رہائی تک مذاکرات کے دروازے کھلے ہیں۔ اسرائیل حماس کی مصالحتی پیشکش پر تو غور نہیں کررہا مگر وہ سفاکانہ حرکتوں پر ضرور اتر آیا ہے۔ اسرائیلی فوج نے حماس کی مصالحت کا جواب حوصلہ افزا دینے کے بجائے مغربی کنارے کے شہروں اور دیہاتوں میں دراندازی کی اور 7 فلسطینی نوجوانوں کو اغوا کرلیا۔ اسرائیل کی ان ظالمانہ اور سفاکانہ کارروائیوں کے باوجود حماس کے حوصلے پست نہیں ہوئے اور حماس قیادت نے ایک بار پھر اپنے عزم وارادے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فلسطینی ان اصولوں پر کاربند رہیں گے جو شہید شیخ احمد یاسین نے وضع کئے تھے۔ حماس غیرملکی تسلط کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد کو جاری

❖♦❖

جون 2006ء میں سرحد پر ہونے والی جھڑپ کے دوران پکڑا تھا' اس وقت سے یہ فوجی فلسطینی جنگجوؤں کی حراست میں ہے۔ اسرائیل اب گیلاد کی رہائی کیلئے حماس کے قیدیوں کو رہا کرنے کیلئے تیار نہیں' حالانکہ اس کا یہ کہنا تھا کہ وہ اپنے ایک فوجی کے عوض سینکڑوں فلسطینیوں کو آزاد کرسکتا ہے۔ ایہود اولمرٹ نے اس سلسلے میں حماس سے مذاکرات کیلئے انٹیلی جنس کے سربراہ بووال ڈسکن اور خصوصی نمائندے اوفر ویکسیل کو مصر روانہ کیا تھا' جہاں مغوی فوجی کی رہائی کیلئے ڈسکن اور ویکسیل نے مصر کے اعلیٰ افسران کے ساتھ بات چیت کی۔ اولمرٹ اس معاملے کو نامزد وزیراعظم بنجامن نیتن یاہو کی حکومت کی تشکیل سازی سے قبل نمٹانے کے خواہاں ہیں۔ کوشش ہے کہ وہ اس سے قبل گیلاد شالیط کی رہائی کا معاملہ فوری بنیادوں پر طے کرلیں' مگر وہ اس مسئلے پر اپنے رویے یا مؤقف میں لچک پیدا کرنے کیلئے تیار نہیں' جس کے بعد معاملہ سلجھتا ہوا نظر نہیں آتا۔ مصر اسرائیل اور فلسطینی گروپ حماس کے درمیان اسرائیلی فوجی کی رہائی کیلئے ثالث کا کردار کوئی پہلی دفعہ نہیں نبھا رہا بلکہ کافی عرصہ سے وہ یہ کردار ادا کررہا ہے۔

حماس کی فلسطین کی غزہ پٹی پر حکومت ہے۔ اولمرٹ کا کہنا تھا کہ وہ مصر کی تجویز کردہ جنگ بندی معاہدے پر عملدرآمد کیلئے تیار ہے' مگر اس کیلئے حماس کو اسرائیلی فوجی گیلاد شالیط کو رہا کرنا ہوگا۔ ایہود نے واضح الفاظ میں مصر کی تجویز کردہ جنگ بندی کے معاہدے کو خارج از امکان قرار دیتے ہوئے علاقے کی سرحد کو آمدورفت کیلئے گیلاد شالیط کی رہائی کے ساتھ مشروط کردیا تھا۔ اسرائیل بڑی ڈھٹائی کے ساتھ حماس رہنماؤں پر حملے کررہا ہے اور ان کی گرفتاریاں بھی' تاکہ

حماس پر دباؤ بڑھایا جاسکے اور اسے جھکنے پر مجبور کیا جاسکے۔ مگر اسرائیل کو یاد نہیں کہ اس نے فلسطینی مجاہدین اور عوام پر ظلم کی انتہا کردی ہے۔ اسرائیل واضح طور پر جنگی جرائم کا مجرم ہے۔ اقوام متحدہ کو چاہئے کہ وہ اسرائیل کو اسلحہ کی فراہمی پر پابندی عائد کرے' کیونکہ اسرائیل نے اسلحہ شہری آبادی کے خلاف استعمال کیا۔ اسرائیل حماس کو راکٹ حملوں کا قصوروار تو ٹھہراتا ہے مگر خود اسرائیل نے غزہ پٹی کے خلاف امریکہ کی جانب سے فراہم کردہ فاسفورس بم اور دیگر بم استعمال کئے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل انسانی حقوق گروپ کیلئے کام کرنے والی ڈونا ٹیلا روبرا نے بتایا کہ ان کے گروپ کو غزہ میں کھیل کود کی جگہوں' ہسپتالوں اور رہائشی مکانات سے توپخانے کے گولے' ٹینک شکن گرنیڈ اور طیاروں سے فائر کئے گئے راکٹوں کے ٹکڑے ملے۔ مزید یہ کہ اسرائیل نے زیادہ تر جو ہتھیار استعمال کئے' وہ خاص طور پر امریکہ کی جانب سے فراہم کئے گئے۔ ڈونا ٹیلا روبرا کہتی ہیں ''اسرائیلی حملوں کے نتیجے میں سینکڑوں بچے اور دیگر شہری ہلاک ہوئے' جبکہ مکانات اور اقتصادی ڈھانچے کو بھی شدید نقصان پہنچا۔''

اسرائیل ان حقائق کو تسلیم کرلے یہ ممکن ہی نہیں۔ اسرائیل نے اس رپورٹ کو متعصبانہ اور غیر پیشہ ورانہ قرار دیا ہے اور اس کے جواب میں بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا ہے۔ ''ہم اس رپورٹ کو تسلیم نہیں کرتے' کیونکہ اس میں حماس کو سراسر الزامات سے بری قرار دیا گیا ہے، جو ایک دہشت گرد تنظیم ہے اور وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔'' اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اسرائیل نے کہا کہ غزہ کے خلاف ہتھیاروں کے استعمال کے حوالے سے اسرائیل نے بین الاقوامی قوانین کی پاسداری کی اور اس کا ہتھیاروں کا استعمال دیگر مغربی ممالک سے مختلف بھی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ یہ کہ اسرائیل نے کبھی جان بوجھ کر فلسطینی شہریوں کو نشانہ نہیں بنایا' جبکہ حماس نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنے شہریوں کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ حماس کو دہشت گرد قرار دینے والے بھول جاتے ہیں کہ حماس کو بیرون ملک سے اسلحہ کی برآمدگی کا کوئی ذریعہ نہیں' جبکہ اسرائیل کو تمام اہم اور بڑے ممالک ہتھیار اور اسلحہ فراہم کررہے ہیں۔ امریکہ نے کھلے لفظوں میں بارہا اعلان کیا ہے کہ '' وہ اسرائیل کیلئے غیر متزلزل' پائیدار اور اہم حمایت کا اعادہ کرے گا۔ ہم اسرائیل کی حکومت کے ساتھ مل کر کام کریں گے اور اسرائیل کی حکومت سے ہر طرح کا تعاون جاری رہے گا۔'' اسرائیل نے اس جنگ میں سفید فاسفورس پر مبنی اسلحہ استعمال کیا۔ سفید فاسفورس پر مبنی اسلحہ کے استعمال سے جسم پر شدید سوزش واقع ہوسکتی ہے۔ اس کا بے دریغ استعمال جنگی جرائم کے زمرے میں آتا ہے۔

فلسطینی ایک عرصہ سے یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ اسرائیل کے حملوں کی عالمی سطح پر عدالتی

تحقیقات کرائی جائیں' لیکن لیگل ڈھانچے کے مطابق یہ ایک الجھا ہوا مسئلہ ہے' کیونکہ عالمی فوجداری عدالت جو ہیگ میں واقع ہے' غزہ پٹی اس کی حدود سے باہر ہے۔ حالانکہ خود اقوام متحدہ میں انسانی حقوق سے متعلق ادارے نے 2006ء میں بیت حنون میں مجاہد رہنما شیخ صلاح شہادہ سمیت 19 شہریوں پر اسرائیلی حملے کو جنگی جرم قرار دیا ہوا ہے۔ اسرائیلی حملے کا نشانہ بننے والے زیادہ تر بچے اور خواتین تھے' جن پر حملے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ فلسطینی وزیر عدل نے اسرائیل کو جنگی جرائم کی فہرست میں لانے کو خوش آئند اقدام قرار دیا ہے' مگر یہ بھی کہا ہے کہ اقوام متحدہ فلسطینی عوام کے خلاف جنگی جرائم میں مرتکب اسرائیلی فوجیوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرے۔ صرف مذمتی بیانات سے اسرائیلی جنگی جرائم ختم نہیں کئے جاسکتے۔ سعودی عرب نے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں غیر قانونی یہودی بستیوں اور آبادکاری کی سرگرمیوں کو امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیا تھا۔ سعودی وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مقبوضہ فلسطینی علاقوں کا جغرافیہ اور آبادی کو تبدیل کرنے کے اقدامات ایسے عوامل ہیں، جن سے امن کیلئے خطرات پیدا ہوگئے ہیں۔ فلسطینی گروپوں اور اسرائیل میں مصالحت و مفاہمت کا دروازہ اسرائیل کیلئے شاہ عبداللہ کے امن فارمولے پر عمل کرنے سے کھولا جاسکتا ہے۔ جس کیلئے اسرائیل قطعاً تیار نہیں۔ وہ خود کو کسی معاہدے کا پابند کرنے کیلئے بھی رضامند نہیں' جبکہ حماس کو نہتا کردینا چاہتا ہے۔ اس نے فرانس کے صدر سرکوزی کو بھی پیغام دیا ہے کہ حماس کو اسلحہ سے روکنے کی شرط ہی امن معاہدے کیلئے راہ ہموار کرے گی۔ اسرائیل کسی صورت ایسے معاہدے کیلئے تیار نہیں، جس کے تحت حماس کو اپنے میزائلوں کی رینج 60 کلومیٹر تک بڑھانے کا موقع ملے اور ان کی پہنچ تل ابیب کے نواحی علاقوں تک ہوجائے۔

اسرائیل کو اپنی شہری آبادی کا تو بہت خیال ہے اور اس کیلئے وہ حماس کو راکٹوں کے محدود استعمال کا پابند کردینے کا خواہاں ہے' جبکہ خود وہ فلسطینی عوام کو بے دریغ نشانہ بناتا ہے اور جانوں کی جانیں ہلاک کرکے بھی سانس نہیں لیتا۔ شہریوں کے تحفظ کے حق کو عالمی سطح پر تسلیم تو کیا جاتا ہے مگر اسرائیل پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ حالانکہ اسرائیل پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس حق کو قانون اقوام عالم کے متعین حدود و قیود میں رہ کر استعمال کرے۔ یورپی یونین کی جانب سے حماس کو اسلحہ تک رسائی روکنے کے اقدامات تو کئے گئے ہیں' مگر اسرائیل کو اسلحہ کی فروخت روکنے کیلئے یورپی یونین نے کبھی قدم نہیں اٹھایا۔ قدم اٹھانا تو دور کی بات' اس پر بات کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔

اسرائیل الفتح کے قیدیوں کو تو رہا کرنے پر رضامند ہوجاتا ہے مگر حماس کے کارکنوں کو نہیں'

کیونکہ وہ ان کے جذبہ آزادی سے خائف ہے۔ حماس کے مردمجاہدین کے علاوہ اس نے عورتوں اور بچوں کو بھی قیدی بنا رکھا ہے جو کہ عالمی قواعد کی رو سے درست نہیں۔ مگر کیا جائز ہے اور کیا ناجائز؟ اسرائیل کو اس کی پرواہی کب ہے؟ جو اس کے مفادات ہیں، انکے حصول کیلئے ہر قدم جائز ہے۔ اپنے قیدی کیلئے متفکر اسرائیل کو چاہئے کہ وہ حماس کے قیدیوں کو بھی رہا کرے اور انہیں بھی آزاد فضاؤں میں سانس لینے کا حق فراہم کرے جو وہ اپنے قیدی کیلئے چاہتا ہے۔ حماس کے مصالحتی رویہ کو لے کر اسے حماس کی کمزوری نہیں سمجھنا چاہئے، جبکہ حماس کا امن پسند جذبہ سمجھ کر مثبت مذاکرات کو فروغ دینا چاہئے۔ اسرائیل کو مذاکرات کی ناکامی کا ذمہ دار بننے کے بجائے مذاکرات کامیاب کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے، کیونکہ حماس سے بات چیت کے بغیر وہ امن کے کسی راستے پر نہیں چل سکتا۔

❖♦❖

انتہا پسند صہیونی انتظامیہ کی جانب سے فلسطینی ریاست کی قبولیت کی سخت شرائط نے عالمی برادری خصوصاً مسلم برادری پر اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ غزہ کا پرامن مستقبل صرف ایک خواب ہے۔ فلسطینی قوم اپنی ہی ریاست کو صہیونی ریاست بنتے ہوئے دیکھنے کا صدمہ برداشت کر چکی ہے۔ صہیونی ریاست نے اپنی ریاست کے تحفظ و بقاء کیلئے فلسطینیوں کا جینا اجیرن کر رکھا ہے۔ غزہ کے باسیوں کی زندگی جہنم سے کم نہیں اور اسے جہنم بنانے والے ہیں متعصب، کٹر اور انتہا پسند یہودی، جو فلسطینی ریاست کے ناجائز قبضے کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس پر اپنا حق جتاتے ہوئے فلسطینیوں پر نہ صرف ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہیں بلکہ مزید یہودی بستیوں کی تعمیر بھی ڈھٹائی سے کر رہے ہیں۔ یہ ستم بالائے ستم نہیں تو اور کیا ہے؟ حال ہی میں اقوام متحدہ نے غزہ کے باسیوں کی حالت زار پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ غزہ کی ساحلی پٹی کا انتظام دو سال قبل حماس نے اپنے کنٹرول میں لیا تھا، جس کے بعد مصر اور اسرائیل کے سرحدی راستے بند کرنے سے لوگوں کیلئے روزگار اور ضروریات زندگی کے مواقع ختم ہو گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ترجمان کا کہنا ہے کہ غزہ کے حالات نہایت تشویشناک ہیں، جبکہ حماس کے ترجمان کا کہنا ہے کہ وہ قیدیوں کے تبادلے کیلئے تیار ہیں۔ دوسری جانب اسرائیلی وزیراعظم کے ترجمان نے حماس تنظیم پر الزام لگایا ہے کہ وہ مسائل کے حل میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ نیتن یاہو کی فلسطینی ریاست کے متعلق سخت شرائط پر مصر، شام خصوصاً حماس کے ردعمل نے عالمی برادری اور امن مساعی کے چودھری امریکہ پر اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ وہ فلسطینی شرائط پر اپنی آزادی و خودمختاری کا سودا نہیں کریں گے۔ امریکہ کو ادراک ہے کہ حماس سے بات چیت کئے بغیر مسئلہ فلسطین کا حل ممکن بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کل

تک وہی حماس، جسے یورپی یونین، امریکہ اور دیگر مغربی اقوام نے دہشت گرد تنظیم قرار دیا اور اس سے مذاکرات سے ہمیشہ انکار کیا، اب حماس سے مذاکرات کو لازم خیال کر رہے ہیں۔ اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ امریکہ نے صدر جمی کارٹر کے ذریعے اپنے حالیہ دورہ غزہ میں حماس کو براہ راست مذاکرات کی دعوت دی ہے، اس کا انکشاف حماس کے ایک سینئر رکن مشیر المصری نے کیا ہے۔ انہوں نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں سابق امریکی صدر جمی کارٹر کی جانب سے ایک خط ملا ہے، جس میں انہوں نے ذاتی کوششوں کے ذریعہ حماس کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کی پیشکش کی ہے۔ مشیر المصری غزہ میں جمی کارٹر اور حماس کے وزیراعظم کے درمیان ملاقات میں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی جماعت سابق امریکی صدر کی تجویز کا جائزہ لے گی، مگر انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ حماس مشرق وسطیٰ کے بارے میں گروپ فور کی تین شرائط کو تسلیم نہیں کرے گی۔ اقوام متحدہ، یورپی یونین، امریکہ اور روس پر مشتمل گروپ 4 حماس سے اسرائیل کو نہ صرف تسلیم کرنے کا مطالبہ کر چکا ہے بلکہ اس نے حماس سے یہ مطالبات بھی کئے ہیں کہ وہ تشدد کی مذمت کرے اور اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان ماضی میں طے کئے جانے والے معاہدوں کو قبول کرتے ہوئے ان کا لحاظ کرے۔ حماس کے قریبی ذرائع نے اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے کی شرط پر کہا ہے کہ جمی کارٹر کا منصوبہ دراصل شرائط کا ایک متبادل ہے، جس کے تحت حماس نے 2003ء میں پیش کئے گئے مشرق وسطیٰ امن روڈ میپ کے مطابق دو ریاستی حل سے اتفاق کیا تھا، جبکہ اس نے 2002ء میں عرب لیگ کے پیش کردہ امن منصوبہ کو بھی تسلیم کیا تھا۔ امریکہ کا حماس کے بارے میں رویہ تبدیل ہو جانے کے بعد امریکی اشاروں کے منتظر فلسطینی صدر محمود عباس کے رویہ میں بھی لچک آئی ہے، جو دراصل امریکی رجحانات کی بدلتی رو کے باعث ہے۔ اس کا نتیجہ بھی برآمد ہونا شروع ہو گیا ہے۔ صدر فلسطین محمود عباس نے حماس کے تمام قیدیوں بشمول سکیورٹی الزامات کے تحت گرفتار شدگان کی رہائی کا حکم دے کر اس کا ثبوت بھی دے دیا ہے۔ عباس کی فتح تحریک کے فوجی شعبہ کے سربراہ عظام احمد کو غزہ میں حکمران حریف حماس تحریک کے ساتھ مصالحانہ مذاکرات کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ان مذاکرات کی رو سے آنے والے دنوں میں حماس کے تمام قیدیوں کی رہائی عمل میں آئے گی۔ عباس کے قریبی ذرائع کے حوالے سے فلسطینی میڈیا نے بتایا کہ حماس کے قیدیوں کو صرف اس شرط پر چھوڑا جائے گا کہ وہ امن وقانون کیلئے خطرہ نہیں بنیں گے۔ عباس کی الفتح تنظیم کے نزدیک بھی حماس ایک متشدد تحریک ہے۔ درحقیقت الفتح کا حماس کو متشدد قرار دینا صرف اس وجہ سے ہے کہ حماس اپنے ارادوں میں اٹل اور مضبوط ہے۔ وہ فلسطین کی آزادی و خودمختاری کا سودا کرنے کیلئے کوئی شرط قبول کرنے کو تیار نہیں۔

حماس کو اس کے مؤقف سے پیچھے ہٹانے کیلئے بھاری مراعات کا لالچ دیا گیا‘ خوف اور دباؤ بھی مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب کام کسی طور نہ بنا تو حماس کے کارکنوں اور غزہ کے باسیوں پر وہ قہر توڑا گیا کہ آسمان بھی روتا ہوگا۔ مگر صد تحسین تنظیم حماس کو کہ اس نے حوصلہ نہیں ہارا اور باطل کے سامنے ڈٹی ہوئی ہے۔ امریکہ نے حماس کو توڑنے کیلئے اس کو فنڈز اور مالی امداد فراہم کرنے والی تنظیموں تک پابندی لگا دی تا کہ حماس کی کمر توڑ کر رکھ دی جائے۔ امریکہ نے مسلمانوں کی فلاحی تنظیموں کیلئے کام کرنا مشکل کردیا ہے۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ بعض تنظیمیں فلاحی کاموں کی آڑ میں دہشت گردی کارروائیوں کیلئے رقوم فراہم کرتی رہی ہیں۔ مسلم فلاحی اداروں کا آزادی پسند تنظیموں کی مدد کرنا تو کجا، مسلمانوں کیلئے خیرات وزکوٰۃ کے بارے میں مدد کی مد میں اپنے مذہبی احکام تک پر عمل کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ اس قسم کی پالیسیاں فائدے کے بجائے الٹا نقصان کا باعث ہیں۔ امریکن شہری آزادی تنظیم (آئی سی ایل یو) نے اپنی رپورٹ میں امریکہ کی حکومت پر تنقید کی ہے کہ اس نے امریکی مسلمانوں کی 9 فلاحی تنظیموں کو بند کردیا ہے۔ امریکی حکومت نے یہ اقدام ایک تنظیم پر یہ الزام لگا کر کیا ہے کہ اس نے دہشت گردی کیلئے مالیہ ایک تنظیم کو فراہم کیا ہے۔ حالانکہ اس تنظیم نے اپنی وضاحت میں بتایا تھا کہ اس نے مذکورہ تنظیم (حماس) کو امداد فلاحی وانسانی ہمدردی کی بناء پر دی ہے‘ اس کیلئے اسے موردالزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ امریکہ کے اس متعصبانہ اقدام سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ مسلمانوں کے مسائل کو کیا حل کرے گا‘ وہ تو یہ تک بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان تنظیموں کی مدد کرے۔ حماس آزادی پسند‘ حریت پسند تحریک ہے نہ کہ دہشت گرد‘ چونکہ وہ مسلمانوں کے حقوق کیلئے خصوصاً فلسطینی قوم کی آزادی کیلئے متحرک ہے‘ جو کہ امریکہ اور اسرائیل کیلئے سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس لئے وہ حماس کو حریت پسند تحریک کے دائرے سے باہر نکال کر اس کو متشدد‘ انتہا پسند اور دہشت گرد تنظیم کا لقب دیتے ہیں۔ ہولی لینڈ فاؤنڈیشن امریکہ کی سب سے بڑی تنظیم تھی‘ محکمہ خزانہ نے اسے دسمبر 2001ء میں ختم کردیا اور جواز یہ دہرایا کہ شواہد کے مطابق یہ تنظیم فلسطینی گروپ حماس کو رقم فراہم کر رہی تھی‘ جسے امریکی حکومت نے دہشت گرد تنظیم قرار دیا ہے۔ حماس کو رقم فراہم کرنے پر ہولی لینڈ فاؤنڈیشن کی سرکردہ ارکان کو مجرم قرار دیا گیا اور طویل مدت کی قید کی سزائیں دی گئیں۔ اس تنظیم کا کوئی جرم نہ تھا سوائے اس کے کہ اس نے ایک آزادی پسند تنظیم کی مدد کی۔ حماس کے دو ونگ ہیں ایک عسکری‘ دوسرا عمومی یا فلاحی‘ جو کہ فلسطینیوں کیلئے ہسپتال‘ مساجد‘ ادارے‘ سکول‘ طبی مراکز اور دیگر فلاحی سرگرمیاں انجام دیتا ہے۔ عسکری ونگ آزادی کیلئے فعال ہے۔ حماس کے دونوں شعبوں میں جائز حقوق کیلئے کام کرنے کی لگن اور جذبہ نظر آتا ہے‘ نہ کہ دہشت گردی کی کارروائیاں۔ مگر حماس کو

امریکہ‘ یورپ اور دیگر اتحادی اقوام صرف اس لئے دہشت گرد قرار دیتی ہیں کہ وہ اسرائیل کے حملوں کے جواب میں راکٹوں سے اپنا دفاع کیوں کرتا ہے؟ یا فلسطینیوں کے حقوق سے دستبردار ہو کر سودے بازی پر کیوں نہیں اترتا یا اسرائیلی مظالم کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کیوں بن جاتا ہے؟ امریکہ کا یہ الزام ہے کہ یہ تنظیم دہشت گرد تنظیم کے ارکان کا حصہ تھی۔ اپنی سرگرمیوں کو فلاحی کام بنا کر پیش کر رہی تھی۔ مسلمانوں کی فلاحی تنظیموں کے بارے میں امریکی حکومت نے اس وقت کارروائی کی جب اسرائیل میں گرفتار ہونے والے شخص نے معلومات فراہم کیں کہ یہ تنظیم حماس کو اعانت دے رہی ہے۔

جمی کارٹر نے اپنے ایک مقالے میں لکھا ہے ”میں نے 36 سال قبل 1980ء کے دوران اور بعد میں فلسطینی انتخابات کے کامیاب انعقاد کے بعد غزہ کا دورہ کیا تھا، جب وہ خاصا خوشحال اور امن پسند علاقہ تھا۔ اب بموں‘ میزائل‘ ٹینک‘ بلڈوزر اور اقتصادی پابندیوں نے غزہ میں تباہی‘ دکھ اور مصائب کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بین الاقوامی برادری غزہ کے شہریوں کی مدد کی پکار کو مسلسل نظرانداز کر رہی ہے اور ان کے ساتھ انسانوں کے بجائے جانوروں جیسا سلوک کیا جارہا ہے۔ گزشتہ دنوں انسانی حقوق کے ادارے کا ایک گروپ غزہ کے شہریوں خصوصاً بچوں کیلئے کھلونے کچھ کھانے پینے کی چیزیں اور دیگر اشیاء لے کر گیا‘ مگر انہیں غزہ میں داخلے سے روک دیا گیا۔ جب اسرائیلی حکام سے وجہ پوچھی گئی تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ غزہ کی اس دردناک صورتحال کی ذمہ داری اسرائیل‘ قاہرہ‘ واشنگٹن اور تمام بین الاقوامی برادری پر عائد ہوتی ہے۔ جرائم کی تحقیقات ضرور ہونی چاہئے‘ مگر دیواروں کو بھی ڈھا دینا چاہئے تا کہ رابطے آسان ہوں۔ انسانی بنیادی حقوق کو ہر صورت سرفہرست رکھنا چاہئے‘ غزہ کے 1.5 ملین باشندوں میں ایک حصہ غزہ کے بچے ہیں، جن کی زندگیاں غربت‘ بھوک‘ تشدد اور مایوسی میں گزر رہی ہیں۔ تقریباً 50 ہزار خاندان اس جنوری میں اپنے گھروں سے محروم ہو چکے ہیں اور والدین 313 معصوم بچوں کیلئے آہ و بکا کر رہے ہیں جو کہ غزہ کے حملوں میں ناحق قتل ہو گئے۔ غزہ کی حالت بہت غمناک ہے‘ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے پرامن اور خوشحال مستقبل کیلئے جدوجہد نہ کی جائے۔ بہتر کل کی توقع غزہ کے شہریوں کا خواب ہے اور ان کی جدوجہد کا مقصد بھی۔ فلسطینی آزادی سے کہیں زیادہ کے خواہاں ہیں‘ وہ عرب دنیا پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں‘ یہاں کے بچوں میں کل کے رہنما ہیں۔ فلسطینی مشرق اور مغرب کے درمیان پل کا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔ مقبوضہ بیت المقدس کو یہودیوں‘ عیسائیوں اور مسلمانوں کیلئے مشترکہ متبرک جگہ ہونا چاہئے۔“ جمی کارٹر مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”واشنگٹن فلسطینی ریاست کے وجود کو

تمنائی ہے' سب سے اہم فی الحال غزہ کے محاصرہ کا خاتمہ ہے۔ غزہ کے باسیوں کی مدد کوئی مسئلہ نہیں۔ فنڈز دستیاب ہیں' اشیاء کی بہتات ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ اسرائیل اور مصر سے کوئی چیز بند دروازوں کے دوسری طرف غزہ کو پہنچانے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ بقول جمی کارٹر امریکہ اور یورپ' اسرائیل اور مصر کو غزہ میں امدادی سامان لے جانے کیلئے قائل کرنے کیلئے سب کچھ کرنے کے خواہاں ہیں۔ اپنے اس مقالے میں جمی کارٹر نے اسرائیلی شہریوں کے تحفظ کو مقدمہ قرار دیتے ہوئے حماس کو تلقین کی کہ وہ اسرائیلی شہریوں کو راکٹوں اور مارٹر گولوں کا نشانہ بنائے۔'' جمی کارٹر لکھتے ہیں میں گیلا دشالیط کی رہائی کیلئے اس کے والدین سے بھی ملا ہوں' اس کے علاوہ 11,700 فلسطینی قیدیوں کی رہائی جن میں 400 خواتین اور بچے شامل ہیں' کیلئے کوشاں ہوں۔ ان میں سے اکثر کو کئی سال قبل قید کیا گیا تھا اور انہیں قانونی چارہ جوئی کا حق بھی نہیں دیا گیا۔ اگرچہ یہ بہت مشکل ہے کہ جو لوگ ہمارے مصائب اور دکھوں کے ذمہ دار ہوں ان کے ساتھ رہا جائے' مگر جب رہنا مجبوری ہو تو اسے خوشگوار' مثبت یا قابل قبول بنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کیلئے تمام فریقوں کے ساتھ بات چیت ضروری ہے اور فلسطین کے تمام دھڑوں کا متحد ہونا بھی ضروری ہے۔ میں نے حماس کے رہنماؤں سے ملاقات کی ہے اور ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیا ہے جس سے مجھے پتہ چلا ہے کہ حماس امن کے عمل میں شریک ہونے کیلئے تیار ہے۔ وہ فلسطینی ریاست کی تخلیق کے خواہاں ہیں۔ حماس کے رہنما خالد مشعل نے مجھے یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ سیز فائر (جنگ بندی) کیلئے تیار ہیں' مگر مسئلہ فلسطین کیلئے وہ عوامی رائے عامہ' ریفرنڈم کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں گے۔ بدقسمتی سے نہ تو اسرائیلی رہنماؤں نے 1993ء کے اوسلو معاہدے کا پاس رکھا اور نہ ہی حماس کے رہنماؤں نے' مگر عرب امن معاہدے پر اب ہر طرف سے غور کیا جا رہا ہے۔ جمی کارٹر کے اس مقالے میں امن کیلئے مخلصانہ اقدامات لینے کی ضرورت پر زور تو دیا گیا ہے مگر اسرائیل پر وہ دباؤ نہیں ڈالا گیا جو کہ اسے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ لولی لنگڑی فلسطینی ریاست حماس قیادت' فلسطینی رہنماؤں تو کجا فلسطینی باشندوں کو بھی قبول نہیں' ہر اعتبار سے ایک آزاد و خودمختار فلسطینی ریاست ہی ان کے خوابوں کی حقیقی ترجمان اور امنگوں کی نمائندہ ہو سکتی ہے۔ امریکہ جمی کارٹر کو غزہ بھیجے یا ہلیری کلنٹن یا جارج مشعل کو اسے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فلسطینی اپنی آزادی سے کم پر سمجھوتہ کبھی نہیں کریں گے اور وہ بھی ایسی آزادی جہاں ریاست بھی ان کی ہو' قوانین بھی ان کے' اور یہ ریاست اسرائیل یا کسی اور ملک کے تابع نہ ہو۔ اس کی ایک فوج ہو' ادارے ہوں' عدلیہ ہو جو فلسطینی ریاست کو جنت بنانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ غزہ کے باسیوں کو زمین کا ایک ٹکڑا نہیں چاہئے' جہاں صرف ان

کے گھر ہوں' فلسطینیوں کو تمام حقوق و اختیارات کے ساتھ فلسطینی ریاست چاہئے۔ جمی کارٹر کو غزہ کے شہریوں کی حالت زار سے دکھ تو پہنچا ہے مگر اس دکھ کا مداوا اسرائیل سے نجات کے بغیر ممکن نہیں۔ اسرائیل سے نجات صرف حقیقی فلسطینی ریاست کے قیام میں ہے، جہاں اسرائیل کے احکامات تو کیا اثرات بھی نہ ہوں۔ فلسطینی اپنے ہر طرح کے معاملات میں فیصلے لینے کے اہل اور آزاد ہوں۔ یہی بات الفتح کو بھی ذہن میں بٹھا لینی چاہئے کہ وہ اسرائیل یا امریکہ کی نمائندہ نہیں' فلسطینیوں کی جماعت ہے۔ فلسطینی وزیراعظم سلام فیاض نے حال ہی میں اپنے بیان میں کہا ہے کہ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے درمیان اتحاد کا قیام ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ آئندہ دو سال کے اندر آزاد فلسطین کے قیام کیلئے وہ پرعزم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دو سالوں میں فلسطینی مملکت کیلئے ادارے تشکیل دینا ہوں گے' جس سے عالمی برادری میں خودمختار فلسطین کا تاثر بہتر ہوگا۔ سلام فیاض کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حماس کے ترجمان نے کہا کہ فیاض' امریکہ اور اسرائیل کی پسند ہیں اور یہودی دشمنوں کے ساتھ تعاون کی پالیسی اپناتے ہوئے فلسطینیوں کیلئے خطرہ ثابت ہو رہے ہیں۔ بہرحال موجودہ صورتحال میں حماس اور الفتح میں کسی حد تک مذاکراتی پیش قدمی ہوئی ہے' اسی بناء پر حماس کے قیدیوں کی رہائی عمل میں آئی ہے۔ ادھر اسرائیل نے بھی حماس کو متاثر کرنے کیلئے فلسطینی پارلیمنٹ کے سپیکر عزیز دویک کو رہا کر دیا، جو اسلام پسند گروپ سے تعلقات پر تقریباً تین سال تک اسرائیلی جیل میں رہے۔ اسرائیلی فوج نے 61 سالہ عزیز دویک سمیت فلسطینی قانون سازی اسمبلی میں حماس کے چالیس منتخب ارکان کو مئی 2006ء میں مغربی کنارہ میں شہر رملہ سے گرفتار کر کے قید کر دیا تھا۔ ڈاکٹر عزیز دویک پیشہ کے اعتبار سے جغرافیہ کے پروفیسر ہیں اور حماس کی جانب سے فروری 2006ء میں فلسطینی پارلیمنٹ کے سپیکر منتخب ہوئے تھے۔ قید کے دوران بھی وہ بدستور اس عہدے پر فائز رہے ہیں اور ان کی قید کے دوران ایک اور رکن پارلیمنٹ قائم مقام سپیکر کی حیثیت سے قانون سازی کے متعلق امور نمٹاتے رہے ہیں۔ فلسطین اس وقت عالمی سطح پر نمایاں ترین مسئلہ ہے' مگر امریکہ اور اسرائیل کو حماس کو اپنے نکات پر گھیرنے کے بجائے فلسطینیوں کے حقیقی آزادی کے جائز مطالبے کو مان لینا چاہئے' کیونکہ متنازعہ حل کی صورت میں فلسطین اسی طرح تنازعاتی معاملہ رہے گا جیسا کہ آج ہے۔ پرامن مستقبل صرف اس کے جائز حل اور ریاستی اقدامات میں پوشیدہ ہے' جنہیں ماننے کیلئے نہ امریکہ تیار ہے اور نہ اسرائیل۔

❖◆❖

اسرائیل کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی دیکھئے کہ اس نے امریکہ کی یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے

کے مطالبے کو ماننے سے ایک بار نہیں‘ کئی بار انکار کیا ہے اور امریکی انتظامیہ نے مختلف فورموں اور پلیٹ فارمز پر اسرائیل سے بے ضابطہ اور باضابطہ یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کیلئے کہا ہے مگر اسرائیل نے سنی ان سنی کردی بلکہ اس نے نہ صرف امریکہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کردیا بلکہ الٹا امریکہ کو آنکھیں دکھانا شروع کردیں کہ وہ فلسطین کی خاطر اسرائیل سے اپنے تعلقات نہ بگاڑے۔ اسرائیل سے یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کیلئے صرف امریکہ نے ہی نہیں بلکہ بہت سے ممالک نے کہا ہے مگر اسرائیل یہودی بستیوں کی تعمیر کو ڈھٹائی سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ امریکہ نے اسرائیل کی جانب سے مقبوضہ فلسطین میں یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کے مطالبے کو مسترد کئے جانے کے بعد اس سے مذاکرات مؤخر کردیئے ہیں۔

اسرائیلی حکام کے مطابق نمائندہ برائے مشرق وسطیٰ جارج میچل نے اسرائیلی وزیر دفاع سے ہونے والی ملاقات میں فلسطینی سرزمین پر یہودی بستیوں کی تعمیر کے حوالے سے ایسے سوال اٹھائے تھے کہ جن کا جواب دینا ممکن نہ تھا۔ دوسری جانب فلسطین کے وزیراعظم سلام فیاض نے کہا کہ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو اپنی پالیسیوں کے ذریعے عالمی برادری کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ القدس یونیورسٹی میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے امید ظاہر کی کہ دو سال میں فلسطینی ریاست قائم ہوجائے گی۔ نیتن یاہو کا کہنا ہے کہ وہ فلسطینی ریاست کی تشکیل کیلئے آمادہ ہیں مگر وہ ان کی شرطوں پر قائم ہوگی اور ان شرطوں میں فوج نہ رکھنا بھی شامل ہے۔ نیتن یاہو کی شرائط پر فلسطینی ریاست کے قیام کو مسلم دنیا خصوصاً عرب دنیا نے خاص طور پر ماننے سے انکار کردیا۔ حماس نے اسے اسرائیلی انتظامیہ کو دھوکہ دہی اور جعلسازی سے مشروط کیا ہے۔ فلسطینی تنظیم حماس نے تو واضح طور پر ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ فلسطینی تنظیم حماس کے رہنما خالد مشعل نے اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کی جانب سے اسرائیل فلسطین تنازع کے بارے دی جانے والی حالیہ تجاویز کو مسترد کردیا ہے۔ حماس کے رہنما خالد مشعل نے امریکہ کے صدر بارک اوباما کی جانب سے قیام امن کیلئے دی جانے والی حالیہ کوششوں کی تعریف کرتے ہوئے انہیں پہلا مثبت قدم قرار دیا‘ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ صدر اوباما نے اسرائیل سے تمام یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کا جو مطالبہ کیا ہے اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوسکا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے متعدد بار صدر اوباما کے مطالبے کو مسترد کردیا ہے۔ حماس کے رہنما خالد مشعل نے کہا کہ ہم فلسطینیوں کے حقوق خاص طور پر مقبوضہ بیت المقدس کے بارے میں بے دخل فلسطینیوں کی واپسی کے حق‘ یہودی بستیوں عرب ممالک کے ساتھ تعلقات اور فلسطینی ریاست اور اس کی سرحدوں اور غیر مسلح ہونے کی شرط ہم اس پر اسرائیل اور اس کے وزیراعظم کے مؤقف کو مسترد

کرتے ہیں۔ ایک ایسی فلسطینی ریاست جس کی زمین اور سمندر‘ سرحدوں اور فضائی حدود کو نیتن یاہو کنٹرول کرنا چاہتے ہیں‘ فضول ہے۔ یہ ایک بڑی جیل سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسرائیلی وزیر دفاع ایہود باراک نے یہودی بستیوں کی تعمیر کو وقتی طور پر محدود اور منجمد کرنے کے امکانات پر بات کرتے ہوئے کہا کہ ”ان کی رائے یہ ہے کہ تین ماہ کیلئے بستیوں کی تعمیر کے کام کو وقتی طور پر روک دیا جائے لیکن جو عمارات تعمیر ہورہی ہیں ان کے کام کو جاری رکھا جائے گا۔ جارج میچل کے ساتھ ملاقات میں انہوں نے یہ بات کہی۔ بستیوں کی تعمیر کا مسئلہ اس معاملے کا بہت اہم حصہ ہے لیکن ابھی اس کا روکنا ممکن نہیں۔“ انتظامیہ کے دیگر ارکان نے کہا کہ وزیراعظم نیتن یاہو کی حکومت نے مارچ میں عہدہ سنبھالنے کے بعد مغربی کنارے پر یہودی بستیوں کی تعمیر کا معاملہ بارک اوباما نے ان دنوں زیادہ سنجیدگی سے اٹھا رکھا ہے۔ بارک اوباما اسرائیلی حکومت سے یہودی بستیوں کی تعمیر رکوا دینے کے خواہاں ہیں‘ مگر امریکی انتظامیہ کے کچھ عہدیداران نے انکشاف کیا ہے کہ واشنگٹن اس امکان پر غور کررہا ہے کہ نئی تعمیرات کے حوالے سے اسرائیل کو کچھ رعایتیں دے دے۔ اس حوالے سے اسرائیلی ذرائع نے رپورٹ کیا ہے کہ 3 ماہ کی مدت میں مغربی کنارے میں ان تعمیرات کو مکمل نہیں کیا جاسکے گا۔ مشرقی بیت المقدس میں یہودیوں کیلئے گھروں پر کام جاری رہے گا۔ الفتح کے صدر محمود عباس نے کہا کہ امریکہ کو اسرائیل سے اس وقت تک مذاکرات نہیں کرنے چاہئیں جب تک اسرائیل تمام یہودی بستیوں کی تعمیر نہیں روک دیتا۔ نیتن یاہو نے تو ان گھروں کے حوالے سے کسی بھی قسم کی پابندیاں قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ ان تعمیرات کی منظوری اسرائیلی میونسپلٹی کارپوریشن نے دی ہے‘ جس میں عرب مشرقی بیت المقدس اور مغربی کنارے کے حصے شامل ہیں۔ جن پر کہ اسرائیل نے 1967ء میں قبضہ کیا تھا۔ تقریباً 50 ہزار اسرائیلی مغربی کنارے اور مشرقی بیت المقدس میں رہتے ہیں۔ بین الاقوامی عدالتی قوانین اور فلسطینیوں کے مطابق یہ تعمیرات غیر قانونی ہیں اور اگر بین الاقوامی عدالت چاہے تو اسرائیلیوں کو ایک الگ ریاست کی تشکیل سے روکا جاسکتا ہے۔ اسرائیلیوں پر کسی کی آواز‘ مطالبات یا چیخ و پکار کا کوئی اثر نہیں ہورہا۔ اسرائیلی وزارت دفاع نے اپنے ایک اعلان میں کہا ہے کہ وہ مغربی کنارے میں 50 نئے گھروں کی تعمیر کی منظوری دے چکے ہیں جو کہ نوآبادکاری کو وسعت دینے کے منصوبہ کا حصہ ہیں۔ جس میں 1450 گھروں کی تعمیر شامل ہے۔ اسرائیل میں تعمیرات کے خلاف کام کرنے والے گروپ پیس ناؤ (Peace now) کے مطابق ان 14500 گھروں کی تعمیرات کے حوالے سے ماسٹر پلان بنایا گیا ہے مگر وزارت کا کہنا ہے کہ اس نے صرف 50 گھروں کی تعمیر کے احکامات دیئے ہیں۔ اسرائیلی انتظامیہ کا رویہ اس معاملے میں انتہائی غیر لچکدار اور اٹل ہے۔

وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے مسائل کو سلجھانے کے بجائے الجھانے کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ نیتن یاہو نے مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھنے یا اس میں سرگرمی سے حصہ لینے کے بجائے بارک اوباما کے امن مقاصد کے ساتھ مذاکرات ختم کردیئے۔ مذاکرات ملتوی کرنے کے جواز کو پیش کرنے کیلئے اسرائیلی وزیراعظم اور وزیردفاع نے نہایت بھونڈا سا جواز پیش کیا ہے کہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ مذاکرات کو زیادہ جامع بنایا جاسکے اور مسائل کو مزید جامع انداز میں تیار کرنے کی خاطر انہوں نے یورپ میں امریکی صدر بارک اوباما کے امن مقاصد کے ساتھ مذاکرات ختم کردیئے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ مذاکرات اس نے مؤخر کئے ہیں نہ کہ امریکہ نے۔ اس کی وجہ ایک سینئر اسرائیلی عہدیدار نے یہ بتائی کہ ہم وزیراعظم کے ساتھ ملاقات سے قبل عملہ کی جانب سے مسائل پر مزید پیشہ ورانہ کام کرنے کے خواہاں ہیں۔ انہوں نے اس امر کی تردید کی کہ اس کا فیصلہ امریکی عہدیداروں نے کیا ہے' کیونکہ وہ مغربی کنارہ میں چند یہودی بستیوں میں تعمیری سرگرمی کی اجازت دینے کی اس پالیسی کو ترک کرنے پر اسرائیلی حکومت سے ناراض ہوگئے۔ پہلے میچل اور نیتن یاہو ملاقات ملتوی کی گئی۔ بعدازاں ایہود باراک کا دورہ واشنگٹن ترتیب دیا گیا' لیکن آخر نیتن یاہو مذاکرات کو معطل کرکے ایہود باراک کو آگے لگانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہ حقائق ظاہر کرنے کیلئے کافی ہیں کہ اسرائیل یہودی آبادکاری کے عمل سے پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہیں۔ پیچھے ہٹنا تو دور کی بات ہے وہ اس کو مؤخر تک کرنے کیلئے راضی نہیں۔ اب وہ جان بوجھ کر مذاکرات سے کنی کترا رہا ہے اور اس پہلو کو لٹکا رہا ہے۔ اسرائیل نے فلسطینیوں پر کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے؟ درد کی کون کون سی داستانیں رقم نہیں کیں؟ اسرائیل کے ظالم و جابر اور ہٹ دھرم ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسرائیل نے اقوام متحدہ کے تحقیقاتی کمیشن کو غزہ کے داخلے کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔ صرف اتنا ہی نہیں اسرائیل نے امن کارکنوں کو روکنے کیلئے طاقت کا استعمال بھی کیا۔ اسرائیلی سپاہیوں اور امن کارکنوں کے درمیان جو فلسطینیوں کے ساتھ مغربی کنارہ کے زرعی میدانوں میں تھے دھکم پیل ہوئی۔ فلسطینیوں نے بتایا کہ اسرائیلی سپاہیوں نے امن کارکنوں اور صحافیوں کو زبردستی غزہ میں داخلے سے روکا۔ اس دھکم پیل میں رائٹر کا فوٹوگرافر بھی زخمی ہوگیا۔ یہ دھکم پیل اس وقت شروع ہوئی جب صبرون کے شمال میں واقع شہر سافا کے میدان میں یہودی سپاہیوں نے اسرائیلی امن کارکنوں کو داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔ اس واقعہ کے بعد 15 افراد کو گرفتار کرلیا گیا۔ فلسطینی باشندوں کا اکثر اسرائیلی نوآبادکاروں اور سپاہیوں سے مقبوضہ مغربی کنارے میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ اس علاقہ میں 5 ملین نوآباد یہودی رہتے ہیں' یہ یہودی 2.5 ملین فلسطینیوں کے درمیان رہتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی

حقوق کمیشن نے جو کہ ان دنوں اسرائیل کے جنگی جرائم اور فلسطینیوں پر لگائے گئے مبینہ جنگی جرائم کی تحقیقات کیلئے فلسطین پہنچا ہوا ہے۔ اسے روکنے اور اس پر پابندیاں لگانے کی اسرائیل نے بے حد کوشش کی۔ عالمی ادارے کا وفد اسرائیل کی 22 روزہ جنگ کے دوران جنگی جرائم کے ارتکاب سے متعلق تحقیقات کیلئے دو دن تک غزہ میں عوامی عدالتیں لگائے گا۔ اس جنگ میں 1500 افراد شہید ہوئے جبکہ صرف 13 اسرائیلی اس جنگ کا شکار بنے۔ عالمی ادارے کے انسانی حقوق کمیشن کی قیادت جنوبی افریقہ سے تعلق رکھنے والے جج رچرڈ گولڈ اسٹون نے کی جو سابقہ یوگوسلاویہ اور روانڈا کیلئے بین الاقوامی مقدمات میں چیف پراسیکیوٹر کے طور پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔
اسرائیلی جارحیت کے شکار فلسطینیوں اور عینی شاہدین نے جنگ کی دردناک تفصیلات سے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے مشن کو آگاہ کیا۔ کمیشن کے سامنے جنگ کی ہولناکی کے بارے میں آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے والے اولین لوگوں میں غزہ کے 91 سالہ موسوی سلوائی بھی شامل تھے جنہوں نے جبالیہ کی مسجد پر ہونے والے فضائی حملے میں ہونے والے نقصانات کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ اس حملے میں ان کے فرزند سمیت خاندان کے 17 افراد شہید ہوئے۔ غزہ کے بزرگ شہری موسیٰ سلوانی نے بتایا کہ مغرب کی نماز کے بعد ہمیں مسجد پر گرنے والے شیل کی آواز سنائی دی۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ کیا ہوا ہے' ہم نے اللہ کو مدد کیلئے پکارنا شروع کردیا۔ میں نے اپنی 91 سالہ زندگی میں ایسی تباہی نہیں دیکھی۔ اسرائیلی حملے میں معذور ہونے والے ایک نوجوان زیاد الدین نے کمیشن کے ارکان کو بتایا کہ جنگ کے وقفہ کے دوران وہ گھر والوں کے ہمراہ تھے کہ اچانک اسرائیل نے ان کے گرد شیلنگ شروع کردی۔ انہوں نے بتایا کہ اسرائیلی شیلنگ کی آواز سن کر ہم دہشت زدہ ہوگئے۔ پھر اچانک ایک شیل ہمارے اوپر آگرا۔ میرے اردگرد موجود 11 افراد شہید ہوگئے۔ میرے پیر کٹ چکے تھے' پھر میں رینگتا ہوا دوسری جانب آیا تو اپنے والدین کو شہید حالت میں پایا۔ میرے گھر کے متعدد افراد شہید ہو چکے تھے۔ ایک تفتیش کار نے اس دردناک داستان کو سن کر پوچھا کہ حملے سے پہلے کیا انہیں متنبہ نہیں کیا گیا تھا۔ الدیب نے کہا کہ انہیں حملے سے پہلے متنبہ نہیں کیا گیا تھا۔ ایسا کیا ہوتا تو ہم وہ جگہ چھوڑ دیتے۔ صہیونیت کو عالمی تناظر میں دیکھا جائے۔ ہولوکاسٹ کی حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے تو بھی عربوں کو انسان تسلیم کرتے ہی بنتی ہے۔ یورپی عوام کے برعکس فلسطینی تو ہالوکاسٹ میں براہ راست شریک نہیں تھے۔ پھر فلسطینیوں کو کس جرم کی سزا دی جارہی ہے؟

اسرائیل کے قیام' مقامی آبادی کی بے دخلی اور فلسطینی سرزمین پر جاری قبضے کی توجیہہ بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ فلسطینی دوسروں کے گناہوں کی بھاری قیمت ادا کررہے ہیں۔

یہودی مخالف جذبہ یورپی تاریخ میں گہری بنیادیں رکھتا ہے' مگر یہودیت کو دیکھیں وہ یورپ کے شانہ بشانہ چل رہی ہے۔ یورپ کو اتحادی' حلیف اور دوست گردانتی ہے اور مسلمانوں کو دشمن' عرب آبادی خواہ وہ اسرائیل میں شہری کی حیثیت سے رہتی ہو یا اسرائیل کے غاصبانہ فوجی تسلط میں ہو' اسرائیل کو مستقلاً کھٹکتی ہے۔ اسرائیل اپنی بقا وتحفظ کیلئے امریکہ کا محتاج ہے جبکہ امریکہ کی استعماری قوت زوال پذیر ہے۔ اگر امریکہ اس سے منہ موڑ لے تو جیسا کہ سپر پاور نے اپنے دوسرے متنازعہ حلیفوں کے ساتھ کیا مثلاً جنوبی ویتنام اور اپارتھیڈ کے زمانے کے جنوبی افریقہ کے ساتھ تو یہودی ریاست کا دنیا میں کوئی دوست نہ ہوگا۔

پوری دنیا میں اسرائیل کی قانونی حیثیت سوالیہ نشان بنتی جارہی ہے' کیونکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اسرائیل ایک ناجائز صیہونی ریاست ہے۔ ڈھٹائی سے اسرائیل کو جائز قرار دیا جائے تو الگ بات ہے مگر کسی کی زمین چھین کر اس پر قبضہ جمالینے' سانپ کی طرح اس پر دھرنا مار کر بیٹھ جانے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مالک ہے۔ زبردستی اور جبر سے حاصل کردہ چیز یا املاک پر تسلط یا تصرف قبضہ تو کہلاتا ہے مگر ملکیت نہیں۔ ہاں ناجائز ملکیت۔ اسرائیل جن کامیابیوں کے ڈھنڈورے پیٹ رہا ہے' وہ سب چھین کر حاصل کی گئی ہیں۔ اسرائیل اپنے قیام کے 60 سال بعد بھی بے شمار مسائل سے دوچار ہے۔ اسرائیل کے مسائل کا بہترین حل یہ ہے کہ 1948ء کی نسل کشی کی تلافی کی جائے اور ایک مؤثر آزاد فلسطینی ریاست کے قیام میں مدد دی جائے۔ اگر اسرائیل ایسا نہیں کرتا تو سب اسے دل سے تسلیم نہیں کریں گے۔ مجبوری سے تسلیم کریں گے۔ اگر الفتح کا یہ کہنا ہے کہ دوسال کے اندر فلسطینی ریاست قائم ہوجائے گی تو کیا یہ وہ لولی لنگڑی ریاست ہوگی جس کی نہ فوج ہوگی اور نہ ادارے، الفتح اگر ایسی مفلوج اور اپاہج ریاست کی خوشخبری فلسطینی عوام کو دے رہی ہے تو اس کیلئے نہ حماس رضامند ہے اور نہ ہی فلسطینی باشندے۔ محمود عباس کوئی آج سے اسرائیل سے مذاکرات نہیں کررہے۔ یہ سلسلہ تو کافی عرصہ سے جاری ہے۔ عباس مذاکرات کے کئی دور کر چکے ہیں۔ محمود عباس کا ہر بار یہی کہنا ہوتا ہے کہ امن بات چیت آگے بڑھ رہی ہے مگر نتیجہ کیا نکلا' کچھ بھی نہیں۔ مگر محمود عباس اب تک صیہونی انتظامیہ سے کوئی بات نہیں منوا سکے۔ کسی بات پر متفق نہیں کراسکے۔ برابری کی سطح پر بات کرنا تو درکنار کوئی چھوٹا سا مطالبہ بھی نہیں منواسکے۔ غزہ شہر کی حالت آج اسرائیل کی وجہ سے ہی قبرستان جیسی ہوچکی ہے۔ بنیادی سہولیات تک کی ان کو فراہمی نہیں ہے۔ ایندھن کی قلت تک کا مسئلہ ہے بلکہ اسرائیل غزہ کو دشمن قرار دے کر ایندھن کو بطور ہتھیار استعمال کررہا ہے' غربت راج کررہی ہے۔ داستان الم قدم قدم پر بکھری پڑی ہے۔ اسرائیلی جارحیت کی داستان انتہائی ہولناک ہیں۔ فلسطینی شہریوں نے کیا کہنا ہے۔

عالمی ادارے چیخ چیخ کر اسرائیلی مظالم کی داستانیں سنا رہے ہیں۔ الفتح اسرائیل کا بازو بن چکی ہے۔ غرب اردن میں حماس اور دیگر آزادی پسند شہریوں کا جینا دوبھر کردیا گیا ہے۔ فرانس کے صدر سرکوزی کا حال ہی میں ایک بیان آیا ہے، جس میں انہوں نے مذاکرات کی ناکامی کا ذمہ دار اسرائیلی وزیر خارجہ کو ٹھہرایا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ''ان کو عہدے سے برطرف کردیا جائے۔ مذاکرات تبھی کامیاب ہوسکتے ہیں ورنہ اسرائیلی وزیر خارجہ کا انتہا پسندانہ رویہ ان مذاکرات کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔'' فرانس کے صدر سرکوزی کا کہنا بجا مگر یہ مذاکرات اس لئے بھی ناکام ہیں کہ فریقین اس کو زیادہ سنجیدگی اور مخلصانہ طریقے سے نہیں لے رہے۔ وہ حماس اور دیگر فلسطینی تنظیموں سے تو مشاورت ہی نہیں کررہے۔ ان کے خیال میں صرف الفتح ہی مذاکرات کیلئے کافی ہے' کیونکہ وہ اسرائیل کے آگے چوں چرا نہیں کرتی۔

اسی لئے وہ مذاکرات کے راستے پر آنا نہیں چاہتا اور اگر بہ امر مجبوری یا دباؤ میں وہ مذاکرات پر آمادہ بھی ہوتا ہے تو اس کا مقصد ایسی فلسطینی ریاست کے قیام کیلئے فریقین کو منانا ہے جو کہ اسرائیل کے تابع ہو' بلکہ اس کی محتاج۔ وہ فلسطینی ریاست کو سمیٹنے اور یہودی ریاست کو توسیع دینے کے منصوبے پر کاربند ہے۔ اس لئے وہ امریکہ تک کی ماننے کو تیار نہیں' کیونکہ اس کا ارادہ گریٹر اسرائیل عظیم تر اسرائیل کا ہے نہ کہ محدود ریاست کا۔

❖♦❖

غزہ اسرائیلی جارحیت اور مظالم کی منہ بولتی تصویر ہے۔ غزہ میں امدادی سرگرمیوں اور تعمیر نو کا چرچا تو بہت ہے مگر عملی طور پر غزہ کے حالات میں بہتری اور اس کی تعمیر نو کیلئے کوئی خاص سرگرمی ابھی تک دیکھنے میں نہیں آرہی۔ حالانکہ غزہ کو اس وقت بین الاقوامی برادری' اقوام متحدہ' فلاحی اداروں اور مسلم ممالک کی توجہ کی اشد ضرورت ہے۔ اسرائیل نے غزہ پر حملہ اسے تباہ وبرباد کرنے کی غرض سے کیا تھا' اسرائیل نے اپنے فوجیوں کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ غزہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے' شہر کو بری طرح سے تباہ وبرباد کردیا جائے۔ کامیابی تبھی ہے جب غزہ کی ہڈیوں کو گوشت سے جدا کردیا جائے تاکہ غزہ کی تعمیر نو کرنے کیلئے برسوں نہیں صدیوں کا عرصہ درکار ہو۔ یہ تھے صیہونی رہنماؤں کے مذموم ارادے' ان کے ارادوں کی ترجمانی کرتے ہوئے بیانات سے یہ اندازہ لگانا قطعاً ناممکن نہیں کہ غزہ کے ساتھ کتنا ابتر سلوک کیا گیا۔ اس ظالمانہ حقیقت کا انکشاف ایک اعلیٰ فوجی عہدیدار نے کیا' جس نے بتایا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ غزہ کو ادھیڑ کر رکھ دیا جائے۔

اس فوجی افسر کا کہنا ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد جب ہم نے پلٹ کر 22 روز پہلے

والے غزہ کے ساتھ موازنہ کیا تو ہمیں یقین ہوگیا کہ ہم خاطرخواہ حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئے ہیں۔22 روزہ طاقت کے استعمال کا مظاہرہ دیکھنے میں بھی آرہا تھا۔کوئی قابل ذکر عمارت نہیں بچی تھی' اگر بچی بھی تھی تو اس مخدوش حالت میں کہ اسے استعمال کرنا تو کجا، اس کا پہچاننا بھی دشوار تھا۔حال ہی میں اسرائیل پر غزہ میں جنگی جرائم کا الزام لگایا گیا' جس پر اقوام متحدہ کا ادارہ غزہ میں تحقیقات کیلئے پہنچا تو اسرائیل نے تعاون کرنے سے انکار کردیا۔بلکہ ادارے کے افراد کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور انہیں غزہ میں داخلے کی اجازت نہیں دی۔اسرائیل کا یہ رویہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ غزہ میں کئے گئے جرائم پر اس کا احتساب کیا جائے۔بلکہ احتساب تو دور کی بات ہے اس کے خیال میں کسی کو اس پر انگلی اٹھانے یا اسے ان جرائم کیلئے مورد الزام ٹھہرانے کا حق نہیں ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی اسرائیل کو غزہ میں زبردست تباہی کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔ایمنسٹی انٹرنیشنل نے کہا کہ "اسرائیل غزہ کی پٹی میں زبردست تباہی کا مرتکب ہوا ہے اور اس نے حماس کے کنٹرول والے علاقوں پر فوجی جارحیت کے دوران اکثر کارروائیوں میں فلسطینی شہریوں کو نشانہ بنایا ہے' جبکہ اسرائیلی دعووں کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ حماس نے شہریوں کا استعمال انسانی ڈھال کے طور پر کیا ہے۔البتہ اس بات کا ثبوت ضرور ملا ہے کہ اسرائیل سپاہیوں نے زبردستی بچوں اور دیگر شہریوں کو گھروں میں رہنے پر مجبور کیا تاکہ وہ فوجی ٹھکانوں کے طور پر گھروں کا استعمال کرسکیں۔
رپورٹ کے مطابق اسرائیل کی جانب سے غزہ پر حملوں میں شہری آبادیوں پر فاسفورس بموں کا استعمال کیا گیا اور اسرائیلی سپاہیوں نے شہریوں کیلئے انسانی امداد اور طبی امداد بھی نہ پہنچنے دی۔
اسرائیل کے تمام مظالم جنگی قوانین کی صریح خلاف ورزی کے زمرے میں آتے ہیں۔اسرائیل نے 3 ہفتے جاری رہنے والی جنگ میں تقریباً 1400 فلسطینیوں کو ہلاک جن میں سے 900 معصوم شہری تھے۔جبکہ اسرائیل کا کہنا ہے کہ اس نے 1100 افراد کو ہلاک اور مرنے والوں میں بڑی تعداد عسکریت پسندوں کی تھی۔اسرائیل مرنے والوں پر عسکریت پسند ہونے کا الزام لگاتا ہے' لیکن وطن کی آزادی کی جدوجہد کرنے والوں پر قاتلانہ حملے اور ان کے ساتھ ساتھ بے گناہوں کی جانوں سے کھیلنے کے گھناؤنے اور وحشیانہ جرموں سے اسرائیل خود کو کیسے بری الذمہ قرار دے سکتا ہے؟ اسرائیل نے ہلاکتوں کی فہرست دینے سے انکار کردیا ہے۔ایمنسٹی انٹرنیشنل نے یہ رپورٹ تجزیاتی آراء سے نہیں بلکہ شواہد اور گواہیوں کی بناء پر تیار کی ہے۔اس رپورٹ کو 4 تحقیق کاروں اور فوجی ماہرین کی ٹیم نے تیار کیا ہے' جس کی تیاری میں غزہ کے درجنوں حملے سے تباہ شدہ مقامات اور جنوبی اسرائیل سے شواہد جمع کئے گئے ہیں۔"ایمنسٹی انٹرنیشنل" نے واضح طور پر بتایا کہ یہ تباہی

دانستہ کی گئی ہے اور جس طریقہ اور حالات میں یہ کارروائیاں کی گئی ہیں ان سے حقائق کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ اسے فوجی ضرورت کی بنیادوں پر مبنی برانصاف قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس بناء پر جھٹلایا جاسکتا ہے۔اسرائیل ان حملوں کے جواز کیلئے حماس کے راکٹ حملوں کی آڑ لیتا رہتا ہے' مگر فلسطینی عسکریت پسندوں کی جانب سے داغے جانے والے راکٹوں سے شاذونادر ہی جانی نقصان ہوتا ہے' ہاں خوف اور تشویش کی لہر پھیل جاتی ہے۔البتہ راکٹ حملے بین الاقوامی قانون کے تحت غیرقانونی ہیں۔ایمنسٹی نے یہ بھی کہا کہ حماس یا دیگر مسلح گروپوں کی جانب سے شہریوں یا بچوں کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملا' لیکن متعدد واقعات میں اسرائیلی سپاہیوں نے فلسطینی شہریوں اور بچوں کا انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔اسرائیلی فوج نے اپنی زندگیوں کو لاحق خطرات کے مدنظر بچوں اور شہریوں کو گھر پر رہنے پر مجبور کیا تاکہ وہ فوجی ٹھکانوں کے طور پر ان کے گھروں کا یا گھروں کے قریب مقامات کا استعمال کرسکیں۔

کہا جاتا ہے کہ "تخریب لمحوں کا کام ہے جبکہ تعمیر کیلئے کئی برس درکار ہوتے ہیں۔" برسوں کے آباد شہر کو جس طرح تباہی سے دوچار کیا گیا' اب یہ آباد بھی برسوں کے بعد ہوگا۔اسرائیلی فوج نے وائٹ فاسفورس' کیمیائی اور حیاتیاتی اسلحے کا استعمال بے دریغانہ کیا۔ہر خشک و تر چیز کو تباہ کیا گیا۔82 مساجد' 66 سے زائد سکولوں' 200 سے زائد پولیس ہیڈکوارٹرز اور 500 کے قریب سرکاری اور حکومتی عمارات کو تباہ کیا گیا۔تباہ ہونے والی عمارات اور غیرسرکاری مکانات کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے۔عمارات تو الگ رہیں' فلسطینیوں کے قبرستانوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔

غزہ کو کھنڈر بنادینے کے بعد اس کی تعمیرنو کیلئے لگائے جانے والے تخمینوں میں بتایا گیا ہے کہ تعمیراتی لاگت کم از کم اڑھائی ارب ڈالر آئے گی' جبکہ اقوام متحدہ کے اندازوں کے مطابق تعمیرنو پر چار ارب ڈالر کے اخراجات ہوں گے۔غزہ کی تعمیرنو کیلئے عرب ممالک یا دیگر اداروں کی جانب سے بھرپور اعانت کی ضرورت ہے جو تا حال دیکھنے میں نہیں آئی۔سعودی عرب' کویت' قطر' یمن اور مصر کی جانب سے غزہ کی تعمیرنو کیلئے تقریباً پچاس کروڑ ڈالر کی امداد دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔

مصر میں ہونے والی عالمی کانفرنس میں 75 ڈونرز ممالک نے 5 ارب ڈالر کی مدد دینے کا بھی اعلان کیا' لیکن امداد کیلئے جاری کئے جانے والے فنڈز زبانی کلامی یا دعووں اور بیانات کی صورت میں ہیں۔پھر کیا ان سے عملی تعمیراتی کام ہوسکیں گے' تا حال اس کا تعین نہیں ہوسکا۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ فلسطین کو تباہ کرنے والے اور اسرائیل کو اسلحہ دینے والے ممالک کون ہیں۔امریکہ اور مغربی ممالک' فلسطین کو تباہی کے غار میں دھکیلنے کے بعد اس کی تعمیرنو کیلئے امداد کے اعلانات کررہے ہیں۔یہ دوہری منافقت اور چالیں ہیں' پہلے زخم لگائے گئے اور پھر سینے

کی تیاریاں۔تعمیر نو کا کام انتہائی سست روی سے جاری ہے' اگر اسی طرح جاری رہا تو نہ جانے کتنے برسوں میں مکمل ہوگا۔غزہ کی تعمیر نو میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں، جن میں بڑی رکاوٹ خود اسرائیل ہے۔اس کا ہٹ دھرمی پر مبنی رویہ' غزہ اور فلسطین کے مقبوضہ علاقے جن پر اسرائیل کا ناجائز وجود قائم ہے' اس کے درمیان آٹھ دروازے ہیں جنہیں غزہ کی راہداریاں کہا جاتا ہے۔ ان راستوں پر اسرائیل پوری طرح قابض ہے' یہاں سے کچھ بھی بھیجا جائے تو اسرائیل سے پرمٹ لینا پڑتا ہے۔

تعمیر نو کیلئے امدادی سامان تو کجا' غزہ کے باسیوں کیلئے خوراک اور اشیائے خورونوش تک پہنچنے نہیں دیئے جارہے اور پہنچنے بھی دیئے جائیں کیوں' اس لئے کہ اسرائیل نے انہی غزہ کے باشندوں کی ہلاکت کیلئے تو غزہ کو برباد کیا اور اب وہ ان کو زندہ رکھنے کے ذرائع کیوں کر پہنچنے دے۔غزہ کے زمینی' سمندری راستوں پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ایسے میں غزہ کی آبادکاری اور تعمیر نو کیسے ممکن ہے۔غزہ کا تیسرا راستہ اور غزہ کے درمیان فتح راہداری ہے' مگر اس پر مصر کی مرضی چلتی ہے۔جب دل چاہا اس راستے کو کھول دیا' جب جی چاہا بند کردیا۔ایسے میں غزہ کے باشندے مصر سے اشیائے خورونوش سرنگوں کے ذریعے منتقل کرتے ہیں' مگر ان کے اس زندگی کے بوجھ ڈھونے کو بھی اسلحہ کی سمگلنگ کا کہہ کر بند کرنے کی کوششیں کی گئیں۔غزہ کی تعمیر نو کرے گا کون؟ غزہ کے باسی ہی، کسی گھر کے مکین ہی اس کی دیکھ بھال' تعمیر اور آرائش کرسکتے ہیں' کسی اور سے یہ توقع عبث ہے۔جب غزہ کے باسیوں کا ناطقہ بری طرح بند کردیا گیا ہو انہیں کہیں آنے جانے کی اجازت نہ ہو تو تعمیر نو کیسی اور آبادکاری کیسی؟ تعمیر نو کیلئے بھی غزہ کو یورپ کا محتاج اور دست نگر بنایا جارہا ہے۔عالمی برادری کی خواہش ہے کہ شہر کی تعمیر نو ان کی شرائط اور مرضی کے مطابق ہو۔اس میں سب سے اہم شرط ان کی یہ ہے کہ غزہ پر سے حماس کا تسلط ختم کیا جائے۔حالانکہ حماس تو غزہ کے باسیوں کی زندگی کے مقصد کا نمائندہ اور ترجمان جماعت ہے۔وہ غزہ کے باشندوں کی حقیقی آزادی کی متمنی ہے۔یہ غزہ کے باسیوں کے دلوں کی آواز سے بھرپور ہے۔حماس غزہ پر حکومت کرے' یورپ اور اسرائیل کو کسی طور پر یہ گوارا نہیں۔وہ حماس کی حکومت کو خطرناک اسلحہ یا جدید ترین ہتھیاروں سے تو نہ مار سکے' مگر الٹی ٹیڑھی چالوں کے ذریعے ضرور نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔انہوں نے حماس کی حکومت کے خاتمے کیلئے یہ جواز پیش کیا ہے کہ حماس کی حکومت کے ہوتے ہوئے عالمی معمار وہاں غیر محفوظ ہوں گے۔حماس ان کیلئے خطرے کا باعث ہے۔حماس اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرلے اور حکومت سے دستبردار ہوجائے تو غزہ کی تعمیر نو کیلئے اجازت دی جائے گی۔تعمیر نو میں ایک طرف تو یورپ' دوسری طرف الفتح حائل ہے۔الفتح غزہ کی امداد کیلئے

پہنچائے گئے سامان اور فنڈز پر اپنا حق سمجھتی ہے' کیونکہ عالمی برادری کے اکثر ممالک حماس کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ایسے میں وہ غزہ کی تعمیر نو آبادکاری کی سرگرمیوں کی بحالی کیلئے الفتح کو فنڈز سے نوازتے ہیں۔ڈونرز کانفرنسوں یا دیگر عالمی کانفرنسوں میں بھی الفتح ہی شرکت کرتی ہے۔حماس کو تو یورپ دہشت گرد تنظیم گردانتا ہے اور تمام مسائل کی جڑ سمجھتا ہے۔حماس کو عالمی کانفرنسوں میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی اور نہ ہی فلسطین کے مسئلے کے حل کیلئے حماس کو بطور فریق تسلیم کیا جاتا ہے۔حالانکہ مسئلہ فلسطین کا حل اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک الفتح کے ساتھ ساتھ حماس کو بھی مذاکرات میں شامل نہیں کیا جاتا۔اب غزہ کی آبادکاری کیلئے الفتح کو نوازنے کا مطلب ہے کہ رقم کا صحیح مصرف نہ ہونا' کیونکہ الفتح کب چاہے گی کہ غزہ جہاں پر حماس کی حکومت ہے وہ آباد ہو۔مغربی کنارے پر قابض الفتح غزہ پر بھی حکمرانی کی خواہاں ہے۔اسے اسرائیل اور امریکہ کی پوری حمایت حاصل ہے۔ذرائع کے مطابق الفتح کے صدر اسلام فیاض کی حکومت نے غزہ کیلئے مغربی کنارے کے شہریوں کی جانب سے دیئے گئے عطیات میں سولہ ملین ڈالر کی کرپشن کی۔باہر سے ملنے والی رقم کا بھی کوئی ریکارڈ نہیں۔غزہ کی حکومت نے کہا ہے کہ حماس والے امداد کے حصول کیلئے نہیں بلکہ دیانتدار لوگوں سے کام کے خواہاں ہیں۔حماس کے ترجمان سامی ابوزہری کا کہنا ہے کہ فلسطینی عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسرائیلی محاصرے کا مقابلہ کریں' غزہ کی تعمیر نو کے سلسلے میں کوئی سودے بازی نہیں ہوگی۔حماس کے ترجمان نے اس رائے کا اظہار اقوام متحدہ کے صدر دفتر کے باہر ایک دھرنے کے دوران کیا' جس میں بچوں نے شرکت کی۔احتجاج میں راہداریاں کھولنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ابوزہری نے عرب حکومتوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور محاصرہ ختم کرنے کیلئے اپنا کردار ادا کریں۔انہوں نے کہا کہ اگر عرب دنیا متفقہ طور پر فیصلہ کرے تو محاصرہ ختم ہوسکتا ہے۔محاصرے کا مقصد یہ ہے کہ فلسطینیوں کو کمزور کردیا جائے۔

غزہ میں تعمیر نو کا حق حماس کو حاصل ہے نہ کہ الفتح کو۔اس لئے الفتح کو امداد کس خوشی میں دی جارہی ہے؟ الفتح کی بدعنوانیوں نے ثابت کردیا ہے کہ تعمیر نو کیلئے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ عرب لیگ کے سربراہ عمرو موسیٰ بھی تعمیر نو کے حوالے سے فتح کو ذمہ دار بنانے پر اپنے تحفظات کا اظہار کرچکے ہیں۔غزہ کی تعمیر نو کے حوالے سے مسلمان ملکوں کو جس طرح متحرک ہونے کی ضرورت ہے' ابھی تک وہ جذبہ دیکھنے میں نہیں آرہا۔جس سے غزہ کے باشندوں کے مصائب میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔اسرائیل تو غزہ کی تباہی کیلئے بھی ذمہ دار حماس کو ٹھہراتا ہے' مگر سچ کو چھپایا نہیں جاسکتا۔اب برطانیہ نے اسرائیل کو انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا مجرم ٹھہرایا

ہے اور اسے اسلحہ کی فراہمی روک دی ہے۔ اسرائیل کو ساز و سامان فراہم کرنے کے پانچ ٹھیکے بھی منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔ غزہ پر 22 روزہ جارحیت میں برطانوی اسلحہ نے بھی اسرائیلی فوج کا ساتھ دیا تھا' جو برطانیہ کی جانب سے ہی فراہم کیا گیا تھا۔

برطانیہ کبھی بھی اسرائیل پر تنقید نہ کرتا اور پابندیاں عائد نہ کرتا' اگر ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' کی رپورٹ میں اسے شدید تنقید کا نشانہ نہ بنایا جاتا۔ رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ اس کا فراہم کردہ اسلحہ غیر قانونی طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

غزہ پر تعمیر نو کیلئے مختلف کانفرنسوں میں امداد کا اعلان صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہوسکتا ہے اگر غزہ کے باشندوں کی حقیقی امداد کی جائے۔ وہاں کے اداروں کو دوبارہ تعمیر کیا جائے تاکہ وہاں تمام سرگرمیاں اسی طرح سے جاری و ساری ہوں، جس طرح 22 روزہ جارحیت سے قبل تھیں۔ غزہ کے باشندوں کو سکھ چین تو اس 22 روزہ اسرائیلی جارحیت سے قبل بھی نہ تھا' مگر اسرائیلی حملوں نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ غزہ کی تعمیر نو اور بحالی عرب دنیا اور مسلم ممالک کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ اس پر حقیقی توجہ کی ضرورت ہے اور وہ بھی بروقت' ورنہ غزہ کی تعمیر و بحالی کبھی ممکن نہ ہو سکے گی۔

❖♦❖

کسی بھی تحریک کی کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ اس تحریک کے مقاصد پر کاربند افراد میں اتحاد و اتفاق ہو۔ ان کی جدوجہد کا حاصل اگر ایک ہے تو وہ باہمی اختلافات کے بجائے اتحاد و یگانگت کی مثال ہوں۔ بیرونی محاذ پر مقابلہ کرنے کیلئے اندرونی طور پر مضبوط ہونا ضروری ہے' مضبوطی آپسی اتحاد اور بھائی چارے سے آتی ہے نہ کہ نفاق اور اختلافات سے۔ تحریک کے وہ تمام ارکان، جو ایک ہی مقصد کیلئے سرگرم ہوں' جب تک مل کر اپنے نصب العین کیلئے جدوجہد نہیں کریں گے اور قومی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اپنے حق کیلئے آواز نہیں اٹھائیں گے' اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو تحریک آزادی فلسطین کیلئے سرگرم گروپوں کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ سعودی عرب کی محترم قیادت کو اس امر کا اچھی طرح احساس ہے کہ آزادی فلسطین میں فلسطینی گروپوں کی آپسی مخاصمت آڑے آرہی ہے' اسی لئے انہوں نے فلسطینی گروہوں کو باہمی اختلافات بھلا کر مل بیٹھنے کی تلقین کی ہے۔

خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے فلسطینی صدر محمود عباس اور فتح کی چھٹی کانگرس کے مندوبین کے نام ایک خط تحریر کیا ہے' جس میں انہوں نے فلسطینیوں کی صفوں میں اتحاد کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ فلسطینیوں کی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے ضروری

ہے کہ فلسطینیوں کے درمیان تقسیم کو جلد از جلد ختم کیا جائے۔ فلسطینیوں کے منقسم ہونے سے فلسطینی قوم کی آزادی میں رکاوٹ آرہی ہے۔ اس طرح آزاد فلسطینی ریاست کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ سعودی فرماں روا نے فلسطینیوں پر زور دیا کہ وہ باہمی خانہ جنگی کو ختم کریں۔ انہوں نے فلسطین میں بھائیوں کے درمیان ہونے والی جھڑپوں کو انتہائی افسوسناک قرار دیا اور کہا کہ یہ صورتحال اللہ کی ناراضگی کا موجب بن سکتی ہے۔ ساری دنیا بھی فلسطینی ریاست کے قیام پر متفق ہو جائے' تب بھی جب تک فلسطینیوں کے درمیان تقسیم رہے گی' اس وقت تک یہ ریاست معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ فلسطینیوں کے نام کھلے خط میں خادم الحرمین الشریفین نے ایک مرتبہ پھر باہمی اختلافات کے خاتمہ کی ضرورت پر زور دیا۔ شاہ عبداللہ نے اس خط میں لکھا ہے کہ ''ظالم اور جابر دشمن نے مسلسل کئی سال سے جاری جارحیت کے دوران فلسطینی نصب العین کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا تھا، جتنا فلسطینیوں نے خود گزشتہ چند ماہ کے دوران اس کاز کو نقصان پہنچایا ہے۔ مقدس سرزمین کی جانب سے بھیجا جانے والا یہ خط صرف میرے ہی جذبات و احساسات کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ یہ پوری دنیا کے ایک ارب سے زیادہ عربوں اور مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا آئینہ دار ہے' جو مسئلہ فلسطین کو سب سے بڑا مسئلہ سمجھتے ہیں۔''

سعودی قیادت آج کل مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے کوشاں ہے۔ امن کیلئے امریکہ کی پیش کردہ شرائط کو ماننے سے سعودی حکمرانوں نے صاف انکار کر دیا ہے۔ سعودی عرب کی اس صاف گوئی کا امریکہ نے سخت برا منایا ہے' یہ اور بات ہے کہ امن کیلئے پیش پیش ہلیری کلنٹن نے اسے معمول کا واقعہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ امن کے مختلف ادوار میں ایسی کئی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امریکہ امن کیلئے اپنی شرائط اور اسرائیل کے تحفظات سرفہرست رکھتا ہے' مگر اسے فلسطینیوں کے تحفظات کی ضمانت دینے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جس کا مظاہرہ حال ہی میں یہودی بستیوں کی تعمیر کے حوالے سے سامنے آیا' جس میں امریکہ نے عرب دنیا کو یقین دلا دیا تھا کہ اسرائیل یہودی بستیوں کو مزید وسعت نہیں دے گا اور نو آبادکاری کے عمل کو روک دیا جائے گا۔ اسرائیل نے تو کیا یہودی بستیوں کی تعمیر روکنا تھی، اس نے امریکہ کو ہی اس مسئلے پر لب کشائی سے روک دیا۔ اب اگر امریکہ نے چپ سادھ لی ہے اور اسرائیل کے آگے ہار مان لی ہے' یا اندر خانے اسرائیل کے ساتھ ساز باز کر رکھی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم دنیا بھی اسرائیل کی زیادتیوں اور ناجائز اقدامات کے خلاف آواز بلند نہ کرے۔ اسی حق کو لے کر سعودی قیادت نے اپنے مؤقف کو دہرایا ہے اور اس پر پوری طرح ڈٹ گئی ہے کہ جب تک اسرائیل یہودی بستیوں کی تعمیر و توسیع نہیں روکتا اور فلسطینیوں کو ان کے گھروں میں آباد نہیں کرتا' تب تک اسرائیل سے

مذاکرات نہیں کئے جائیں گے۔ یہودی بستیوں کی مزید آبادکاری اور فلسطینی باشندوں کو مقبوضہ علاقوں میں ان کے گھروں سے نکال باہر کرنا مذاکرات کی بحالی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔''

فتح اور حماس کے اختلافات کو لے کر سعودی قیادت نے جس تشویش و اضطراب کا اظہار کیا ہے' اس پر تمام عرب دنیا ہی نہیں بلکہ پوری مسلم دنیا متفکر ہے۔ الفتح کو فلسطینی اتھارٹی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور حماس کے مضبوط سیاسی قوت کے طور پر ابھرنے سے قبل فتح کو بلا شرکت غیرے فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم سمجھا جاتا تھا۔

لیکن 2006ء کے پارلیمانی انتخابات میں جب اسے حماس کے ہاتھوں مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ میں شکست سے دوچار ہونا پڑا تو واضح ہو گیا کہ اب فتح کی واحد فلسطینی جماعت کی حیثیت برقرار نہیں رہی' اب حماس کو فتح کے مقابلے میں زیادہ مؤثر جماعت گردانا جانے لگا ہے۔ حماس کو یورپی ممالک نے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی ہے' مگر مذاکرات کی ناکامی نے ان پر واضح کر دیا ہے کہ حماس سے معاملہ طے کئے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ گزشتہ دنوں اس خبر کا انکشاف ہوا تھا کہ امریکہ حماس سے مذاکرات کا خواہاں ہے۔ مؤثر حلقوں کے مطابق تو یہ تک بتایا گیا تھا کہ حماس سے امریکہ کے مذاکرات چل بھی رہے ہیں۔ اب برطانوی پارلیمانی کمیٹی نے بھی حماس سے مذاکرات کی سفارش کی ہے۔ قانون سازوں نے برطانوی حکومت سے کہا ہے کہ فلسطینی گروپ حماس سے کوئی معاملہ نہ رکھنے کی مغرب کی پالیسی کامیاب نہیں ہو رہی۔ اس لئے حماس کے ساتھ سیاسی راہ و رسم رکھی جائے' برطانیہ اور دیگر ممالک غزہ پٹی کی حکمرانی حماس کے ساتھ رابطہ رکھنا پسند نہیں کرتے' کیونکہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ حالانکہ حقائق و شواہد کی روشنی میں دیکھا جائے تو حماس ہی کیا مسلم برادری اور متعدد عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ امریکہ اور یورپ کا پرچار اسرائیل کو مجبوراً تسلیم کرنے پر مجبور تو کرتا ہے' مگر اس لئے کہ امریکہ نے اسرائیل کو اس قدر شہ دے رکھی ہے کہ عین عرب ممالک کے وسط میں ایک ناجائز ریاست کو ایٹمی طاقت بنا دیا ہے۔ اسرائیل کے مظالم اور جارحیت نے فلسطینیوں پر وہ قہر ڈھا رکھا ہے کہ عرب دنیا نہ چاہتے ہوئے بھی اسرائیل سے مذاکرات پر مجبور ہے تاکہ امن کا کوئی راستہ نکل آئے۔

یورپ حماس کے بجائے الفتح کی سرپرستی کرتا ہے' الفتح کو مغرب کی پشت پناہی حاصل ہے۔ حماس فلسطینیوں کے بنیادی حقوق کو بہت زیادہ فوقیت دیتی ہے اور اس پر کسی قسم کی سودے بازی یا سمجھوتے کیلئے تیار نہیں۔ حماس کا یہی جرأت مندانہ مؤقف مغرب اور اسرائیل کو کھٹکتا ہے

اور وہ الفتح کو تو مذاکرات میں پیش پیش رکھتے ہیں لیکن حماس کا نام لینے سے بھی گریزاں ہیں' مگر اب مغرب کی یہ پالیسی بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ امن کی ثالثی کرنے والے چار فریقوں روس' امریکہ' اقوام متحدہ اور یورپی یونین میں سے صرف روس ہی حماس سے بات کرتا ہے' لیکن اب یورپ نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ بات نہ کرنے سے ثالثوں کا مقصد حاصل نہیں ہو پا رہا۔ حماس سے تعاون کے بغیر امن کے عمل کو آگے بڑھانا ممکن نہیں۔ برطانوی پارلیمانی کمیٹی نے یورپی یونین سے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ وہ اسرائیل سے اپنے تعلقات کو امن کی کوششوں سے مشروط کر دے۔ پارلیمانی کمیٹی نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ حماس سے مذاکرات کا آغاز کر دے۔ کمیٹی نے اس امر پر افسوس بھی ظاہر کیا ہے کہ برطانیہ کا فراہم کردہ اسلحہ غزہ پر اسرائیلی حملے میں استعمال ہوا ہے۔ کمیٹی کے چیئرمین نے یہ بھی کہا کہ غزہ کو امدادی سامان کی فراہمی میں رکاوٹ ناقابل قبول ہے۔ رپورٹ میں حماس کے راکٹ حملوں پر تنقید تو کی گئی بلکہ بنیادی وجہ یہی قرار دی گئی کہ اسرائیل کی غزہ میں کارروائی غیر مناسب تھی۔ برطانوی کمیٹی کی اس رپورٹ میں بھی حماس اور فلسطینی انتظامیہ کے درمیان اختلافات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ کمیٹی نے کہا کہ حماس اور فلسطینی انتظامیہ کے اختلافات ایک متحدہ اور جمہوری فلسطینی ریاست کے قیام کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ رپورٹ کے مطابق حماس کو تنہا کر دینے کی پالیسی کامیاب نہیں ہوگی۔ حماس کے تعاون کے بغیر مذاکراتی عمل قابل اعتماد نہیں ہے۔ پارلیمانی کمیٹی نے 4 رکنی بین الاقوامی کمیٹی کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا کہ وہ ابھی تک حماس کیلئے ایسے محرکات پیش نہیں کر سکی کہ جس کے ذریعہ حماس عالمی کمیٹی کے ساتھ تعاون پر تیار ہو سکے۔ بعض یورپی ممالک نے حماس کی قیادت سے رابطے بھی کئے ہیں۔ حال ہی میں سوئٹزرلینڈ کے سرکاری عہدیداروں نے ڈاکٹر محمود الزہار کی قیادت میں حماس کے وفد سے ملاقات کی' جبکہ حماس اور روس کے مابین بھی رابطوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اسرائیلی سے ڈرے ہوئے امریکہ نے بھی جمی کارٹر کو حماس سے مذاکرات کیلئے آگے کیا تھا۔ برطانوی خارجہ پالیسی حماس سے مذاکرات کیلئے تیار نہیں مگر پارلیمانی کمیٹی کی سفارش سے حکومتی پالیسی میں تبدیلی کی توقع کی جا رہی ہے۔ فتح تحریک کی گزشتہ دنوں چھٹی کانفرنس منعقد ہوئی۔ عرب رہنماؤں نے کوشش کی کہ غزہ میں مقیم فتح تحریک کے ارکان کانفرنس میں شرکت کریں۔ ان ارکان کو سفر کی اجازت دینے کیلئے حماس تحریک کی حکومت نے رملا میں موجود فلسطینی اتھارٹی کے رہنماؤں کے سامنے شرط رکھی تھی کہ اتھارٹی نے اپنی جیلوں میں حماس تحریک کے جن ارکان کو بند کر رکھا ہے ان کو آزاد کیا جائے۔ حماس کی یہ شرط درست و برحق ہے' کیونکہ ان گرفتار شدگان پر کوئی الزام بھی نہیں نہ ہے ان کے خلاف کوئی چارج شیٹ ہے' صرف ان کو مجرمانہ کارروائیوں کا مرتکب قرار دیا

گیا۔ وہ مجرمانہ کارروائیاں ہیں کیا؟ آزادی کی کوشش جنہیں مغرب کی ہر دلعزیز الفتح یا یورپ مجرمانہ سرگرمیوں پر محمول کرتا ہے۔ اب تک حماس کے ان ارکان کو کسی عدالت میں بھی پیش نہیں کیا گیا اور یورپ کو خوش کرنے کیلئے الفتح نے انہیں قید کر رکھا ہے۔

حماس نے مغربی کنارہ میں حماس کے حامیوں کی رہائی تک مذاکرات کا بائیکاٹ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ دونوں گروپوں کے ایک دوسرے پر سیاسی گرفتاریوں کے الزامات عائد کرنے سے مصر کی ثالثی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ مصر نے بار بار دونوں گروپوں میں ثالثی کی کوشش کی ہے مگر اس میں دونوں فریقوں کے عدم تعاون پر مبنی رویے کی وجہ سے مصر کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مصالحت کاروں کو امید ہے کہ جنوری میں پارلیمانی اور صدارتی انتخاب سے قبل دونوں گروپ اقتدار میں شراکت کیلئے بعض شرائط پر متفق ہو جائیں گے۔ حماس کا مؤقف ہے کہ اگر حماس کے کارکنوں کی سیاسی گرفتاریاں اسی طرح جاری رہیں تو ان کی تنظیم جنوری کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دے گی۔ کشیدگی اس وقت بڑھ گئی، جب گزشتہ ہفتے حماس نے فتح کے ارکان کو مغربی کنارہ جانے سے روک دیا۔ یہ ارکان گزشتہ 20 برسوں میں فتح کی پہلی مرتبہ کانگریس کے انعقاد پر حصہ لینے کیلئے مغربی کنارے جانے کا منصوبہ رکھتے تھے۔ فتح کا کہنا ہے کہ غزہ کا کنٹرول حاصل کرنے کے بعد سے حماس نے اس کے 300 حامیوں کو پکڑ لیا ہے۔ دوسری جانب حماس کا کہنا ہے کہ مغربی کنارہ میں فتح کی سکیورٹی فورسز نے اس کے ایک ہزار سے زائد ارکان کو بلا جواز گرفتار کر رکھا ہے۔ فتح کے عہدیداروں نے الزام لگایا ہے کہ حماس کی سکیورٹی فوج نے فتح کے قانون سازوں اور کارکنوں کے پاسپورٹ ضبط کر لئے ہیں تاکہ انہیں مغربی کنارہ میں منعقدہ پارٹی کے اجلاس میں شرکت سے روکا جا سکے۔ دونوں گروپوں میں 2006ء میں شدید اختلافات ہوئے جب حماس نے پارلیمانی انتخابات میں کامیابی حاصل کر لی اور اسرائیل کے ساتھ خوشامدانہ رویے میں عباس کی بات چیت کی مخالفت کی۔

اگر دونوں فریقوں میں اتحاد نہیں ہو پاتا تو دونوں کی مصالحت سے نئی حکومت تشکیل دینے کا منصوبہ ناکامی سے دوچار ہو سکتا ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس مغربی کنارہ میں ایک وسیع تر حکومت تشکیل دینے کے خواہاں ہیں۔ اگر اسے فلسطینی قانون ساز کونسل (پی ایل سی) کی منظوری حاصل نہ ہوئی تو یہ حکومت غیر قانونی ہوگی۔ پی ایل سی (فلسطین لبریشن کونسل) میں حماس کو غالب اکثریت حاصل ہے۔ حماس اور الفتح کے آپسی اختلافات تحریک آزادی فلسطین کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں فریق وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے آپس کے تنازعات کو نبٹائیں اور امن کے راستے کیلئے آپس میں امن کو فروغ دیں۔ فلسطینی تنظیموں کا

امن اور اتحاد فلسطینیوں کیلئے باعث نجات اور دشمنوں کیلئے باعث قیامت ہوگا۔ متحارب فلسطینی گروپوں کے درمیان قومی حکومت کی تشکیل کیلئے حائل رکاوٹیں ابھی تک دور نہیں ہو سکیں۔ حماس نے 3 سال قبل ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں اکثریت حاصل کی تھی اور 2007ء میں حماس اور فتح کے درمیان مختصر مدت کیلئے قومی اتحاد کی حکومت تشکیل بھی پائی تھی' لیکن اس حکومت کو صدر محمود عباس نے ختم کر دیا تھا۔ صدر محمود عباس یورپ کی زبان بولتے ہوئے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مغرب اور اسرائیل کبھی فلسطینیوں کا بھلا نہیں چاہتے۔ وہ تحریک آزادی فلسطین کو زک پہنچانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ دونوں گروپوں کو چاہئے کہ خود کو اتنا مضبوط کر لیں کہ مغرب اس سازش میں کامیاب نہ ہو۔ حماس کے مطالبات جائز اور مؤقف درست ہے۔ وہ عرب امن فارمولے کا حامی ہے جو 1967ء کی سرحدوں پر واپسی' مہاجرین کی آبادکاری اور بیت المقدس پر حق چاہتا ہے۔ یہ جائز حقوق ہیں' الفتح کو بھی انہی خطوط پر چلتے ہوئے حماس کی آواز میں آواز ملانی چاہئے تاکہ تحریک آزادی فلسطین مضبوط و مستحکم ہو سکے اور دشمنوں کے دل میں دونوں جماعتوں کا اتحاد لرزہ خیز کیفیت پیدا کر سکے۔ دونوں کا اتحاد تحریک آزادی فلسطین کے قیام میں حائل رکاوٹوں کو دور کر سکتا ہے۔

❖♦❖

امریکہ آج کل مشرق وسطیٰ میں امن مساعی کیلئے برسرپیکار ہے' مگر امن کے قیام کیلئے اس کی تمام تر کوششوں کا زور آ کر عرب ممالک پر ہی ٹوٹتا ہے۔ وہ دانستہ اس حقیقت سے آنکھیں چرا رہا ہے کہ امن کے قیام کیلئے سب سے اہم فریق بذات خود اسرائیل ہے۔ جب تک اسرائیل اپنی ہٹ دھرمی اور جارحانہ رویہ ترک نہیں کرے گا، مشرق وسطیٰ میں امن کا قیام تو دور کی بات' اس کے متعلق سوچنا بھی فضول ہے۔

اسرائیل کا حمایتی امریکہ مسئلہ فلسطین کو اپنی اور اسرائیل کی مرضی پر سلجھانے کیلئے عرب ممالک کو اپنے ایجنڈے پر راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عرب ممالک کو اپنی چرب زبانی سے اس جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے جو کہ فلسطین کی آزادی کے بجائے اس کی غلامی کی طرف جاتا ہے۔ اس ایجنڈے میں فلسطین کی آزادی و خود مختاری کی مکمل نفی پائی جاتی ہے۔ امریکہ کا یہ امن فارمولا فلسطینیوں کی نجات نہیں بلکہ ان کی آزادی سلب کرنے اور ان کے حقوق غصب کرنے کے منصوبے کو مزید تقویت دیتا ہے۔

کبھی روڈ میپ تو کبھی پیس پلان (Peace Plan)' امریکہ و اسرائیل کا ہر ایجنڈا فلسطینیوں کو اسرائیلیوں کے زیر نگیں کرنے کیلئے ہے۔ امریکہ کی یہ سازش اس وقت تک کامیاب

نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ عرب ممالک بالخصوص عرب ممالک کی قیادت کے اہم اور بنیادی ستون سعودی عرب کو اپنی شرائط پرآمادہ نہ کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی فارمولے یا پلان کو لے کر اس کی پہلی کوشش یہی رہی ہے کہ سعودی عب کو اس پر قائل کیا جائے۔ اگر وہ سعودی عرب کو اپنے پھندے میں الجھانے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو باقی عرب ممالک مسئلہ نہیں رہیں گے۔ کیونکہ دیگر عرب ممالک یا مسلم دنیا مقدس سعودی عرب کی قیادت کے فیصلوں پر سر جھکانے میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتی۔

امریکہ عرب دنیا کو یہ باور کرانے کی کوششوں میں مصروف ہے کہ وہ امن کیلئے بہت سنجیدہ ہے۔ اس سلسلے میں امن کیلئے اسرائیل کی طرف سے بیانات کا فریضہ بھی امریکہ خود انجام دے رہا ہے۔

امریکہ کا کہنا ہے کہ اسرائیل قیام امن اور مصالحت کا خواہشمند ہے۔ امریکہ کے اس موقف کو کیسے سچ مانا جاسکتا ہے جبکہ اسرائیل فلسطینی گھروں کو منہدم کرنے میں مصروف ہے' فلسطینیوں کی ہلاکت اور گھروں سے بے دخلی کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری ہے۔ فلسطینیوں کی سرزمین پر مزید گھروں کی تعمیر بھی وہ پوری دنیا کے شور مچانے کے باوجود ڈھٹائی سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ غاصب ملک کے غاصبانہ اعمال کو امریکہ کی گفتگو سے مصالحانہ رویہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

مصالحت کی کوششوں میں سرگرم امریکہ عرب ممالک پر دانہ پھینکنے کی مہم میں سب سے پہلے سعودی عرب کو گھیرنے میں مصروف ہے۔ ہلیری کلنٹن نے سعودی قیادت کو اپنی تجاویز منوانے کیلئے آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی' مگر سعودی وزیر خارجہ نے امریکہ کی تجاویز کو کلی طور پر مسترد کردیا۔ واشنگٹن مشترکہ نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل نے کہا کہ اسرائیل نے مذکورہ اہم مسائل سے توجہ ہٹا کر فلسطینی سرزمین پر یہودی نوآبادیات کے قیام پر مرکوز کر رکھی ہے۔ اسرائیل کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا وہ حقیقی امن کا خواہاں ہے' جو آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اگر وہ مخلص ہے یا پھر وہ موجودہ حالات کی برقراری کا خواہاں ہے' جس کے نتیجہ میں اس خطہ میں عدم استحکام اور تشدد کو ہوا ملے گی۔

سعود الفیصل نے مزید کہا کہ اس کے بدلہ میں اسرائیل عربوں کو کیا دے گا؟ پہلے تو اسرائیل سے کہا جانا چاہئے کہ وہ اس زمین کو عربوں کو واپس کردے جو کبھی اس کی تھی ہی نہیں۔ سعودی وزیر خارجہ کا لہجہ سخت اور موقف اصولی تھا' انہوں نے صاف صاف لفظوں میں اسرائیل پر الزام عائد کیا کہ وہ امن کیلئے سنجیدہ نہیں ہے۔ عارضی سکیورٹی اور اعتماد سازی کے اقدامات سے بھی امن

حاصل نہیں ہوسکتا' اس کیلئے جامع رسائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سے حتمی نتائج حاصل ہوتے ہیں اور مسائل کے حل کی بات چیت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

اوباما انتظامیہ کا دوغلا پن دیکھئے کہ وہ پہلے تو یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کیلئے عرب ممالک کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی' بیانات دیئے جارہے تھے' تقریریں کی جارہی تھیں مگر جب اسرائیل نے امریکہ کے کسی بھی مطالبے کو ماننے سے انکار کردیا بلکہ امریکہ کو تنبیہ کرتے اور یہودی بستیوں کی تعمیر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ امریکہ عرب ممالک کی خاطر اسرائیل سے تعلقات نہ بگاڑے۔ اسرائیل نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے امریکہ کو دھمکی بھی دی کہ اگر امریکہ نے اسرائیل کو دبانے کی کوشش کی یا عرب ممالک کی وجہ سے اسرائیل سے تعلقات خراب کئے تو اس کے نتائج امریکہ کیلئے اچھے نہیں ہوں گے۔

اسرائیل کے جارحانہ تیوروں نے امریکہ کو دبکنے پر مجبور کردیا۔ اس نے نہ صرف یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کے مطالبے پر زور دینا بند کردیا بلکہ اسرائیل پر عائد پابندیوں میں بھی نرمی کردی۔ ساتھ ساتھ وہ اس بات کیلئے بھی سرگرم ہوگیا کہ تمام عرب ممالک کو منایا جائے' وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کریں' مگر ہلیری کی اس سلسلے میں تمام تر کوششیں ناکامی پر منتج ہوئیں۔

سعودی قیادت کی جانب سے امریکی تجاویز کو مسترد کرنے کے بعد اردن نے بھی اسرائیل سے تعلقات بہتر بنانے کے امریکی مطالبے کو ماننے سے انکار کردیا۔ اردن کے وزیر خارجہ نصیر جودیہ نے واشنگٹن میں امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن سے ملاقات میں اسرائیل پر شدید تنقید کی اور اسرائیل سے تعلقات بہتر بنانے کے امریکی مطالبہ کو مسترد کردیا۔ ان کا کہنا تھا کہ علاقہ میں کشیدگی کم کرنے کیلئے عارضی اقدامات کے بجائے ٹھوس اقدامات اٹھانا ہوں گے۔ اسرائیل کو نئی یہودی بستیوں کی تعمیر روکنا ہوگی۔ امیر کویت نے امریکی صدر بارک اوباما سے ملاقات میں کہا کہ علاقہ میں قیام امن کیلئے اسرائیل کو مقبوضہ عرب علاقہ خالی کرنا ہوگا۔ کویت کے امیر شیخ صباح الصباح نے وائٹ ہاؤس میں امریکی صدر سے ملاقات میں کہا کہ عرب ریاستیں مشرق وسطی میں پائیدار امن چاہتی ہیں۔ آزاد فلسطینی مملکت کے قیام کیلئے اسرائیل کو فوری طور پر مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں یہودی بستیوں کی تعمیر روک دینی چاہئے۔

امریکہ عرب ممالک پر سفارتکار کے حربوں سے دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ اسرائیل کے ناجائز مطالبات کو بھی تسلیم کرلیں اور اسرائیل کو بھی۔ اسرائیلی ایئرلائنز کیلئے اپنی فضائی حدود کھول دیں۔ اسرائیلی موبائل فون استعمال کرنے والوں کو اپنے یہاں رومنگ اور اسرائیل کا دورہ کرنے والے

سیاحوں کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دیں۔ سعودی عرب کی حکومت اپنے اصولی مؤقف سے پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہیں' عرب رہنماؤں کا کہنا ہے کہ وہ دوبارہ قیمت چکانا نہیں چاہتے۔ سعودی عرب کی قیادت نے واضح الفاظ میں امریکہ کو بتا دیا ہے کہ وہ امریکی شرائط کو تسلیم نہیں کریں گے۔

سعودی عرب اور فلسطینی تنظیموں کا مؤقف ہے کہ 1967ء کی سرحدوں کی بنیاد پر آزاد فلسطینی مملکت کے قیام کی حمایت کی جاسکتی ہے۔ 1967ء کے تحت اسرائیل کو مقبوضہ علاقے خالی کرنا ہوں گے۔ بیت المقدس پر اپنا تصرف بھی چھوڑنا پڑے گا' کیونکہ مقبوضہ علاقوں کی حوالگی سے بیت المقدس بھی ان علاقوں میں آئے گا۔

اسرائیل عرب ممالک جنگ کے دوران جو یہودی پناہ گزین ہوئے ان کی دوبارہ واپس فلسطینی علاقوں میں آبادکاری بھی کرنا ہوگی اور مغربی کنارے کے مقبوضہ علاقوں کو بھی خالی کرنا ہوگا۔ وہ ریاستی فارمولا کے تحت آزاد و خودمختار فلسطین کا قیام عمل میں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل 1967ء کے معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ مشرقی بیت المقدس اور مغربی کنارے پر یہودی بستیاں بسانے کی وجہ سے اسرائیل پر عالمی سطح پر نکتہ چینی بھی ہوئی' مگر اسرائیل نے اس ناجائز مطالبے سے دستبردار ہونے کے بجائے ناجائز قبضوں کو درست ٹھہرانے کیلئے نیا حربہ تراش لیا۔ وزیر خارجہ لائبرمین نے اسرائیلی سفیروں سے کہا ہے کہ وہ 1941ء میں کھینچی گئی تصویر تقسیم کریں' جس میں نازی لیڈر بیت المقدس کے مرحوم مفتی حاجی امین الحسینی کے برابر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

لائبرمین نے یہ حکم اس لئے دیا کہ اس تصویر سے وہ ناقد ممالک کو اتنا شرمندہ کردیں کہ وہ مشرقی بیت المقدس کے عرب حصہ میں مفتی الحسینی کے کنبہ کی ملکیت والی زمین پر اسرائیل کا پراجیکٹ روکنے کا مطالبہ ترک کردیں۔ اسرائیل نے 1967ء میں مشرقی بیت المقدس کو فلسطینیوں سے چھین کر اپنے ملک میں شامل کرلیا تھا۔ اب وہ بیت المقدس پر اپنا دعویٰ کرتا ہے۔ اسے اپنا دارالحکومت بنانا چاہتا ہے مگر اس کے اس ناجائز قبضے کو عالمی برادری تسلیم نہیں کرتی۔ اس حرکت کو فلسطینی صدر محمود عباس نے بھی سیاسی دیوالیہ پن قرار دیا ہے۔ بیت المقدس کے گورنر عرفان الحسینی نے کہا کہ پرانی کہاوت ہے جو اس وقت کے حالات کی تصویر موجودہ دور پر لاگو نہیں ہوگی۔ اسرائیل نے یہ کہانی نئی تعمیرات پر نکتہ چینی اور اپنے مؤقف کو جائز ثابت کرنے کیلئے دی ہے۔ اسرائیل نے فلسطینیوں سے چھینی ہوئی زمین پر مکانات بنا کر 5 لاکھ یہودیوں کو وہاں بسا دیا ہے۔

اسرائیل نہ تو 1967ء کی سرحدوں پر واپس جانے کیلئے تیار ہے اور نہ ہی یہودیوں کی بے دخلی پر۔ امریکہ اور اسرائیل قریبی حلیف اور اتحادی ہیں۔ اسرائیلی منصوبوں کی حمایت کرنے والے امریکہ نے مختلف عرب ممالک سے سفارتی کوششیں تیز کررکھی ہیں۔ کبھی جارج میچل صدر بشارالاسد سے مل رہے ہیں تو کبھی ہلیری سعودی قیادت سے ملاقات کررہی ہیں' مگر ان تمام ملاقاتوں اور مذاکرات کے ادوار سے امریکہ اور اسرائیل خاطر خواہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ سعودی قیادت کے بے باکانہ لہجے اور جرأت مندانہ مؤقف نے دیگر عرب ممالک کو بھی اپنی رائے کا اظہار کرنے کا موقع فراہم کیا ہے اور مثال قائم کی ہے کہ اپنے حق کیلئے آواز اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ سعودی عرب کی پیروی کرنے میں اس دفعہ الفتح تحریک کے محمود عباس بھی پیچھے نہیں رہے۔ الفتح تحریک کی 20 سال بعد منعقدہ کانگرس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ فلسطینی اسرائیل کے ساتھ امن سے رہنا چاہتے ہیں' لیکن اس کے ساتھ اسرائیل کے خلاف ''مسلح جدوجہد'' کے راستے کو بھی برقرار رکھا جائے گا۔ مغرب کے حمایت یافتہ فلسطینی صدر محمود عباس کا لہجہ بھی اس دفعہ ترش تھا۔ محمود عباس نے اپنی پالیسی تقریر میں کہا کہ ''امن ہمارا انتخاب ہے' لیکن اس کے ساتھ عالمی قانون کے تحت ہم جائز مزاحمت کا حق بھی محفوظ رکھتے ہیں۔'' حکام نے بتایا کہ الفتح کے نئے لائحہ عمل میں یہودی بستیوں کی توسیع اور مغربی کنارہ کی حفاظتی دیوار کے خلاف سول نافرمانی جیسی مزاحمت کی نئی شکلوں پر زور دیا جائے گا۔ اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کے ناکام ہونے کی صورت میں مسلح جدوجہد کا متبادل کھلا رکھا گیا ہے اور مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں فلسطینی مملکت کے قیام کیلئے یکطرفہ اعلان کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا گیا۔ ادھر دوسری طرف اسرائیل پر عرب ممالک کے جائز مطالبات کا ذرا بھی اثر نہیں ہورہا۔ وہ اپنے ناجائز مؤقف کو اب بھی جائز قرار دے رہا ہے۔ اسرائیل کے وزیراعظم نیتن یاہو کا کہنا ہے کہ اسرائیل فلسطین کے ساتھ امن کا خواہاں ہے' لیکن وہ یہودی بستیوں کی تعمیر سے متعلق تنازعہ کی بات کو ٹال گئے۔ اب تک اسرائیل کے ساتھ دو عرب ممالک نے امن کا معاہدہ کررکھا ہے' سب سے پہلے مصر نے 1979ء میں اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کیا اور اس کے بعد 1994ء میں اردن نے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کیا' لیکن کسی بھی عرب ملک کی جانب سے امن معاہدہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اسرائیل کے ہر ناجائز مطالبے کو بلاچون و چرا تسلیم کرلیا جائے۔ ایک ناجائز مملکت اپنے وجود کو مختلف حوالوں سے جائز ثابت نہیں کرسکتی' جبکہ اس کا وجود ہی غاصبانہ قبضے کی علامت ہے جو کہ اس نے ارض فلسطین پر کررکھا ہے۔ اسرائیل کے حد سے بڑھے ہوئے ناروا رویے نے ہی یہ ممکن کیا ہے کہ اب عرب ممالک کے لہجے میں درشتگی

آتی جارہی ہے' کیونکہ انہیں سمجھ آچکی ہے کہ اسرائیل پیار ومحبت کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اسرائیل کے ظلم وستم کی داستانیں ہی ہیں کہ محمود عباس کے معاون نبیل ابودرینا نے فلسطین پر عرب ممالک کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔ نبیل ابودرینا نے کہا کہ فلسطین اسرائیل کے ساتھ دو ریاستوں کے نظریہ پر بات چیت کیلئے تیار ہے' بشرطیکہ وہ مشرقی بیت المقدس سمیت 1967ء میں قبضہ میں لئے گئے علاقے سے دستبردار ہوجائے۔ ابودرینا نے کہا کہ اگر اسرائیل' بستیوں کی تعمیر روکنے سمیت یہ تمام شرائط پوری کرتا ہے تو قیام امن کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں۔

امریکی انتظامیہ کا جانبدارانہ رویہ بھی مسئلہ فلسطین کے حل میں رکاوٹ ہے۔ دوفریقوں کے درمیان والی طاقت اگر جانبداری اور متعصبانہ رویے کا مظاہرہ کرے گی تو طاقت کا پلڑا ایک کے حق میں جائے گا' دوسرا فریق انصاف سے محروم رہے گا۔ امریکہ کے اسی دوغلے اور منافقانہ کردار کی وجہ سے ابھی تک اس نازک مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل پایا۔ عرب قیادت کے دلیرانہ اور حق گویانہ مؤقف نے واضح کردیا ہے کہ اب مسئلہ فلسطین کے بنیادی فریق عرب ممالک کو دبانے یا بہلا پھسلا کر منانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ عرب ممالک کو ہمیشہ سے امید رہی ہے کہ امریکہ کی انتظامیہ صاف ستھری ثالثی کا کردار ادا کرے گی' مگر امریکہ نے کبھی غیر جانبداری سے کام نہیں لیا۔ اسرائیل کو مشرق وسطی میں بڑی فوجی طاقت بنایا کس نے' وہ فضائی' سمندری قوت میں آگے اور جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ ہے۔ اس کے پاس 200 سے زائد ایٹم بم تیار پڑے ہیں۔ اسی طاقت کے بل بوتے پر وہ عربوں کے خلاف جنگ چھیڑتا رہتا ہے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ٹھکراتا رہتا ہے۔ اسرائیل' امریکہ اور یورپ میں سے ہر ایک کا اس مؤقف پر اتحاد ہے کہ ہر طرح کی مسلح مزاحمت روک دی جائے۔ فلسطینیوں کو مجبور ہوکر فلسطین چھوڑنے اور دیگر عرب خطوں میں آباد ہونے پر مجبور کردیا جائے۔

یہ کیسی امن بات چیت ہے کہ نہ فلسطینیوں کیلئے زمین ہوگی نہ اقتدار' نہ آزادی اور نہ انسانی حقوق۔ اس کے علاوہ نہ پناہ گزینوں کو اپنی سرزمین پر واپس آنے کا حق ہے نہ ان کا دارالحکومت القدس ہوسکتا ہے' تو پھر امریکہ کس منصوبے کو لے کر چل رہا ہے۔ اسرائیل کیلئے امن منصوبہ تاکہ اس کے اقدامات میں کوئی خلل نہ آئے۔ عرب ممالک خاموشی سے اسرائیل کی کارروائیوں کو دیکھتے رہیں اور احتجاج کرنا تو دور کی بات' لب کشائی بھی نہ کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعودی الفیصل نے ہلیری کلنٹن کو کھرا کھرا جواب دے دیا ہے۔ سعودی عرب کی تائید میں عرب ممالک نے بھی امریکہ کو ہری جھنڈی دکھادی ہے۔ سعودی عرب کے اصولی اور جائز مؤقف کی حمایت تمام مسلم برادری کرتی ہے۔ اگر اسی یکجائی کے ساتھ مسلمان

ممالک اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف صف آراء ہوجائیں تو یقیناً وہ اپنا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

❖♦❖

فلسطینی تنظیم الفتح اور مصر کی اسرائیل سے وابستگی پرانی بات ہے مگر اس کا خمیازہ فلسطینی قوم کو برسوں سے بھگتنا پڑرہا ہے اور نہ جانے کب تک فلسطینی تنظیمیں اور عوام اس دوستی کی بھینٹ چڑھتے رہیں گے۔ گزشتہ دنوں الفتح کے محمود عباس کی جانب سے کچھ بیانات سے گمان ہونے لگا تھا کہ شاید محمود عباس کو اپنی غلطیوں کو سدھارنے کا خیال آگیا ہے اور یہ احساس ہوگیا ہے کہ اسرائیل سے دوستی کرکے وہ فلسطین کیلئے کبھی بھی حقیقی آزادی حاصل نہیں کرسکتے۔ انہیں اسرائیل کی شرائط کو مان کر خود کو گروی اور اپنا سر ہر وقت ان کے سامنے سرنگوں رکھنا پڑے گا' مگر محمود عباس کے متعلق یہ توقع ایک خام خیال ہی نکلا۔ کیونکہ الفتح کے تازہ ترین اقدام اور جند انصار اللہ کی حماس کے خلاف بغاوت نے اس تجزیے کو سرے سے جھٹک دیا ہے کہ اسرائیل سے متعلق محمود عباس کے نظریات میں کچھ تبدیلی آئی ہے یا پھر وہ واقعی امن کی کوششوں میں مخلص اور سنجیدہ ہیں۔ محمود عباس کے فلسطین کی آزادی سے متعلق بیانات فقط بیانات ہی نکلے' اس کی سچائی اور عملیت کا اندازہ الفتح میں اسرائیلی یہودی کو ممبر بنائے جانے سے اور باغی گروپ کو حماس کے خلاف لڑوانے سے بخوبی ہوتا ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس کی جماعت الفتح نے اپنی پچاس سالہ تاریخ میں پہلی بار کسی اسرائیلی یہودی کو بھی پارٹی کی گورننگ باڈی کا رکن منتخب کرلیا ہے۔ اوری ڈیوس فلسطینیوں کی القدس یونیورسٹی میں سوشیالوجی کے پروفیسر ہیں اوری ڈیوس کی علمی حیثیت سے قطع نظر' الفتح کے محمود عباس کے فیصلے کو سراہنے کا معاملہ متنازعہ ہے' کیونکہ یہودی کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے۔ الفتح کے اسرائیل سے روابط کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ غزہ کی حالیہ جنگ کے دوران تو یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ الفتح کے اراکین اسرائیل کیلئے جاسوسی کرتے ہیں اور اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف کام کررہے ہیں۔

نہ صرف اسرائیل کو فلسطینی جہادی تنظیموں خصوصاً حماس کے متعلق تمام معلومات فراہم کی جاتی ہیں بلکہ ان کی سرگرمیوں' ارکین کے ٹھکانوں اور دیگر فیصلوں کے بارے میں صہیونی حکام کو مطلع کیا جاتا ہے۔ ان معلومات کے بدلے میں اسرائیل سے کافی کچھ وصول کیا جاتا ہے' جن میں اہم فریق الفتح کے صدر محمود عباس ہیں۔

الفتح کے اراکین نہ صرف اسرائیل وامریکہ کیلئے جاسوسی کرتے ہیں بلکہ فلسطینی گروپوں کو بھی آپس میں لڑوانے میں پیش پیش ہیں۔ حالیہ حماس اور جند انصار اللہ گروپ کے درمیان جھڑپوں

میں بھی اسرائیل، مصری انٹیلی جنس اور فتح کا ہاتھ ملوث ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ غزہ میں حماس اور جند انصار اللہ گروپ کے درمیان لڑائی بھڑکانے کا مطلب حماس کو غیر حقیقی فلسطینی تنظیم ثابت کرنا تھا۔ یہ باغی گروپ اسرائیل کا حمایت یافتہ تھا اور اس نے غزہ پر اسرائیلی حملے کے دوران بھی اسرائیل کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا جو کہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ یہ گروپ فلسطینیوں کا نمائندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ معصوم اور بے بس فلسطینیوں پر آگ کے گولے برسا دینے اور قیامت خیز مظالم کرنے والے اسرائیل کے خلاف نہ لڑنے کا مطلب ہے کہ اس گروپ اور اس جیسے نام نہاد تحریک آزادی کے گروپوں کو فلسطین کی آزادی سے کوئی دلچسپی نہیں ورنہ فلسطین کی آزادی کے متوالے اپنی جانیں دینے میں قطعاً گریز محسوس نہیں کرتے۔ الفتح اور اسرائیل کے حمایت یافتہ گروپ ماضی میں بھی حماس کی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر چکے ہیں۔ الفتح تنظیم کا سابق رہنما اور مصری انٹیلی جنس سمیت بعض عرب ممالک بھی اس گروپ کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ یہ ایک المیہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان گروپوں کے درمیان اتفاق و اتحاد نہیں ہے، یہی وہ نفاق ہے جس کی نشاندہی گزشتہ دنوں سعودی شاہ عبداللہ نے کی تھی اور واضح الفاظ میں فلسطینی گروپوں کو اتحاد و یکجہتی کا پیغام دیتے ہوئے کہا تھا کہ فلسطین کے قیام میں اصل رکاوٹ یہی باہمی اختلافات ہیں۔ اگر ان کو پاٹ لیا جائے تو فلسطین کے حصول کی منزل قریب آ سکتی ہے۔ غزہ کی پٹی کے شہر رفاہ میں اس لڑائی کا آغاز اس وقت ہوا، جب 47 سالہ عبداللطیف موسیٰ نے 100 ساتھیوں کے ساتھ جمعہ کے خطبے میں حماس کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ ایک علیحدہ اسلامی امارت قائم کریں گے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی حماس کے خلاف بھی بغاوت یعنی لڑائی چھڑ گئی۔ لڑائی کے دوران عبداللطیف موسیٰ نے خود کو خودکش دھماکے سے اڑا لیا۔ حماس کے مجاہدین اور انصار اللہ جہادی گروپ کے درمیان لڑائی میں 24 افراد ہلاک اور ایک سو سے زائد زخمی ہو گئے، جن میں متعدد کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔ بی بی سی کے مطابق قصبے رفاہ میں عینی شاہدین نے بتایا ہے کہ دونوں گروپوں میں سات گھنٹے تک فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ مسجد پر قبضے کے بعد ہونے والی اس لڑائی نے انتہائی خونریز صورت اختیار کر لی اور دونوں گروپوں کی لڑائی نے ایک بار پھر عالمی سطح پر باہمی اختلافات کو واضح کر دیا بلکہ کھلے داموں آشکارا کر دیا۔ مسجد کے امام عبداللطیف موسیٰ اور ان کے مسلح ساتھیوں نے حماس کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ حماس صحیح معنوں میں اسلامی تنظیم نہیں ہے اور وہ مسجد کا کنٹرول حماس کے حوالے کرنے پر موت کو ترجیح دیں گے۔
حماس کا کہنا ہے کہ علاقے میں کرفیو کا نفاذ کر دیا گیا ہے اور حالات اب اس کے مکمل

کنٹرول میں ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ مسجد پر قبضہ کرنے والے اسرائیلی حمایت یافتہ جنگجوؤں کا ایک مسلح گروپ مسجد کے اندر موجود ہے۔ ہلاک ہونے والوں میں ایک حماس اہلکار بھی شامل ہے۔ شدت پسند گروپ نے حماس کو غیر اسلامی تنظیم قرار دیتے ہوئے مسجد کا کنٹرول حماس کے حوالے کرنے کے بجائے موت کو قابل ترجیح قرار دیا۔ حماس کے رہنما اسماعیل ہانیہ نے عبداللطیف موسیٰ کے اس بیان کو مسترد کر دیا۔ ہلاک ہونے والوں میں حماس ملٹری کے سربراہ محمد اشمالی بھی شامل ہیں۔ حماس کے وزیر داخلہ فتح عماد نے بتایا ہے کہ اس گروپ کی سرگرمیاں کافی عرصہ سے مشکوک چلی آ رہی ہیں۔ 2005ء کے ابتداء میں غزہ پر اسرائیلی حملے کے دوران اس گروپ کے اراکین سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ علاقے میں دفاع میں ان کا ساتھ دیں، لیکن اس گروپ نے حماس کے ساتھ مل کر علاقے کے دفاع سے معذرت کر لی تھی۔ خود کو فلسطینی جہادی گروپ کہلانے والوں کا یہ عمل کسی طور درست اور جائز قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ یہ اشارہ تھا کہ یہ گروپ فلسطینی تحریک آزادی کے کاز سے مخلص نہیں۔ میڈیا کے مطابق حماس کی وزارت داخلہ کے ترجمان وہاب انصاری نے انکشاف کیا ہے کہ باغی گروپ کے اراکین اسرائیلی اسلحہ سے لیس تھے اور ان کے پاس مکمل ثبوت وشواہد موجود ہیں کہ بغاوت کرنے والوں نے اس قدر دیدہ دلیری اسرائیلی اور مصری انٹیلی جنس کی شہ پر کی ہے۔ مصری حکومت کا کردار عرصہ سے متنازعہ چلا آ رہا ہے۔ امن کی کوششوں میں بظاہر مصروف عمل مصر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ درپردہ امریکی و اسرائیلی ارادوں کو تقویت دینے میں باہم پیش پیش ہے۔ امن کے قیام کیلئے مصری حکومت یورپی ممالک کے مؤقف کی طرفدار نظر آتی ہے اور حماس کو راستے کی رکاوٹ خیال کرتی ہے۔ فلسطینی جہادی گروپوں کو آپس میں الجھانے کا مقصد انہیں اتنا کمزور اور عدم استحکام کا شکار کر دینا ہے کہ فلسطینی تحریک آزادی ٹھپ ہو کر رہ جائے۔ حماس کا صفایا کر دیا جائے اور باقی صرف الفتح رہ جائے جو کہ پہلے ہی اسرائیل کی تابعدار ہے۔ اس طرح الفتح کی معاونت سے فلسطین کو نام نہاد آزادی عطا کر دی جائے اور تمغہ حسن کارکردگی مصر کے سر پر آئے۔ دونوں گروپوں کے درمیان مخاصمت انتہائی افسوسناک ہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شروع ہونے والی لڑائی ہفتے کی پوری رات بھی جاری رہی۔ زخمیوں کو ابو یوسف النجار ہسپتال لے جایا گیا اور علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اس لڑائی سے مسجد ابن تیمیہ اور اس سے متصل باغی گروپ کے رہنما کے گھر کو بھی نقصان پہنچا۔ اس گروپ سے متعلقہ رپورٹس اور دستاویزات دو ماہ قبل حماس کے ہاتھ لگی تھیں، جن میں رفاہ کی مسجد میں ہونے والے پروگرام کی تفصیل، گروپ کے اراکین اور ان کے اسرائیل، مصر اور الفتح سے روابط اور تعلقات کے ثبوت موجود تھے۔ حماس کے ہاتھ اتنے زیادہ ثبوت آ جانے کے بعد بھی اس کا اس اسلامی

گروپ پر حملہ نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ حماس ایک امن پسند تنظیم ہے۔ وہ اپنے بھائی بندوں کی ہلاکت یا ان کا نقصان نہیں چاہتی۔ وہ تحریک آزادی کیلئے اسرائیل سے برسرپیکار ہے اور الفتح کے رویوں سے شاکی ہے۔ اس گروپ کے خلاف صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ فلسطین کے بعض ہمسایہ ممالک ہی نہیں بلکہ فتح سکیورٹی فورسز کے سربراہ محمد دہلان بھی اس باغی گروپ کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ 2007ء کے موسم گرما میں دہلان الفتح کے سکیورٹی فورسز کے سربراہ تھے' اس وقت حماس نے غزہ کا کنٹرول نہیں سنبھالا تھا۔ حماس کو جب اس گروپ کی مشکوک سرگرمیوں کا پتہ چلا' دیگر شواہد نے بھی قلعی کھول دی تو اس نے باقاعدگی سے اس گروپ کو مانیٹر کرنا شروع کر دیا۔ اس گروپ کو جو پیغامات بھیجے جا رہے تھے، حماس ان کو باقاعدگی سے اپنے نیٹ ورک سے وصول کر رہی تھی۔ ان پیغامات میں انہیں ہدایات جاری کی جاتیں کہ کس طرح اور کب حماس کے رہنماؤں کو نشانہ بنایا جائے۔ علاقے میں امن وامان کی صورتحال کو بگاڑنے کیلئے مختلف تعلیمی اداروں کو بھی نشانہ بنانے کی ہدایت کی جاتی تھی تاکہ مخدوش حالات بنا کر غزہ کا کنٹرول حماس سے حاصل کیا جائے۔ غزہ میں ہونے والے دھماکوں میں بھی یہ گروپ معاونت کرتا رہا۔ یہ دھماکے شادی کی تقاریب اور انٹرنیٹ کیفوں پر کئے گئے۔ اس گروپ کے قائد عبداللطیف موسیٰ نے حماس کی سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں گرفتاری کے بعد سمجھ لیا کہ اب ان کا داؤ نہیں چلے گا' کیونکہ تمام تر شواہد ان کے خلاف ہیں۔ ایک حقیقی اسلامی گروپ کبھی اس غدار گروپ کو معاف نہیں کرے گا۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنے جسم سے بندھی بارودی بیلٹ سے خود کو دھماکے سے اڑا لیا' جس کے نتیجے میں ابوموسیٰ اور کئی لوگ ہلاک ہو گئے۔ اصل میں ان سازشی گروپوں کو غزہ کا امن نہیں بھاتا۔ غزہ کا مثالی امن تباہ کرنے کیلئے وہ یہاں تخریبی کارروائیاں چھیڑنے کی مہم پر لگے ہوئے ہیں تاکہ یہاں انارکی پھیلا کر حالات اتنے خراب کر دیئے جائیں کہ غزہ کا کنٹرول دوبارہ الفتح کے پاس آ جائے۔ الفتح کے ہاتھ غزہ کا کنٹرول دوبارہ آ جانے کا مطلب ہے کہ اسرائیل کی فتح' جس کی کسی صورت اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایسے غدار اور منافق عناصر کا تعلق فلسطین سے نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے فلسطینی ہونے کا لبادہ تو اوڑھ رکھا ہے مگر در پردہ وہ صرف اپنے عزائم کی تکمیل کیلئے سرگرم ہیں۔

ان کے عزائم میں کیا ہے؟ اقتدار و جاہ حشمت اور دولت کی چمک' جس کی وجہ سے وہ اپنوں کے خلاف محاذ کھڑا کر رہے ہیں۔ یہی قابل افسوس امر ہے کہ غیروں سے اسی وقت سکون اور جذبے کے ساتھ لڑا جا سکتا ہے' جب اپنوں میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اپنوں سے بھڑنے میں وقت ضائع ہوتا رہے تو غیروں سے لڑنے کیلئے کب منصوبے بنائے اور عمل کیا جائے گا۔ اپنوں کا محاذ

غیروں کے خلاف محاذ پر بڑھتے ہوئے قدموں کو منجمد کر دیتا ہے جبکہ تحریک آزادی کوئی بھی ہو مسلسل جہد پیکار مانگتی ہے۔ اس تحریک کے متعدد اراکین دیگر ممالک سے تعلق یافتہ ہیں۔ حماس کے وزارت داخلہ نے کہا ہے کہ ملنے والے ثبوتوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اسرائیل سمیت بعض عرب ممالک غزہ میں حماس کی حکومت اور اس کے قائم کردہ امن کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے جب سے حماس نے علاقے کا اقتدار سنبھالا ہے ان کو ایک آنکھ نہیں بھا رہا۔ وہ مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ یہاں کے امن کو تباہ کیا جائے۔ حماس سے اقتدار چھینا جائے' نہ صرف حماس سے غزہ کا قبضہ حاصل کیا جائے بلکہ حماس کی قیادت کے ٹھکانوں کا اور ان کے منصوبوں کا پتہ چلایا جائے۔ حماس قیادت کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ الفتح کی فتح میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور اسرائیل کا راج ہو جائے۔ حماس نے غزہ میں جہادی گروپ کی بغاوت کو کچلنے کا دعویٰ کیا یاسر عرفات کے سازشی قتل کے بعد الفتح پر قبضہ جمانے والے محمود عباس نے نہ صرف حماس کی مخبریاں شروع کیں بلکہ الفتح کو عملاً اسرائیلی ایجنسی موساد کا یونٹ بنا دیا۔ محمود عباس اور محمد دہلان نے الفتح کو اسرائیل کا بازو بنا دینے کے عوض لاکھوں ڈالر حاصل کئے۔ الفتح فلسطین کی آزادی کیلئے نہیں بلکہ اس کے سودے کیلئے سرگرم ہے۔ یہ صرف پہلی بار نہیں' متعدد بار ثابت ہو چکا ہے کہ الفتح اسرائیل کیلئے کام کر رہی ہے۔ اس میں مصر بھی شریک عمل ہے۔ حالیہ غزہ حملے سے قبل مصری انٹیلی جنس چیف نے عرب حکومتوں کو اس حملے سے آگاہ کر دیا تھا کہ اسرائیل غزہ پر قبضہ کیلئے یہ حملے کرنے جا رہا ہے تاکہ غیر مشروط طور پور حماس کو جھکنے پر مجبور کر دیا جائے۔ یہ حملہ بہت بڑا ہو گا۔ فلسطینیوں کی بہت بڑی تعداد کو اس میں ہلاک کر دیا جائے گا۔'' مصری چیف کے اس بیان کے بعد مصری صدر حسنی مبارک اور مصری انٹیلی جنس کے سربراہ عمرو سلیمان کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ غزہ حملے کا پہلے سے علم ہو جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ مصر اسرائیل کی ہر سازش سے قبل از وقت آگاہ ہے۔ عرب ذرائع کے مطابق مصری انٹیلی جنس' سی آئی اے اور اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے ماتحت کام کرتی ہے۔ اب کرنے کو اور کیا بات رہ جاتی ہے کہ ایک اسلامی ملک کے انٹیلی جنس چیف کا مسلم دشمن ایجنسیوں کے زیر اثر کام کرنا اسلامی خصوصاً فلسطینی اور عرب مفادات کے خلاف جاتا ہے۔ مصر کے صدر کو امریکہ کا ایجنٹ تصور کیا جاتا ہے۔ مصر کے صدر اور مصری انٹیلی جنس کا کردار عرصہ سے اسی طرح دوغلانہ بلکہ مخالفانہ رہا ہے۔ مقبوضہ فلسطین کی نام نہاد تحریک آزادی کیلئے سرگرم تنظیم الفتح نے اپنی گورننگ باڈی میں ایک یہودی کو شامل کر کے صہیونیوں سے احتراز کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا ہے۔ اب ہر امر طشت ازبام ہے۔ الفتح کے فیصلوں میں درپردہ تو اسرائیل ملوث تھا ہی مگر اب ظاہراً بھی اس میں یہودیوں کو لانے کی تیاریاں اس کی طرف اشارہ ہیں کہ اب صرف فیصلے ہی

نہیں' بیانات بھی یہودیوں کی مرضی سے دیئے جائیں گے۔ آہستہ آہستہ یہودی اراکین کی تعداد اتنی بڑھادی جائے گی کہ الفتح میں فیصلے' احکامات' منصوبے اور بیانات یہودی اراکین کی مشاورت بلکہ زیرنگرانی تیار ہوں گے۔ الفتح یا دیگر گروپوں کا یہی رویہ جہاد کی اصل روح کو بدنام کررہا ہے۔ مصر' اردن جیسے ممالک' الفتح اور انصار جنداللہ جیسے گروپ تحریک آزادی کیلئے مسلسل نقصان کا باعث ہیں۔ اسرائیل کے جارحانہ اخراجات کو روکنے کیلئے اسلامی گروپوں کا اپنے کاز سے مخلص ہونا ضروری ہے جو کہ تمام مفادات سے بالائے طاق ہونا چاہئے۔ مگر اس کا فیصلہ کون کرے گا' کیونکہ اگر ان باغی گروپوں کے اندر فیصلے کی صلاحیت موجود ہوتی تو یہ حماس کے خلاف نہیں چلتے بلکہ اس کے ساتھ مل کر ایسا مضبوط محاذ بناتے جو کہ اسرائیل کو پٹنے پر مجبور کردیتا۔

❖◆❖

مشرق وسطیٰ میں مسئلہ فلسطین ہنوز اسی طرح بحرانی حالات سے دوچار ہے۔ اس کیلئے ذمہ دار صرف اور صرف اسرائیل سیاستدانوں کی ہٹ دھرمی اور تنگ نظری ہے، جو فلسطینیوں کی ریاست کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں اور دوریاستی فارمولے کو صرف اسی صورت تسلیم کرنے کا عندیہ دیتے ہیں جس میں فلسطینی ریاست کو مکمل طور پر اسرائیل کی انتظامیہ کے ماتحت کردیا جائے۔ غزہ پر بدترین بمباری کے بعد اسرائیل کو عالمی سطح پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ حقوق انسانی کمیشن نے بھی اسرائیل کو جنگی جرائم کا مرتکب ٹھہرایا۔ غزہ تحریکوں کی بہادرانہ اور حوصلہ مند جدوجہد نے فلسطین تحریک کو اس مقام پر لاکھڑا کیا ہے کہ عالمی طاقتوں اور حقوق انسان کے اداروں کیلئے اب اسے نظرانداز کرنا ممکن نہیں رہا۔ اب غزہ کے حالات کو موضوع بناکر بہت سی رپورٹس مرتب کی جارہی ہیں۔ صہیونی انتظامیہ نے میڈیا کو یہی باور کرایا کہ انہوں نے غزہ پر حملہ جہادیوں کے راکٹ حملوں کے جواب میں کیا ہے۔ مغربی میڈیا اب اسرائیل کے بیانات کو لے کر یکطرفہ رائے قائم کرنے کے بجائے حالات کی اصل تصویر پیش کررہا ہے جس کیلئے حماس کو سراہا جانا چاہئے' جس نے ذرائع ابلاغ کے سامنے حقائق کو واضح کیا۔ اسرائیل یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے کہ سیاسی اور فوجی قوت تمام انسانی حقوق کی رپورٹس اور رائے عامہ کا تجزیہ کرنے کی کوشش کررہی ہے' جس میں اسرائیل کے خلاف اعدادوشمار پیش کئے گئے ہیں کہ اس نے ہزاروں لوگوں کو ہلاک یا زخمی کیا۔ اس تجزیے کے بعد آخرکار وہ ایسی رپورٹ مرتب کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے جس میں اسرائیل کی حمایت کیلئے بہت کچھ ہوگا مگر کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس طرح کا پراپیگنڈا پھیلایا جائے، جو اسرائیل کو کروڑوں لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی اجازت دے کہ صہیونی ریاست ان جرائم کی مرتکب نہیں۔ اسرائیل کی موجودہ انتظامیہ اس لئے بھی عالمی سطح پر توجہ کا باعث ہے' کیونکہ

اس نے یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے سے صاف انکار کردیا ہے۔ حتیٰ کہ اس معاملے پر اس کا امریکی انتظامیہ سے بگاڑ بھی ہوگیا۔ یہ یہودی بستیاں بین الاقوامی قوانین کی رو سے خصوصاً جنیوا کنونشن کی رو سے غیر قانونی ہیں۔ جرمنی میں اپنے دورے کے دوران نیتن یاہو نے کہا کہ اب کسی دوسرے ہولوکاسٹ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ مغربی کنارے پر تعمیرات کو روکا نہیں جائے گا۔ اسرائیل کے نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر ارادر دراصل اسرائیل کے ارادوں کو بار بار دہرارہے ہیں کہ اسرائیل امن میں شریک نہیں۔ مشہور اخبار ہارٹز نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ کیا فلسطینی قیادت ہے؟ جو کہ اسرائیل میں امن کی ذمہ دار ہے تو ارادکا جواب تھا کہ اگر ایسی ہی فلسطینی 2015ء تک رہے جیسی کہ اب ہے تو یہ خود ہی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ آخرکار اسے یہ تسلیم کرتے ہی بنی کہ اسرائیل نے محاصرہ کیا اور غزہ میں منتخب فلسطینی قیادت کو کمزور کیا' یہ صرف اسرائیل ہی ہے جو فلسطینیوں کی قیادت کو چالاکی سے کمزور کرسکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ فلسطینیوں پر امن کے عمل میں شریک نہ ہونے کے الزامات بھی عائد کرتا ہے۔ صرف اسرائیل ہی ہزاروں فلسطینیوں کو قتل کرسکتا ہے اور پھر بجائے ان فلسطینیوں تک امداد پہنچانے کے، یہودیوں کے زخمی ہونے کا واویلا کرسکتا اور ان کیلئے سکیورٹی کو اشد ضرورت قرار دے سکتا ہے۔ صرف اسرائیل ہی ہے جو کہ نازی ماضی کو دہراسکتا' معصوم فلسطینیوں کو ایک پنجرے میں بند کرسکتا ہے' ہولوکاسٹ کے ذمہ دار بھی نہیں۔ غزہ کے باسیوں پر وحشیانہ بمباری کے متعلق عالمی ادارہ ہلال احمر (ریڈکراس) کی اس رپورٹ کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ 1.5 ملین لوگ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے نمائندے رچرڈ فاک نے تو ڈائریکٹ اسرائیل رویے پر طنز کرتے ہوئے کہا' ان دونوں فریقوں صہیونیوں اور فلسطینیوں کے درمیان امن نہیں ہوسکتا، جب تک اسرائیل فلسطینیوں کے حقوق کی بین الاقوامی قوانین کے تحت پاسداری نہیں کرتا۔ پروفیسر فاک نے یہ بھی کہا کہ اسرائیلی لیڈروں کو بین الاقوامی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں۔ نہ ہی وہ ان قوانین پر سر دھنتے ہیں۔ درحقیقت بین الاقوامی قوانین کے احترام کے حوالے سے اسرائیل کی تاریخ میں عزت واحترام کا کوئی لفظ نہیں پایا جاتا۔ نہ ہی یہ جنگ اور امن کے الفاظ سے آشنا ہیں' یہ صرف ایک چیز جانتے ہیں اور وہ ہے سیاست اور طاقت کی زبان۔ یہ ایک ایسی ریاست ہے، جسے سازش کے ذریعے تشکیل کیا گیا' مشیر ارادا اس مسئلہ کے حل کیلئے ایک نئی منطق کے ساتھ آتے ہیں کہ "فلسطینیوں کے ساتھ مسئلہ کے حل کیلئے اسرائیل کو نیٹو کو ممبرشپ دینی چاہئے اور نیوکلیائی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے اسرائیل کو طاقتور ہتھیار دیئے جانے چاہئیں"۔ غور کیجئے کہ اسرائیل کے پاس تو پہلے ہی نیوکلیائی ہتھیار ہیں۔ حیرانی کی بات ہے کہ اب اسے کون سے ہتھیاروں کی

ضرورت ہے؟ صرف اتنا ہی نہیں اراد کے بیانات کو امریکہ کے نائب صدر جو بائیڈن نے بھی سراہا، جنہوں نے میڈیا کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا، اگر نیتن یاہو حکومت امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی مرضی کے بغیر بھی کوئی فیصلہ کرتی ہے تو اسے ایک آزاد و خود مختار ریاست کی حیثیت سے اس کا پورا حق حاصل ہے۔'' گویا یہ کہہ کر اسرائیل کو مزید من مانی کرنے کی چھوٹ دی جارہی ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ اسرائیل پر مذمتوں کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ تنقیدی بیانات کا۔ صرف دباؤ ہے جو کہ اسرائیل کے پالیسی سازوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرا سکتا ہے۔ صرف بائیکاٹ یا مقاطعہ کی زبان سے ہی تل ابیب کو جھکنے پر مجبور کرنا چاہئے۔ مظلوم فلسطینی قوم کے بچاؤ کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ اپنے بنیادی حقوق کے ساتھ سر اٹھا کر جی سکے۔ صہیونی انتظامیہ کا رویہ حماس کے ساتھ ہر معاملے میں سخت اور غیر لچکدار ہے۔ محمود عباس کی الفتح کے ساتھ تو ہر طرح کا تعاون کر رہا ہے۔ الفتح کے قیدیوں کو بھی اس نے رہا کیا ہے جبکہ حماس کے قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں وہ بات کرنے کو تیار نہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے حماس کے ساتھ قیدیوں کے تبادلے کے بارے فوری مذاکرات کو بھی خارج از امکان قرار دے دیا ہے۔ نیتن یاہو نے کہا کہ قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں فوری مذاکرات کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا اور نہ ہی اس حوالے سے کسی بریک تھرو کی توقع ہے۔ عرب دنیا اور فلسطینی انتظامیہ صہیونی انتظامیہ کی ہٹ دھرمی سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ انہوں نے اسی لئے اس بار مشترکہ مؤقف قائم کر رکھا ہے کہ امن مذاکرات صرف اسی صورت ہوں گے جب اسرائیل مکمل طور پر آبادکاری کا عمل روک دے گا۔ یہودی بستیوں کے حوالے سے اسرائیل پر کافی دباؤ ہے۔ اس سلسلے میں جرمنی نے بھی امریکہ کے مؤقف کی حمایت کرتے ہوئے اسرائیل پر زور دیا ہے کہ وہ ان بستیوں کی تعمیر منجمد کردے۔ یہ بات جرمنی کی چانسلر انجیلا مرکل نے برلن کے دورے پر آئے ہوئے اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کے ساتھ ایک مشترکہ نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ یورپی یونین کا بھی یہودی بستیوں کے حوالے سے اسرائیل پر دباؤ ہے۔ اسرائیل اگر امن کا خواہاں ہوتو وہ کبھی بھی متشددانہ سرگرمیوں کو جاری نہ رکھے۔ اسرائیل امن کا خواہاں ہی نہیں، کیونکہ ملک تو فلسطینیوں کا چھینا گیا ہے۔ اسرائیل کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش نہیں کہ وہ امن کی جانب سفر فوری طور پر شروع کرے، اسی لئے وہ اس مسئلے پر سنجیدہ نہیں۔ اسرائیل کے حماس پر حملے بھی بدستور جاری ہیں۔ گزشتہ دنوں اسرائیل کے ٹینکوں کی گولہ باری سے حماس کے عسکری ونگ القسام بریگیڈ کے 2 مجاہد شہید ہوگئے۔ القسام بریگیڈ کے مطابق 30 سالہ مجاہد فرح اسماعیل نجار اور 30 سالہ عصمت اسد مھرہ جہادی مہم کے دوران اسرائیلی ٹینک کی گولہ باری سے شہید ہوگئے۔

اسرائیلی فوج کی فائرنگ سے رام اللہ میں زخمی ہونے والا فلسطینی لڑکا محمد نائف بھی شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ نہ صرف اسرائیلی انتظامیہ حماس کے مجاہدین کا خاتمہ کر رہی ہے بلکہ وہ فلسطینی صحافیوں کے بھی پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ العین اور نابلس سے اسرائیلی فوج کے دو صحافیوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ اسرائیلی فوج نے مختلف علاقوں سے 9 فلسطینیوں کو حراست میں لے کر انہیں تفتیشی مراکز میں منتقل کر دیا، جہاں ان کے ساتھ ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک کیا جائے گا۔ کیا اسرائیل کے ان رویوں کو امن کے سفر کیلئے خوش آئند قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسرائیل صرف حماس قیادت کو ہی چن چن کر نشانہ نہیں بنا رہا بلکہ وہ فلسطینی کسانوں اور عام باشندوں کو بھی طیاروں کی بمباری سے ہلاک کر رہا ہے۔ یہ فلسطینی قوم کی نسل کشی کا عمل ہے جسے کہ اسرائیل منظم انداز میں کر رہا ہے۔ اب جبکہ حماس راکٹ حملوں کو بھی ترک کر چکی ہے۔ اسرائیل نے حماس پر الزامات لگانے کا سلسلہ ترک نہیں کیا۔ رفاہ میں طیاروں کے حملے کا جواز اسرائیل نے یہی دیا ہے کہ طیاروں کا حملہ فلسطینیوں کی جانب سے راکٹ حملوں کے جواب میں کیا گیا ہے۔ یہ کون سے راکٹ حملے ہیں جو کہ اسرائیلیوں کو برابر کا نقصان نہیں پہنچا سکے اور فلسطینی اسرائیلی فوج کے مظالم اور وحشیانہ بمباری کو مسلسل اور متواتر سہہ رہے ہیں اور ابھی تک آزادی فلسطین کے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ یہ راکٹ حملے ایک مظلوم قوم کے دفاعی ہتھیار ہیں، جو کسی کو نقصان نہیں، اپنی حفاظت کیلئے استعمال کئے جانے والے آلات ہیں۔ اے ایف پی نے رفاہ میں حالیہ اسرائیلی طیاروں کی بمباری کے حوالے سے کہا کہ اسرائیلی طیاروں نے اس سرنگ پر بطور خاص بمباری کی جہاں باہر سے آنے والی اشیاء کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ وہاں کام کرنے والوں کو نشانہ بنایا گیا۔ شہید ہونے والوں میں تین سگے بھائی ہیں۔ کیا یہ ایک خاندان کا خاتمہ نہیں۔ فلسطین کے وزیراعظم سلام فیاض اپنے دعوے کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فلسطینی اتھارٹی اسرائیل کے ساتھ تعطل پذیر مذاکرات ختم کرنے پر غور کر رہی ہے اور فلسطینی ہر صورت میں آئندہ دو سال میں حقیقی ریاست قائم کرلیں گے۔ فتح کے نامزد کردہ فلسطینی وزیراعظم کے دعویٰ کے حقائق کے بارے کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ فتح کے اسرائیل سے روابط کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ الفتح کے ارکان اسرائیل کیلئے جاسوسی کے سلسلے میں پکڑے بھی جا چکے ہیں۔ اسرائیل کیلئے خدمات انجام دینے کے سلسلے میں فتح کے ارکان کون کون سی نوازشیں حاصل کر سکتے ہیں۔ عرب دنیا اس سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ یہ اس وزیراعظم کا دعویٰ ہے، جسے صرف ایک دھڑا تسلیم کرتا ہے۔ دوسرا دھڑا اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ فلسطینی مجاہدین فتح کے ارکان کو اسرائیل کے ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔ اسرائیل کے ان ایجنٹوں کو صہیونی انتظامیہ نے سودے بازی کے ذریعے خرید رکھا ہے۔ یہ

سودے بازی تحریک آزادی فلسطین کو مہنگی پڑ رہی ہے اور اس کے اثرات کو مستقبل میں بھی مثبت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ فتح کا ''فلسطینی ریاست کے قیام سے'' مراد ایسی ریاست ہو جس کے متعلق اسرائیل سے اندر خانے مکمل ساز باز کرلی جائے' اس سودے بازی کے تحت فلسطینی ریاست کا تمام کنٹرول صہیونی حکومت کے پاس ہو جو کہ پہلے ہی اس امر کی خواہاں ہے۔ اپنے طور پر گفت وشنید کر کے عرب دنیا کو ایک جال میں پھنسا کر اس سودے بازی پر آمادہ کرلیا جائے جس میں فتح اور اسرائیل دونوں کے وارے نیارے ہوں۔

فتح کو ایسی ''لولی لنگڑی'' فلسطینی ریاست کے بدلے میں مزید مراعات اور رعایتیں حاصل ہوجائیں۔ اسرائیل کو نام نہاد فلسطینی ریاست کے عوض عرب دنیا اور مسلم امہ میں بطور یہودی ریاست تسلیم کرلیا جائے۔ فی الحال تو یہودی آبادکاری کا سلسلہ چھڑا ہوا ہے، جسے کہ اسرائیل ترک کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اسرائیل کے موجودہ وزراء تو ایک طرف اس کے سابق وزراء بھی اپنی سیاسی چالبازیوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں سابق اسرائیلی وزیر دفاع شال موفاز نے کہا کہ القدس کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ یہودی آبادکاری کا سلسلہ مغربی کنارے اور بیت المقدس میں جاری رہے گا جبکہ فلسطینی ریاست اسرائیلی کی حفاظتی دیوار کے باہر کے علاقوں میں بنائی جاسکتی ہے۔'' اسرائیل کے سیاستدان اپنی من مانیاں کررہے ہیں۔ کوئی ان کو روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ گزشتہ دنوں مسجد اقصیٰ میں یہودی انتہاپسندوں نے مذہبی رسومات بھی ادا کیں۔ عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری عمرو موسیٰ نے مسجد اقصیٰ میں انتہاپسند یہودی گروپوں کے داخلے اور مذہبی رسومات ادا کرنے کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ انہوں نے اس عمل کو بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا۔ انتہاپسند یہودی مذہبی گروپوں نے اسرائیلی فوج کی حفاظت میں مسجد اقصیٰ میں مذہبی رسومات ادا کی تھیں۔ اسرائیلی سیاست کی سب سے بڑی قلابازی یہ ہے کہ وہ خود کو امن کا سب سے بڑا داعی قرار دیتی ہے اور فلسطینی قوم کو امن مخالف قرار دیتی ہے۔ بھلے ان سے کوئی پوچھے کہ امن کو ترستی ہوئی قوم کیوں امن کی راہ میں رکاوٹیں ڈالے گی؟ ایہود اولمرٹ نے بھی بڑی ڈھٹائی سے اس الزام کو فلسطینی قوم پر ڈالتے ہوئے کہا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ فلسطینی قیادت نتائج پر نگاہ نہیں رکھتی۔

میں نے بارہا ایسی تجاویز دیں جسے کہ فلسطینی قیادت نے رد کردیا بلکہ ان تجاویز کو سرے سے ہی غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ میری تجویز امریکی انتظامیہ کی زیرنگرانی دوریاستی منصوبے کی منظوری تھی۔ یہودی آبادکاری کو نظرانداز کر کے مستقل فلسطینی ریاست کے حل کیلئے سوچنا چاہئے' یہ ہیں ایہود اولمرٹ کی وہ تجاویز جن کی مقبولیت کو جائز کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس میں ایہود

اولمرٹ یہودی بستیوں کی آبادکاری کو یکسر نظرانداز کر کے فلسطینی اور یہودی ریاست پر زور دے رہے ہیں۔ یہودی ریاست تو بڑے دھڑلے سے دنیا کے نقشے پر موجود ہے۔ رہی بات فلسطینی ریاست کی تو اس کیلئے یہودی صرف اس شرط پر تیار ہیں کہ یہ فلسطینی ریاست صرف نام کی فلسطینی ہوگی۔ اسے بری' بحری' فضائی کسی قسم کی فوج رکھنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اس کی نقل وحمل اور روابط تک کے ضابطے اسرائیل میں منظور کیے جائیں گے۔ اب ایسے میں ایہود اولمرٹ کی تجویز کو کوئی سچا' مخلص اور ہمدرد فلسطینی بہی خواہ نہیں مان سکتا۔ اسرائیل سیاست کی گرہیں کتنی ہی الجھی ہوئی یا پیچیدہ سہی۔ مسلم امہ کی نگاہیں ان کے داؤ پیچ کو دیکھنے اور ان کی بصیرت انہیں سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں' اگر ایسا نہ ہوتا تو آج حماس' دیگر فلسطینی تحریکیں یا مسلم امہ الفتح کی طرح صہیونی ریاست کی ہاں میں ہاں ملا رہی ہوتی۔ حماس کی اولوالعزم قیادت نے ہر محاذ پر اسرائیل کا نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے بلکہ اپنی سچائی اور حقانیت کو اس طرح سے دنیا پر اجاگر کیا ہے، چاہنے کے باوجود بھی حماس کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔

کل کی سخت گیر اور غیر لچکدار مؤقف رکھنے والی تنظیم کے رویے میں اب نمایاں تبدیلی آئی ہے، جسے فلسطین کے مسئلہ کے حل کیلئے خوش آئند قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ حماس کے رہنما خالد مشعل نے جو کہ شام کے دارالحکومت میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ امریکی صدر بارک اوباما کے فلسطین کے متعلق نئے لب و لہجے کو مثبت قرار دیا ہے۔ خالد مشعل نے مصر میں اسرائیل کے ساتھ قیدیوں کے تبادلہ کے مسئلہ پر بات چیت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ''آئندہ صدارتی اور پارلیمانی انتخابات میں الفتح اور حماس کی شرکت ضروری ہے۔ ہم اس قسم کی تمام تجاویز کو مسترد کرتے ہیں کہ انتخابات کو کسی درجہ کے تحت منعقد کیا جائے گا، جس میں غزہ میں الگ حکومت ہو اور مغربی کنارے پر الگ۔ ہم اسرائیل اور امریکہ کی طرف سے اس قسم کی تمام تجاویز کو مسترد کرتے ہیں۔ غزہ پٹی اور فلسطین میں الگ الگ انتخابات کے بجائے ایک وقت میں متحدہ امیدواروں کے انتخاب کیلئے ووٹ ڈالے جانے چاہئیں۔ حماس کا مصالحتی اور مفاہمتی رویہ عالمی سطح پر سراہا جا رہا ہے۔ خالد مشعل نے اسرائیل کی طرف سے عارضی طور پر بستیاں روکنے کو خطرناک اقدام قرار دیا، کیونکہ یہ اسرائیل کی ایک چال بھی ہو سکتی ہے۔ ان یہودی بستیوں کو مستقل طور پر ختم کرنا تو فلسطینیوں کے حق میں بہتر فیصلہ ہو سکتا ہے، مگر عارضی طور پر بند کرنا شکوک و شبہات سے پُر ہے۔

مسئلہ فلسطین کسی خاص گروہ کا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے، اسے کسی خاص تنظیم کا مسئلہ کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی عربوں کا۔ بیت المقدس کو آزاد کرانے کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، مگر افسوس اس عظیم فریضہ سے مسلم قوم غفلت اور اغماض برت رہی ہے۔ عرب حکمران تو ایک طرف رہے، فلسطینی قائدین کی بڑی تعداد بھی اپنے مفادات کو لے کر اسرائیل کے ساتھ سودے بازی کو فوقیت دیتی ہے۔ اس ضمن میں الفتح اور جند انصار اللہ کا کردار سامنے ہے، جو صیہونی طاقتوں کے اشارے پر امن کو نیست و نابود کرنے کے راستے پر چل رہے ہیں۔ افسوس اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ یہ گروہ اسرائیل اور امریکہ کے ساتھ ہاتھ ملانے کو امن سے تعبیر کرتے

ہیں۔ حالانکہ امن کی شیرازہ بندی صیہونی طاقتوں کے ساتھ ہاتھ ملا کر نہیں بلکہ ہاتھ تو کجا دامن چھڑا کر ہی ہو سکتی ہے۔ اس وقت عالمی سطح پر مسئلہ فلسطین نزاعی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ مسئلہ فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی میں ایک ہی جماعت مخلص نظر آتی ہے اور وہ ہے حماس۔ اس لئے حماس ہی وہ واحد تنظیم ہے، جس کو بلاشرکت غیرے حکومت سازی کا حق ہونا چاہئے۔ حماس کے جیالے عزم و حوصلہ کی علامت ہیں، ان کی نظر میں دنیاوی اقتدار اور سامان عیش و عشرت کی کوئی حقیقت نہیں۔ حماس کے کارکن نہتے ہونے کے باوجود اسرائیل جیسی ایٹمی طاقت کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنے مقصد کیلئے سینہ سپر ہیں۔ ساری دنیا کے سامنے واضح ہو چکا ہے کہ الفتح کتنے پانی میں ہے اور حماس کا کردار کتنا روشن ہے۔ حالیہ غزہ حملوں میں عصری اسلحے سے لیس صیہونی درندوں نے غزہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور غزہ کے باسیوں کو ناقابل برداشت مصائب سے دوچار کیا۔ یہ وہی تھے اسلامی محبت سے سرشار سرفروش، جنہوں نے ان مصائب کی وجہ سے حوصلہ نہیں ہارا اور اسلام کی راہ میں پیش آنے والی قربانیاں سمجھ کر ان کا مقابلہ کیا۔ فلسطینی منظر نامے میں اسلامی تحریک مزاحمت حماس کا کردار انتہائی روشن ہے۔ حماس مختصر عرصے میں واحد نمائندہ جماعت بن کر ابھری اور اس نے مغرب کے ایوانوں میں کھلبلی مچا دی۔ حماس کی بیدار مغز قیادت نے اپنی پہچان کا طویل سفر قلیل مدت میں طے کیا۔ اسلامی تحریک مزاحمت حماس کا قیام 1987ء میں عمل میں آیا۔ شیخ احمد یاسین شہید اس کے بانی اور چیئرمین تھے۔ شیخ احمد یاسین شہید گیارہ سال مسلسل اور وقفے وقفے سے کئی برس تک اسرائیلی جیلوں میں قید رہے، لیکن معذور ہونے کے باوجود جیل کی سلاخیں ان کے پختہ عزائم کو کمزور نہ کر سکیں۔ حماس کی جلائی ہوئی شمعیں ہی ہیں، جنہوں نے مسئلہ فلسطین کو پوری دنیا میں روشن کر دیا ہے۔

حماس نے ملت اسلامیہ کے مردہ جسم میں روح پھونک دی ہے۔ حماس نے لادینی طاقتوں کے ایجنڈے کو ناکام کر دیا اور ثابت کیا کہ وہ مقبول ترین جماعت ہے۔ حماس کی پارلیمانی انتخابات میں زبردست کامیابی نے مغربی طاقتوں کو بڑا دھچکا لگا تھا۔ انہوں نے انتخابات سے قبل ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ حماس کی قیادت والی حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ حماس نے جمہوری انداز میں صاف و شفاف انتخابات کے ذریعے کامیابی حاصل کی تھی اور اس کی شفافیت کی گواہی بین الاقوامی مبصرین نے دی تھی، مگر اس کے باوجود مغرب حماس کو مسترد کرنے کی پالیسی پر قائم رہا۔ اس نے اپنی روش نہیں چھوڑی۔ حماس نے اپنے تین سالہ دور حکومت میں اپنی زیرکی اور حسن انتظام و قوت سے خود کو حکومت سازی کا اہل ثابت کیا اور دنیا پر واضح کر دیا کہ وہ زیادہ بہتر طور پر حکومت کرنے کی اہل اور حالات سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

جون 2007ء میں فتح وحماس تحریک کے حامیوں کی مسلح لڑائی کے بعد غزہ کو حماس نے اپنے کنٹرول میں لیا۔اس کے بعد حماس نے چھ ماہ کی مدت کیلئے ایک عارضی معاہدہ مصر کی سرپرستی میں کیا۔اسرائیل کے ساتھ اس معاہدے کے تحت فوجی کارروائیاں روک دی گئیں‘ گزشتہ سال جون میں اس معاہدے کی مدت ختم ہوگئی تو اسرائیل نے غزہ پٹی پر دھاوا بول دیا۔اسرائیلی فوجوں کا وسیع تر فضائی‘ زمینی اور سمندری حملہ شروع ہوگیا اور 20 سے زائد دنوں تک بمباری‘ خونریزی‘ تباہی و بربادی اور درندگی و بربریت جاری رہی۔اسرائیل خطرناک ہتھیاروں اور جدید ترین اسلحے کے باوجود حماس کو کچلنے میں ناکام رہا۔اس کا کامیابی کا دعویٰ بے بنیاد اور مفروضات کا حامل تھا۔اسرائیل حماس قیادت کا صفایا اور اس کے کارکنوں کے خاتمے میں کامیاب نہ ہوسکا۔وہ غزہ کے باسیوں کے حوصلے بھی نہ توڑ سکا۔حماس تحریک نظریاتی تنظیم ہے، جس کے اصول حقائق پر مبنی ہیں۔

حماس کے دستور میں درج ہے کہ اسلام ہی اس کا دستور ہے‘ اس کا ماخذ اس کا نظریہ اور اس کی پالیسی ہے۔اسلام کے ضابطہ حیات کو ہی عملی زندگیوں میں نافذ کیا جائے گا۔اس کی روشنی میں انسانوں سے روابط قائم کئے جائیں گے اور زندگی کی نہج کو متعین کیا جائے گا۔سرزمین فلسطین سے متعلق بھی حماس کا موٴقف اصولی ہے۔حماس کا موٴقف ہے کہ فلسطین فلسطینیوں کی ملکیت ہے‘ اسرائیل کا اس پر حق تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

حماس کے اولین موٴقف اور آج کے موٴقف میں کچھ بنیادی فرق نظر آتا ہے۔ہاں حماس کے کل کے موٴقف میں مسئلہ فلسطین کیلئے واحد حل صرف جہاد ہی نظر آتا ہے‘ جس کے مطابق فلسطینی سرزمین پر اسرائیلیوں کی کوئی گنجائش بھی نظر نہیں آتی۔علاوہ ازیں حماس کے نظریات میں یہ نظریہ اپنی جگہ اہم اور اٹل تھا کہ فلسطین کی سرزمین کو اسرائیلیوں سے پاک کردیا جائے گا۔اسرائیلیوں کو نیست و نابود کرنا تحریک کے اولین مقاصد میں شامل نظر آتا ہے۔یہ تھا حماس کا کل کا موٴقف اور آج حماس نے حالات کے تقاضوں کو بھانپتے ہوئے اور وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے موٴقف میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔یہ حماس کی اپنے موٴقف سے دستبرداری یا اصولوں کو قربان کردینے کی بات نہیں بلکہ حماس نے اپنے بنیادی نظریات میں تو ذرا بھر بھی تبدیلی نہیں کی بس اپنے رویے میں لچک پیدا کی ہے۔

حماس تحریک کے قائدین یہودیوں کے ساتھ فلسطینی سرزمین پر پرامن زندگی بسر کرنے پر اتفاق رائے اس صورت پر کرنے کو تیار ہیں کہ فلسطین کی ریاست کو مکمل آزادی اور خودمختاری دی جائے۔ایک علیحدہ فلسطینی مملکت تشکیل پائے جس میں حکومت سازی سے لے کر بیرونی دنیا سے

تعلقات تک فلسطینی آزاد ہوں۔1967ء کی سرحدوں کے مطابق فلسطین کو داخلی آزادی و خودمختاری دی جائے۔فلسطین سے بے دخل کئے جانے والے تمام فلسطینیوں کو دوبارہ یہاں آباد ہونے کا حق دیا جائے اور ان سے چھینی ہوئی زمین ان کو واپس کی جائے۔حماس تحریک کے روحانی پیشوا شیخ احمد یاسین نے تحریک کے آغاز میں مساوات و برابری کا درس دیتے ہوئے فلسطینی پناہ گزینوں کو اپنی سرزمین میں واپس لانے اور یہاں دوبارہ اپنی جگہ آباد ہونے کے حق کا اظہار کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ فلسطینیوں کو یہاں واپس لاکر آباد کیا جائے۔اس کے چند سالوں بعد حماس تحریک کے سیاسی رہنما خالد مشعل نے زور دیا کہ مسلمانوں‘ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان مساوات و برابری کے عمل کو نافذ کیا جائے۔ان پر زکوٰۃ کی جگہ جزیہ مقرر کیا جائے اور انہیں امن و امان فراہم کرنے اور ان کی پرتعیش زندگی کو یقینی بنانے کیلئے ان پر ٹیکس لگایا جائے۔سیاسی عمل اور بات چیت سے متعلق حماس تحریک کا موٴقف نہایت سخت ہے۔حماس تحریک کے عملی اقدامات میں بدلاؤ ضرور آیا ہے۔یہی وہ بدلاؤ ہے کہ وہ دو مملکتی حل پر آمادہ ہوگئی ہے۔حماس کے رہنما خالد مشعل نے بارک اوباما کے نئے لب و لہجے کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا ہے کہ حماس بارک اوباما کے الفاظ کو عملی صورت میں دیکھنا چاہتی ہے۔

انہوں نے یہودی بستیاں روکنے کے معاملے پر اوباما کے اسرائیل پر دباؤ کو سراہا اور کہا کہ یہودی بستیاں امن کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔اب اس قبضہ کا خاتمہ ہوجانا چاہئے اور 1967ء کی سرحدوں کے مطابق مسئلہ فلسطین حل ہوجانا چاہئے۔ہمارے آزادی و خودمختاری اور حکومت سازی کے حق کو بھی تسلیم کیا جانا چاہئے۔گیلا دشالیط کی رہائی کے متعلق انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں جرمن حکام سے بات چل رہی ہے۔جس کہ مصر اور امریکہ کے ساتھ باہمی تعاون و انصاف سے طے کیا جائے گا۔انہوں نے کہا کہ ”ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں‘ ابھی معاملے کی تفصیل اور اس معاملے پر مزید غوروخوض کی ضرورت ہے‘ کیونکہ ہم ابھی ناموں کی ایک تفصیلی فہرست رکھتے ہیں۔ابھی یہ بات چیت حوصلے اور صبر کی متقاضی ہے۔مصر اور جرمنی اسرائیلی جیلوں میں قید فلسطینیوں کی رہائی کے بدلے میں حماس سے اپنے قیدی گیلا دشالیط کو چھڑوانے کیلئے کوشاں ہیں۔گیلا دشالیط کو 2006ء میں حماس نے گرفتار کیا تھا۔

حماس کا رویہ ہمیشہ سے لچکدار رہا ہے مگر جب فلسطینیوں کے حقوق غصب کئے گئے اور حماس کو تسلیم نہیں کیا گیا تو اس نے اپنے موٴقف کو سخت کرلیا‘ اس کیلئے حماس کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان معاہدے کوئی نئی بات نہیں۔1993ء میں شیخ احمد یاسین نے معاہدے کی ایک تجویز پیش کی تھی، جس کی مدت چند شرطوں کے ساتھ 10 سے 20

سال مقرر کی گئی تھی اور ان کی پیش کردہ تجاویز کی شرطوں میں ایک شرط اسرائیل کا مغربی کنارہ
القدس اور غزہ پٹی سے غیر مشروط انخلا تھا۔2۔ مشرقی بیت القدس اور غزہ پٹی سے تمام اسرائیلی
کالونیوں کا صفایا 2۔ فلسطینیوں کو ان کے نقصانات کے معاوضہ کی ادائیگی 4۔ فلسطینی سرزمین
کے اندر اور باہر آزادانہ، صاف و شفاف انتخابات۔ حماس کوئی جھگڑالو اور فسادی تحریک نہیں۔ اس
نے فتح تحریک کی شدید مخالفت کے باوجود زبردست کامیابی حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ وہ
فلسطینیوں کے حقوق کیلئے واحد نمائندہ جماعت ہے، جسے کہ وہ اقتدار میں دیکھنا چاہتے ہیں۔
2005ء کے انتخابات میں حماس نے حصہ لینے کا اعلان کر کے بین الاقوامی برادری کو حیران کر دیا
تھا۔ حماس تحریک نے کامیاب ہونے کے باوجود یہ اعلان کیا تھا کہ اتھارٹی صدر محمود عباس ابو
مازن نے اسرائیل کے ساتھ جو یکطرفہ معاہدے کئے ہیں، وہ اس کی پابندی کرے گی۔ حماس کے
مفاہمتی رویے کی ابتداء آج سے نہیں ہوئی بس مغرب نے اسے سمجھنے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔
حماس کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اگر شروع سے ہی اس کے ساتھ مذاکراتی راستہ اپنایا جاتا تو
مسئلہ فلسطین کسی نہ کسی کروٹ ضرور بیٹھتا۔ انتخابات میں حصہ لینے کے فیصلہ سے حماس کے نظریہ و
آئیڈیالوجی میں بھی بڑی تبدیلی آئی۔ اب جبکہ عالمی میڈیا نے بھی حماس سے مذاکرات کی
ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ تحریک کو بھی یہ احساس و ادراک ہو گیا ہے کہ لچکدار موقف رکھنے میں
ہی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ امریکی ماہرین کا خیال ہے کہ حماس کی اس لچک سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے امریکیوں کو مذاکرات اور گفت و شنید کا راستہ اپنانا چاہئے۔ حماس مملکت فلسطین کے قیام
کیلئے کوشاں ہے، صیہونی مملکت کو نقصان پہنچانے کیلئے نہیں۔ واشنگٹن کی ذمہ داری ہے کہ وہ حماس
کے خلاف زہر افشانی کے بجائے اس سے مصالحت کا راستہ اپنائے۔ حماس کا استحصال کرنے کے
بجائے اسے حقوق دیئے جائیں۔ فلسطینی باشندوں کو فوجی ظلم و بربریت، قتل و غارت گری اور مکمل
نسل کشی کا سامنا ہے۔ ان کی مزاحمت قومی مملکت کے قیام کیلئے ہے۔ خواہ ان کا یہ ملک ان کے
قومی وطن اور تاریخی سرزمین کے ایک حصہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ وطن کب قائم ہو گا اور اس کی
مزاحمت کب کامیابی سے ہمکنار ہو گی؟ یہ اسی وقت ممکن ہے جب امریکہ اسرائیل پر دباؤ ڈالتے
ہوئے حقیقی ثالثی کا کردار ادا کرے۔ اوباما اگر فلسطینی مملکت کے قیام میں مخلص ہیں تو تمام فلسطینی
دھڑوں کو ساتھ لے کر چلیں۔ اوباما کو اپنے قول اور عملی اقدامات کو ہم آہنگ کرنا ہو گا۔ اسرائیل
ٹال مٹول کرتا رہے گا اور مسئلہ کے حل کیلئے نئی نئی شرطیں عائد کرتا رہے گا۔ امریکی انتظامیہ نے
2005ء کے روڈ میپ کے تحت آزاد و خود مختار فلسطینی مملکت کے قیام کی نشاندہی کی تھی۔ جو کہ
2009ء میں بھی پورا نہ ہو سکا۔ اس روڈ میپ کے تحت اب فلسطینی مملکت کی تشکیل ہی مسئلے کا واحد

حل ہے۔

❖♦❖

کسی تحریک کے مستقبل کا اندازہ اس کی کامیابی کے تناسب یا شرح سے نہیں لگایا جا سکتا بلکہ
اس تنظیم کی اپنے کاز سے وابستگی، اس کے کارکنوں کی سچی لگن، ہمت نہ ہارنے والے حوصلوں، ماند نہ
پڑنے والے جذبوں، جذبہ حریت اور آزادی کیلئے چٹان کی طرح ڈٹ جانے والے عزائم سے لگایا
جا سکتا ہے۔ مقبوضہ فلسطین میں اس وقت دو بنیادی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں، جن میں سے ایک
''حماس'' اور دوسری ''الفتح'' ہے۔ تحریک آزادی فلسطین میں دونوں مرکزی کردار ادا کرنے کی
خواہاں ہیں مگر ان کے درمیان کچھ اصولی اور بنیادی اختلافات ہیں جنہوں نے دونوں تنظیموں کو
ایک دوسرے کا دوست بنانے کے بجائے حریف بنا دیا ہے۔ دونوں کے اختلافات سے مقبوضہ
فلسطین کی تحریک آزادی داؤ پر لگ چکی ہے۔ مسلم امہ نے بھی اس بات کو شدت سے محسوس کیا
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دنوں سعودی شاہ نے تواتر سے ان دونوں گروہوں پر زور دیا کہ وہ اپنے
اختلافات کا جلد از جلد خاتمہ کریں اور یکسوئی کا راستہ اختیار کریں تا کہ آزاد مملکت فلسطین کا قیام
عمل میں آ سکے اور القدس اس کا دارالحکومت ہو۔ سعودی عرب کابینہ نے کہا کہ فلسطینیوں کو ان
کے انتشار سے لاحق ہونے والے خطرات سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس سے صرف دشمنوں کو فائدہ
ہو گا۔ فلسطینیوں کے مقصد کو جو کہ عربوں کا بھی اولین مقصد ہے، نقصان ہو گا۔ خادم الحرمین شریفین
شاہ عبداللہ نے فلسطینیوں کو یاد دہانی کرائی کہ صرف ان کا اتحاد ہی ان کے جائز حقوق ان کو دلوا سکتا
ہے۔ حماس کو الفتح اور یورپی ممالک انتہا پسند تنظیم گردانتے ہیں۔ یہ تنظیم پہلی انتفادہ تحریک کے
ساتھ ہی وجود میں آئی۔ فلسطین کی سب سے بڑی اسلامی مزاحمتی تحریک کی بنیاد غزہ اور غرب اردن
میں 1987ء میں رکھی گئی۔ ''حماس'' کا مقصد اسرائیل کا فلسطینی علاقوں سے مکمل انخلاء ہے۔
''حماس'' کے قیام کے بعد جب ہم اس کے ابتدائی اہداف پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں ''حماس''
کا موقف ایک ایسی فلسطینی ریاست کا قیام نظر آتا ہے جو کہ ان علاقوں پر مشتمل ہو، جن کا بیشتر حصہ
1948ء میں یہودی ریاست کے قیام کے بعد سے اسرائیل کا حصہ ہے۔ ''حماس'' کے ابتدائی
دور کے بیانات میں سب سے اہم بیان یہ قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے
کیلئے ہرگز تیار نظر نہیں آتی ہے۔ تنظیم کے بانی شیخ احمد یاسین مرتے دم تک ''حماس'' کے روحانی
قائد بھی رہے۔ انہیں اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون کے حکم پر فوج نے مارچ 2004ء میں ایک
فضائی حملہ کر کے ہلاک کر دیا۔ ''حماس'' دو دھڑوں پر مشتمل ہے، جو بالکل مختلف امور سرانجام
دیتے ہیں۔ ایک مذہبی اور سماجی خدمات انجام دیتا ہے اور غرب اردن اور غزہ میں سکول اور

ہسپتال تعمیر کرواتا ہے۔ دوسرا دھڑا عزالدین القسام بریگیڈ کہلاتا ہے جو جہاد کیلئے سرگرم عمل ہے۔

''حماس'' کو یاسر عرفات نے بھی اپنا مدمقابل سمجھا لیکن اسے قومی دھارے کی سیاست میں شامل کرنا بھی ان کی مجبوری رہی۔ یاسر عرفات کے انتقال کے بعد ''حماس'' نے مقامی سطح پر ہونے والے انتخابات میں حصہ لیا اور غزہ، قلقیلیا اور نابلس کے علاقوں میں متعدد نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ پھر جنوری 2006ء میں ہونے والے انتخابات میں حماس نے واضح کامیابی حاصل کی۔ ''حماس'' نے انتخابات میں واضح فتح حاصل کی تھی مگر الفتح اور یورپی ممالک نے ''حماس'' کی حکومت کو تسلیم کرنے اور اسے قومی دھارے کی سیاست میں اس کا حصہ دینے کے بجائے نیست و نابود کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ ''حماس'' کو یقین ہو گیا کہ وہ ایک بین الاقوامی سازش کا شکار ہے جس کا مقصد انہیں تباہ کرنا ہے اور تحریک کے وجود کو ختم کرنا ہے۔

''حماس'' کے مدمقابل ''الفتح'' ہے۔ یاسر عرفات تنظیم آزادی فلسطین کے چیئرمین کا نام ''الفتح'' کے رہنما کی حیثیت کر دیا اور انہوں نے حماس کو دہشت گرد، انتہا پسند تنظیم قرار دیتے ہوئے اس پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر دیں، مگر ان انتخابات میں دھاندلی دھونس یا دیگر کسی قسم کی جعلسازی بھی ثابت نہ ہو سکی۔ مبصرین نے انتخابات کو پرامن قرار دیا اور اس طرح حماس عوامی سطح پر باقاعدہ سیاسی حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یاسر عرفات کی بااثر شخصیت اور ''الفتح'' کی جدوجہد سے قطع نظر حماس کی واضح اکثریت کے تناظر میں ایک پس منظر ہے، جس نے ''حماس'' کو فلسطینی قوم کی نمائندہ تنظیم بنا دیا ہے۔

برسوں کی جلاوطنی کے بعد جب 1994ء میں پی ایل او کے سربراہ یاسر عرفات فاتحانہ انداز میں غزہ داخل ہوئے تو لگتا تھا کہ ''الفتح''، فلسطینی قوم کی نمائندہ تنظیم بن کر سامنے آئے گی مگر ایسا نہ ہوا، غزہ میں آنے والے فتح کے نوواردوں نے اپنی دولت کی چمک سے اس علاقے کے غریب لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا دیا اور غریب ترین علاقے میں شاندار محلات بنا کر لوگوں میں مایوسی پھیلا دی اور اس تاثر کو جنم دیا کہ یہ لوگ ان کے آزادی کیلئے سرگرم جذبوں کے حقیقی ترجمان ہو سکتے ہیں اور نہ ان کی بھلائی کے خواہاں، ''الفتح'' کے لوگ صرف دولت سے ہی غریب عوام کو مرعوب نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے ''حماس'' کے کارکنوں کو اذیت دینا بھی شروع کر دی، انہیں ہراساں اور گرفتار کیا جانے لگا۔ مارنا پیٹنا اور بے عزتی تو معمول کی بات بن گئی۔ ایسے میں 2006ء کے انتخابات میں ''حماس'' کی کامیابی کی وجوہات ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ ''حماس'' کی جیت نے ''الفتح'' کی نگاہ میں حماس کو معتوب ٹھہرا دیا اور ''حماس'' کی بیخ کنی ان کا مقصد اولین بن گئی۔ 70 فیصد نشستوں کی برتری کے باوجود حماس کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔

اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو گی کہ سلام فیاض گروپ، جسے انتخابات میں 25 فیصد چھائی فیصد ووٹ بھی نہ مل سکا تھا۔ اس کی حکومت تو قانونی ہو اور جس نے 70 فیصد ووٹ حاصل کئے اس کی حکومت غیر قانونی ہو۔ ''حماس'' کی انتخابی کامیابی پر اسرائیل نے ''حماس'' کے ارکان کے قتل اور مکانوں کی تباہی کا سلسلہ شروع کیا اور اس کیلئے مختلف اہداف ترتیب دیئے، جن میں غرب اردن میں یہودی بستیوں کی تعمیر، فلسطینی دیہات کی ناکہ بندی، مسلمانوں کی نقل و حرکت پر پابندیاں، القدس سے مسلم اکثریتی آبادی کی بے دخلی اور مسجد اقصیٰ کی بنیادوں میں نقب زنی سرفہرست ہیں۔

حالیہ غزہ حملوں کا مقصد بھی غزہ سے ''حماس'' کو بے دخل کرنا، حماس تحریک کا صفایا، اس کے کارکنوں کا خاتمہ تھا، مگر حماس کی مؤثر حکمت عملی اور اس کے اٹل ارادوں اور آہنی عزائم نے دشمنوں کے ارادوں کو خاک میں ملا کر ثابت کر دیا کہ اسے شکست دینا یا ملیامیٹ کرنا آسان نہیں ہے۔ غزہ کارروائی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ امریکہ، اسرائیل، مصر، اردن اور ''الفتح'' کی مشترکہ منصوبہ بندی تھی۔ بش کی شہہ پر اسرائیل نے ''حماس'' کے خلاف بھرپور کارروائی شروع کی۔ اس کا مقصد ''حماس'' کی جنگی طاقت کا مکمل خاتمہ تھا۔

اسرائیل کی ظالمانہ کارروائیوں اور بہیمانہ حملوں کے باوجود بھی حماس کے مجاہدین نے مزاحمت جاری رکھی۔ غزہ کے باسیوں نے بھی حماس مجاہدین کا بھرپور ساتھ دیا اور ہمت نہیں ہاری۔

''حماس'' کے خلاف ہونے والے منصوبوں اور سازشوں کی ناکامی نے اسرائیل اور یورپ پر واضح کر دیا کہ حماس سے مذاکرات کئے بغیر چارہ نہیں، ''الفتح'' جسے خود فلسطینی اپنے حقوق کی نمائندہ تنظیم ماننے سے گریزاں ہیں سے تصفیہ کر کے فلسطین میں امن کا قیام ممکن نہیں۔ ''حماس'' نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر مسلسل جدوجہد سے اپنے وجود کو منوا لیا ہے۔ ''حماس'' کی اسی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے آج امریکہ اور مغربی طاقتیں حماس سے مذاکرات کیلئے رضامند ہو گئی ہیں۔ غزہ کا دورہ کرنے والے جمی کارٹر نے بھی امریکہ حماس سے براہ راست مذاکرات کیلئے امریکہ کی خواہش کا تذکرہ کیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ حماس کے رویے میں بھی کچھ بنیادی مگر مثبت تبدیلیاں آئی ہیں، مگر ان کا فلسطین کی آزادی سے متعلق حقیقی مؤقف اپنی جگہ بدستور قائم ہے۔ گزشتہ دنوں حماس کے معزول وزیراعظم اسماعیل ہانیہ نے ایک حیرت انگیز بیان دیتے ہوئے کہا کہ تحریک حماس فلسطینی ریاست کے 1967ء کے سرحدی مؤقف کے ساتھ ساتھ اسرائیل کے قیام کو بھی منظور کرتی ہے، جہاں اس کی خودمختاری کا احترام کرتے ہوئے بیت المقدس کو فلسطین

کا بطور دارالحکومت تسلیم کیا جائے۔ اسماعیل ہانیہ نے امریکی صدر بارک اوباما کے قاہرہ میں خطاب کی بھی ستائش کی۔ اسماعیل ہانیہ کے اس بیان میں دو بنیادی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ ایک تو 1948ء کے بجائے 1967ء کی سرحدوں کے مطابق مسئلہ فلسطین کا حل' دوسرا اسرائیل کو تسلیم کرنے پر رضامندی۔ حماس کے رویے میں یہ لچک اس کے عزائم میں کمزوری کی نشاندہی نہیں کرتی بلکہ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ کل تک حماس کو دہشت گرد تنظیم قرار دینے والوں نے اگر حماس سے مذاکرات کی ضرورت کو محسوس کرلیا ہے تو پھر حماس بھی اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا' جس سے آزادی فلسطین کو بھی نقصان نہ پہنچے اور حماس کو الگ تھلگ کرنے کے بجائے مسئلہ فلسطین کے حل میں بنیادی فریق خیال کیا جائے بلکہ گفت وشنید میں حماس کو کلیدی کردار حاصل ہو۔ حماس پر پہلے ہی واضح کرچکی ہے کہ وہ ایسی تمام کوششوں کی تائید و حمایت کرے گی جو اسرائیل کے قبضہ کو ختم کرنے' فلسطینیوں کے حقوق کو بحال کرنے اور انہیں حق خودارادیت دینے کے مقصد سے شروع کی جائیں۔ انہوں نے اپنے اس مؤقف کو بھی دہرایا کہ وہ باراک اوباما اور بین الاقوامی برادری سے دو باتیں چاہتے ہیں' ایک تو اسرائیل پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ فلسطینی حقوق کو تسلیم کریں' دوسری بات یہ کہ بین الاقوامی طاقتیں فلسطین کے داخلی معاملات میں مداخلت کرنا ترک کردیں۔ اسے فلسطینیوں پر چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ اپنے اختلافات کو پرامن طور پر خود حل کریں۔ دنیا کو چاہئے کہ وہ فلسطینی جمہوریت اور اس کے نتائج کو تسلیم کرلیں۔

''حماس'' اور ''الفتح'' میں مذاکرات کے کئی دور ہوئے مگر ناکامی سے دوچار ہوئے۔ 2007ء میں محمود عباس کے وفاداروں کو اقتدار سے بے دخل کر کے غزہ پٹی کا قبضہ حماس نے حاصل کیا تھا۔ اس وقت سے ''الفتح''''حماس'' کے تعاقب میں ہے۔ وہ نہ صرف اسرائیل اور یورپ کو حماس کے خلاف اکساتی رہتی ہیں بلکہ وہ فلسطینی مذاکرات کو بھی قصداً سبوتاژ کرتی رہتی ہے' کیونکہ اسرائیل کا ساتھ دینے میں اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں۔ گزشتہ دنوں سلام فیاض کی قیادت میں نئی حکومت نے فلسطینی اتھارٹی کے ہیڈکوارٹر میں حلف لیا۔ نئی حکومت کی کابینہ میں 25 وزراء ہیں، جن میں نصف تعداد ''الفتح'' ارکان کی ہے۔ حماس کا کوئی رکن شامل نہیں ہے۔ قابل افسوس امر تو یہ ہے کہ فتح کی حکومت کو اسرائیل اور مغربی ممالک تسلیم کرتے ہیں' مگر حماس کی حکومت کو تسلیم کرنے سے صاف انکاری ہیں۔ الفتح کی اسرائیل کیلئے جاسوسی' اسرائیل سے مالی فوائد اور تحریک آزادی فلسطین کے حقیقی مقصد کو زک پہنچا کر اپنے مفادات کا حصول کسی سے ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ الفتح کے منافقانہ دوغلے کردار نے اسے فلسطینی قوم کے ساتھ ساتھ عرب دنیا اور مسلم امہ کی نگاہوں سے گرادیا ہے۔ الفتح کے مدمقابل حماس کا

مخلصانہ اور سچا کردار اظہر من الشمس ہے۔ حماس کا تشکیلی ڈھانچہ اب مزید وسعت پذیر ہوتا جارہا ہے۔ حماس نے غزہ کے شہریوں کیلئے مسلم طرز زندگی اختیار کرنے کی مہم بھی شروع کی ہے۔ یہ ساری کوششیں حماس کی جانب سے اسلامی طرز حیات کو عام کرنے کی مہم کا حصہ ہیں۔ شہریوں کے تعاون سے غزہ پر حکومت کرنے والی حماس کے حوصلے اب بلند ہوچکے ہیں اور وہ اپنے نظریات وطرز فکر کو شہریوں کی زندگی میں بھی لانا چاہتی ہے۔ صرف یہی نہیں حماس نے اسرائیل سے جنگ جیتنے کیلئے رائے عامہ کا شعبہ بھی اختیار کیا ہے' جس میں حماس کو برتری حاصل ہے۔ حماس نے محسوس کیا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اسرائیل کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا ضروری ہے۔ حماس نے اس کیلئے تہذیب وثقافت اور تعلقات عامہ کا راستہ اپنایا ہے۔ حکمت عملی میں تبدیلی کا مقصد حماس کے قائدین کے بموجب مزاحمتی تمدن قائم کرنا ہے۔ اس سلسلے میں حماس نے تہذیب وثقافت مہم کا آغاز دوروزہ کانفرنس سے کیا' جس میں ایک ڈرامہ پیش کیا گیا۔ ایک فلم کا پریمیئر ہوا۔ مصوری کی نمائش کی گئی' شاعری کی ایک کتاب شائع کی گئی اور ٹیلی ویژن پروگراموں کا آغاز کیا گیا۔ ان نمائشوں کا مقصد غزہ پٹی میں فلسطینیوں کی حالت زار اجاگر کرنا ہے۔ حماس کے وزیر ثقافت اسامہ علی سادی نے اس حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا' فلسطینی دہشت گرد نہیں۔ صرف مزاحمتی جنگجو ہیں اور ہم بیرونی دنیا کو اس حقیقت سے واقف کرانا چاہتے ہیں کہ اس کیلئے ہمیں ادیبوں' دانشوروں کی ضرورت ہے، جو فلسطینی عوام کی تکالیف کو روزانہ دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں اور واضح کریں کہ بنیادی وجہ اسرائیل ہے۔

حماس نے اوباما انتظامیہ سے مذاکرات کیلئے بھی رضامندی ظاہر کی ہے۔ خالد مشعل نے اس حوالے سے کہا کہ وہ صہیونی پارٹی کے علاوہ دنیا کی کسی بھی پارٹی سے گفتگو کیلئے تیار ہیں' کیونکہ وہ ایک مقصد کو پانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بارک اوباما کی اپنے پیش رؤں کے برخلاف بہتر زبان استعمال کرنے کی تعریف کی اور کہا کہ جب تک بہتر زبان استعمال کی جاتی رہے گی وہ اس کا خیرمقدم کریں گے' مگر وہ صرف زبان کی تبدیلی ہی نہیں بلکہ بنیادی پالیسی کی تبدیلی کی بھی توقع کرتے ہیں۔ وہ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ وہ امریکہ یا کسی بھی ایسے فریق سے گفتگو کیلئے تیار ہیں جو فلسطینیوں کو ان کی زمین واپس دلائے۔ خالد مشعل نے یہ بھی کہا کہ ان کے بیان کا یہ مطلب قطعی نہیں لیا جانا چاہئے کہ وہ نام نہاد تسلیم شدہ اسرائیل کو قبول کرلیں گے اور فلسطین و اسرائیل کے درمیان ماضی میں ہوئے تمام معاہدوں کو تسلیم کرتے ہوئے جدوجہد ترک کردیں گے۔

حماس اور الفتح دونوں تحریک آزادی فلسطین کی دعویدار ہیں' مگر ان میں سے ایک حماس حقیقی معنوں میں برسرپیکار ہے جبکہ دوسری فتح یہود اور مغربی طاقتوں کی آلہ کار اور ان کے ہاتھوں

یرغمال ہے۔

حماس کو ناقابل ممنوعہ قرار دینے والوں پر اب اجاگر ہو چکا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن کیلئے حماس سے مذاکرات ناگزیر ہیں۔ کل تک حماس کو دہشت گرد قرار دینے والا برطانیہ بھی اب حماس سے بات چیت کو ضروری خیال کرتا ہے۔ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر حماس کا وجود اب مستند حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ حماس کی پالیسیوں میں وسعت پذیری اور مثبت تبدیلی کو دیکھتے ہوئے مقبوضہ فلسطین میں حماس کی قلیدی اہمیت کو نظر انداز کرنا اب کسی کیلئے ممکن نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مشرق وسطیٰ کا تنازع کو لٹکائے رکھنا۔ اب حماس کو ہر مرحلے پر ساتھ لے کر چلنے سے ہی کام بنے گا نہ کہ اسے پس پشت ڈالنے سے۔ توقع ہے کہ مستقبل میں حماس کا کردار مزید اہمیت اختیار کرتے ہوئے اپنا آپ منواتا جائے گا۔

❖♦❖

مشرق وسطیٰ میں امن کی کوششوں کو اس وقت تک تقویت حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک مغربی قوتیں اسرائیل کے سر سے اپنا دست شفقت اٹھا نہیں لیتیں۔ بظاہر امریکی صدر اسرائیل کو امن فارمولے پر آمادہ کرنے یا یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے کیلئے رضامند کرنے کی کوششوں میں تو لگے ہوئے ہیں مگر اسرائیل کی تمام تر ہٹ دھرمیوں کا سہرا آ جا کر امریکہ اور مغربی قوتوں کے ساتھ جاملتا ہے' اسی لئے اسرائیل نہ تو یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے پر آمادہ ہے اور نہ ہی مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے کسی امن فارمولے پر متفق۔ اسرائیل کے دوستوں یعنی امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کا یہ حال ہے کہ وہ بظاہر اسرائیل کے خلاف چند کڑوے کسیلے بیان دے کر دنیا خصوصاً عرب ممالک پر یہ باور کرانے کی کوشش میں ہیں کہ وہ عرب ممالک کا بھلا چاہتے ہیں اور اسرائیل کی ناجائز کارروائیوں کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ درحقیقت اگر امریکہ اور یورپی قوتیں اسرائیل سے منہ موڑ لیں تو اسرائیل خود ہی گھٹنوں کے بل آ گرے' لیکن اگر امریکہ یہ کر گزرے تو امریکہ کی معیشت اور سیاست پر اجارہ داری رکھنے والے یہودی اسے تہی دست کر دیں گے۔ اسلام مخالف قوتیں مسلمانوں کو برداشت نہیں کر سکتیں ہیں۔ آپسی اتحاد اور سازشوں سے وہ مل جل کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ امریکی نمائندہ جارج مچل نے حال ہی مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا مگر اسرائیلی اور فلسطینی فریقین کو دوبارہ مذاکرات کے آغاز کیلئے آمادگی میں ناکامی کے بعد وطن واپس چلے گئے۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق جارج مچل اپنے دورہ مشرق وسطیٰ کے موقع پر اسرائیلی اور فلسطینی رہنماؤں سے تفصیلی ملاقاتوں کے باوجود انہیں مذاکرات کے آغاز کیلئے قائل نہ کر سکے۔ یوں امن کوششوں کا دھارا پھر رک گیا۔

اسرائیل کو امن کیلئے آمادہ کرنا جوئے شیر لانے سے کم مترادف نہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اسرائیل کو اپنی قوت پر ناز ہے۔ امریکہ اور یورپ نے اسے ایٹمی طاقت بنا دیا ہے۔ میڈیا' معیشت' سیاست پر یہودیوں کی اجارہ داری ہے۔ اپنی حیثیت کو طاقتور گردانتے ہوئے وہ کسی بھی امن فارمولے کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اس کا نظریہ امن بھی دراصل ''جنگ'' سے ہی جاملتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جب وہ طاقت اور قوت کے بل بوتے پر اپنے مطالبات منوا سکتا ہے تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ فلسطین نام کی کسی ریاست پر آمادہ ہو یا کسی علاقے پر اپنا قبضہ چھوڑے۔ صرف اتنا ہی نہیں جب بھی کسی یورپی ملک کی طرف سے اسرائیل پر کوئی دباؤ پڑتا ہے' اس کے خلاف کوئی مذمتی بیان سامنے آتا ہے یا فلسطینیوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے تو اسرائیل فوراً دھمکیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ جب اوباما نے نئی یہودی بستیاں روکنے سے متعلق اسرائیل پر دباؤ ڈالا تو اسرائیل نے فوراً امریکہ کو دھمکی دے دی کہ اگر اس نے فلسطینی کی حمایت جاری رکھی تو اسے اسرائیل کی سخت ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہودیوں کا امریکہ کو اپنی مہربانی سے محروم کر دینا۔ یورپی یونین نے جنگی جرائم اور یہودی بستیوں کے حوالے سے فلسطینیوں کی تائید میں بیان دیئے تو اسرائیل نے یورپی یونین کو بھی دھمکیاں دینا شروع کر دیں اور یہاں تک کہ وہ اسرائیل کے داخلی معاملات میں مداخلت سے باز رہے۔ اب جب اقوام متحدہ کے ادارے نے اسرائیل کے جنگی جرائم پر رپورٹ جاری کر دی ہے جس میں اسرائیل کو جنگی جرائم کا مرتکب ٹھہرایا گیا ہے' اسرائیل سے یہ برداشت نہیں ہو رہا اس نے نہ صرف ان جنگی جرائم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے بلکہ اس نے اس رپورٹ کی حمایت کرنے والے ممالک کو دھمکیاں دینا شروع کر دی ہیں۔ اسرائیل نے برطانیہ کو دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے غزہ میں اسرائیلی جنگی جرائم کے حوالے سے اقوام متحدہ کی رپورٹ کی حمایت ترک نہ کی تو اسے افغانستان اور عراق میں اپنی کارروائیوں پر مشکل صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسرائیلی اخبار ''حارث'' نے اسرائیلی اعلیٰ عہدیدار کا نام ظاہر کئے بغیر شائع کیا ہے کہ اگر برطانیہ نے غزہ میں تحقیقات کرنے والے اقوام متحدہ کے نمائندے گولڈ سٹون کی تجاویز کی حمایت ترک نہ کی تو اسرائیل بھی جوابی طور پر افغانستان اور عراق میں برطانوی کارروائی کو سامنے لا کر اس کے ہاتھ باندھ دے گا۔ اسرائیلی ذرائع ابلاغ میں اسرائیلی حکام کی طرف سے ان بیانات پر برطانیہ نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ اسرائیل کو تکلیف ہے کہ برطانیہ نے اس رپورٹ کو درست قرار کیوں دیا ہے؟ اقوام متحدہ میں برطانوی سفیر نے گولڈ سٹون رپورٹ کے بہت سے حصول کو درست قرار دیا ہے' جن میں اسرائیلی جنگی جرائم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسرائیل برطانیہ کی اس سچ گوئی کو تسلیم نہیں کر پا رہا' مگر سچ کو دبایا تو جا سکتا ہے'

چھپایا نہیں جاسکتا۔ اسرائیل مسئلہ فلسطین کے حل میں ہر قسم کے تعاون سے گریزاں ہے۔ اس نے مسجد اقصیٰ کو مٹانے کا بھی تہیہ کر رکھا ہے اور وہ اس مذموم منصوبے پر عمل پیرا ہے۔

مسجد اقصیٰ کے صحن میں یہودی ہیکل کا دیو ہیکل ماڈل رکھنے کی خبر سے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مسجد اقصیٰ کا انہدام ان کی تخریبی سازشوں کا حصہ ہے۔ صہیونیوں نے ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کی تلاش کی آڑ میں مسجد اقصیٰ کی بنیادوں میں سرنگیں کھود دی ہیں اور اس کے بعد کسی بھی سماوی و آفاتی حادثے زلزلہ وغیرہ کو جواز بنا کر مسجد اقصیٰ کا انہدام کرنا ان کا پلان ہے۔ مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ میں نماز کی ادائیگی سے روک دینا اور مشرقی بیت المقدس میں یہودیوں کی آبادکاری بیت المقدس پر تصرف کی چال ہے۔ ایک طرف مذاکرات کو لے کر معاملہ چل رہا ہے' دوسری طرف مذاکرات کو ایک طرف رکھ کر اسرائیل بلا تامل اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ کیلئے امریکی صدر کی نمائندہ خصوصی جارج مچل نے اپنے دورے میں فلسطینی اور اسرائیلی حکام سے ملاقاتیں کیں' جس میں دونوں نے اپنے نمائندے واشنگٹن بھیجنے پر اتفاق کیا' مگر مسئلہ کے حل کیلئے اہم فریق حماس کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ محمود عباس نے امن مذاکرات کیلئے اسرائیل کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ محمود عباس کا یہ دہرا اور تضادانہ رویہ اسرائیل کی ہاں میں ہاں ملانا اور اس کے تمام منصوبوں پر سر تسلیم خم کرنا بلکہ تعاون کرنا' فتح کے اراکین کا وطیرہ ہے۔ اگر محمود عباس فلسطین کے حل میں مخلص ہیں تو وہ اسرائیل کے بجائے فلسطینیوں کے حقوق کیلئے آواز اٹھائیں۔ اسرائیل کیلئے جاسوسی کا فریضہ سرانجام نہ دیں۔ فلسطین کی دیگر حقیقی تنظیموں کے ساتھ مل جل کر چلیں۔ آج مسجد اقصیٰ کے خلاف صہیونی گھناؤنے عزائم کو لے کر چل رہے ہیں۔ فتح کے اراکین پر جوں تک نہیں رینگ رہی بلکہ اس نے دیگر فلسطینی جماعتوں کو بھی جلسے جلوس کرنے سے روک دیا۔ گویا فتح کی اسرائیل سے یگانگت کا اظہار ہے کہ اسرائیل کے خلاف آواز اٹھانے والوں کا منہ وہ بند کر دینا چاہتی ہے۔ عباس ملیشیا نے مسجد اقصیٰ سے اظہار یکجہتی کیلئے مغربی کنارے میں فلسطینی عوام اور مزاحمتی جماعتوں کو ریلیاں نکالنے سے روک دیا' جس پر حماس نے الفتح کے اس اقدام کی شدید مذمت کی' حماس نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا کہ فتح اپنے انہی اقدامات کے باعث مغربی کنارے میں مقبولیت کھو رہی ہے۔ اسلامی جہاد نے بھی مسجد اقصیٰ سے اظہار یکجہتی اور گولڈسٹون رپورٹ پر بحث ملتوی کئے جانے کے واقعہ کی مذمت میں غزہ میں ریلی نکالی۔ ریلی میں ہزاروں فلسطینیوں سے خطاب کرتے ہوئے اسلامی جہاد کے رہنما خالد سبطین نے کہا کہ مسجد اقصیٰ کے خلاف جاری کارروائی کا مقصد اسلامی تاریخ اور آثار کو مٹانا ہے۔ مسجد اقصیٰ خطرے میں ہے۔ انہوں نے مسلمان حکمرانوں کی خاموشی کی مذمت کی۔ اسرائیلی حکومت

مسجد اقصیٰ کو الخلیل مسجد ابراہیمی کی طرز پر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہتی ہے۔ قاہرہ فلسطینی جماعتوں کے درمیان مفاہمت کی بات چیت کو بھی آگے بڑھا رہا ہے۔ حال ہی میں اسلامی تحریک مزاحمت کا اعلیٰ وفد حماس کے سیاسی شعبے کے نائب صدر ڈاکٹر موسیٰ ابو مرزوق کی قیادت میں قاہرہ پہنچا۔ اس وفد میں سیاسی شعبے کے رکن محمد نصر بھی شامل ہیں۔ مفاہمت کا عمل عرب ممالک کی خواہش پر شروع کیا گیا ہے' کیونکہ گزشتہ دنوں سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے بھی اس بات پر زور دیا تھا کہ مسئلہ فلسطین کا حل اسی وقت ممکن ہے جب فلسطین کی آزادی کیلئے سرگرم جماعتیں متحد ہوں گی۔ مسجد اقصیٰ میں یہودی جارحیت تمام مسلمانوں اور فلسطینی جماعتوں کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ اس وقت تمام مسلم ممالک کو یکجا ہو کر اسرائیلی جارحیت کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے' ورنہ مسلمانوں کی اس مقدس عمارت کو ڈھا دیا جائے گا۔ مسجد اقصیٰ کے خلاف سازش پر ترکی کی حکومت کی جانب سے اسرائیل کے خلاف بیانات اور فضائی مشقوں کا منسوخ کر دینا ایک احسن فیصلہ ہے' جس سے دوسرے ممالک کو بھی سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مسجد اقصیٰ کے محاصرے کے خلاف ترک حکومت نے اسرائیل کو وارننگ پر مبنی خط لکھا، جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر اسرائیل مسجد اقصیٰ کی طرف بڑھا تو تعلقات خراب ہو سکتے ہیں' جبکہ ترکی نے اسرائیل کے ساتھ ہونے والی فضائی مشقیں بھی منسوخ کر دی ہیں۔ ترک وزیر خارجہ احمد داؤد اوغلو کا بیان قابل ذکر ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مقبوضہ بیت المقدس میں فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی حکومت کی غاصبانہ کارروائیوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسرائیل قابض پولیس کے فلسطینیوں سے ناروا سلوک پر شدید تنقید کرتے ہوئے بتایا کہ یہودی نہ بھولیں مسجد اقصیٰ نہ صرف دنیا بھر کے مسلمانوں بلکہ مسیحیوں کے بھی دلوں کی دھڑکن ہے۔ ترکی مسجد اقصیٰ کو فلسطینی علاقوں کا ناگزیر حصہ تصور کرتا ہے اور مسئلہ فلسطین کے تناظر میں اپنے اصولی مؤقف پر قائم ہے۔ انقرہ میں اسرائیلی سفارت کے حوالے سے تصدیق کرتے ہوئے کہا گیا کہ ترکی نے اسرائیل' امریکہ' اٹلی اور نیٹو فورسز کے اشتراک سے ہونے والی فضائی فوجی مشقیں منسوخ کر دی ہیں۔ ترک حکومت کا اسرائیل کے ساتھ متعدد مشترکہ پراجیکٹس پر اشتراک ہے' مگر اسرائیل کی ناجائز کارروائیوں کو جس طرح ہدف ملامت ٹھہراتے ہوئے وہ اس سے اپنے تعلقات کو خاتمے کی نہج پر لے کر جا رہی ہے۔ اس سے دوسرے مسلم ممالک کو بھی سبق سیکھنے کی ضرورت ہے جو اسرائیل کو تسلیم تو نہیں کرتے مگر اس کے خلاف آواز بھی بلند نہیں کرتے۔ سچ یہی ہے کہ یہ اسرائیل کے خلاف آواز اٹھانا نہیں یہ مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہ پر ناجائز قبضے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہے۔ صہیونیوں کے اس اقدام کے خلاف بیانات کے بجائے عملی اقدامات کی ضرورت ہے'

کیونکہ اسرائیل سفارتکاری' مذاکرات یا بات چیت کی زبان نہیں سمجھتا۔ اس کا رویہ جارحانہ ہے اور اس سے اپنا حق وصول کرنے کیلئے بھی جارحانہ طریقہ ہی کارگر ہوگا۔ اسرائیل قابض انتظامیہ نے مقبوضہ بیت المقدس کا محاصرہ کر کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے حق کو غصب کیا ہے۔ مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق یہودی قابضین نے نہ صرف ایک تقریب میں نام نہاد تیسرے ہیکل سلیمانی کا سنگ بنیاد بلکہ وہ مسجد اقصیٰ پر دھاوا بولنے کی تیاریوں میں ہے۔ اسرائیلی قابض انتظامیہ نے پرانے مقبوضہ بیت المقدس شہر کو رکاوٹیں کھڑی کر کے بند کر دیا' تاکہ یہودی قابضین بآسانی مسجد اقصیٰ کی دیوار براق جا سکیں۔ قاہرہ میں عرب لیگ کے ہنگامی اجلاس میں مقبوضہ بیت المقدس کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر بھی غور کیا گیا۔ مسجد اقصیٰ کے دفاع کیلئے جمع ہونے والے فلسطینی باشندوں پر اسرائیلی فوج کے ظلم وستم جاری ہیں۔ صہیونیوں کا یہ دعویٰ کہ فلسطین کے اندر ان کا تاریخی حق ہے۔ اس کی تکذیب تو تاریخی حقائق سے ہو جاتی ہے۔ 400 سال قبل مسیح مذہبی کتابوں میں بابلیوں کے نزدیک اس کا نام ماتو تھا' جس کا مطلب تھا'' مغربی سرزمین۔'' اس کا نام اس لئے پڑا کہ یہ بابل کے مغرب میں واقع تھا۔ 3000 سال قبل مسیح اس فلسطین کا نام '' اموڈ'' پڑا' یعنی اموڈیوں کی سرزمین اور اموڈی کون تھے؟ عربوں کے اجداد فلسطین کے متعلق بین الاقوامی قوانین کی پوزیشن یوں ہے کہ 1945ء میں جس وقت اقوام متحدہ کی پیدائش ہوئی فلسطین بین الاقوامی سطح پر اپنا تشخص اور وجود رکھتا تھا۔ اس کی حیثیت عراق' شام' لبنان اور اردن جیسی تھی۔ فلسطین کی پوری زمین اسلامی وقف ہے جس پر کسی کو تصرف کا حق نہیں' حتیٰ کہ فلسطینیوں کو بھی نہیں۔ 1099-1187ء میں صلاح الدین ایوبی نے یورپی صلیبی قبضہ سے فلسطین کو آزاد کرایا اور اسے شام کے ساتھ متحد کر دیا اور یہ اس طرح مسلمانوں کے قبضہ میں ترکوں کے آنے تک برقرار رہا۔ 1566ء سے 1916ء تک وہ اس پر قابض رہے۔ فلسطینی سرزمین چار ہزار سال قبل مسیح سے ان مراحل سے گزرتی چلی آ رہی ہے۔ یہ تاریخی شواہد اس بات کی واضح دلیل اور منہ بولتی تصویر ہیں کہ فلسطین ہمیشہ سے عربوں اور مسلمانوں کی زمین رہی ہے۔ یہ صہیونیوں کی زمین کبھی نہیں رہی۔ عربوں اور صہیونی ڈھانچے کے درمیان جتنے مصالحتی معاہدے ہوئے، وہ سب کے سب کالعدم قرار پائے ہیں' کیونکہ یہ سارے کے سارے معاہدے قابض فوجوں کی دھمکیوں اور لٹکتی تلواروں کے سائے میں کئے گئے۔ عربوں کی ہر شکست کے بعد صہیونی طاقت ایک ایک نئی امن پالیسی لے کر سامنے آتا ہے، اور عربوں سے اس پر دستخط کراتا رہا ہے اور سب معاہدات کیا ہیں۔ نہ صرف بین الاقوامی قوانین کے خلاف بلکہ یہ معاہدات نہیں شرائط ہیں، جو وہ فلسطین کی مشروط آزادی کی صورت میں عربوں کے سامنے رکھتا ہے۔ اقوام متحدہ یا جنرل اسمبلی کسی کو یہ

اختیار نہیں کہ وہ کسی کی زمین کسی کے حوالے کرے۔ فلسطین کی زمین وہاں کے مسلم باشندوں کی ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کیلئے مقدس ہے۔ فلسطین کی سرزمین کو ہتھیانے کے بعد مسجد اقصیٰ کے خلاف ناپاک منصوبے بنائے جا رہے ہیں جن پر صہیونیوں نے عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کی پاک اور مقدس عبادت گاہ کے خلاف سازشیں واضح پیغام ہیں کہ یہودی اور عیسائی کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ ان کو جب موقع ملے گا یہ مسلمانوں پر کاری وار کریں گے۔ مسجد اقصیٰ کے خلاف پلان مسلمانوں کے دل پر لگائے جانے والا دھچکا عظیم ہے، جو اسرائیل نے امریکہ اور غیر مسلم طاقتوں کی تھپکی پر کیا ہے' ایسے میں ترک حکومت کی طرح تمام تر مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسرائیل کے خلاف عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔

❖♦❖

اسرائیل مسلسل بین الاقوامی ادارہ حقوق انسانی اور اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کی طرف سے لگائے گئے جنگی جرائم کے الزامات کو رد کر رہا ہے جس کے تحت اسرائیل بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کا قصور وار ٹھہرتا ہے۔ اسرائیل بھلے ان الزامات کو جھٹلائے مگر ان سپاہیوں کے بیانات کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے' جنہوں نے اس وحشیانہ بمباری میں حصہ لیا۔ ان کا کہنا ہے کہ انہیں ان کے کمانڈروں نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ شہریوں اور مجاہدین کی تمیز کئے بغیر فائرنگ کریں۔ سب سے پہلے وہ گولیاں چلائیں' بعد میں دیکھا جائے گا کہ وہ شہری ہیں یا مجاہدین۔ ان فوجیوں کے مطابق ان کو غزہ میں بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ وہ اندھا دھند فائرنگ کریں اور فلسطینیوں کا زیادہ سے زیادہ خاتمہ کریں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا ذرائع کے مطابق اسرائیلی فوج کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان مظالم کو کم سے کم سامنے لائیں۔ اسرائیل کے وحشیانہ جرائم کو چھپایا جائے۔ ایک سپاہی نے اپنی شناخت چھپانے پر اصرار کرتے ہوئے بتایا کہ اس جنگ کی ہدایات دیتے ہوئے انہیں خاص طور پر کہا گیا تھا کہ '' ایک دشمن کو ہدف بنانے سے ایک معصوم یا بے بس کو نشانہ بنانا زیادہ بہتر ہے۔'' اس 22 روزہ غزہ بمباری میں یہی کچھ کیا گیا۔'' اگر تمہیں یقین نہیں' قتل کرو' گولی اندھی ہوتی ہے۔'' ہم نے یہی کچھ کیا۔ ہم پاگل ہو گئے' ہم نے پاگلوں کی طرح مشتبہ مقامات پر فائرنگ کی۔ شہری علاقوں میں بھی جہاں سب دشمن ہیں۔ کوئی معصوم نہیں۔ اسرائیل کا غزہ حملہ حماس کے راکٹ حملوں کو جواز بنا کر کیا گیا۔ فلسطینی رائٹس گروپ کے ترجمان کا کہنا ہے کہ 1917 افراد ہلاک ہوئے' جن میں 927 عام شہری تھے' جن کا اسرائیلیوں پر راکٹ حملوں سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ اسرائیلی فوج نے جو تعداد بتائی ہے وہ 1166 ہے' جن میں 295 عام شہری بتائے گئے۔ اسرائیل نے یہ بھی کہا ہے، کہ ان میں سے 10 اس کے اپنے سپاہی تھے اور

تین اس کے اپنے شہری تھے۔

اسرائیلی فوج کے سپاہیوں کو خاص طور پر میڈیا سے بات نہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں ایک خاص رپورٹ شائع کی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ غزہ پر حملہ کرنے والے فوجیوں کی اکثریت اپنے باقاعدہ فوجی یونٹوں میں خدمات سرانجام دے رہی تھی۔ انہیں غزہ مہم کیلئے خاص طور پر اسرائیلی ڈیفنس فورس نے بلوایا۔ ان کی صلاحیت کا پیمانہ غزہ کے شہریوں کی ہلاکت کی تعداد رکھا گیا۔ ان حقائق سے پردہ اٹھانے والے اکثر سپاہیوں کے نام گمنام ہیں یا غلط پیش کئے گئے ہیں۔ ماسوائے سارجنٹ عامر کے، مگر ان کے بیانات کو www.breakingthesilence.org.it پر پڑھا جا سکتا ہے۔ اس گروپ کا کہنا ہے کہ انہیں اسرائیلی ہیومن رائٹس گروپ' برطانیہ کی حکومت' نیدرلینڈ' سپین اور یورپی یونین سے فنڈز موصول ہوئے ہیں۔ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ایک اخلاقی معاشرہ کا وجود بھی ارتقا پا سکتا ہے جب صاف شفاف اور دیانتدارانہ بحث کو فروغ دیا جائے۔'' سپاہیوں کا یہ گروپ دیانتداری سے حقائق کو پیش کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ سپاہیوں نے اس حیرت انگیز امر کا انکشاف بھی کیا جس میں شہریوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ مشتبہ عمارتوں میں داخل ہوں، جہاں ان کے سامنے فوجی دستے تھے اور اپنے کندھوں پر رائفلیں لٹکائے سپاہی ان نہتے شہریوں کا نشانہ لینے کیلئے تیار کھڑے تھے۔ اسرائیل نے سپاہیوں کے اس گروپ کی رپورٹ کو سرے سے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ غزہ میں سفید فاسفورس کا بے دریغانہ استعمال بھی کیا گیا۔ اس بارے میں اسرائیل کا کہنا ہے کہ اسرائیلی فوجیوں نے اپنے بچاؤ کیلئے اسے استعمال کیا۔

اسرائیل کے ایک سپاہی نے کہا کہ ہمیں عام ہلاکت کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ اگر آپ خوف محسوس کریں تو شوٹ کر دیں۔ ہمیں بار بار یہ کہا گیا کہ یہ جنگ ہے اور جنگ میں فائر کھول دینا یا بلا دریغ بمباری منع نہیں ہے۔ حماس کے مجاہدوں پر نگاہ رکھنے کیلئے تمام علاقے پر بلڈوزر چلا کر اس کا صفایا کر دیا گیا' جن میں باغات بھی شامل ہیں۔ زیتون اور سنگترے کے باغات' حقوق انسانی کے اداروں کا کہنا ہے کہ ہم نے غزہ میں ایک بھی گھر نہیں دیکھا، جسے کہ نشانہ نہ بنایا گیا ہو۔ غزہ کا پورا علاقہ راستے' کھیت' سڑکیں' سب کچھ تباہ حال ہو چکا ہے۔ بلڈوزر ہر جگہ چلا دیا گیا ہے۔

ایک فوجی نے اس حوالے سے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم جذبات سے عاری لوگ ہیں۔ جب دوسرے ہم سے اس بارے میں پوچھتے ہیں تو ہم بار بار یہی دہراتے ہیں کہ فوج انسانی رویوں کو کیا جانے' فوج کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ آپریشن کو اس طرح کامیابی

سے مکمل کیا جائے کہ فوج کا کم سے کم نقصان ہو۔

جنگی جرائم سے متعلق تمام تر شہادتیں اسرائیل کے خلاف جاتی ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ جھوٹا قرار پاتا ہے کہ اس نے شہری ہلاکتوں سے بچنے کی کوشش کی۔ اسرائیل کا میڈیا اور صیہونی ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کو جھٹلا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسرائیل غزہ جنگ میں جنگی جرائم کا مرتکب نہیں ہوا' لیکن غزہ کی تباہ حال عمارتیں چیخ چیخ کر اسرائیل کے دعووں کو باطل قرار دے رہی ہیں۔ اقوام متحدہ بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے۔ حال ہی میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا کہ عصر حاضر میں جدید ریاستی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے تمام تر ریاستی ادارے مضبوط ہونے چاہئیں اور فلسطین کی جانب سے اداروں کی تعمیر اور ان کے قیام میں اقوام متحدہ ان کی مکمل معاونت کرے گا۔ فلسطینی قیادت کے فیصلے کو سراہتے ہوئے انہوں نے کہا کہ فلسطینی ریاستی اداروں کو دو سال کے اندر مکمل کر لیا جائے گا۔

فلسطینی قیادت نے اقوام متحدہ کو بتایا تھا کہ فلسطین کی آمدنی کا انحصار بیرونی امداد پر ہے اور اسے ریاستی انفراسٹرکچر کی تعمیر میں مالی مشکلات کا سامنا ہے۔ بان کی مون نے کہا کہ اقوام متحدہ کی مکمل معاونت فلسطین کو حاصل رہے گی۔ دریں اثنا مشرق وسطیٰ امن عمل بارے چار فریقی مذاکرات کاروں نے اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ وہ مغربی کنارے میں یہودی آبادکاری کا سلسلہ بند کرے۔ امن پیش رفت کیلئے اپنا مثبت کردار ادا کرے۔ نیویارک میں اقوام متحدہ امریکہ' یورپی یونین اور روس کے مذاکرات کاروں نے اپنے مشترکہ بیان میں مشرق وسطیٰ میں پائیدار امن کے قیام کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل اشتعال انگیزی سے باز رہے۔ سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ نے قیام امن کیلئے جو فارمولا پیش کیا تھا اسے عرب لیگ کے بیروت میں ہونے والے اجلاس میں منظور کیا گیا تھا۔ عرب لیگ کے مطابق تنازع کو حل کیا جا سکتا ہے' اگر اس فارمولے پر عمل کیا جائے۔ اس مقصد کی خاطر فلسطینی اتھارٹی کی بار بار فلسطینی ریاست کے قیام کی بات تبھی عملی شکل پا سکتی ہے کہ فلسطینی اتھارٹی کو تمام عرب ممالک کی حمایت بھی حاصل ہو۔ فلسطینی ریاست کو عارضی نوعیت کے بجائے مستقل سرحدوں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس ریاست کو مستقل حیثیت دی جائے۔ فلسطینیوں نے ماضی میں بھی عارضی سرحدوں کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا' کیونکہ انہیں تشویش تھی کہ ان عارضی سرحدوں کو کہیں مستقل نہ کر دیا جائے۔ ان کے اس شک کو دور کرنے کیلئے امریکہ اور یورپی ممالک کی جانب سے ٹھوس ضمانت دی جانی چاہئے اور اسرائیل کو اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ مشترکہ مفادات کے اصول پر مذاکرات کیلئے تیار رہنا چاہئے

اور انہیں بغیر کسی شرط کے شروع کرنا چاہئے۔ قیام امن کیلئے یہ ایک نادر موقع ہے۔ تنازعات کے متعلق یہ فرض کر لینا کہ وہ پلک جھپکنے میں حل ہو جائیں گے' ممکن نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ امن ایک عمل ہے اور یہ دونوں فریقوں سے صبر وسکون کا خواہاں ہے۔ دونوں فریقوں کے ایک دوسرے کے گلے پڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسرائیل کو نئی آبادکاری روکنے کے علاوہ کسی بھی نئی زمین کے حصول سے باز رہنا ہوگا۔ مسئلہ فلسطین عرب دنیا کیلئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیتن یاہو نے اب تک امن کے سلسلے میں کوئی اچھا کردار ادا نہیں کیا' اس نے نہ صرف عرب دنیا کو نظرانداز کیا بلکہ مذاکرات کے عمل میں بھی تعاون نہیں کیا ہے۔ اس کا فلسطین کو تسلیم کرنے کا بیان بھی لولی لنگڑی فلسطینی ریاست کی تشکیل سے متعلق تھا۔

نیتن یاہو حکومت نے 1967ء کی سرحدوں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسرائیل کے وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے کہا ہے کہ اسرائیل فلسطین کے 1967ء کے بارڈر کا مطالبہ تسلیم نہیں کرے گا۔ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ فلسطین کی جانب سے امن مذاکرات دوبارہ شروع کرنے کے مطالبہ 1967ء کے بارڈر کو تسلیم نہیں کریں گے' کیونکہ اسرائیل کی سرحد 1967ء کے بارڈر سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے۔ لہٰذا اسرائیل کسی صورت اپنی سرزمین کو محدود نہیں کرے گا۔ امریکی صدر اوباما نے جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب میں کہا تھا کہ ہمارے اہداف واضح ہیں۔ ہم ملکی سکیورٹی کے ساتھ ایک اسرائیلی ریاست اور اسرائیلی قبضے کو ختم کر کے 1967ء کے بارڈر پر ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ جس پر اسرائیلی وزیراعظم نے کہا کہ اوباما نے قبضے کی جو بات کی ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ وہ یہ بات پہلے قاہرہ میں بھی کر چکے ہیں۔ درحقیقت یہ امریکہ کے روڈ میپ کا فارمولا ہے، جسے ہم نے پہلے بھی تسلیم نہیں کیا تھا اور اب بھی ہم 1967ء کی پوزیشن پر واپس جانے کا مطالبہ کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔

اسرائیل کے کسی بھی سلوک سے امن کیلئے اس کی پیش رفت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ جمعۃ الوداع کے موقع پر اسرائیل نے مغربی کنارے کے فلسطینیوں پر بیت المقدس میں داخل ہونے پر پابندی لگا دی۔ ہزاروں مسلمان جمعۃ الوداع پر آخری جمعہ کی نماز بیت المقدس میں ادا کرنا چاہتے تھے اور مسجد اقصیٰ جانا چاہتے تھے' لیکن اسرائیل کی جانب سے مقبوضہ علاقے کے داخلی راستوں کو بند کر دیا گیا۔ کیا اسرائیل کے یہ اقدامات امن کے ارادوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی رپورٹس کے مطابق اسرائیل فلسطین تنازع کے حل کیلئے 424 صفحات پر مشتمل مسودہ بھی قیام امن کی ایک کڑی ہے، جسے امریکی سفارتی کوششوں کا شاخسانہ کہا جا رہا ہے۔ اسرائیل جو کسی دباؤ کو

تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں وہ اس مسودے کے مطابق امن مساعی ہیں' کیونکر تعاون کرے گا جو خود کو ہر قانون سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اسرائیل کے فلسطینی قوم پر مظالم بھی بدستور جاری ہیں۔ نابلس کے جنوب میں یمنالیس نامی گاؤں میں ایک فلسطینی چرواہے کے 19 سالہ بھائی کو یہودی آبادکاروں نے سینے میں گولی مار کر زخمی کر دیا۔

اسرائیلی بحریہ کی کشتیوں نے غزہ کی جنوبی پٹی میں تل السلطان ساحل پر فلسطینی مچھیروں پر بلااشتعال فائرنگ کر دی۔ لوڈ کے علاقے میں 200 سے زائد یہودی آبادکاروں نے ایک بڑی جامع مسجد پر دھاوا بولنے کی کوشش کی۔ ایک عربی نے منع کیا تو اس کا بھی گھیراؤ کر لیا۔ مقبوضہ بیت المقدس میں اسرائیلی پولیس نے القدس روڈ بلاک کر کے ایک فلسطینی لڑکی سمیت 5 افراد کو گرفتار کر لیا۔ علاوہ ازیں جنین' بیت اللحم اور رام اللہ کے شہروں سے بھی چھاپوں کے دوران 7 فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔ یہ صرف چند واقعات ہیں۔ اسرائیلی مظالم کا سلسلہ اسی طرح سے جاری ہے اور دوسری طرف امن کے عمل کو آگے بڑھانے کی بات کی جاتی ہے۔ فلسطین میں انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والی ایک تنظیم نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ امریکہ میں قائم ایک ہزار تنظیمیں فلسطین میں یہودی آبادکاری کیلئے یہودیوں کی مالی معاونت کر رہی ہیں۔ مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق ایک امریکی ارب پتی ایرفنگ مورفیٹش کی تنظیم سی اینڈ ایم یہودیوں کو آبادکاری پر مدد فراہم کرنے والی بڑی تنظیم ہے۔ یہودی آبادیوں کو ختم کرنے کے حوالے سے عرب لیگ اپنے مؤقف پر قائم ہے اور نیتن یاہو اپنے مؤقف پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ آبادکاری پر کام نہیں روکا جائے گا۔ مذاکرات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے' اس کے بارے میں سب کو پتہ ہے' کیونکہ اسرائیل کی ہٹ دھرمی کسی سے ڈھکی چھپی ہے اور نہ امریکہ کی صہیونیوں سے دوستی۔

❖♦❖

توانائی کے ذخائر میں بڑھتی ہوئی کمی دنیا کو تیزی سے عالمی جنگوں کی طرف لے کر جا رہی ہے۔ امریکہ اور اسرائیل قبل از وقت اس خطرے کو بھانپ چکے ہیں۔ دونوں ممالک نے دنیا کے توانائی کے ذخائر پر قبضے کیلئے جنگوں کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ عراق پر امریکہ کا حملہ بھی اسی منصوبے کی ایک کڑی ہے، جس کے تحت امریکہ اور اس کا صہیونی دوست ان ممالک کے توانائی کے وسائل کو چھیننے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں' جنہیں قدرت نے اس دولت سے نواز رکھا ہے۔ امریکہ کو قطعاً یہ حق نہیں کہ وہ کسی ملک کے قدرتی وسائل پر نگاہ رکھے اور اس پر قبضے کیلئے اس پر چڑھائی کر دے' کیونکہ کسی بھی ملک کے تیل' گیس یا معدنیات کے ذخائر اس کی ملکیت ہیں۔ کسی دوسرے ملک کو اس پر تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں' لیکن سپرپاور امریکہ اپنے آپ کو تمام اخلاقی اصولوں سے مبرا

خیال کرتی ہے اور دنیا کے کسی بھی خطے میں کارروائی اپنا حق سمجھتی ہے۔ اس گیم میں صیہونی امریکہ کے رازدار ہیں۔ توانائی کے ذخائر پر قبضے کیلئے اس ملک کے خلاف باقاعدہ پراپیگنڈہ تیار کیا جاتا ہے' بے بنیاد جواز تراشے جاتے ہیں اور پھر ان مبالغہ آمیز باتوں کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے کہ اس ملک پر حملہ کرنا جائز ثابت ہو جائے۔ افغانستان میں اسامہ بن لادن کی روپوشی اور عراق کے صدر صدام حسین پر ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا الزام اسی عالمی گریٹ گیم کا حصہ ہے جو توانائی کے حصول کیلئے کھیلی جا رہی ہے۔ مستقبل میں توانائی کے حوالے سے ہونے والی جنگوں کے امکانات کے بارے میں اوباما کے نیشنل سکیورٹی وار لارڈز کے جنرل جیمز جونز نے توانائی کے ذرائع پر ایک منصوبہ تشکیل دیا ہے۔ جونز جنہوں نے نیٹو کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے 2006ء میں پاکستان کی سرحدوں سے ملحقہ افغان جنگ کی ضمانت دی تھی اب Chevron آئل کے ڈائریکٹر اور طاقتور انرجی لابی گروپ The institute for 21st century energy (ادارہ برائے توانائی 21 ویں صدی) کے ڈائریکٹر ہیں۔

جونز کہتے ہیں ''امریکہ اگر اپنا تحفظ و بقا چاہتا ہے تو اسے توانائی کے نئے ذرائع کی تلاش جاری رکھنی چاہئے' ورنہ مستقبل میں اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ توانائی کسی بھی قوم کی بقاء و سلامتی کیلئے اہم ہے۔ جس طرح دنیا میں توانائی کے مطالبات بڑھتے جا رہے ہیں' مقابلے کا رجحان بھی اسی سطح پر فروغ پذیر ہے' جس نے امریکہ کے توانائی کے مستقبل کو خاصا دھندلا دیا ہے۔ یہ حالات امریکہ کے قومی تحفظ و بقاء کیلئے چیلنج ہیں۔''

توانائی کا یہ چیلنج امریکہ اور اس کے سازشی اتحادی اسرائیل دونوں کو درپیش ہے۔ اسرائیل نے اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کیلئے توانائی اور قدرتی وسائل سے بھرپور علاقوں کو ہدف بنانے کیلئے اپنے سپاہیوں کی خصوصی ٹیم تیار کی ہے۔ امریکہ کا توانائی کے ذرائع پر قبضہ کیلئے جنگوں کا منصوبہ آج کا نہیں بلکہ بہت دیر کا ہے۔ امریکہ کا افغانستان پر جنگ مسلط کرنا اور اوباما کا افغان جنگ پر زور بھی اسی پلان کے تحت ہے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ افغانستان پر جنگ اسامہ بن لادن کی تلاش کیلئے نہیں بلکہ تیل حاصل کرنے کیلئے مسلط کی گئی۔ تیل کیلئے امریکہ کو افغانستان کے محفوظ راستوں کی تلاش تھی' امریکہ کی طرح اسرائیل کو بھی تیل کی فکر ہے۔ عالمی سطح پر توانائی کے منصوبوں پر کام کرنے والے تجزیہ نگاروں اور مشاہدہ کاروں کا کہنا ہے کہ اسرائیل ایندھن اتھارٹی کے مطابق اسرائیل تیل کی قلیل مقدار مصر' مغربی افریقہ جارجیا' یوکرائن اور میکسیکو سے درآمد کرتا ہے۔ اسرائیل تیل کا 90 فیصد بحیرہ قزوین کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے جو روسی اثرات کے تحت ہے۔ روس سے کسی دھمکی یا رکاوٹ کے پیش نظر افغانستان پر جنگ کو ضروری خیال کیا گیا۔ امریکہ

کے توانائی کے ماہرین کی طرح اسرائیل کے توانائی کے ماہرین بھی آنے والے دور میں توانائی کی کمی کے خدشے سے خوفزدہ ہیں اور مختلف جغرافیائی سلسلوں میں پھیلے ہوئے توانائی کے ذخائر سے استفادہ کیلئے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اس دھمکی آمیز توانائی کی کمی نے انہیں عراق جنگ میں اسرائیل کا اتحادی بننے اور مستقبل کے صیہونی ایجنڈے کو تشکیل دینے پر راغب کیا۔ تیل کے ریزروائر پر نگاہ ڈالنے سے مشکل ہے۔ ایران کے عالمی سطح پر بڑھتے ہوئے اثرات تیل کی وجہ سے اور بھی اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔

دنیا کے تیل کے ذخائر کا تقریباً 10 فیصد خود ایران کے پاس ہے۔ مستقبل میں دوسرے علاقوں میں بھی جہاں تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں ایران کے اثرات گہرے ہیں' جیسا کہ جنوبی عراق' عراق کے پاس بھی عالمی تیل کے ذخائر کا 10 فیصد ہے۔ اس موقع پر یہ کہنا یقینی نہیں کہ عراق کس سمت جائے گا' عراق کی جمہوریت اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات نبھانے کو ترجیح دے گی یا پھر مسلم حلقہ احباب کی طرف جائے گی۔ اسرائیل اور اس کی کالونی' ریاست ہائے متحدہ امریکہ توانائی کے ذرائع کیلئے ایران اور عراق کو اپنے اگلے ہدف کے طور پر چنے ہوئے ہیں' مگر سیاسی دائرہ کار کو اب بدل دیا گیا ہے۔ عراق جنگ کو اب اسرائیل کی بقاء کے نظریہ سے اسرائیل اور تیل کیلئے جنگ میں بدل دیا گیا ہے۔ یعنی پہلے عراق جنگ اسرائیل کے تحفظ و بقا اور تیل کے حصول کیلئے ضروری قرار پائی۔ امریکہ اسرائیل کو پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ وہ عراق سے تیل اسرائیل کی حیفہ آئل ریفائنری میں پہنچانے کیلئے امکانات کا جائزہ لے۔ یہی وجہ ہے کہ عراق کے تیل کے ذخائر پر قبضے کیلئے مستقل امریکی فوجی چھاؤنیوں کو قائم کیا گیا' جنہیں عراق میں امن و امان کے قیام کو یقینی بنانے کیلئے امریکی سکیورٹی فورسز کا نام دیا گیا۔ عراق امریکہ کی منصب دار ریاست کے طور پر دنیا کے تیل کے دوئرے بڑے ذخائر کو کنٹرول کرے گی اور اسرائیل اس مساعی میں اس کے ساتھ پارٹنر ہوگا۔

امریکہ اور اسرائیل کو تیل کے عالمی ذخائر ہتھیانے کی اس مساعی میں اگر کسی کا خوف ہے تو وہ چین ہے۔ امریکہ کی توانائی کی وزارت اطلاعات کی رپورٹس کے مطابق چین کی توانائی کی ضروریات بہت حد تک بڑھ چکی ہیں اور دنیا کی توانائی کا بیشتر حصہ چین استعمال کرتا ہے۔

1980ء میں دنیا کی توانائی کا آٹھ فیصد چین نے خرچ کیا۔ 2005ء میں یہ شرح 14 فیصد تک پہنچ گئی۔ 2030ء میں چین کا استعمال 30 فیصد بڑھا۔ چین امریکہ کے بالمقابل اس وقت تیل کا دوسرا بڑا مصارف ہے۔ Made in America کی مصنوعات کے مقابلے میں Made in China کیلئے انڈسٹری کی وسعت نے توانائی کی ضروریات کو بڑھا دیا۔ چین کی

بڑھتی ہوئی توانائی کی ضروریات نے صہیونیت کو پریشانی سے دوچار کر دیا ہے' وہ چین کی طاقت کو کم کرنے کیلئے منصوبے بنا رہے ہیں۔ سیاسی تجزیہ نگار وبیسٹر تارپلی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ نئے حالات میں طاقت کا توازن چین کے ہاتھ میں جانے سے روکنے اور پاکستان اور ایران میں چین کے اثرات کو کمزور کرنے کیلئے اوباما کے دفاعی ماہرین نے خصوصی پلان بنائے ہیں۔ بلکہ عالمی سطح پر چین کی اہمیت اور اثر ورسوخ کو کم کرنا اوباما کی دفاعی پالیسیوں کا حصہ ہے۔ جغرافیائی ماہرین کہتے ہیں کہ چین ایران کے تیل کا سب سے بڑا خریدار ہے اور ایران کے ساتھ نیوکلیائی میدان میں بھی مددگار ہے۔ چین اور ایران نے توانائی اور ہتھیاروں کی تیاری کے شعبے میں ایک دوسرے سے مختلف معاہدات کئے ہیں۔ چین نے ایران کو اینٹی شپ کروز میزائل کی فراہمی کا معاہدہ بھی کیا ہے جو خلیج فارس میں امریکہ کے بحری جہازوں کیلئے خطرے کا باعث ہے۔ مغربی صہیونی طاقتیں ایران کے نیوکلیائی پروگرام کو روکنے کیلئے ہر طرح کے ہتھکنڈے آزما رہی ہیں' جبکہ چین نے اکتوبر 2004ء میں ایران کے ساتھ توانائی کی رسد کیلئے ایک بہت بڑا معاہدہ کیا ہے اور اس سے وعدہ کیا ہے کہ ایران کے نیوکلیائی پروگرام کو روکنے کیلئے امریکہ اور اسرائیل کی تمام کوششوں میں ملیامیٹ کرنے میں چین ایران کا بھرپور ساتھ دے گا۔ خلیج فارس کے تیل تک رسائی کے علاوہ اس آپریشن میں چین سعودی عرب سے بھی ہاتھ ملا چکا ہے۔

2007ء میں شاہ عبداللہ نے تخت اقتدار پر براجمان ہونے کے بعد پہلا دورہ چین کا کیا تھا۔ یہ دورہ شاہ عبداللہ کے ایشیاء کی جانب بڑھتے ہوئے رجحان کی سمت واضح اشارہ تھا۔ اسرائیل کی غزہ پر وحشیانہ بمباری کے بعد امریکہ سعودی تعلقات میں بگاڑ آ گیا اور سعودیہ کا امریکہ کو اپنے تحفظ کیلئے واحد ضمانت کار سمجھنے کا خیال دھندلا گیا۔ سعودیہ نے امریکہ پر انحصار کرنے کے بجائے دوسری طاقتوں کی طرف ہاتھ بڑھانے کا سوچا۔ فلسطین کے خلاف دہری پالیسیوں اور مغرب کے منافقانہ رویے نے سعودی عرب کا امریکہ پر سے اعتماد اٹھا دیا اور اس نے چین سے دوستی کی طرف آغاز سفر کر دیا۔

اسرائیل نے غزہ کو بمباری کا نشانہ تیل کی ہوس کیلئے بھی بنایا' جس کے بارے میں زیادہ لوگ نہیں جانتے۔ بہت کم اسرائیل کی تیل پائپ لائن کے بارے میں جانتے ہیں جو کہ اشک کیلون سے غزہ پٹی پر سے گزرتی ہوئی ایلات میں اسرائیل کی جنوبی پٹی تک جاتی ہے۔ اس پائپ لائن سے 400.000 بیرل تیل اسرائیل حاصل کرتا ہے' اسے ایلات اشک کیلون پائپ لائن اور ٹرانس (TIP) پائپ لائن کہا جاتا ہے' اسرائیل کو توقع ہے کہ یہ پائپ لائن بحیرہ قزوین کے پیداواروں اور ایشیا کی مارکیٹوں کے درمیان ایک بحری راستے کے طور پر نہر سوئیز کا مقابلہ کرے

گی۔ اسرائیل کو تیل کا بہت بڑا حصہ جارجیا کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے' پھر اسے اشک کیلون کی بندرگاہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ وہاں سے اسے ایلات کو بھیجا جاتا ہے اور تب ایشیا کی مارکیٹوں میں دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ لیکن اسرائیل کو خوف ہے کہ یہ پائپ لائن ٹپ TIP جو غزہ پر سے گزرتی ہے کسی بھی وقت ان فلسطینیوں کا نشانہ بن سکتی ہے جو کہ غزہ میں قید ہیں۔ فلسطینی کسی بھی وقت اس پائپ لائن کا قبضہ اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں' اس طرح سارے کا سارا منظر بدل سکتا ہے۔ غزہ کی حکومت کو درہم برہم کرنے کے بعد اسرائیل فلسطینیوں کا نسلی صفایا کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ تیل کی ہوس صہیونیوں کو غزہ کا قبضہ فلسطینیوں سے چھین لینے اور وہاں راج کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

مشرق وسطیٰ کے حل کیلئے امریکی سفیر جارج میچل نے نیتن یاہو سے ملاقاتوں میں غزہ پر حملہ کے تذکرے سے گریز کیا۔ وجہ کیا ہے' یہی کہ امریکہ غزہ پر اسرائیل کے حملے کے پس پشت مقاصد اور عزائم سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ بلکہ دونوں کے تیل کے حصول اور توانائی کے ذخائر کیلئے منصوبے مشترکہ ہیں۔ نیتن یاہو نے فلسطین کے مسئلہ کے حل کیلئے ٹھوس بات چیت کی جائے ہمیشہ فلسطین کے نزاع کو ایران کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی اور کہا کہ فلسطین کے معاملے میں ایران کے اثرات کو کم کیا جائے' حالانکہ ایران کا مسئلہ فلسطین سے صرف حمایت کی حد تک ایک کردار ہے' اسے ایشو بنا کر مسئلہ فلسطین پر بات چیت نہ کرنا یا امن کے حقیقی عمل کو آگے نہ بڑھانے کا کوئی جواز نہیں۔ درحقیقت جارج میچل ہو یا ہلیری' اسرائیل کے مکار اور سازشی صہیونیوں کا کوئی جوڑ نہیں' سب آگاہ ہیں کہ امریکہ کو ہدایات یہودی دیتے ہیں۔ اوباما یا کوئی بھی امریکی صدر صہیونیوں کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلیاں ہیں۔ اوباما صہیونیوں کے بتائے ہوئے ایجنڈے سے کیسے انحراف کر سکتے ہیں؟ جبکہ وہ انہی کے چلائے ہوئے مہرے ہیں۔ اوباما کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ کتنی کامیابی سے صہیونی ایجنڈے کو لے کر چلتے ہیں۔ صہیونی ایجنڈے میں دنیا کے توانائی کے ذخائر پر قبضہ سرفہرست ہے۔ امریکہ میں توانائی کے نئے ذرائع کی تلاش اور قبضہ کیلئے ادارے باقاعدہ طور پر کام کر رہے ہیں۔ اس مقصد کیلئے افغانستان اور عراق میں جنگ چھیڑی گئی اور آئندہ بھی امریکہ اور اسرائیل کی مہربانی سے عالمی جنگیں صہیونی پلان میں شامل ہیں۔ یہ جنگیں کسی ملک سے دشمنی اور دوستی کی بنا پر نہیں بلکہ توانائی کے ذرائع کو قابو کرنے کیلئے پلان کی گئیں۔ دونوں حلیف اس کیلئے ہر حد تک جانے کو تیار ہیں۔ آخری حد جنگ ہے جس کیلئے وہ پورے منصوبے بنائے بیٹھے ہیں' لیکن مغرب اور صہیونی قوتوں کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے دنیا کو بھی ان جنگوں کیلئے لیس ہو جانا چاہئے تا کہ وہ خود کو تباہی و بربادی سے بچا سکیں۔

❖♦❖

اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ اور وزیرخارجہ زپی لیونی کی مثال کو لے کر اس بات کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ ایک فرد کا زوال دوسرے کے عروج کا سبب ہوتا ہے۔ بدعنوانی کے الزامات میں مستعفی ہو جانے والے ایہود اولمرٹ کے بعد زپی لیونی کے مقدر نے کچھ اسی طرح سے پلٹا کھایا اور وہ وزیراعظم کے جانشین کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئیں۔ اسرائیلی صدر شمعون پیریز نے وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے استعفیٰ کے بعد زپی لیونی کو حکومت تشکیل دینے کی دعوت دی ہے۔ بدعنوانی کے الزامات کے بعد ایہود اولمرٹ کو سب سے پہلے تو قدیمہ پارٹی کی قیادت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ حکمران قدیمہ پارٹی نے اپنی ساکھ بچانے اور ایہود اولمرٹ کی جگہ دینے کیلئے وزیرخارجہ اور موساد کی سابق ایجنٹ زپی لیونی کو جماعت کا نیا سربراہ منتخب کیا۔

وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے پارٹی سے استعفیٰ کے بعد زپی لیونی نے اسے برے لوگوں کی شکست اور اچھے لوگوں کی فتح قرار دیا۔ پچاس سالہ زپی لیونی کے قدیمہ پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے بعد انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی گئی جسے زپی لیونی نے قبول کرتے ہوئے اسرائیل کے سابق وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو کی جماعت کو حکمران اتحاد میں شامل ہونے کی دعوت دی' کیونکہ زپی لیونی کیلئے مخلوط حکومت بنانا آسان نہیں۔ اس لئے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی 120 نشستوں میں سے صرف 29 نشستیں قدیمہ پارٹی کے پاس ہیں' جبکہ زپی لیونی کو حکومت تشکیل دینے کیلئے کم از کم 61 ارکان کی حمایت ضروری ہے۔

اگر زپی لیونی حکومت بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو وہ 35 سال بعد اسرائیلی خاتون وزیراعظم گولڈا مائر کے بعد دوسری خاتون وزیراعظم ہوں گی۔ پارٹی کی قیادت سنبھالنے کیلئے زپی لیونی کا مقابلہ مواصلات کے وزیر شاول موفاز سے تھا۔ موفاز کے ایران کے بارے میں سخت گیر مؤقف کی وجہ سے سکیورٹی کے معاملات پر بائیں بازو کی طرف جھکاؤ ہے۔ موفاز کے مقابلے میں لیونی کی حمایت کرنے والوں کا یہ کہنا تھا کہ لیونی کا انتخاب بے جان سیاسی ڈھانچے میں ایک نئی روح پھونک دے گا، جو ایک عرصہ سے عمر رسیدہ' مرد اور سابق فوجیوں کے زیر تسلط ہے جبکہ زپی لیونی کے مخالفین انہیں سیاسی طور پر ناتجربہ کاری کا طعنہ دیتے ہیں۔

ملک میں نئی حکومت بننے تک ایہود اولمرٹ عبوری وزیراعظم کے طور پر کام کرتے رہیں گے۔ عبوری وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے زپی لیونی کو حکومت بنانے کی دعوت کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ زپی لیونی قومی حکومت کے قیام میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایہود اولمرٹ نے اپنی حکومت کو بہترین قرار دیا اور کہا کہ انہوں نے گڈ گورننس کے تحت مناسب طریقے

سے حکومت چلائی۔ اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کو انہوں نے غلط قرار دیا مگر اپنے خلاف ہونے والی تحقیقات پر انہوں نے اشتعال کے بجائے نرم روی کا مظاہرہ کیا۔ اسرائیلی وزیراعظم نے کہا ''مجھے فخر ہے کہ میں اس ملک کا وزیراعظم ہوں جہاں پر وزیراعظم کے خلاف بھی تحقیقات کی جاتی ہیں۔ وزیراعظم قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔'' انہوں نے بے ضابطگیوں کے الزامات کے بعد جولائی میں اس کا باقاعدہ اعلان کیا تھا کہ وہ دو ماہ کے اندر استعفیٰ دے دیں گے۔ انہوں نے بے ضابطگیوں کے الزامات کو اپنے خاندان کیلئے بھی باعث تکلیف قرار دیا اور ان کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کا عزم ظاہر کیا۔

مخلوط حکومت کے قیام میں کئی ہفتے اور مہینے بھی لگ سکتے ہیں' اس لئے ایہود اولمرٹ اس وقت تک عبوری وزیراعظم کے طور پر کام کرتے رہیں گے اور اس کی ضرورت کئی بنیادی اور متنازعہ امور کے حوالے سے بھی ہے جن پر ایہود اولمرٹ کام کر رہے تھے۔ ان امور میں یروشلم کی حیثیت کا تعین' مجوزہ فلسطینی ریاست کی سرحدوں اور غرب اردن میں پناہ گزینوں' سکیورٹی اور پانی کے ذخائر جیسے معاملات شامل ہیں۔ امن کانفرنس کے بعد سے یہ تمام متنازعہ امور فلسطینی صدر محمود عباس اور ایہود اولمرٹ کے درمیان چل رہے ہیں' جنہیں 2008ء کے امن منصوبے کا شاخسانہ بھی قرار دیا جا رہا ہے۔ نام نہاد روڈ میپ 2008ء کی خلاف امریکی حکومت چاہتی ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان اس سال صدر بش کی مدت ختم ہونے سے قبل امن معاہدہ طے پا جائے۔

اسرائیلی وزیرخارجہ زپی لیونی' قدیمہ پارٹی کی نئی سربراہ اور متوقع اسرائیلی وزیراعظم کا نام دس سال پہلے تک سیاست میں غیر معروف تھا۔ کسی کو گمان نہ تھا کہ یہی غیر معروف نام آگے چل کر وزیراعظم کے طور پر سامنے آئے گا۔ پچاس سالہ زپی لیونی سیاست میں وارد ہونے سے قبل وکیل اور اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد کی ایجنٹ رہ چکی ہیں۔ ان کا ماضی کا تاثر انتہائی سخت گیر صیہونی قوم پرست کا رہا ہے لیکن وقت نے ان کے بیانات میں تبدیلی پیدا کی ہے۔ اب وہ فلسطینیوں کے ساتھ لینڈ فار پیس یعنی ''امن کے بدلے زمین'' کا نعرہ بلند کرتی ہیں۔ اسرائیل کی تاریخ میں جہاں وہ دوسری خاتون وزیرخارجہ ہیں وہاں اگر وہ وزیراعظم منتخب ہو جاتی ہیں تو اسرائیل کی وہ دوسری خاتون وزیراعظم ہوں گی۔ ایہود اولمرٹ کی حکومت میں وہ فلسطینیوں سے مذاکرات کرنے والی اسرائیلی ٹیم کی قیادت کرتی رہی ہیں۔ اسرائیل کے عوام میں وہ انتہائی مقبول ہیں اور ان کو ''مس کلین یعنی صاف وشفاف'' کا نام بھی دیا جاتا ہے' کیونکہ اپنے سیاسی دور میں زپی لیونی کا دامن اعتراضات کی زد میں آنے سے محفوظ ہی رہا ہے جبکہ اسرائیلی سیاست میں گزشتہ کئی برس سے بدعنوانی کے الزامات میں لتھڑے سیاسی و فوجی کردار نظر آتے ہیں۔ مس کلین ہونے کی وجہ

سے انہیں ایک بڑی اور خوشگوار تبدیلی قرار دیا جارہا ہے۔ لیونی کا سیاسی کیریئر 1999ء میں دائیں بازو کی جماعت لیکوڈ پارٹی کے اسرائیل کی پارلیمنٹ میں انتخاب کے بعد شروع ہوا۔

لیونی کا شمار اس وقت کے وزیراعظم لیکوڈ پارٹی کے سربراہ ایریل شیرون کے خاص ساتھیوں میں ہوتا تھا، جنہوں نے اسے 2001ء میں علاقائی ترقی کا وزیر بھی نامزد کیا۔ مہاجرین کی آبادکاری' ہاؤسنگ اور تعمیرات اور قانون کی وزیر کی حیثیت سے کام کرنے والی زپی لیونی اب وزیرخارجہ کے عہدے پر فائز ہیں اور اس عہدے پر کام کرتے ہوئے اب ان کے عروج کا گراف بلندیوں کی سمت رواں دواں ہے۔ کامیابی کے بعد وہ ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر متمکن ہونے والی ہیں۔ ایریل شیرون کی خاص مشیر ہونے کے ناطے اور 2005ء میں غزہ سے اسرائیلی فوج اور یہودی آبادکاروں کو نکالنے کے متنازعہ فیصلوں میں ان کا عمل دخل بھی تھا۔ 2005ء میں ایریل شیرون کے لیکوڈ پارٹی سے اختلافات پیدا ہوگئے تو انہوں نے قدیمہ پارٹی تشکیل دی۔ لیونی نے بھی ایریل شیرون کے ساتھ ہی لیکوڈ سے قدیمہ پارٹی کا رخ کیا۔ لیونی کے نظریات حیرت انگیز طور پر اس کے ماضی کے کردار اور خیالات سے متصادم نظر آتے ہیں۔ اس نظریاتی تبدیلی میں ان کے دو بیانات خاص کر اہمیت کے حامل ہیں' یعنی فلسطینیوں سے یکطرفہ طور پر جھگڑا ختم کرنے اور مجوزہ فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کا نظریہ۔ اگر لیونی اپنے نظریات کو بطور وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد عملی جامہ پہناتی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ اسرائیل کی تاریخ میں وہ پہلی وزیراعظم ہوں جو فلسطینیوں کے حق میں قدرے بہتر ثابت ہوں' مگر کیا زپی لیونی میں تاریخ کا رخ موڑ لینے کی صلاحیت ہے۔ لیکن اسرائیل کی سابقہ تاریخ کو مدنظر رکھا جائے تو یہ ممکن نظر نہیں آتا؟ کیا زپی لیونی اپنے پیش روؤں سے انحراف کر پائیں گی اور ایک نئی روایت چھوڑنے میں کامیاب ہوسکیں گی۔ علیحدہ فلسطینی ریاست کے قیام کی حامی زپی لیونی کا یہ نظریہ بھی صیہونی ریاست کے تحفظ کیلئے ہے۔ زپی لیونی کا خاندانی پس منظر بھی عظیم تر اسرائیل کیلئے جدوجہد سے عبارت ہے۔ زپی لیونی کے والد کا تعلق پولینڈ سے تھا اور وہ یہودیوں کی خفیہ تنظیم ''ارگن'' کے سرکردہ رکن تھے۔ یہ تنظیم 1948ء میں اسرائیل کے قیام سے قبل فلسطین پر برطانوی تسلط کے خلاف مسلح جدوجہد میں پیش پیش تھی۔ 1946ء میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل پر ہونے والے حملوں میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔

زپی لیونی عظیم تر اسرائیل کی خواہاں ہے' لیکن وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ اگر علیحدہ فلسطینی ریاست وجود میں نہیں آتی تو فلسطینی آبادی کے منتشر رہنے' آبادی کے پھیلاؤ اور غیریقینی جغرافیائی صورتحال سے خود اسرائیل گڈمڈ ہوکر رہ جائے گا اور اس کا تشخص تباہ و برباد

ہو جائے گا۔ ایسے میں زپی لیونی اس حقیقت کو سمجھ چکی ہے کہ اسرائیل کے اپنے مستقبل کیلئے الگ فلسطینی ریاست کا قیام ضروری ہے۔ قدیمہ پارٹی کے کئی وزراء وزیراعظم کیلئے کوششوں میں تھے۔ جماعت کی سربراہ منتخب ہونے کے بعد بطور وزیراعظم سامنے آنے کے مواقع بڑھ جانے والی زپی لیونی کیلئے حکومت بنانا اتنا آسان کام نہیں۔ دو بچوں کی ماں زپی لیونی کو مطلوبہ تعداد میں نشستوں کی کمی کا سامنا ہے اور سیاسی ناتجربہ کاری کا خطاب بھی انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لونی 1958ء میں لیکوڈ پارٹی کے پلیٹ فارم سے پارلیمنٹ کی رکن منتخب ہوئیں۔ 2005ء میں انہوں نے ایریل شیرون کے ساتھ ہی لیکوڈ سے ناطہ توڑ کر قدیمہ پارٹی میں شرکت کرلی۔

2006ء میں زپی لیونی نے ''نیویارک ٹائمز'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ''میں اپنے والدین کو پسند کرتی ہوں۔ ان کے نظریات پر بھی مجھے یقین ہے کہ اسرائیل کی تمام زمین یہودیوں کی ملکیت ہے اور اس پر یہودیوں کا حق ہے۔ میں بھی انہی نظریات پر چلتے ہوئے جمہوری اصولوں کو پروان چڑھانے اور یہودیوں کیلئے الگ وطن اسرائیل کو مخصوص کردینے کے حق میں ہوں' مگر اپنے خوابوں اور جمہوریت کو پروان چڑھانے کی ضرورت کے درمیان اگر مجھے انتخاب کا حق دیا جائے تو زمین کے کچھ حصے کو چھوڑ دینے کو ترجیح دوں گی۔''

میڈیا میں زپی لیونی کا کردار ایک ٹھنڈی مزاج اور معتدل شخصیت کے طور پر ہی سامنے آیا ہے۔ شادی سے پہلے ہی انہوں نے موساد کے ترک تعلق کرلیا تھا۔ انہوں نے ازدواجی زندگی کو پس منظر میں ہی رکھا' ان کے شوہر کا تعلق ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے ہے۔ ان کے دو بیٹے ہیں۔ سکول کے زمانے سے ہی انہیں ایک ذہین' مستعد اور ٹام بوائے ٹائپ کردار کہا جاتا ہے۔ ملٹری سروس مکمل کرنے کے بعد وہ بیسویں صدی کے اوائل میں انٹیلی جنس ایجنسی موساد میں شامل ہوگئیں۔ موساد سے استعفٰی کے بعد انہوں نے شادی کی اور وکالت کا امتحان پاس کیا اور سیاست میں داخل ہونے سے قبل کچھ عرصہ وکالت کی پریکٹس بھی کی۔ وزیرخارجہ ہونے کی حیثیت سے زپی لیونی کو مختلف محاذوں پر تنقید کا سامنا بھی رہا۔ لبنان جنگ میں حزب اللہ کے حوالے سے اسرائیل کو جو ہزیمت ہوئی اس میں لیونی کے فعال کردار کی بنا پر انہیں فیصلہ سازی میں شریک کرنے کے بجائے فوجی سیاسی قیادت کے ہاتھوں معطلی کا سامنا رہا۔ اگرچہ وہ اقوام متحدہ کی قرارداد 1701 میں بھی فعال تھیں' جس کے نتیجے میں 34 روزہ کشمکش کا خاتمہ ہوا۔ لبنان جنگ کیلئے ایہود اولمرٹ کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر بدعنوانی کے الزامات اور ایہود کا ان کو غلط ٹھہرائے جانے پر اصرار، یہ تمام معاملات قدیمہ پارٹی کی رکن ہونے کی حیثیت سے زپی لیونی کیلئے بھی متنازعہ اور اختلافی تھے۔ روڈمیپ منصوبے پر کچھ شقوں کے حوالے سے بھی وہ نقاد ہیں۔

لیکن زپی لیونی کو سیاسی طور پر ناتجربہ کاری کے باوجود اسرائیل کیلئے تبدیلی اور خوشگواریت کا باب قرار دیا جارہا ہے۔ زپی لیونی کا مستقبل میں وزیراعظم کی حیثیت سے کردار ہی ثابت کرے گا کہ آیا وہ عظیم اسرائیل کے خواب کیلئے علیحدہ فلسطینی ریاست کی تشکیل کے منصوبے میں حائل رکاوٹوں کو پار کرنے اور مسائل کے حل میں کامیاب ہوجاتی ہیں یا پھر عظیم اسرائیلی ریاست کے قیام کا منصوبہ علیحدہ فلسطینی ریاست کے منصوبے کی نذر ہوجائے گا۔ زپی لیونی کو یاد رکھنا چاہئے کہ علیحدہ فلسطینی ریاست فلسطینیوں کا خواب ہے۔ اگر اسرائیل اس خواب کو توڑ پھوڑ کر اور اس کے حصے بخرے کرکے ان کے حوالے کردینا چاہتا ہے تو فلسطینی کبھی بھی اپنے خون سے سینچے گئے خوابوں کو اس شکستہ حالی میں قبول نہیں کریں گے اور یوں عظیم اسرائیل کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔

❖◆❖

اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کی گولڈ اسٹون رپورٹ پر اسرائیل صرف برہم ہی نہیں بلکہ اس نے اس رپورٹ کو تسلیم کرنے سے یکسر انکار کردیا ہے۔ صہیونی رہنماؤں کے خیال میں یہ رپورٹ جانبدار ہے اور اس میں حقائق کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا۔ اقوام متحدہ کی طرف سے غزہ جنگ سے متعلق گولڈ اسٹون رپورٹ کی توثیق کے بعد سے اسرائیل اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔ برطانیہ اور اس رپورٹ کی تائید کرنے والے ممالک کو اسرائیل نے تنقید کا نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ دھمکیاں بھی دیں۔ اقوام متحدہ جیسے عالمی ادارے جو کہ مغرب اور صہیونی مفادات کیلئے سرگرم ہیں کی قرارداد کو جھٹلا کر اس نے ثابت کردیا کہ وہ کسی قسم کے عالمی دباؤ یا اعلامیے کو قبول نہیں کرتا۔ وہ اپنی ہٹ دھرمی کی روش پر مسلسل کاربند ہے اور اپنی من مانی کرنے کا عادی ہے۔ اس رپورٹ میں اسرائیل اور فلسطینی تنظیم حماس پر جنگی جرائم کا مرتکب ہونے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ جنیوا میں انسانی حقوق کونسل کے خصوصی اجلاس میں رائے شماری کے دوران کونسل کے 25 ارکان نے قرارداد کے حق میں ووٹ دیا جس میں یہ بھی کہا گیا کہ اسرائیل اقوام متحدہ کے تحقیقاتی مشن کے ساتھ تعاون کرنے میں ناکام رہا تھا۔ کارکن ممالک نے اس قرارداد کے خلاف ووٹ دیا جبکہ 11 ممالک کے نمائندے غیر حاضر رہے۔ اس قرارداد کا مسودہ فلسطینی سفارتکاروں نے پاکستان، مصر، نائیجیریا، تیونس سے مل کر تیار کیا تھا اور اسے غیر وابستہ تحریک اسلامی اور عرب ممالک کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اس قرارداد میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی پر زور دیا گیا کہ وہ گولڈ اسٹون رپورٹ پر غور کرے اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون سے کہا گیا ہے کہ وہ اسرائیل کی جانب سے قرارداد پر عملدرآمد کا جائزہ لیں۔ جنیوا میں اقوام متحدہ کے اسرائیلی سفیر احرون بیشو یار نے

اس قرارداد کو امن کیلئے خطرہ قرار دیا۔ اسرائیل کے خلاف عالمی برادری یا مسلم امہ کی جانب سے اقدامات ہوں یا بیانات، اسرائیل کو وہ صرف اس لئے امن کے خلاف لگتے ہیں، کیونکہ یہ اس کے حق میں نہیں جاتے، جو اقدام اس کے مفادات کے منافی ہوں، اسے وہ امن کیلئے خطرہ لگنے لگتا ہے۔ حماس کو بھی اس رپورٹ پر اعتراض تھا، جس میں اس پر لگائے گئے الزامات کا درست نہ ہونا تھا، مگر اقوام متحدہ کی جانب سے اس قرارداد کی توثیق کو حماس نے بہرطور خوش آئند قرار دیا ہے۔ اس رپورٹ میں اسرائیل پر جنگی جرائم کا مرتکب ہونے کا الزام عائد کرتے ہوئے اسے شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ گولڈ اسٹون رپورٹ میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو یہ تجویز بھی پیش کی گئی ہے کہ اگر اسرائیل اور دوسرے متعلقہ گروہ غزہ میں جنگی جرائم کی کوئی قابل اعتبار تحقیقات کرانے میں ناکام رہتے ہیں تو ان کا معاملہ مزید کارروائی کیلئے ہیگ میں قائم بین الاقوامی فوجداری عدالت کو بھیج دیا جائے گا۔ تنظیم آزادی فلسطین کے جنرل سیکرٹری یاسر عابد ربہ نے بھی عالمی عدالت کے جج کی جانب سے غزہ جنگ کے حقائق سے متعلق رپورٹ کی توثیق کو سراہتے ہوئے اس قرارداد پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کیلئے ایک قانونی کمیٹی تشکیل دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس رپورٹ پر اسرائیل کے ردعمل کا اندازہ تو نیتن یاہو کے بیانات سے ہوتا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے تو اس رپورٹ کو ہی غیر قانونی قرار دے دیا ہے۔ وہ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کی جانب سے غزہ جنگ کے دوران اسرائیلی فوج کے خلاف جنگی جرائم کے مرتکب ہونے کے الزامات کو غیر قانونی قرار دینے کیلئے ایک طویل جنگ لڑنے کو تیار ہیں۔ اسرائیل کو عالمی تنقید برداشت نہیں اور وہ اس رپورٹ کے خلاف برسوں تک مہم جاری رکھنے کے بیانات دے رہے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ رپورٹ غیر قانونی ہے گولڈ اسٹون رپورٹ سامنے آنے سے قبل ہی اسرائیل کا اس رپورٹ کو مشرق وسطیٰ امن بات چیت کی بحالی کی کوششوں کیلئے نقصان دہ قرار دینا دراصل اس کے مذموم کردار کا مظہر تھا، کیونکہ اسرائیل اچھی طرح آگاہ تھا کہ اس نے واقعتاً غزہ حملوں میں وحشت اور بربریت کی انتہا کردی ہے۔ وہ بجا طور پر جنگی مجرم کہلانے کا مستحق ہے۔

اپنے جرم کو چھپانے کیلئے وہ گولڈ اسٹون رپورٹ کو ہی غیر قانونی قرار دے رہا ہے۔ انسانی حقوق کونسل میں منظور کردہ قرارداد میں گولڈ اسٹون رپورٹ کی توثیق کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ اگر اسرائیل اور حماس 6 ماہ میں غزہ جنگ کے دوران جنگی جرائم کی کوئی قابل اعتبار تحقیقات کرانے میں ناکام رہتے ہیں تو ان کا معاملہ ہیگ میں قائم عالمی فوجداری عدالت کے پراسیکیوٹر کو مزید کارروائی کیلئے بھیج دیا جائے گا۔ اسرائیل کو اقوام متحدہ کی قرارداد اس لئے بھی گراں گزری ہے کہ اس قرارداد میں حماس کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ گولڈ

اسٹون نے اپنی رپورٹ میں غزہ جنگ کے دوران اسرائیل کی جانب سے راکٹ حملوں پر حماس کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ اسرائیل کی مسلط جنگ میں 1400 فلسطینی شہید ہوئے جبکہ صرف 13 اسرائیلی مارے گئے تھے' جن میں 10 فوجی تھے۔ کیا حماس کا اپنے دفاع کیلئے راکٹ چلانے کے حق کو جنگی جرائم کی کھاتے میں ڈالنا دائرہ انصاف میں ہے۔ حقیقتاً حماس نے کبھی بھی راکٹ حملے اسرائیل کے شہریوں کو داغنے کیلئے نہیں بلکہ اپنے دفاع کیلئے کئے ہیں۔ چار اسرائیل کا یہ دعویٰ کہ اس نے راکٹ حملوں کی روک تھام کیلئے غزہ جنگ لڑی تھی' بچگانہ نوعیت کا حامل نہیں تو اور کیا ہے' کیونکہ حماس اور دوسری تنظیموں کی جانب سے غزہ سے اسرائیل پر فائر کئے جانے والے زیادہ تر راکٹ کھلے میدانوں یا صحرائی علاقوں میں گرتے ہیں اور ان سے شاذ و نادر ہی جانی نقصان ہوتا ہے' اگر حماس یا فلسطینی تنظیموں میں حقائق کو چھپانے کے حوالے سے کوئی کمزوری ہوتو وہ کبھی بھی اسرائیل کے غزہ پر حملہ کی تحقیقات کا مطالبہ نہ کریں۔ گولڈ اسٹون رپورٹ پر بحث کے دوران اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری بان کی مون نے اسرائیل اور فلسطینیوں دونوں پر زور دیا تھا کہ وہ غزہ پر اسرائیلی حملے کے دوران جنگی جرائم کی شکایات کے بارے میں داخلی طور پر بلاتعطل قابل اعتبار تحقیقات کا آغاز کریں۔ جنوبی افریقہ سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی جنگی جرائم کے سابق پراسیکیوٹر رچرڈ گولڈ اسٹون کی تیار کردہ رپورٹ میں عالمی ادارے کے جنرل سیکرٹری کو اس رپورٹ کو عالمی ادارے کی سکیورٹی کونسل میں فالواپ کیلئے پیش کرانے کا اہتمام کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے جو مقدمہ کو عالمی عدالت میں پیش کرنے کی طرف ایک قدم ہوسکتا ہے۔ اس رپورٹ کے بارے میں ہونے والی بحث میں اظہار خیال کرتے ہوئے پاسکو نے کہا ''عالمی ادارے کے سربراہ کو چاہئے کہ بین الاقوامی انسانی قوانین پر مکمل طور پر عمل کرائیں۔ تمام شہریوں کی حفاظت کو ہر قسم کے حالات میں یقینی بنایا جائے۔''

اسرائیل ان ظالمانہ حملوں سے کیسے مکر سکتا ہے جس میں اس نے نہتے اور بے قصور فلسطینیوں کو بے دردی سے نشانہ بنایا۔ ان حملوں میں فاسفورس بموں کا استعمال بھی کیا گیا۔ گولڈ اسٹون رپورٹ میں وہی کچھ پیش کیا گیا ہے، جو کہ اسرائیل نے کیا۔ اسرائیل نے اپنی طاقت کا بے دریغ استعمال کرتے ہوئے ان حملوں میں عام شہریوں کے تحفظ کو یقینی نہیں بنایا، جس کی وجہ سے غزہ کے شہریوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ان کی جائیدادو املاک تباہ ہوگئیں اور گھروں کے گھر اجڑ گئے۔ اسرائیل خود کو ان جرائم سے کیسے بری قرار دے سکتا ہے؟ امریکہ کو بھی اسرائیلی مفادات بہت عزیز ہیں۔ امریکی صدر فلسطینی عوام سے صرف زبانی دعوے کر رہے ہیں' عملاً وہ اسرائیل کے ساتھ دوستی اور فلسطین دشمنی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ اسرائیل کے جنگی جرائم کو بے نقاب

کرنے کی رپورٹ پر رائے دہی رکوانے کی کوشش میں الفتح اور امریکہ کی مرضی شامل ہے۔ محمود عباس اور ان کے حواریوں نے فلسطینی عوام کے حقوق کی نگہبانی کرنے کے بجائے گولڈ اسٹون رپورٹ پر رائے دہی رکوانے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ بھی منظر عام پر آ چکی ہے۔ دراصل غزہ حملوں میں الفتح نے اسرائیل کا در پردہ ساتھ دیا اور اسرائیل کیلئے جاسوسی بھی کی' جس کے ثبوت حماس پیش کر چکا ہے۔ غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے دوران فلسطینی اتھارٹی کے قائدین اور محمود عباس کی اسرائیلی عہدیداروں سے بات چیت بھی منظر عام پر چکی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فلسطینی اتھارٹی غزہ جنگ میں اسرائیل کے ساتھ تعاون کی مرتکب ہوئی ہے اور بے گناہوں کے خون سے اس کے ہاتھ بھی رنگے ہوئے ہیں۔ اب جبکہ اقوام متحدہ نے بھی اس رپورٹ کی توثیق کر دی تو الفتح کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ ابھی اپنے بیانات سے یہ ظاہر کرکے وہ اسرائیل کے خلاف جنگی جرائم پر مبنی اس رپورٹ کی تائید کرتی ہے۔ الفتح کا حال اس چور جیسا ہے، جو اپنے فرار کے تمام راستے مسدود پانے کے بعد ڈھیٹ ہو کر جواز پیش کرنے لگتا ہے یا پھر طوعاً وکرہاً اسے ماننے ہی بنتی ہے۔

اسرائیل نے اس رپورٹ کو رکوانے کی بہت کوشش کی' مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ اب وہ اس رپورٹ کے جواب میں اپنی تحقیقاتی رپورٹ تیار کر رہا ہے۔ اپنی مرتب کردہ رپورٹ کے ذریعے وہ اس تحقیقاتی رپورٹ کو جھٹلانے کی پوری کوشش کرے گا۔ اسرائیل وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے غزہ میں اسرائیلی فوجی کارروائی کے دوران فوجیوں کی طرف سے جنگی جرائم کے ارتکاب کی تحقیقاتی رپورٹ کا جواب دینے کیلئے ایک کمیٹی بھی قائم کی ہے۔ اسرائیلی قیادت کا کہنا ہے کہ یہ رپورٹ اسرائیلی فوج سے بھی تیار کروائی جا سکتی ہے' کیونکہ ایسی تحقیقات کیلئے فوج کا اپنا نظام موجود ہے۔ غرض یہ کہ اسرائیل کو یہ رپورٹ بری طرح سے کھٹک رہی ہے اور وہ اسے ناجائز' جانبدار اور غیر قانونی ثابت کرنے کی تیاریوں میں ہے۔ اسرائیل کی قیادت کو سب سے پہلے تو اس وقت منہ کی کھانی پڑی' جب عالمی دباؤ پر اقوام متحدہ نے گولڈ اسٹون کمیٹی قائم کی۔ اسرائیل نے اس کمیٹی کے قیام کو بارہا مسترد کیا اور اسے رکوانے کی پوری کوشش کی' مگر اسے ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسرائیل کی جنگی مہم اور قتل عام کی کارروائی جدید ترین ہتھیاروں پر مشتمل تھی۔ اسرائیل کے پاس دنیا کا ترقی یافتہ ہتھیار اور اسلحہ موجود ہے۔ اسرائیل نے فلسطینی باشندوں کے خلاف ان ہتھیاروں کے استعمال پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ وائیٹ فاسفورس' افزودہ یورینیم اور دیگر کیمیکل سے تیار کردہ بین الاقوامی سطح پر ممنوعہ ہتھیار بھی استعمال کرتا رہا اور ان کے علاوہ بھی اس نے بعض ایسے ایٹمی خطرناک مادے استعمال کئے، جن کا تذکرہ ذرائع ابلاغ پر نہیں کیا گیا۔ صیہونی آبادیوں

نے بطور خاص شہری علاقوں اور آبادیوں کو اپنا نشانہ بنایا' حتیٰ کہ مسجدوں' ہسپتالوں' اقوام متحدہ کے
دفاتر' ایمبولینس گاڑیوں' سکولوں اور پناہ لینے والے کیمپوں پر بھی بمباری کی۔ اتنا کچھ کرنے کے
بعد بھی اس کا کہنا ہے کہ اس نے کسی جنگی جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ صیہونی آبادیوں نے بطور خاص
شہری علاقوں اور آبادیوں کو اپنا نشانہ بنایا' حتیٰ کہ مسجدوں' ہسپتالوں' اقوام متحدہ کے دفاتر'
ایمبولینس گاڑیوں' سکولوں اور پناہ لینے والے کیمپوں پر بھی بمباری کی۔

اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اس کا کہنا ہے کہ اس نے کسی جنگی جرم کا ارتکاب نہیں کیا' مگر
اسرائیل کے جنگی جرائم بین الاقوامی برادری کی نظر میں آ گئے اور اس نے یہ مطالبہ کرنا شروع کر دیا
کہ اسرائیلی رہنماؤں پر جنگی جرائم کا مقدمہ چلایا جائے۔ عرب ممالک کے رہنماؤں نے بھی
اسرائیل پر جنگی جرائم کا مقدمہ چلانے کی اپیل کی' جس سے یہ اندازہ ضرور ہوا کہ اب عرب ممالک
بھی بڑی طاقتوں کے سامنے منہ کھولنے لگے ہیں۔ اسرائیل کا یہ کہنا بے بنیاد ہے کہ اس کی
کارروائیاں جنگی جرائم سے باہر ہیں۔ بین الاقوامی قوانین کی رو سے "نسل کشی کرنا" بڑے پیمانے پر
قتل عام کرنا' نسل پرستانہ کارروائیوں کے ذریعے فریق مخالف کا صفایا کرنا اور ایسے جنگی آلات'
ہتھیار اور مادے استعمال کرنا ہے' جو بین الاقوامی سطح پر ممنوع ہیں' جیسے افزودہ ہونے والا یورینیم'
سفید فاسفورس یا بلاامتیاز شہریوں کو نشانہ بنانا اور شہریوں کیس اتھ لڑنے والے جیسا سلوک کرنا'
اسرائیل نے جو کچھ کیا' وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ بین الاقوامی کریمنل کورٹ میں اس کے
خلاف مقدمہ چلایا جائے' کیونکہ اس نے بین الاقوامی انسانی قوانین' ضابطوں اور چارٹر کو جی کھول
کر پامال کیا ہے۔ ان قوانین کی خلاف ورزی قانون کی رو سے سنگین جرم ہے' جس کی بنیاد پر
انٹرنیشنل کریمنل کورٹ یا اس کے قائم کردہ خصوصی ٹربیونل میں جواب طلبی ضروری ہے۔ غزہ کے
بے گناہ باسیوں کے خلاف اسرائیل نے جس طرح کے حملے کئے اور ممنوعہ ہتھیار استعمال کئے' جنگی
جرائم کی بدترین صورت تھی۔ عرب و بین الاقوامی تنظیموں کو ایسے ناقابل تردید ثبوت اور شواہد ملے
جو اسرائیل کو مجرم قرار دینے کیلئے کافی ہیں۔ اسرائیل پر قانونی اعتبار سے مقدمہ چلایا جا سکتا ہے مگر
عملی طور پر اس کی توقع اس لئے نہیں کہ عالمی طاقتوں کا جھکاؤ اسرائیل کی جانب ہے' جن کا دباؤ'
نخوت اور من مانی کسی قانون کو تسلیم نہیں کرتی۔ یہ طاقتیں بین الاقوامی قوانین و چارٹر کا منہ چڑاتی
رہتی ہیں اور بین الاقوامی قوانین پر عملدرآمد نہیں کرتیں بلکہ قوانین کو اپنے تابع کرتی ہیں۔

یہ ان طاقتوں کی بالادستی ہی ہے کہ اقوام متحدہ کا حقیقی کردار ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ اسی
وجہ سے اب تک ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ملزم ٹھہرایا جاتا رہا ہے۔ جب تک یہ طاقتیں کمزور ممالک
کو اپنے پنجوں تلے دبائے رکھیں گی' انصاف کے اداروں سے انصاف ملنا مشکل ہے۔ دنیا میں اسی

طرح لاقانونیت کا راج اور ظلم کا غلبہ رہے گا۔ اسرائیل کے جنگی جرائم کی توثیق مختلف انسانی حقوق
کے اداروں نے بھی کی ہے۔ نیویارک میں انسانی حقوق کے ادارے "نگرا انکار" نے بھی
ریموٹ کنٹرول والے طیاروں کے ذریعے 6 مبینہ حملوں کے حوالے سے 39 صفحات پر مشتمل
اپنی رپورٹ پیش کی ہے' جس میں کہا گیا ہے کہ جدید قسم کے عصری آلات رکھتے ہوئے بھی ڈرون
آپریٹر اس جنگ کے بین الاقوامی قوانین کی رو سے مطلوبہ مناسب انتباہ دینے میں ناکام رہے اور
جنگجوؤں کے ٹھکانوں کی شناخت میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔

اسرائیل جاسوس طیاروں کا ایک بیڑا رکھتا ہے جو بغیر پائلٹ والی فضائی گاڑیوں (یو اے
ویز) کے نام سے بھی معروف ہیں لیکن اس بات کا تذکرہ نہیں کیا گیا کہ آیا بغیر پائلٹ والے بعض
طیارے بھی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ اسرائیل نے اس ادارے کی رپورٹ کو بھی مسترد کرتے
ہوئے کہا ہے کہ تمام اسرائیلی لڑاکا افواج کی کارروائیاں بین الاقوامی قانون کے مطابق ہیں۔
ہتھیاروں اور گولہ بارود کا استعمال اسی کے مطابق کیا گیا۔

اسرائیل اپنے کسی جرم کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ وہ غزہ پر حملہ ضروری قرار دیتا ہے۔ یہ
ضرورت اس کی مفادات سے تو وابستہ ہے۔ جس میں غزہ گیس پائپ لائن' پانی تک رسائی اور حماس
سے علاقے کا کنٹرول لینا ہے' مگر حماس کے راکٹ حملوں کا جواز دے کر نہتے غزہ کے باسیوں پر
قیامت ڈھا دینا دفاع ہے نہ جنگ بلکہ سراسر ظلم ہے۔ وہ جنگی جرم، جسے عالمی برادری نے دیکھا
اور مان لیا ہے۔ اب اسرائیل کے ماننے نہ ماننے سے فرق نہیں پڑتا۔

❖♦❖

مسجد اقصیٰ کے خلاف اسرائیلی سازشوں اور یہودی بستیوں کی مسلسل تعمیر نے پوری مسلم دنیا
کو متفکر کر دیا ہے۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں کی طرف سے اسرائیل کی کارروائیوں کے خلاف
مذمتی ردعمل بھی سامنے آ رہا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے شدید ردعمل ترکی نے کیا جو کہ ہنوز جاری
ہے۔ ترکی کا شمار ان ملکوں میں ہوتا ہے، جن کے اسرائیل کے ساتھ اچھے سفارتی تعلقات رہے
ہیں لیکن حالیہ غزہ جنگ کے بعد سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں مسلسل بگاڑ آ رہا ہے' جس کی
وجہ ترکی کے وزیراعظم طیب اردگان کا مظلوم فلسطینیوں کی حمایت جاری رکھنے کا سخت گیر مؤقف
ہے۔ ترکی کے وزیراعظم رجب طیب اردگان نے فلسطین میں ریاستی دہشت گردی پر اسرائیل کو
شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے مظلوم فلسطینیوں کی ہر ممکن حمایت اور امداد جاری رکھنے کا بھی اعادہ
کیا ہے۔ عرب نیوز چینل کے انٹرویو کا تذکرہ نہ کرنا زیادتی ہوگی' جس میں طیب اردگان نے کہا کہ
ترکی نے ہمیشہ فلسطینی عوام کی اخلاقی اور سفارتی مدد جاری رکھی ہے اور آئندہ بھی یہ مدد جاری رکھے

گا۔ ترکی کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جو کسی ملک کے خلاف دشمنانہ عزائم نہیں رکھتے اور ترکی نے ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ غزہ پر اسرائیلی جارحیت اور معاشی ناکہ بندی کے خلاف اگر ترکی نے آواز اٹھائی ہے تو یہ عمل قابل تحسین ہے' کیونکہ ترکی غزہ جارحیت کے خلاف ہے۔ اسرائیل اور ترکی کے درمیان تعلقات میں کشیدگی رواں سال جنوری میں اسرائیل کے غزہ پر حملے کے دوران پیدا ہوئی تھی جب ڈیوس کانفرنس میں ترکی کے وزیراعظم طیب اردگان نے اسرائیل کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ مصر کے صدر حسنی مبارک نے بھی اسرائیل کی نئی بستیوں کی تعمیر کے حوالے سے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ صرف مصر ہی نہیں' ساری عرب دنیا فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کی نئی بستیوں کی تعمیر سے فکرمند ہے۔ حسنی مبارک گزشتہ دنوں روم کے دورہ پر تھے۔ اس دورہ میں اٹلی کے وزیراعظم سلویو برلسکونی سے ملاقات کے دوران انہوں نے بیت المقدس پر اسرائیلی قبضے کی مذمت کی۔ مصر کو اسرائیل کا اہم حلیف گردانا جاتا ہے۔ مصر کے صدر حسنی مبارک کی زبان سے اسرائیل کیلئے مذمتی الفاظ یا مسجد اقصیٰ کے حوالے سے اظہار تشویش مسلم دنیا کی فکرمندی کا بجا طور پر ثبوت ہے۔ حسنی مبارک نے اس دور میں کہا کہ اسرائیل کی جانب سے نئی بستیوں کی مسلسل تعمیر سے نہ صرف فلسطینی پریشان ہیں بلکہ ساری مسلم دنیا فکرمند ہے۔''

اسرائیل کو مسلم دنیا کی فکرمندی سے قطعاً کوئی غرض نہیں۔ عالمی برادری تمام مغربی کنارہ بشمول مشرقی بیت المقدس میں اسرائیلی نوآبادیوں کو غیرقانونی اور مشرق وسطیٰ امن سمجھوتہ کیلئے ایک بڑی رکاوٹ تصور کرتی ہے۔ ان بستیوں کی تعمیر روکنے کیلئے اسرائیل پر کافی دباؤ بھی ڈالا گیا ہے۔ امریکہ نے بھی مغربی کنارہ اور مشرقی فلسطین میں یہودی آبادیوں کی تعمیر کو مکمل طور پر روکنے کا مطالبہ کیا ہے۔ فلسطینی مشرقی بیت المقدس کو فلسطینی مملکت کا دارالحکومت بنانے کے خواہاں ہیں' لیکن اسرائیل کو فلسطینیوں کی خواہشات سے کوئی غرض نہیں' وہ مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کو دیکھنا چاہتا ہے اور اس نے اس مذموم منصوبے پر کام بھی شروع کر رکھا ہے۔ مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے عالم اسلام کو ٹھوس اور جنگی بنیادوں پر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی کانفرنس کے قیام کا مقصد مسئلہ فلسطین کا حل تھا' مگر یہ تنظیم اپنے اہداف کے حصول میں مطلوبہ کامیابیاں حاصل نہیں کر پائی۔ اسرائیل کے مظالم کے خاتمے اور قبلہ اول کی آزادی کیلئے مسلمانوں کو اپنی کوششوں کو تیز تر کرنا ہوگا۔ پوری دنیا میں مسلمان ممالک اور حکومتوں کو اسلامی کانفرنس کے پلیٹ فارم کو متحرک کرنا ہوگا تاکہ مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے کوششوں میں تیزی لائی جا سکے۔ ایران کے روحانی پیشوا اور سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای کی جانب سے گزشتہ دنوں مسجد اقصیٰ پر اسرائیلی قبضے کے خلاف سخت ردعمل سامنے آیا ہے۔ ایران کے روحانی پیشوا نے تہران میں سینیگال کے صدر عبداللہ داد

سے ملاقات میں کہا کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اور بعض اسلامی ممالک اسرائیل کے ساتھ ہیں' تاہم دنیا میں تمام مسلمانوں کے دل مظلوم فلسطینیوں کے ساتھ ہیں۔ سینی گال کے صدر نے بھی اس موقع پر ایرانی قائد کو یقین دلایا کہ ان کا ملک فلسطین کے حل کیلئے ٹھوس کوششیں کرے گا۔ مختلف اسلامی ممالک سے روابط بڑھائے جائیں گے تاکہ اس پلیٹ فارم کو مؤثر بنایا جا سکے۔ اسلامی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے تمام مسلمانوں کو امیدیں وابستہ ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کو غزہ میں فلسطینیوں کے ساتھ ہونے والے مظالم پر شدید دکھ ہے۔ یہ ترکی کے عوام کا وزیراعظم اردگان سے مطالبہ ہی تھا کہ جس نے ترک حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ اسرائیل سے اپنے تعلقات کا دائرہ محدود کرے۔ ترکی کے عوام نے وزیراعظم اردگان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اسرائیلی فوج، جنہوں نے غزہ میں فلسطینیوں کے گھروں پر بمباری کی تھی۔ انہیں ترکی کی فضاؤں میں جنگی مشقوں کی اجازت نہ دی جائے۔ اپنی عوام کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے ترکی نے اسرائیل' امریکہ' اٹلی اور نیٹو فوج کے اشتراک سے ہونے والی فوج فضائی مشقوں کو منسوخ کر دیا۔ فضائی مشقیں ترکی کے وسطی شہر کونیا میں رواں ماہ کے آخر میں مقرر تھیں۔

ترک حکومت نے بیت المقدس شہر اور مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کے حملوں کے سلسلہ میں ان فوجی مشقوں کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا۔ اسرائیل کی مسجد اقصیٰ کے خلاف کارروائیاں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اسرائیل حکومت کے علاوہ انتہا پسند یہودی بھی مسجد اقصیٰ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں' انتہا پسند یہودی بھی مسجد اقصیٰ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں' انتہا پسند یہودی تنظیمیں اکثر یہ مطالبہ کرتی رہتی ہیں کہ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس سے گنبد کو جلد منتقل کیا جائے۔ گروشن سولومن نامی انتہا پسند یہودی تنظیم نے القدس سے مساجد کو ہٹانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اسرائیلی روزنامہ ''یدیعوت احرونوت'' کی رپورٹ کے مطابق اسرائیل کی کٹر پسند یہودی تنظیموں نے اسرائیلی انجینئرز کی مدد سے مسجد اقصیٰ اور گنبد کو مسلمانوں کے مقدس شہر مکہ مکرمہ منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اسرائیلی اخبار نے انتہا پسند لیڈر یہودا اٹیزن کے حوالے سے لکھا ہے جو کہ اسرائیلی جاسوسی ایجنسیوں سے بھی وابستہ ہیں کہ یہودی ملک کیلئے مسلمانوں کے اس مقدس مقام کو منہدم کرنا ناگزیر ہو جائے گا۔ اگر تل ابیب مسجد کو مکہ معظمہ منتقل کرنے میں ناکام ہوا تو اسے کسی نہ کسی طریقے سے منہدم کرنا ہی واحد راستہ رہ جاتا ہے۔ یہودا اٹیزن کو حرم شریف میں واقع مساجد کو دھماکہ سے اڑانے کے منصوبہ کیلئے 1980ء میں پانچ سال کی سزا ہوئی تھی۔ اس کٹر یہودی نے ایک بار پھر ایسا کرنے کی قسم کھائی ہے۔ مسجد اقصیٰ پر یہودی انتہا پسندوں نے گزشتہ روز بھی حملہ کی کوشش کی تھی' جبکہ اسرائیلی فوج نے مسلمانوں کو یہاں نماز ادا کرنے نہیں دی تھی۔

اسرائیل کی مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہ کے خلاف گھناؤنی حرکات پر مسلم دنیا خاموش کیسے رہ سکتی ہے۔اسرائیل کو مسلم ممالک کی جانب سے ردعمل سخت ناگوار گزر رہا ہے۔کثیر الاشاعتی عبرانی اخبار ''یدیعوت احرونوت'' کے مطابق اسرائیلی حکام ترک وزیراعظم رجب طیب اردگان سے سخت نالاں ہیں۔ان کا الزام ہے کہ وہ اسرائیل سے تعلقات بگاڑ کر مشرق وسطیٰ میں کشیدگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے تو ترک میڈیا پر بھی اشتعال انگیزی کا الزام لگایا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ترکی کے موجودہ رویے سے دونوں ملکوں کے درمیان حالات خراب ہو رہے ہیں۔انہوں نے وزیراعظم طیب اردگان کو کشیدگی کا مرکز قرار دیا۔اسرائیلی وزیراعظم کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ترکی کس سمت سفر کررہا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ انہیں رجب طیب اردگان کی جانب سے اشتعال انگیز بیان جاری کرنے پر گہری تشویش ہے' کیونکہ اس سے خطے میں امن کے عمل کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ترکی کے رویے سے نالاں ہوکر اسرائیل کی فضائی ٹریول کمپنیوں نے ترکی کیلئے سیاحتی پروازیں غیر معینہ مدت کیلئے منسوخ کردی ہیں۔کئی بڑی کمپنیوں کی جانب سے فضائی سروس کے معطل ہونے سے سیاحت کیلئے ترکی آنے والے شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اسرائیل کے ناطقے سے گھبرا کر مسلمان ممالک کو دم سادھ کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے بلکہ قبلہ اول کی آزادی کیلئے کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔بیت المقدس کی آزادی کیلئے مسلمان ممالک کی حکومتوں اور عوام کی طرف سے اٹھتی ہوئی آوازوں کو یکجا ہوکر صرف احتجاج کیلئے نہیں بلکہ دشمن سے دوبدو ہوجانے کیلئے تیار ہوجانا چاہئے۔ایرانی اسپیکر اور اسلامی کانفرنس تنظیم کی پارلیمنٹرین کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر علی لاریجانی نے کہا کہ صہیونی بیت المقدس اور قبلہ اول کے دفاع کو عالم اسلام کے جذبات واحساسات کی پروا کئے بغیر اپنے ناپاک عزائم کو کھلے عام آگے بڑھا رہے ہیں۔

اسرائیل مسجد اقصیٰ کو اپنی ملکیت قرار دیتا ہے اور اب اس مقدس شہر اور عبادت گاہ کی ہیت کو بدل کر اسے مکمل یہودی صورت میں ڈھالنے کے مشن پر عمل پیرا ہے۔مسلمانوں کا مسجد اقصیٰ پر دعویٰ حق پر ہے۔مسجد اقصیٰ کے خطیب نے مسجد اقصیٰ میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس مسجد پر اپنے دعوے پر ڈٹے رہنے پر زور دیا ہے۔انہوں نے مسلمانوں کو خاص طور پر پیغام دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس مسجد پر اپنے دعوے میں مستحکم رہنا چاہئے اور اس مقدس مقام کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہئے۔امام مسجد شیخ ابو یوسف سنینی نے اسرائیلی حکام کے مسجد اقصیٰ پر قبضہ اور 50 سال سے کم عمر کے لوگوں کے مسجد اقصیٰ میں داخلے پر پابندی کو ایک ظالمانہ طرز عمل قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ قبضہ

اس مقصد سے کیا جارہا ہے کہ بالآخر مسلمان اس مسجد کو ترک کردیں گے اور اسرائیل اسے تباہ کردے گا۔انہوں نے زور دیا کہ اسرائیل کے قابض حکام کی پالیسیاں جو عارضی طور پر مسجد اقصیٰ میں داخلہ کی شرائط پر مشتمل ہے، بالآخر ناکام ہوجائیں گی' زمینوں پر قبضہ' ناجائز حراست' غیر قانونی آبادکاریاں' فلسطینیوں کو الگ تھلگ کرنے کی کوشش' مسجد اقصیٰ کے نیچے سرنگوں کو کھول دینا اور فلسطینیوں کیلئے سڑکوں کو بند کردینا ہمیشہ نہیں رہیں گے۔اسرائیل اب نمازیوں کو مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ کی ادائیگی سے بھی روک دینا چاہتا ہے اور اس کیلئے اس نے عملی قدم بھی لے لیا ہے۔ حماس کے رکن پارلیمنٹ احمد ابو حلابیہ بیت المقدس کمیٹی میں شامل ہیں۔انہوں نے بھی مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ قابض اسرائیلی حکام منظم طریقہ پر اور پروگرام کے مطابق بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ پر حملے کررہے ہیں۔اسرائیل کی سازشیں بیت المقدس کے مقبوضہ علاقوں کی شناخت کو مٹانے کیلئے جاری ہیں۔صہیونی جارحیت اشتعال انگیز اور جنونی ہے۔بیت المقدس پر مسلمانوں کا حق ہے۔صہیونیوں کو اس پر قبضہ کا کوئی حق نہیں' نہ ہی وہ اس پر تصرف کے مجاز ہیں۔اسرائیلی خود کو صحیح کرنے کے بجائے مسلمانوں پر اشتعال انگیزی کا الزام لگا رہے ہیں۔حال ہی میں اسرائیلی انٹیلی جنس کی ایک رپورٹ میں فلسطینیوں پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ مشرقی بیت المقدس پر قبضہ کی تیاریاں کررہے ہیں۔کثیر الاشاعتی عبرانی اخبار ''یدیعوت احرونوت'' میں شاباک کے حوالے سے الٹا فلسطینیوں کے مستقل قبضے کی نہ صرف مقامی القدس اتھارٹی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے بلکہ فلسطینیوں کے خفیہ سیکورٹی ادارے اقتصادی میدان میں کام کرنے والی تنظیمیں بھی مختلف طریقوں سے بیت المقدس میں فلسطینیوں کے قبضہ کی راہ ہموار کررہی ہیں۔اخبار نے ایک اعلیٰ سطح کے سیکورٹی عہدیدار کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ مشرقی بیت المقدس میں موجودہ فلسطینی اتھارٹی کی سرگرمیاں ماضی میں بیت المشرق نامی اتھارٹی کی سرگرمیوں سے زیادہ مؤثر ہیں۔واضح رہے کہ بیت المشرق کی سرگرمیوں کو اسرائیل نے صہیونی ریاست چند سال قبل ریاست کیلئے خطرناک قرار دے کر اس پر پابندی لگا دی تھی۔اسرائیلی پالیسی ساز اور تھنک ٹینکس فلسطینیوں کی سرگرمیوں کو جان بوجھ کر غیر معمولی نوعیت کا قرار دے رہے ہیں۔

اسرائیل کا مسجد اقصیٰ اور دیگر مساجد کی بے حرمتی اور قرآن پاک کی توہین سے ثابت ہوگیا ہے کہ وہ دانستہ مسلمانوں کے مذہبی مقامات کو نقصان پہنچا رہا ہے۔حال ہی میں اسلامی کانفرنس تنظیم کے سیکرٹری جنرل پروفیسر اکمل الدین اوگلو نے کہا کہ اسرائیل ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت فلسطین میں مذہبی مقامات کی بے حرمتی کررہا ہے۔استنبول میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے مغربی کنارے کے شہر یاسوف میں یہودی آبادکاروں کے ہاتھوں مسجد

کی بے حرمتی کے واقعہ کی شدید مذمت کی۔ احسان اوگلو نے اسرائیل کے ناپاک عزائم کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین میں مسجد کی بے حرمتی' قرآن پاک کے نسخہ کو نذر آتش کرنے کے واقعہ اور مسجد کی دیواروں پر نسل پرستانہ کلمات کی قلم بندی اسلام اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کے خلاف یہودیوں کی دشمنی کا کھلا ثبوت ہے۔ انہوں نے عالمی برادری کی توجہ فلسطین میں یہودیوں کے ہاتھوں مذہبی مقامات کی مسلسل بے حرمتی کی جانب مبذول کراتے ہوئے اس کے انسداد کیلئے ٹھوس اقدامات کا مطالبہ کیا۔ واضح رہے کہ قابض یہودی آبادکاروں کے ایک مشتعل گروہ نے مغربی کنارے میں سلفیٹ کے قریب یاسوف کے مقام پر جامع مسجد خضر کو آگ لگا دی تھی' جس میں مسجد کی لائبریری اور قرآن پاک کے متعدد نسخے جل کر خاکستر ہو گئے تھے' جبکہ اس موقع پر یہودیوں نے مسجد کی دیواروں پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نازیبا الفاظ بھی تحریر کئے۔ صیہونیوں کی مسلم دشمنی پر مبنی کارروائیاں ان کی پست ذہنیت کی آئینہ دار ہیں۔ اسلام دشمنی کے ان بڑھتے ہوئے واقعات کو روکنے کیلئے مسلم دنیا اور فلسطین کے مذہبی گروہ سرگرم ہو چکے ہیں۔ قطر کے امیر شیخ حماد بن خلیفہ الثانی نے الجزائر کے دورے پر نہ صرف باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا بلکہ دونوں رہنماؤں نے اس امر پر اتفاق بھی کیا کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے مسلم امہ کا بالعموم اور عرب دنیا کا بالخصوص اتحاد ضروری ہے۔

خالد مشعل کی قیادت میں اسلامی ممالک کے دوروں کا بھی آغاز ہو چکا ہے۔ حماس کے قائد عزت رشق نے ان دوروں کا مقصد اسلامی ممالک کو فلسطین کی تازہ صورتحال سے آگاہی قرار دیا۔ تہران میں حماس کے وفد نے ایران کے رہبر اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای' صدر احمدی نژاد' وزیر خارجہ اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں سے ملاقات کی۔ اس وفد میں حماس کے سربراہ خالد مشعل سمیت دیگر ارکان ڈاکٹر موسیٰ ابومرزوق' سامی خاطر' عزت رشق اور جمال عیسیٰ شامل ہیں۔ حماس کے وفد نے قبل ازیں یمن اور شام کے دورے بھی کئے اور ان ممالک کے سربراہوں سے ملاقات کی اور ان کو فلسطین کی تازہ صورتحال سے مطلع کیا۔ علاوہ ازیں وفد نے اسرائیل کی جانب سے مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی بے حرمتی کرنے کی تفصیلات سے بھی انہیں آگاہ کیا گیا۔ ایران کے صدر احمدی نژاد نے فلسطینیوں کو اپنی ہر ممکن حمایت کا یقین دلایا۔

اسرائیل بیت المقدس پر تصرف کیلئے شہر کی ہیئت بدلنے کے منصوبے پر کاربند ہے۔ تسلط کی اس پالیسی پر چلتے ہوئے اس نے یہ سلسلہ چھیڑ رکھا ہے تاکہ فلسطینیوں پر ثابت کر دیا جائے کہ اسرائیل ان کے کسی مطالبے کو نہیں مانے گا اور نہ ہی ان کے مذہبی مقامات یا شعائر کا احترام کرے گا۔ انتہا پسند نیتن یاہو کی حکومت نے شدت پسندانہ کارروائیوں میں سابقہ حکومتوں کو پیچھے چھوڑ دیا

ہے۔ اسرائیل کی پوری انتظامیہ اس وقت عظیم تر بیت المقدس کے منصوبے کو جلد مکمل کرنے کی سازش میں مصروف ہے۔ بیت المقدس کو مکمل طور پر یہودی شہر بنانے کیلئے وہاں سے مسلمانوں کے آثار کو مکمل طور پر مٹایا جا رہا ہے۔ یہودیوں کی جانب سے مذہبی مقامات کی توہین کا مقصد مسلمانوں کو فلسطین میں بے اثر اور بے بس بنا دینا ہے۔

بیت المقدس کے علاقے غوش نیتسون میں اسرائیل رہائشی فلیٹس تعمیر کرنے میں مصروف ہے۔ دو ہزار رہائشی یونٹ ''بات عاین'' نامی یہودی بستی میں قائم کئے جا رہے ہیں۔ پانچ ہزار رہائشی تعمیرات غفوت نامی بستی میں جاری ہیں۔ اتنی یہودی بستیاں قائم کرنے کا مقصد بڑا واضح ہے' یعنی بیت المقدس میں مسلم اکثریت کو خارج کر دینے کا منصوبہ' نئی یہودی بستیوں' زراعتی فارموں' سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر کے ترقیاتی منصوبوں کی آڑ میں اسرائیلی حکومت جہاں ضروری سمجھے گی' ان کو نسلی دیوار کی لپیٹ میں لے سکے گی۔

بیت المقدس سے مسلمانوں کو نکالنے کیلئے ان پر بے جا سختیوں اور پابندیوں کا سلسلہ جاری ہے' جس میں ان پر مسجد اقصیٰ میں عبادت پر پابندی اور ان کو بھاگنے پر مجبور کرنے کیلئے خصوصی ٹیکس لگائے جا رہے ہیں۔ یہ یہودی توسیعی منصوبے عظیم تر اسرائیل کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد بیت المقدس میں مسلمانوں کے وجود کو برائے نام حیثیت دینا ہے۔ یہودیوں کی شرانگیزیاں ان کے ناپاک عزائم کی گواہ ہیں۔ مغربی کنارہ کے علاقہ یوسف میں مسجد پر حملہ اور قرآن پاک کے نسخوں کو نذر آتش کرنا ثابت کرتا ہے کہ انہیں فلسطینیوں اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کے خلاف سازشوں کی کھلی چھٹی مل چکی ہے۔

تل ابیب سے عبرانی زبان میں شائع ہونے والے اخبار یدیعوت احرنوت کے مطابق یہودی مذہبی پیشواؤں نے یہودیوں کے مزید کسی ہولوکاسٹ کو حرام قرار دیتے ہوئے فلسطینیوں کے قتل کا فتویٰ جاری کیا ہے۔ یہ فتویٰ یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی امور کی اعلیٰ عدالتی کمیٹی نے جاری کیا ہے' جس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ فلسطینی مزاحمت کاروں کے ہاتھوں یرغمال اسرائیلی فوجی گیلاد شالیط کا مسئلہ ہر صورت حل کیا جانا چاہئے۔ خواہ اس کیلئے گیلاد کی زندگی کو خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ گیلاد شالیط کے بدلے اسرائیلی جیلوں میں موجود فلسطینی مجرموں کو رہا کرنا ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا ہے۔ فتویٰ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیدیوں کے تبادلے کیلئے دباؤ ڈالنے والے سیاستدان' سکالرز اور صحافی ملک دشمن ہیں۔ ان لوگوں کو ملک سے خیانت کیلئے امداد ملتی ہے۔''

[illegible] نے فلسطینیوں کے قتل عام کیلئے ''ہولوکاسٹ کے دوبارہ ظہور'' کو جواز بنایا ہے جبکہ [illegible]ن کے پہلے ہولوکاسٹ سے متعلق ہی شبہات ابھی تک ختم نہیں کئے جا سکے اور اس کی

صداقت بھی ابھی تک متنازعہ ہے۔ نیتن یاہو یا یہودی گروہوں کے چیخ چیخ کر ہولوکاسٹ کے نعرہ کو بلند کرنے سے اس کو تاریخی سچ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسرائیل کے بہت سے جرائم اب دنیا کی نگاہوں میں آنا شروع ہو گئے ہیں؛ جن پر اس نے پردہ داریاں ڈالنے یا ان کو اپنی پسند کے جواز گھڑ کر بتانے کی روش اپنا رکھی ہے۔ گولڈ اسٹون رپورٹ کا غزہ جنگی جرائم پر مہر ثبت کرنا اور یورپی یونین کا یہودی بستیوں کو جائز قرار دینا یورپی دنیا کا اسرائیل کے متعلق بدلتا رویہ بھی ظاہر کر رہا ہے جو کہ اسرائیل کے مظالم اور ہٹ دھرمانہ فیصلوں کو دیکھ کر حقائق کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے۔

گولڈ اسٹون اور یورپی یونین کی رپورٹ کے بعد برطانیہ کی عدالت کی جانب سے غزہ میں جنگی جرائم پر اسرائیل کی سابق وزیر خارجہ زپی لیونی کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کرنا بھی ایک احسن اقدام ہے۔ اگرچہ اس پر پوری طرح عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ زپی لیونی نے برطانوی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف احتجاجاً برطانیہ کا دورہ منسوخ کر دیا جس پر وارنٹ واپس لے لئے گئے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق غزہ پر جارحیت کے دوران اسرائیل کی جنگی کابینہ کی رکن سابق وزیر خارجہ زپی لیونی لندن میں ایک اجلاس میں شرکت کرنے والی تھیں، تاہم فلسطینیوں کے وکلاء کی درخواست پر ویسٹ منسٹر جج نے زپی لیونی کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ جب زپی لیونی کو اس کا علم ہوا تو مشیروں کے کہنے پر انہوں نے برطانیہ کے مجوزہ دورے کو کینسل کر دیا۔ فلسطینیوں نے برطانوی عدالت کے فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے۔

اقوام متحدہ نے بھی غزہ میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے عالمی برادری پر مشرق وسطیٰ میں قیام امن و استحکام کیلئے اپنے کردار کو وسعت دینے پر زور دیا ہے۔ سیکرٹری جنرل بان کی مون نے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹرز میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ غزہ میں انسانی حقوق کے مسائل حل کرنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ خصوصاً غزہ پر اسرائیلی حملے کی صورتحال تشویشناک ہے۔ فلسطینی عوام کے مسائل کو حل کرنے کیلئے اقوام متحدہ نے سنجیدگی اور محنت سے کوششیں کیں، لیکن افسوس وہ نتائج حاصل نہیں ہو سکے، جن کی توقع اور ضرورت تھی۔ بان کی مون نے یقین دلایا کہ غزہ میں سکول، ہسپتال اور سویلین شہریوں کی حفاظت کیلئے اسرائیل پر دباؤ برقرار رہے گا جبکہ اسرائیل کو جنگی معاوضہ کے طور پر 11 ملین ڈالر کی ادائیگی پر قائل کیا جائے گا۔

الفتح کے صدر محمود عباس کا اپنے مؤقف کو دہرانا بھی ایک اچھا شگون ہے۔ اگر یہ نیک نیتی پر مبنی ہو تو ان کا مؤقف ہے کہ ”اگر اسرائیل نئی آبادکاری کی تعمیرات کو روک دے اور 1967ء کی پرانی سرحد پر واپس جا کر فلسطینی ریاست کو تسلیم کر لے تو معطل امن مذاکرات دوبارہ شروع کرنے

کیلئے تیار ہیں۔ پرامن مذاکرات ہمارے لئے شرائط نہیں ہیں بلکہ پرامن مذاکرات کے منظور شدہ روڈ میپ کا حصہ ہیں۔ فلسطین نے کبھی پیشگی شرائط نہیں رکھیں۔ یہ اسرائیل ہے جو مقبوضہ بیت المقدس اور نئی آبادکاری کو مذاکرات سے باہر نکالنے کی پیشگی شرائط رکھتا ہے۔“

اسرائیل پر کسی عالمی دباؤ کا اثر نہیں ہو رہا اور نہ ہی وہ دنیا کی باتوں پر کان دھر کر خود کو بدلنے کیلئے تیار ہے، چاہے یہ آوازیں اس کے دوستوں کی جانب سے ہی کیوں نہ اٹھ رہی ہوں۔ فلسطینیوں کے پرمٹ، شناختی کارڈ منسوخ کرنا، ان کی املاک پر قبضہ کرنا، انہیں ان کے گھروں سے بے دخل کرنا اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی بے حرمتی کرنا، جیسے اقدامات بتا رہے ہیں کہ مسجد اقصیٰ اور دیگر مقدس مقامات کو مسلسل اسرائیل کی دہشت گردانہ کارروائیوں کا سامنا ہے۔ یہودی ہفتہ وار میگزین ”یروشلم“ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اسرائیل نے ”ترقی دینا“ کے نام سے منصوبے پر کام شروع کر دیا ہے۔ اس منصوبے کے پس پردہ پورے شہر کو یہودی شہر میں تبدیل کر دینا اور مغربی کنارے پر بھی اپنی راجدھانی قائم کرنا ہے۔ القدس کو سو فیصد یہودی شہر بنانے کیلئے مسلمانوں کے مذہبی و تاریخی مقامات کو معدوم کر کے ان کی جگہ یہودی عمارات کو تعمیر کیا جائے گا۔

مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے اس کے ملبوں پر تیسرے ہیکل کی تعمیر کی سازش بھی اسی منصوبے کا حصہ ہے۔

فلسطینی گروہ بلاشبہ اس وقت صیہونی عزائم کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہودیوں نے جب بھی مسجد اقصیٰ میں یا دیگر مساجد میں گھس کر ان کی حرمت پامال کرنے کی کوشش کی تو فلسطینیوں نے انہیں ناکام بنا دیا۔

بیت المقدس امور کے ماہر فلسطینی ایڈووکیٹ قصی ناصر نے اپنی رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل کی ”جنرل کمیٹی برائے تعمیرات“ نے مسجد اقصیٰ کی جنوب مغربی دیوار سے ملحقہ براق صحن کی شمالی جانب بڑا یہودی مرکز تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، جس کے انتظامی امور صیہونیوں کے پاس ہوں گے۔ اس اسرائیلی منصوبے کی دستاویز کے مطابق براق میں موجود ”بیت شتراوس نامی“ یہودی مرکز میں توسیع کی جائے گی۔ بیت شتراوس یہودی مرکز اس وقت 750 مربع میٹر رقبے پر محیط ہے جبکہ نئی تجویز کے مطابق یہ مرکز 1750 مربع میٹر رقبے پر محیط ہو گا اور اس مرکز کی عمارت 4 منزلہ ہو گی۔ یہ مرکز مسجد اقصیٰ کے نیچے بنائے جانے والے انڈر پاسز کا براہ راست باب الداخلہ ہو گا۔ مرکز کی توسیع کی وجہ سے گنبد خضریٰ اس عمارت کے پیچھے چھپ جائے گا۔ موصولہ اطلاعات کے مطابق یہودی مسیح موعود کے استقبال کیلئے اپنی عبادت گاہ تعمیر

کرنے کیلئے فنڈز جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ مسلمانوں کے قبلہ اول مسجد اقصیٰ کو سفر معراج اور نبی کریم کو جنتوں کی سیر کرانے کے واقعہ کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ الحرم الشریف جہاں گنبد اور مسجد اقصیٰ واقع ہیں' عرب اسرائیل متنازعہ کا مرکز ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ الحرم الشریف کے نیچے ہیکل سلیمانی موجود ہے' اس کیلئے وہ مسلمانوں کے اس تیسرے مقدس ترین مقام کی تباہی کے درپے ہیں۔ یہودیوں کو امریکی ایوا انجیلی عیسائیوں کی حمایت بھی حاصل ہے' جن کی تعداد تقریباً 70 ملین ہے اور ان میں سے اکثر اسرائیل کی سازشوں میں اس کے حمایتی ہیں۔ ایوا انجیلی عیسائیوں کے عطیات بھی یہودیوں کے منصوبوں میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

مقدس شہر پر قبضے کی سیاست کا دائرہ کار اب تمام فلسطین کو ہتھیانے پر پھیل گیا ہے۔ اسرائیل اب مذہبی دہشت گردی پر اتر آیا ہے۔ اسلامی مقدسات اور سرزمین فلسطین کی آبرو پامال کرنے پر تمام عالم اسلام سراپا احتجاج بنا ہوا ہے' مگر اسرائیل کسی کی ماننے کو تیار نہیں۔ عوامی پارٹی حزب الشعب کے جنرل سیکرٹری اور قانون ساز کونسل کے رکن بسام صالحی نے اس بارے میں کہا کہ فلسطینی گروہوں کے نفاق نے اسرائیل کے یہودیوں میں جرأت پیدا کردی ہے کہ وہ مساجد پر حملے کررہے ہیں اور اس کی بے حرمتی کررہے ہیں۔ اسرائیل پورے فلسطین کو یہودی آبادی' یہودی تہذیب وثقافت اور یہودی آثار وعلامات میں تبدیل کرنے کی کارروائیاں کررہا ہے۔ عکا سے یافہ تک کا علاقہ یہودی بنایا جاچکا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کی پالیسی نے صہیونیوں میں اتنی جرأت پیدا کردی ہے، جو وہ آج مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس میں کررہا ہے اور کالونیوں کی تعمیر وتوسیع پر مصر ہے۔

سابق صدر بش کی اسرائیلی وراثت اٹھائے ہوئے امریکی صدر اوباما اسرائیل کی آؤ بھگت میں لگے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا محض خام خیالی ہوگی کہ وہ ماضی کے سبق سے ہٹ کر نئے ایجنڈہ اور نئی پالیسی پر عمل کررہے ہیں۔ اوباما نہ تو کالونیوں کی تعمیر رکوا سکتے ہیں اور نہ ہی اسرائیلیوں کو مذہبی مقامات کی روگردانی سے باز رکھنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں' بلکہ وہ کسی نہ کسی شکل میں اسرائیلی ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔

فلسطینیوں کے گھر' ان کی زمینوں کو چھین کر ان کو مسمار کرنے کیلئے جواز یہ گھڑا جاتا ہے کہ یہ اسرائیل کی بلدیہ کے قوانین کے مطابق تعمیر نہیں کی گئیں۔ رپورٹ کے مطابق اسرائیل بیت المقدس کی ہیئت بدل کر اسے اتنا پیچیدہ شہر بنادینے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے کہ عالمی برادری کو اسے یہودی شہر مانتے ہی بنے اور اگر اس میں کوئی ابہام رہ بھی جائے تو یہ اتنا متنازعہ علاقہ اور گنجلک معاملہ بن جائے کہ بیت المقدس پر فلسطینیوں کا حق ثابت نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو اپنے

قبضے میں لینا ان کیلئے کسی صورت ممکن نہ رہے۔

مقبوضہ بیت المقدس کی ہیئت بدل کر اسے مکمل طور یہودی شہر بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا اسرائیل کو کسی طور پر گوارا نہیں کہ کوئی اس کے راستے کی رکاوٹ بنے یا پھر اسکے مذموم ارادوں کے درمیان آئے۔ فلسطینی گروپوں کو اس نے سازشوں اور مظالم کی کارستانیوں کے ذریعے ہمیشہ الجھائے رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ کسی نئے سے نئے ظلم کے پہاڑ تلے دب کر اس سے راہ عافیت حاصل کرنے کے بارے سوچتے رہیں اور ان کو اپنے سازشی منصوبوں سے بے خبر رکھا جائے' لیکن عالم اسلام اور فلسطین گروہ اسرائیل کے مذموم ارادوں سے لاعلم نہیں۔ اسرائیل کی سازش اور جانبداریاں اب کھل کر عالم اسلام تو کیا یورپی دنیا کے سامنے بھی آچکی ہیں' مگر ہٹ دھرم اسرائیل اپنی غیر منصفانہ روش بدلنے کو قطعاً تیار نہیں۔ اسے یورپی طاقتوں کی تنقید یا اپوزیشن سے سخت اختلاف ہے۔ بات چاہے گولڈ اسٹون رپورٹ کی ہو یا یورپی یونین کی رپورٹ کی۔ اسرائیل دونوں کو نہ صرف تسلیم کرنے سے عاری ہے بلکہ ان کو جھٹلاتے ہوئے دھمکی آمیز لہجہ بھی اختیار کرتا ہے تاکہ یورپ اس کی دھمکیوں سے خائف ہو کر فلسطین کے معاملے میں غیر جانبدارانہ رویے اپنانے سے باز رہے۔

یورپی یونین کے خارجہ پالیسی کے سربراہ نے امن معاہدوں کی ناکامی پر فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کا اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا تھا۔ یورپی یونین کی اس تجویز کا فلسطینیوں نے خیر مقدم کیا تھا۔ یورپی یونین خارجہ امور کے سربراہ سولانا نے کہا تھا کہ مصالحت کاروں کو اسرائیل' فلسطین امن معاہدے کیلئے ایک ٹائم ٹیبل طے کرنا چاہئے اور اگر مذاکرات ثمر آور ثابت نہ ہوں تو پھر بین الاقوامی برادری کی تائید سے ایک حل پیش کردینا چاہئے۔ سولانا کی اس تجویز پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے فلسطین کے اصل مذاکرات کار صائب ارکات نے کہا تھا کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ یہ وقت ہے کہ عالمی برادری اسرائیل کو انسانیت کے قوانین سے بالاتر سمجھنا بند کردے' اسرائیل کو یورپی یونین کا مطالبہ سخت گراں گزرا ہے۔ اسرائیلی وزیر خارجہ اویگڈور لائبرمین نے اسرائیلی ریڈیو پر کہا ''امن کو مسلط نہیں بلکہ پیدا کرنا چاہئے۔'' لائبرمین نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید کہا ''سولانا کے مکمل احترام کے ساتھ جو سبکدوش ہونے والے ہیں ہمیں ان کے بیان کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔''

اسرائیل فلسطین امن مذاکرات کو بین الاقوامی مصالحت کاروں جیسے یورپی یونین' امریکہ' اقوام متحدہ اور روس کی حمایت حاصل ہے' پھر بھی یہ اسرائیل کی وجہ سے تعطل کا شکار ہیں۔

فلسطینی گروہوں بشمول الفتح نے بھی یہ کہا ہے کہ وہ مذاکرات کا احیاء نہیں کریں گے، تاوقتیکہ

اسرائیل مقبوضہ مغربی کنارہ میں 2003ء کے امن روڈ میپ کی تائید میں یہودی نوآبادیات کی توسیع بند نہیں کر دیتا۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے یورپی برادری کی جانب سے فلسطین کے حق میں ردعمل سامنے آرہا ہے جو کہ خوش آئند ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے فلسطینی علاقوں میں اسرائیلی بستیوں کے قیام کو قانونی اور امن کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہوئے اسرائیلی بستیوں کے قیام پر تنقید کی اور کہا کہ یہ ایک بڑھتا ہوا مسئلہ ہے۔ اس حوالے سے ہمارا مؤقف بڑا واضح ہے کہ مغربی کنارے اور مشرقی بیت المقدس کے علاقوں میں اسرائیل کی جانب سے بستیوں کا قیام غیر قانونی اور امن میں تعطل کا ذمہ دار ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ کا یہ بیان ایسے وقت سامنے آیا جب امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ ہلیری کلنٹن نے خطہ کے دورہ کے موقع پر امریکی پالیسی میں تبدیلی کا اشارہ دیا جو کہ اسرائیل کے حق میں جاتی تھی۔ یعنی بستیوں کی تعمیر جاری رکھنے کے باوجود اسرائیل سے مذاکرات کا راستہ کھلا رکھا جائے۔ مگر عرب قائدین نے امریکی پالیسی کی اس تبدیلی کو قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔ عرب قائدین کی برہمی نے امریکہ کو مجبور کر دیا کہ وہ یہودی بستیوں کو جائز تسلیم نہ کرنے کے مؤقف کا احیاء کرے۔ امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ ہلیری کلنٹن نے محمود عباس پر بھی زور دیا تھا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کریں اور یہودی بستیوں کی تعمیر کے مسئلہ کی مذاکرات کے دوران بات کریں' لیکن عباس کے اس اپیل کو مسترد کرنے سے امریکہ کو ناکامی ہوئی۔ مسز کلنٹن نے مغربی کنارہ میں یہودی بستیوں کی تعمیر کو عارضی طور پر روک دینے کی نیتن یاہو کی پیشکش پر تنقید کے بجائے اسے غیر معمولی قرار دیتے ہوئے ستائش کی۔

اگر اسرائیل یہودی بستیوں کی تعمیر میں توسیع جاری رکھے اور امریکہ اسے نہ روکے بلکہ الٹا فلسطینیوں سے مطالبہ کرے کہ وہ آزاد ریاست کے نصب العین کو ترک کر دیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہودی آبادکاری کی سرگرمیاں جاری ہیں اور دو مملکتی حل اب مزید ایک راستہ نہیں رہ گیا۔ یہ سنگین مسئلہ سچائی کا معاملہ ہے۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کیلئے واحد ریاست کے نظریے کو مسترد کر دیا ہے۔ یہودی آبادکاری کی جاری سرگرمیاں ثبوت ہیں کہ دو مملکتی حل اب کوئی راستہ نہیں رہ گیا۔

اسرائیل چاہتا ہے کہ وہ ظلم و ستم اور اپنی من مانی کرتا رہے اور اس پر نہ تو تنقید ہو اور نہ ہی اس کے خلاف کسی طرف سے آواز اٹھے' مگر سچ کو کب تک روکا جا سکتا ہے' وقت کے ساتھ ساتھ اب وقتاً فوقتاً اسرائیل کے خلاف اور فلسطینیوں کے حق میں آوازیں اٹھنے لگی ہیں' جو کبھی تو انسانی حقوق کے اداروں کی ہوتی ہیں' کبھی برطانیہ کی' کبھی یورپی یونین یا کبھی گولڈ اسٹون رپورٹ کی صورت میں' اس ماہ کے اوائل میں سوئٹزرلینڈ کی گرین پارٹی کے رکن پارلیمنٹ نے وزارت امیگریشن کے

فلسطینی مہاجرین کو غزہ بھیجنے کے حکم کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ "غزہ کی پٹی اسرائیل کی ناکہ بندی کی زد میں ہے اور ایک کھلی جیل میں تبدیل ہوگئی ہے۔ ایسے تمام اقدامات جو انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں آتے ہیں ناقابل قبول ہیں۔ سویڈش قانون دان نے کچھ عرصہ قبل سوئٹزرلینڈ کے اخبار افتون بلاوت" میں وزارت امیگریشن کے اس فیصلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شدید تنقید کا نشانہ بنایا جس میں کہا گیا تھا کہ فلسطینی خاندان کو غزہ منتقل کر دیا جائے گا۔ رکن پارلیمنٹ کے مطابق ایک بچی جس کا والد فلسطینی اور والدہ سویڈش ہے نے واضح کیا کہ غزہ کی پٹی اسرائیلی ناکہ بندی کی زد میں ہے اور اسرائیل حقوق انسانی کے تمام قوانین کو پس پشت ڈال چکا ہے۔

اسرائیل کا 10 ماہ کیلئے عارضی طور پر بستیاں روکنے کا فیصلہ بھی دنیا کو دھوکہ دینے کیلئے ہے۔ اس امر کا ثبوت خود اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے اپنے بیانات میں متعدد بار دیا ہے۔ میں انہوں نے اپنے ایک بیان میں عہد کرتے ہوئے کہا کہ ان کا ملک 10 مہینوں بعد مغربی کنارے میں دوبارہ یہودی بستیوں کی تعمیر شروع کر دے گا۔ نیتن یاہو نے کابینہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے یہودی آبادکاروں کی قیادت کے دلوں میں پائے جانے والے خوف کو کم کرنے کی کوشش کی۔ نیتن یاہو نے کہا کہ "تعمیرات کو معطل کرنے کی مدت ختم ہونے کے بعد ہم بستیوں کی تعمیر از سر نو شروع کریں گے۔ یہ فیصلہ وقتی ہے اور کچھ مدت کیلئے ہے۔ اس کا مقصد یہودی بستیوں کی تعمیر کا لامحدود مدت کیلئے انجماد ہرگز نہیں۔

نیتن یاہو نے یہودی بستیاں روکنے سے متعلق یہ بیان خاص طور پر یہودیوں کی جانب سے سخت ردعمل کے بعد دیا۔ یہودی قائدین نے بستیوں کی تعمیر روکنے کے خلاف احتجاج کا دائرہ وسیع کرنے کی دھمکیاں دی ہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم نے اس اقدام کی مخالفت کرنے والے یہودی آبادکار قائدین اور سیاسی قائدین پر زور دیا کہ وہ صبر سے کام لیں۔ ہمیں ایک ساتھ اس مرحلہ سے کامیاب نکلنا ہے۔ ہمارا اندرونی اتحاد اس سلسلے میں نہایت اہم ہے۔ امریکہ کے دباؤ میں آ کر اسرائیل کا 10 ماہ کیلئے مغربی کنارے میں یہودی بستیوں کی تعمیر کو منجمد کر دینا ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک دوست دوسرے دوست سے اس کی بات مانتے ہوئے کسی کام سے صرف چند دنوں یا وقتی طور پر باز رہنے کیلئے کہے۔ امریکہ کا اسرائیل کو وقتی تعطل پر آمادہ کرنا صرف عالم اسلام کو جھانسہ دینے کی چال ہے۔

مگر اسرائیل کو امریکہ کے کہنے میں آ کر یہ وقتی تعطل بھی گوارا نہیں۔ برسر اقتدار دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کے ارکان نے امریکہ کو یہودیوں کا دشمن تک قرار دیا۔ کیونکہ مغربی کنارے میں

تعمیراتی سرگرمیوں پر 10 ماہ کی مہلت اوباما انتظامیہ نے دی۔ وزیر ثقافت وتہذیب اور اسپورٹس لیومور لیونٹ نے اوباما کے نظم ونسق کو خطرناک قرار دیا۔ پارٹی کے سرگرم کارکنوں نے امریکہ کے مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا' ان میں پارٹی کے قانون ساز اور وزراء بھی شامل ہیں۔

اسرائیل نے یورپی یونین کو باقاعدہ وارننگ دی ہے کہ وہ مشرقی بیت المقدس کو فلسطین کا دارالحکومت تسلیم کرنے سے باز رہے۔ اسرائیلی اخبار ہارٹنر کے مطابق سویڈن برسلز میں ہونے والے اجلاس میں اس تجویز کی منظوری کیلئے کوشاں ہے۔ بیت المقدس کی تقسیم کرتے ہوئے یکطرفہ طور پر آزاد مملکت فلسطین کے قیام کو تسلیم کرنے کے یورپی یونین کے اعلان کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اسرائیل کی وزارت خارجہ نے یورپی یونین کو مشورہ دیا ہے کہ سویڈن کی زیرقیادت اسرائیل اور فلسطین کے درمیان سیاسی مفاہمت کے ذریعہ ثالثی کی کوششیں کرے اور فلسطینیوں کو مذاکرات کی میز پر لانے کیلئے اپنا اثرورسوخ استعمال کریں۔ اسرائیل نے امن مساعی کے احیاء کیلئے اہم ترین اقدامات کئے ہیں۔ ان حالات میں اگر مملکت فلسطین کے قیام کو یکطرفہ طور پر تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کے منفی اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

اسرائیلی اخبار ہارٹز کی اطلاع میں انکشاف کیا گیا ہے کہ یورپی یونین کے وزرائے خارجہ آئندہ ہفتہ سرکاری طور پر بیت المقدس کو تقسیم کرنے کا منصوبہ پیش کرنے والے ہیں تاکہ اس شہر مقدس کو اسرائیل اور فلسطین دونوں کا دارالحکومت بنایا جا سکے۔ اس ضمن میں تیار کردہ دستاویز سویڈن کی جانب سے تیار کی گئی ہے۔ اگر یہ تجویز قبول ہوجاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یورپی یونین آزاد مملکت فلسطین کے قیام کو تسلیم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہودی مملکت کی جانب سے یورپی یونین کی ان کوششوں کو روکنے کی سفارتی مہم شروع کردی گئی ہے۔ تاہم ذرائع کے مطابق یہ کوشش بے فیض ثابت ہوگی' کیونکہ یورپی یونین اس سلسلہ میں قطعی فیصلہ کرچکی ہے۔ اسرائیل کے فلسطین مخالف اقدامات بڑھتے جارہے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے میناروں پر پابندی کے قانون سے متاثر ہوکر صہیونی پارلیمنٹ کا بھی مقبوضہ بیت المقدس کی مساجد پر پابندی کے قانون کا اقدام صہیونی دہشت کا عکاس ہے۔ اس قانون کا اطلاق عرب اکثریتی آبادی والے علاقوں میں ہوگا۔ مجوزہ قانون کا مسودہ ''قدیمہ'' پارٹی کے رکن اسمبلی اربہ ہیبی نے پیش کیا ہے۔ قدیمہ کے اس قانون کو پیش کرنے سے ثابت ہوگیا ہے کہ یہودی چاہے لیکوڈ پارٹی سے ہوں یا کدیمہ سے۔ کبھی مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں ہوسکتے۔ اربہ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس وجہ سے یہ قانون پیش کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ انہیں ہزاروں یہودیوں نے تحریری اور زبانی طور پر اذان کی آواز سے ڈسٹرب ہونے کی شکایت کی ہے۔ بقول اربہ، شکایت کنندگان نے اذان فجر کے متعلق خاص طور

پر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کیلئے اگر اذان سننا لازمی ہے تو وہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کریں، جو دوسروں کیلئے آرام میں خلل کا باعث نہ ہو۔ اذان کا معاملہ یورپ دنیا کا مسئلہ ہے۔ خاص طور پر وہ جگہیں جہاں پر مسلمان آباد ہیں۔ انہوں نے سوئٹزرلینڈ میں مسجد کے میناروں پر پابندی کی حمایت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ سوئٹزرلینڈ کے میناروں پر پابندی اس بات کی دلیل ہے کہ انسانیت نے اس مشکل کا حل تلاش کرنا شروع کردیا ہے۔

اسرائیل کی فلسطینیوں اور اسلام کے خلاف جارحانہ کارروائیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ گزشتہ دنوں اسرائیلی فوج نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی۔ اسرائیل نہ صرف مسجد اقصیٰ کو تقسیم کرنے کی منصوبہ بندی کررہا ہے بلکہ بعض عمارتوں اور مساجد کو یہودی معبدوں میں تبدیل کرنے کی سازش بھی کررہا ہے۔ مسجد اقصیٰ اور دیگر مساجد میں اذان فجر پر پابندی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مسجد اقصیٰ میں فن اسلامی کے میوزیم کو خالی کرنے کا مقصد وہاں یہودی معبد بنانا ہے۔ وہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرکے اس کی جگہ پر نام نہاد ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ فلسطین کی تاریخ اس وقت انتہائی نازک موڑ پر کھڑی ہے۔ فلسطین کے اعلیٰ حکام نے آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کیلئے اقوام متحدہ سے قبل روس کی حمایت حاصل کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ فلسطینی حکام نے آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی غرض سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے رجوع کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں فلسطینی حکام نے یورپ' روس' چین' عرب ممالک اور بین الاقوامی گروپوں کی حمایت حاصل کرنے کیلئے منصوبے کا اعلان بھی کیا ہے۔ فلسطین کے وزیرخارجہ ریاض المالکی نے ماسکو کا تین روزہ سرکاری دورہ بھی اسی غرض سے کیا۔

یورپی یونین کی جانب سے فلسطین کو آزاد ریاست تسلیم کرنے کے فیصلے کی حمایت خوش آئند امر ہے۔ یورپی یونین نے اسرائیل پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل بیت المقدس کو مشترکہ دارالخلافہ تسلیم کرے۔ 1967ء کی جنگ میں مقبوضہ بنائے جانے والے علاقے غیرقانونی ہیں۔

اسرائیل کو مذاکرات کو نتیجہ خیز بنانے کیلئے فی الفور اس آبادکاری پر کام روک دینا چاہئے۔ فلسطین کی جانب سے یورپی یونین کے بیان کا خیرمقدم جبکہ اسرائیل نے برہمی کا اظہار کیا ہے۔ یورپی یونین نے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں مشترکہ بیان میں کہا کہ یورپی یونین اسرائیل کا ان علاقوں پر قبضہ کبھی تسلیم نہیں کرے گا' جس پر اس نے 1967ء کی جنگ میں قبضہ کرلیا تھا۔ اسرائیل اور فلسطین اگر سنجیدہ مذاکرات کریں تو بیت المقدس کو مستقبل میں اسرائیل اور فلسطین کا

مشترکہ دارالخلافہ بنایا جاسکتا ہے۔ آبادکاری روک کر مذاکرات کو نتیجہ خیز بنایا جاسکتا ہے۔

اسرائیل نے یورپی یونین کے اس بیان کو جانبداری قرار دیا ہے' جبکہ فلسطینی گروپوں حماس اور فتح نے اس بیان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طرح سے فلسطینیوں میں بہتر مستقبل کا احساس پیدا ہو جائے گا اور فلسطینیوں کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ممکن ہو سکے گی۔

❖♦❖

اسرائیلی میڈیا کے مطابق تل ابیب 10 مہینوں کیلئے یہودی بستیوں کی تعمیر روکنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو اس تجویز کو سینٹ میں منظوری کیلئے پیش کرنے والے ہیں' مگر یہودی بستیوں کی وقتی تعمیر روکنے کے اس فیصلے کا اطلاق مقبوضہ بیت المقدس میں یہودی بستیوں کے منصوبوں پر نہیں ہوگا۔ اسرائیلی اخبار یدیعوت احرونوت کے مطابق اسرائیلی فوج کے مشیر نے مغربی کنارے میں یہودی بستیوں کی تعمیر وقتی طور پر روکنے کا حکم نامہ تیار کرلیا ہے۔ اخبار کے مطابق یہودی بستیوں کی تعمیر و توسیع میں وقتی انجماد کا فیصلہ وزیراعظم کے دفتر سے باقاعدہ اشتراک کے بعد کیا گیا ہے۔ امریکی صدر بارک اوباما اور مشرق وسطی کیلئے ان کے خصوصی سفیر جارج میچل کو مذکورہ اسرائیلی فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ فلسطینیوں نے اسرائیلی وزیراعظم کی طرف سے یہودی آبادکاری روکنے کے اس اقدام کو ناکافی جبکہ اسلامی تحریک مزاحمت حماس نے اسرائیل کے دس ماہ کیلئے یہودی آبادکاری روکنے کو ایک چال قرار دیا ہے۔ جس کا مقصد فلسطینی اتھارٹی کو دوبارہ بے مقصد مذاکرات کے پھندے میں ڈالنا ہے۔ حماس کے ترجمان ڈاکٹر سامی ابوزہری نے اپنے بیان میں کہا کہ حماس اسرائیل سے مذاکرات کو رد کرتی ہے۔ اسرائیل کا مقصد فلسطینی اتھارٹی کو بے مقصد مذاکرات میں الجھا کر وقت کا ضیاع کرنا ہے۔ اگر فلسطینی اتھارٹی نے اسرائیل سے دوبارہ مذاکرات کا آغاز کیا تو وہ قومی جرم کا ارتکاب کرے گی۔ جسے فلسطینی عوام کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اسرائیل عارضی طور پر بستیوں کی تعمیر روک کر دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اس کا مذاکرات کا اعلان بھی اس معاملے کو ٹالنے کے مترادف ہے۔ مذاکراتی فیصلہ تخریب کاری کی کڑی ہے۔ اسرائیل کے غزہ پر فضائی حملے جاری ہیں۔ اسرائیل کو غزہ پٹی میں تعمیر نو کے کاموں پر بھی اعتراض ہے۔ ترکی اور قطر کے تین اداروں نے حال ہی میں غزہ کی پٹی میں تعمیر کے ایک منصوبے کی مالی معاونت کیلئے ابتدائی منظوری دی ہے۔ اس پر کام کا آغاز آئندہ چند ہفتوں میں کر دیا جائے گا۔

اسرائیل بستیاں روکنے کے اقدام پر عالمی دباؤ کو بھی کسی خاطر میں نہیں لا رہا۔ اسرائیل نے 900 مکانات کی تعمیر کا اعلان کر کے واشنگٹن کے دباؤ کو بھی مسترد کر دیا ہے۔ عالمی برادری

نے اسرائیل کے اس فیصلے کی مخالفت کرتے ہوئے اسے اس طرح کے جارحانہ اقدامات سے باز رہنے کیلئے کہا ہے' مگر صیہونی انتظامیہ نے مغرب کی اپیلوں کو نظرانداز کرتے ہوئے 1967ء کی جنگ میں قبضہ کردہ مغربی کنارہ اور اس کی یروشلم میونسپلٹی سے ملحقہ زمین پر یہودیوں کیلئے 900 مکانات کی تعمیر کی منظوری دے دی ہے۔ اسرائیلی میڈیا کے مطابق امریکی قاصد جارج میچل نے اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو سے لندن میں منعقدہ ایک اجلاس میں اپیل کی کہ وہ گیلو میں نئی بستیوں کی مجوزہ تعمیر کو روک دے' لیکن حکومت کے منصوبہ بندی کمیشن نے گیلو میں مزید 900 یونٹس کی منظوری دے دی' جہاں پہلے سے ہی 40 ہزار اسرائیلی مقیم ہیں۔ ایک طرف عالمی برادری اسرائیل پر نئی تعمیرات کو روکنے کی اپیل کر رہی ہے تو دوسری طرف نیتن یاہو کی زیر قیادت دائیں بازو کی اسرائیلی حکومت کسی بھی عالمی دباؤ کو خاطر میں لائے بغیر مشرقی بیت المقدس کے متنازعہ علاقوں میں نئے مکانات کی تعمیر میں مصروف ہے۔ فلسطینی حکام نے جب بھی امن مذاکرات کی بحالی کیلئے جاری تعمیراتی سرگرمیوں کو مکمل طور پر روکنے کا مطالبہ کیا تو اسرائیلی حکومت نے مزید توسیع کے احکامات جاری کر دیئے۔ امن مذاکرات گزشتہ سال ستمبر 08ء سے تعطل کا شکار ہیں۔ فلسطین کی کوشش ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ذریعے فلسطین کو آزاد ریاست تسلیم کرائے۔ فلسطین کے اعلیٰ مذاکرات کار صائب ارکات کے بقول عرب وزرائے خارجہ کے حمایت یافتہ منصوبے کے تحت سلامتی کونسل میں فلسطینی ریاست کو 1967ء کی سرحدوں کے مطابق تسلیم کروانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس راہ میں حماس اور محمود عباس کی فتح کے دوران باہمی اختلافات بھی رکاوٹ ہیں۔ وائٹ ہاؤس نے اسرائیل کے بیت المقدس میں گیلو بستی کی توسیع پر اسرائیلی حکومت کی منظوری پر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اس پر شدید نکتہ چینی کی۔ وائٹ ہاؤس کے پریس سیکرٹری رابرٹ گبز نے اپنے بیان میں اسرائیلی حکومت کے اس اقدام کو امن کی کوششوں میں رکاوٹ کا باعث قرار دیا۔ اسرائیل نے بستیوں کی تعمیر جاری رکھ کر صدر بارک اوباما کی خواہش کو رد کر دیا ہے۔ امریکی صدر نے اسرائیل پر قیام امن کی بحالی کی کوشش کے تحت فلسطینیوں کے ساتھ خیر سگالی کے جذبے کا اظہار کرتے ہوئے بستیوں کی توسیع کو روکنے پر زور دیا تھا' مگر اسرائیلی وزیراعظم نے نئے مکانات کی تعمیر کا اعلان کر کے امن مساعی کی کوششوں کو زبردست دھچکا پہنچایا۔

امریکہ اسرائیل سے اپنے مطالبات منوانے یا دوسرے لفظوں میں اپنی خواہشات کا احترام کرانے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی کے باہر امریکہ کی مشرق وسطی کے بارے میں ناکام خارجہ پالیسی پر مایوسی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اردن میں بھی اس ناکامی کو

بہت زیادہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ اردن کے سابق وزیاعظم اور پارلیمنٹ کے ایوان بالا کے ڈپٹی سپیکر طاہر المصری کا کہنا ہے کہ "فلسطینیوں کو دیوار سے لگایا جا رہا ہے۔ انہیں اب مذاکرات کے بجائے دوسرے متبادلات کی طرف بھی دیکھنا چاہئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جنگ کی طرف جائیں' لیکن اب ان کی امریکہ یا یورپیوں کے بارے میں اچھے گمان یا اسرائیل کی جانب سے کسی مثبت ردعمل کی امیدیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔

اردن نے گزشتہ سال سے امریکہ کی طرف سے امید لگا رکھی تھی کہ وہ اسرائیل پر عربوں کے مطالبات تسلیم کرنے اور فلسطینی سرزمین پر قبضہ کو ختم کرنے کیلئے دباؤ ڈالے گا اور امن کے بدلے میں فلسطینی ریاست کا قیام ممکن ہو سکے گا۔ واضح رہے کہ اردن کے مرحوم شاہ حسین نے 1994ء میں اسرائیل کیساتھ امن معاہدہ کیا تھا لیکن اس معاہدے کو اردن میں کبھی عوامی پذیرائی نہ مل سکی اور اس کی جن لوگوں نے حمایت کی تھی وہ بھی اب یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ مقبوضہ مغربی کنارے اور بیت المقدس میں یہودی بستیوں کی تعمیر منجمد کرنے سے انکار کی وجہ سے دو ریاستی حل کیلئے امریکہ کی سفارتکاری کامیاب ہونے کے امکانات بالکل معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ اردن کے وزیر خارجہ ناصر جودہ نے بھی اسرائیل کی جانب سے مغربی کنارہ میں 10 ماہ کیلئے یہودی تعمیرات پر پابندیوں کے اعلان کو ناکافی قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔ ایک تو یہ پابندیاں ویسے بھی مسئلے سے وقتی طور پر آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ دوسرا اسرائیلی پابندیوں کا مقبوضہ بیت المقدس میں یہودی تعمیرات پر اطلاق نہیں ہوگا۔ وزارت خارجہ کے ایک عہدیدار نوف تل کا کہنا ہے کہ اردن میں امن مذاکرات کی ناکامی سے مایوسی بہت زیادہ ہے' لیکن اس کے باوجود وہ سنجیدہ امن کوشش جاری رکھے گا' کیونکہ ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔ امن کوششیں کرنے والی تمام اعتدال پسند قوتیں اسرائیلی اقدامات کی وجہ سے کمزور ہوئی ہیں۔

اسرائیل مغربی کنارہ میں تقریباً 3000 مکانات کی تعمیر کے منصوبہ پر بھی اٹل ہے۔ امریکہ نے اسرائیل کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بجائے صہیونی انتظامیہ کے مؤقف کی مخالفت کرنے کے بجائے اسرائیلی نقطہ نظر کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس تعمیر کو روک دینے کا مطالبہ مذاکرات کی بحالی کیلئے شرط نہیں بنایا جانا چاہئے۔ امریکی انتظامیہ کے رویوں میں منافقت کے عنصر نے بھی اسرائیل کو جھکنے کے بجائے جبر کی پالیسی اپنائے رکھنے کی طرف راغب کیا ہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق امریکی صدر بارک اوباما نے بھی ابھی تک کسی بھی فریق سے ملاقات کے وقت یہودی بستیوں کی توسیع وتعمیر روک دینے کی بات نہیں کہی بلکہ اس میں توقف کی خواہش کا اظہار کیا۔ اوباما اور ہلیری کے اس جانبدارانہ مؤقف کو لے کر فلسطینیوں نے بھی تشویش کا اظہار کیا۔ محمود عباس کے

ترجمان نبیل ابوردینہ نے بھی کہا کہ امن بات چیت حالت تعطل میں ہے۔ اسرائیلی منصوبوں کو امریکہ کی تائید وحمایت کے بعد اب مذاکرات بحال ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ فلسطینیوں نے عرب لیگ سے ایک متحدہ فلسطین عرب مؤقف بنانے کی اپیل بھی کی ہے۔

امن مساعی کی بحالی کیلئے یہودی نوآبادی کی تعمیر وتوسیع پر روک لگانا ضروری ہے۔ اسرائیلی منصوبوں کو برداشت کرتے ہوئے اسے مزید رعایت دینے یا فلسطینیوں پر دباؤ مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

اسرائیل کو فلسطینی صدر محمود عباس سے بھی خاص مشاورت حاصل ہے۔ اسرائیل صدر شمعون پیریز سمیت بعض قائدین نے محمود عباس کے منظر سے ہٹ جانے پر انتباہ دیا ہے کہ محمود عباس کے انتخابات میں حصہ نہ لینے کے فیصلے سے فلسطینی آزاد ریاست کے حصول کا موقع کھو دیں گے۔ عباس نے اعلان کیا تھا کہ وہ جنوری میں دوبارہ انتخابات نہیں لڑیں گے' کیونکہ وہ اسرائیل کے ساتھ امن بات چیت میں عدم پیش رفت کی وجہ سے اکتا چکے ہیں۔ اسرائیلی صدر شمعون پیروز نے محمود عباس کے اس اعلان پر فلسطینی صدر سے بات کر کے انہیں اپنے ارادہ کو وبدل دینے پر راغب کرنے کی بھی کوشش کی۔

پیریز نے عباس سے کہا کہ اگر آپ نے فلسطینیوں کو چھوڑ دیا تو فلسطینیوں کا آزاد ریاست کے حصول کا موقع بھی چھوٹ جائے گا اور اس علاقہ کی صورتحال بھی بدتر ہو جائے گی۔

آپ کو فلسطینی عوام کی خاطر اپنے عہدہ پر برقرار رہنا ہوگا۔ اسرائیلی صدر کے بیان پر اسرائیلی وزیراعظم کے ترجمانوں نے تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا' لیکن یہودی اخبار ہارٹز کی اسرائیلی صدر کے بیان سے ایک ہفتہ قبل خبر کے مطابق نیتن یاہو نے ہلیری کلنٹن سے ملاقات میں محمود عباس کے متعلق بھی ایسی ہی رائے کا اظہار کیا تھا کہ موجودہ متبادلات میں اگر ہم فلسطینیوں سے کوئی سمجھوتہ کرنا چاہیں تو ہمارے لئے عباس ایک بہترین انتخاب ہیں۔

اسرائیل نے مظلوم فلسطینیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اسرائیل نے فلسطینی عوام پر ظلم وستم کی انتہا کرتے ہوئے ان کیلئے پانی کے اجراء پر بھی روک لگا رکھی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اسرائیل نے مغربی کنارہ اور غزہ پٹی میں فلسطینیوں کو پانی کی مناسب مقدار میں اجرائی پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اسرائیل میں پانی کی ایک شخص کی یومیہ ضرورت فلسطینیوں کے مقابل 4 گنا زیادہ ہے۔ انسانی حقوق کے اداروں نے اسرائیل کی اس حرکت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ پانی ایک بنیادی ضرورت اور ہر انسان کا حق ہے' لیکن کئی فلسطینی ناقص معیار کا قلیل مقدار میں پانی حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ نیتن یاہو نے ایمنسٹی کے اس بیان کو بھی مسترد کر دیا ہے۔ اسرائیل کا

دعویٰ ہے کہ وہ 1993ء کے اوسلو معاہدے کے تحت اپنا وعدہ پورا کر رہا ہے۔ ایمنسٹی کی رپورٹ کے مطابق فلسطینی عوام کیلئے تازہ پانی کا واحد وسیلہ غزہ کا ساحلی آبی ذخیرہ ہے، جو سمندری پانی اور کچرے وغیرہ کی وجہ سے آلودہ ہو چکا ہے۔ حماس کی انتخابی کامیابی کے بعد علاقہ پر تحدیدات عائد کرنے والے اسرائیل نے اس رپورٹ کو غلط اور جانبدار قرار دیا۔

اسرائیل اور فلسطین کے درمیان خلیج اب بھی گہری ہے اور اسرائیلی نقشہ امن کے مطابق اپنے وعدوں کی تکمیل کا ایک بھی اشارہ نہیں دے رہا ہے۔ واضح رہے کہ امریکہ کی ایما پر 2003ء میں جو نقشہ امن تیار کیا گیا تھا اس میں فلسطین کی علیحدہ مملکت کی تشکیل کا وعدہ کیا گیا تھا اور اسرائیل سے نوآبادیاتی سرگرمیاں روک دینے کی خواہش کی گئی تھی۔ فلسطینی مصالحت کار صائب ارکات نے امن مذاکرات کی ناکامی پر اوباما کے نام پیغام دیا ہے کہ اگر اوباما انتظامیہ اسرائیل کو اپنے وعدوں کی تکمیل کیلئے مجبور نہیں کر سکتی تو اسے اعلان کر دینا چاہئے کہ اسرائیل ہی امن مذاکرات میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اسرائیل نہ صرف توسیعی منصوبوں پر عملدرآمد کر رہا ہے بلکہ اس عرب آبادی کا وجود بھی گوارا نہیں ہے۔ اسرائیلی اخبار یروشلم پوسٹ نے مکانات اور تعمیرات کے وزیر ایریل عطیاس کے حوالے سے کہا ہے کہ ”عربوں اور یہودیوں کو اکٹھے نہیں رہنا چاہئے۔“ تل ابیب میں اسرائیلی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے وزیر عطیاس نے کہا عرب یہ نہیں جانتے کہ انہیں کہاں رہنا ہے؛ اس لئے وہ یہودی نوعیت کے اپارٹمنٹس لے کر رہتے ہیں؛ جس سے غیر ضروری تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انتہا پسند وزیر نے کہا کہ عربوں کی وجہ سے ان کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور یہ آبادی اسرائیلی ریاست سے محبت ہی نہیں کرتی۔“ انتہا یہ کہ اسرائیلی وزیر خارجہ ایوگڈور لائبرمین نے تو اس معاملے میں عربوں سے صہیونی ریاست سے وفاداری کا حلف دینے کا مطالبہ تک کیا تھا۔ اخبار نے وزیر کے حوالے سے خبردار کیا کہ اگر عرب آبادی کا سلسلہ جاری رہا تو اسرائیل شمال میں واقع وادی جلیل سے محروم ہو سکتا ہے۔“ وزیر نے علاقے میں یہودی کمیونٹی کو بسانے پر زور دیا تاکہ عربوں کی آبادی میں اضافہ کا توڑ کیا جا سکے۔ عرب اسرائیل رکن پارلیمان احمد طبی نے وزیر عطیاس کے بیان پر کڑی نکتہ چینی کی تھی۔

فلسطینی گروپ اپنے موقف پر قائم ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ امریکہ کی پشت پناہی کے حامل مذاکرات اس وقت تک بحال نہیں ہو سکتے، جب تک مغربی کنارہ میں یہودی بستی کی تعمیر کی سرگرمی مکمل طور پر روک نہ دی جائے۔ رپورٹ کے مطابق امریکہ اور اسرائیل مشترکہ رائے کی استواری میں ناکام ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل اپنے آبادی کے یونٹس کو منجمد کرنے یا ان

میں کمی کرنے کے بجائے مسلسل اضافہ کر رہا ہے۔

❖♦❖

حماس کو گھیرنے اور غزہ کے باسیوں کو حماس کا ساتھ دینے کی سزا دینے کیلئے صہیونی قائدین نئے نئے پلان بناتے رہتے ہیں۔ مصر اس سے قبل بھی اسرائیل سے دوستی کا ثبوت دیتا رہا ہے۔ اب باڑ کی تعمیر نے اس دوستی کو سب پر واشگاف کر دیا ہے۔

مصر کو اس باڑ کی وجہ سے عرب دنیا اور فلسطینی تحریکوں میں کافی تنقید کا سامنا ہے۔ حماس نے غزہ اور مصر کی سرحد پر آہنی باڑ لگانے کے اقدام کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ اس باڑ کی تعمیر کیلئے امریکہ نے سرمایہ فراہم کیا ہے، جبکہ اس کے ایجنٹ غزہ کی ناکہ بندی کو سخت کر کے گنجان آباد شہر کو موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ حماس کے ترجمان فوزی برھوم نے اس حوالے سے خاص طور پر میڈیا کو حماس کے ردعمل سے آگاہ کیا۔

”غزہ اور مصر کے درمیان آہنی باڑ لگانے کا فیصلہ سابق امریکی صدر جارج بش کی فلسطین دشمنی پر مبنی پالیسی کا تسلسل ہے۔ اسرائیل اور امریکہ مل کر غزہ کے شہریوں کا عزم آزادی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ غزہ کی سرحد پر لوہے کی باڑ لگانے کا فیصلہ کر کے امریکہ اور اسرائیل نے خود ہی ثابت کر دیا ہے کہ ان کی غزہ کو گلوبلائز کرنے اور شہر کو بیرونی طاقتوں کی آماجگاہ بنانے کی حکمت عملی ناکام ثابت ہوئی ہے۔ امریکہ پر واضح ہو گیا ہے کہ غزہ کے غیور عوام اپنی سرزمین کو دوسروں کو دینے اور استعمال کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے۔ برھوم نے یہ بھی کہا کہ اس وقت جبکہ غزہ کی معاشی ناکہ بندی کو مزید سخت کرنے کیلئے آہنی دیواروں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عالم اسلام اور عرب ملکوں کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ اسلامی دنیا کو غزہ کو گھیرنے کی امریکی صہیونی منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے کوششیں کرنا ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کی جانب سے غزہ میں اسرائیل کے ہاتھوں انسانی حقوق کی پامالی کے ثبوت دنیا کے سامنے آنے کے بعد اسرائیل اور اس کے حواریوں کے خلاف ٹھوس موقف اختیار کرنے میں خاموشی کا کوئی جواز باقی نہیں۔ حماس کے ترجمان نے اسرائیل کو مصر اور غزہ دونوں کے مستقبل کیلئے خطرہ قرار دیا۔“

لبنانی مزاحمتی تنظیم حزب اللہ نے بھی مصر کے اس اقدام پر شدید تنقید کی ہے۔ حزب اللہ کے سربراہ شیخ حسن نصر اللہ نے غزہ کے گرد مصر کی جانب سے لگائی جانے والی

آہنی دیوار کی شدید مذمت کرتے ہوئے تعمیر کا عمل فوری طور پر روکنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق بیروت میں یوم عاشورہ کے ماتمی جلوس سے خطاب کرتے ہوئے حزب اللہ کے سربراہ نے کہا کہ: ''غزہ کے راستے بند کرنا ایک ظالمانہ اقدام ہے۔ یہ اقدام آزاد دنیا، عالم اسلام اور عرب ممالک کیلئے باعث عار ہے۔ اسرائیل نے تین سال سے غزہ کا معاشی محاصرہ کر رکھا ہے جس کے باعث یہ زمین کربلا کا منظر پیش کر رہی ہے۔ ایسی حالت میں مصر کی جانب سے غزہ کے شہریوں کا ناطقہ بند کرنے سے ان کے سانس لینے کی آخری سہولت بھی سلب کی جا رہی ہے۔''

انہوں نے مصر سے مطالبہ کیا کہ وہ غزہ کے شہریوں کو کچھ دے نہیں سکتا تو کم از کم ان کیلئے زمین تنگ نہ کرے ورنہ اس کے منفی اثرات مصر پر بھی مرتب ہوں گے۔

غزہ کو محصور کرنے کیلئے باڑ کی تعمیر پر مغربی میڈیا میں بھی بحث چل رہی ہے۔ امریکی اخبار لاس اینجلس ٹائمز نے مختلف سیاسی اور عسکری تجزیہ نگاہوں کے حوالے سے تیار کردہ اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ: ''غزہ کی پٹی اور مصر کے درمیان زیر زمین باڑ لگانے کا مقصد حماس کو کمزور کرنا اور اسرائیل کو خوش کرنا ہے۔ مصر، اسرائیل، امریکہ اور فلسطینی اتھارٹی کا خیال ہے کہ آہنی آیوار لگانے سے حماس کے زیر انتظام مزاحمت کار مصر سے غزہ کی جانب اسلحہ کی سمگلنگ نہیں کر سکیں گے۔ زمین کے اندر گہرائی تک لوہے کے بلاک اور گارڈر نصب کرنے سے مزاحمت کاروں کو سرنگیں کھودنے سے روکا جا سکے گا۔''

حماس کی قیادت اس باڑ پر متفکر ہے لیکن ظلم کی کوئی نئی چال ان کے ارادوں کو پست یا جذبہ آزادی کو کمزور نہیں کر سکتی۔ اس کا ثبوت حماس نے اسرائیل کے ساتھ محاذ آرائی میں ڈٹ کر دیا ہے۔ حماس کے سیاسی شعبے کے سربراہ خالد مشعل نے کہا ہے کہ غزہ کی پٹی کی جتنی معاشی ناکہ بندی کی جا سکتی تھی کی گئی۔ اب اس شہر کو مزید محصور نہیں کیا جا سکتا۔ غزہ کے گرد امریکہ، اسرائیل، مصر اور فرانس سے لگائے جانے والی باڑ تحریک آزادی فلسطین اور غزہ کے شہریوں کیلئے جنگ کی ایک نئی شکل ہے۔ غزہ کے عوام نے گزشتہ برس اسرائیلی جارحیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جارحیت میں صیہونی فوج کو شکست دی۔ غزہ کے عوام شہر پر مسلط معاشی ناکہ بندی کی اس جنگ میں بھی فتح یاب ہوں گے۔

مصر کو اس اقدام پر عرب دنیا میں بھی تنقید کا سامنا ہے۔ عرب ممالک نے مصر کے اس فیصلے کو اسرائیل کی حمایت میں اٹھایا جانے والا قدم قرار دیا ہے، جس سے غزہ کے محصورین کی معاشی

مشکلات بڑھ جائیں گی۔ غزہ کی سرنگیں فلسطینیوں کیلئے سامان رسد کی فراہمی میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ مصر اور اسرائیل کے قریبی تعلقات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان 1948ء میں عرب اسرائیل جنگ کے خاتمے کے بعد 1979ء میں تعلقات کی بحالی کا سفر کیمپ ڈیوڈ معاہدے سے شروع ہوا اور پھر یہ تعلقات فروغ پذیری کی جانب رواں دواں رہے۔

مصر کا تل ابیب میں سفارت خانہ اور ایلاط میں بھی ایک سفارتی دفتر کام کر رہا ہے۔ اسرائیل کا بھی مصر کے شہر قاہرہ میں سفارت خانہ اور اسکندریہ میں سفارتی دفتر کام کر رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں امن معاہدات کے حوالے سے مصر نے خود کو ہمیشہ بڑھ چڑھ کر پیش کیا ہے، جس کی اہم وجہ اسرائیل کے ساتھ اس کے قریبی تعلقات ہیں۔ مصر کے تیسرے صدر انور سادات نے 1977ء میں اسرائیل کا دورہ کیا۔ بعد ازاں 1978ء میں ڈیوڈ معاہدہ طے پایا اور 1979ء میں مصر اسرائیل امن معاہدہ قطر کی سیاست میں تبدیلی کا باعث بنا۔ مصر کے اسرائیل کے ساتھ بڑھتے ہوئے مراسم کی وجہ سے عرب ریاستوں نے مصر کے ساتھ تعلقات منقطع کر دیئے۔ نتیجتاً مصر کو 1979ء سے 1989ء تک کے عرصے کیلئے عرب لیگ سے بھی بے دخلی قبول کرنا پڑی۔ اسرائیل فلسطینی کشمکش بڑھ جانے کے باعث دونوں ممالک میں کھچاؤ محسوس کیا جا رہا تھا۔ تل ابیب سے مصر کے سفیر کو بھی نکالا گیا اور فلسطینی کشمکش کے باعث دونوں کے تعلقات میں گرمجوشی کی جگہ سرد مہری نے لے لی، لیکن وقتی تعطل کے بعد دونوں کے تعلقات پھر سے ٹھہراؤ اور استحکام پذیری کی جانب مائل ہو گئے۔

اسرائیل حماس کو شکست دینے اور اس کے ارادوں کو کچلنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ اسرائیل نے غزہ پر حملے کیلئے بھرپور تیاری کی تھی۔ اس کا مقصد غزہ کے ساحل پر پھیلے ہوئے گیس کے وسیع ذخائر پر قبضہ کرنا بھی تھا۔ اسرائیل کو اپنے مذموم منصوبوں میں فتح کے ارکان اور مصری حکومت کا تعاون بھی حاصل رہا۔ الفتح کے ارکان نے اسرائیل کیلئے جاسوسی کا فریضہ سرانجام دیا۔ مصر کی حکومت اور مصری انٹیلی جنس فوج کے سربراہ نے بھی اسرائیل کی اعانت کی۔

دونوں ملکوں کے درمیان امن اور دوستی کی قیمت ہمیشہ مظلوم اور بے بس فلسطینیوں نے چکائی ہے۔ امن اور دوستی کا معاہدہ تو دونوں میں 1979ء میں ہو گیا تھا، مگر 2005ء میں باہمی تعلقات میں زیادہ گرمجوشی آئی، جب مصر نے اسرائیل کو قدرتی گیس فراہم کرنے کا معاہدہ کیا۔ 2005ء میں حماس کی تحریک بھی زوروں پر تھی۔ حماس نے انتخابات جیت کر اپنی عوامی مقبولیت کو بھی ثابت کر دیا۔ حماس کے مدمقابل الفتح نے اسرائیلی ریاست کو تسلیم کر لیا۔ محمود عباس نے مصر اور

اسرائیل سے ہم نوائی پیدا کی اور حماس کی منتخب حکومت کو برطرف کر دیا۔ حماس نے الفتح کو غزہ سے باہر دھکیل دیا۔ گیس پائپ لائن کی تعمیر جاری رہی۔ مصر کا اسرائیل سے تعاون بڑھتا چلا گیا۔

مصر کی پالیسی دوغلی رہی۔ ایک طرف تو وہ فلسطینی قوم کی حمایت اور حماس اور الفتح سے مصالحت کیلئے کوشش کرتا ہے۔ دوسری طرف اسرائیل کا ساتھ بھی دیتا ہے۔ غزہ کی ناکہ بندی میں وہ اسرائیل کے ساتھ تعاون کرتا ہے اور اسے اس امر کا خیال بھی نہیں رہا کہ فلسطینی مسلمانوں کیلئے مصر کی سرحدوں کے کھلے رہنے کی وجہ سے غذائی اشیاء کی فراہمی کی سہولت منقطع ہو جائے گی۔ فلسطینی مسلمانوں کو ضروریات زندگی سے محروم کرنے کی اسرائیلی کوششوں میں اسے کم از کم فریق نہیں بننا چاہیئے۔

غزہ کی آبادی پندرہ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ ایک راستہ اسرائیل کو کھلتا ہے اور دوسرا مصر کو۔ جنوری میں بھی مصر نے اسرائیل کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے بجلی گھر کیلئے تیل کی فراہمی روک دی۔ غزہ کے ہسپتال، گھر، گلی محلے علاقے سب بدتر صورتحال اختیار کر گئے۔ مصر نے غزہ والوں کو اپنی حدود میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اقوام متحدہ کی طرف سے خوراک اور ادویات کی فراہمی کو بھی غزہ والوں تک پہنچنے سے روک دیا گیا۔

معاشی ناکہ بندی اور محاصرہ کا مقصد حماس کو پسپا کرنا اور غزہ والوں کو کمزور کرنا تھا۔ مصر نے غزہ والوں کا تو ناطقہ بند کر دیا، مگر اسرائیلی کارخانوں اور بجلی گھروں کو مصر کی جانب سے قدرتی گیس کی فراہمی جاری رہی۔ مصری حکومت فلسطینی مسلمانوں کے حق کیلئے آواز بلند کرنے کی مجاز نہیں ہے، کیونکہ اس کا شمار اسرائیل کے مظالم میں اس کے دست راست کے طور پر کیا جاتا ہے۔ مصری حکومت کی اسرائیل سے دوستی کا مطلب فلسطینیوں کو اسرائیل کے تسلیم کرنے پر مجبور کرنا ہے۔

مصر کا اس دیوار کی تعمیر پر موقف تسلیم نہیں کیا جاسکتا، جو کہ مصر کی سکیورٹی اور تحفظات پر مبنی ہے، کیونکہ فلسطینی عوام یا حماس سے مسئلہ اسرائیل کو ہے نہ کہ مصر کو۔ دارالحیاۃ کی رپورٹ کے مطابق آہنی دیوار کے ذریعے مصر سے سمگلنگ کو روکا جائے گا، جس میں اسلحہ، سامان یا غذائی اشیاء شامل ہیں، لیکن درحقیقت یہ فیصلہ خالص سیاسی بنیادوں پر کیا گیا ہے۔ غزہ میں سب فلسطینی حماس میں شامل نہیں ہیں یا اسلحہ اور ناجائز اشیاء کی سمگلنگ کے مرتکب نہیں ہیں۔ ان کا مقصد اسرائیلی رکاوٹوں سے قطع نظر اپنے اور اپنے بچوں کیلئے نارمل زندگی گزارنے کی سہولت کا حصول ہے۔ مصری حکومت کا یہ اقدام دراصل فلسطینیوں کے حقوق کی نفی ہے، تاکہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے جینے کیلئے ضروریات زندگی کی اشیاء بھی حاصل نہ کر سکیں۔

حماس قیادت کی رائے میں غزہ کی فتح کے خواب دیکھنے والے غزہ کو پنجرہ بنا دینے کے خواہش مند ہیں۔ یہ دیوار غزہ کے شہریوں کے خلاف جارحیت کے ساتھ ظلم کی بدترین شکل ہے۔ غزہ کی سرحدوں کے ساتھ زیر زمین آہنی دیوار کی تعمیر ان عرب دانشوروں اور سیاستدانوں کیلئے باعث شرم ہے، جو کہ قاہرہ کو اسرائیل کی پالیسیوں کا ناقد ٹھہراتے ہیں۔ قاہرہ جو کہ غزہ پٹی کے فلسطینیوں کو محصور کر کے ان کی زندگی اجیرن کرنے جا رہا ہے۔

مصر کا دیوار کی تعمیر کا یہ فیصلہ خودمختاری نہیں، بلکہ جانبداری کا مظہر ہے۔ ایک مصری قومی اخبار نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ مصری حکام نے غزہ اور مصر کے درمیان آہنی دیوار لگانے کے ساتھ ساتھ رفحہ گزرگاہ پر الیکٹرانک تار لگانے کے منصوبے کا آغاز بھی کیا ہے۔ اخبارات کی رپورٹ کے مطابق غزہ اور مصری حدود پر لگائی جانے والی اس الیکٹرانک تار کا مقصد غزہ کو صحرائے سینا سے الگ کرنا ہے۔ یہ الیکٹرانک باڑ مصری علاقے میسورہ صحرائے سینا کے درمیان لگائی جا رہی ہے۔

مصر کے اس دوران اسرائیل سے برابر رابطے ہیں۔ مصری انٹیلی جنس کے سربراہ عمر سلیمان نے مقبوضہ بیت المقدس میں اسرائیلی صدر شمعون پیریز سے ملاقات کی۔ مصری انٹیلی جنس چیف عمر سلیمان نے مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی کوششوں میں پیشرفت پر تبادلہ خیال کیا۔ گیلا دشالیط کی رہائی کا موضوع زیرغور آیا۔ اسرائیل اور حماس کے درمیان اس مسئلے کے حل کے لئے مصر اور جرمنی ثالث کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ عمر سلیمان کا اس دورہ میں وزیراعظم نیتن یاہو اور وزیر دفاع ایہود بارک سے بھی ملاقات کا ارادہ تھا، مگر میڈیا رپورٹرز کے استفسار پر اسرائیلی حکومت کے ترجمان نے اس پر بات کرنے سے انکار کر دیا۔ عمر سلیمان کا دورہ مصری وزیر خارجہ احمد ابوالقنبط کے اس بیان کے ایک دن بعد عمل میں آیا، جس میں مصری وزیر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ ان کا ملک غزہ اور رفحہ کے درمیان فولادی دیوار تعمیر کر رہا ہے، تاکہ مصر اور غزہ کے درمیان زیر زمین سرنگوں کے ذریعہ سمگلنگ روکی جائے۔

اسرائیلی وزیراعظم نے بھی حال ہی میں مصر کا دورہ کیا اور مصر کے صدر حسنی مبارک سے مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ اسرائیلی وزیراعظم کا یہ دورہ ایک ایسے وقت میں ہے جب فلسطین کا معاملہ عالمی سطح پر خاصی شدت اختیار کر گیا ہے۔ مغربی کنارے پر اسرائیل کی تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ غزہ کے حوالے سے اسرائیل پالیسی کی عالمی مخالفت میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسے میں مصر کا آہنی دیوار کی تعمیر کا فیصلہ عرب ریاستوں اور مسلم دنیا کیلئے پریشانی کا باعث ہے۔

❖♦❖

محمود عباس کی حمایت کرنے والے اور انہیں امن کا سفیر قرار دینے والے اسرائیل نے نئے سال کے آغاز میں انہیں تمام فلسطینیوں کا منتخب نمائندہ قرار نہ دینے کا بیان دے کر اس سے قبل کے تمام القابات کو خود ہی مسترد کر دیا ہے۔ اسرائیل کو اب یاد آیا ہے کہ محمود عباس تمام فلسطینیوں کی متفقہ شخصیت نہیں یا وہ متنازعہ کردار کے حامل ہیں۔ دراصل اسرائیل نے محمود عباس سے متعلق اپنا رویہ اس لیے بدلا ہے، کیونکہ کچھ عرصہ سے فلسطینی صدر محمود عباس اور فتح کے عہدیداروں کے بیانات میں اسرائیل سے متعلق خاصا بدلاؤ آیا ہے، جو کہ اسرائیل کی ناجائز کارروائیوں اور ظالمانہ پالیسیوں کی مخالفت پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں اسرائیلی ہٹ دھرمی نے بھی الفتح کے عہدیداروں کو اپنا رویہ بدلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ چیز اسرائیل کو خاصی ناگوار گزری ہے۔

اسرائیلی وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ فلسطینی صدر محمود عباس تمام فلسطینیوں کی نمائندگی نہیں کرتے۔ وزیر خارجہ لائبرمین نے سرکاری ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ صدر محمود عباس اسرائیل کے دوست ہیں، لیکن وہ غزہ کے عوام کی نمائندگی نہیں کرتے اور مغربی کنارے میں ان کی صدارت کا ہونا مشکوک ہے۔ محمود عباس کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنے کا مطلب ان کی جماعت فتح کے ساتھ معاہدہ کرنا ہوگا۔ اس انٹرویو میں اسرائیلی وزیر خارجہ نے محمود عباس کی صدارتی حیثیت کو اٹھاتے ہوئے یہ امید بھی ظاہر کی کہ محمود عباس کے ساتھ ان کی ملاقات جلد ہوگی اور اسرائیلی غیر مشروط مذاکرات کیلئے تیار ہیں۔

فلسطین عرب ممالک اور تمام فلسطینی دھڑوں میں یہودی بستیوں اور مسجد اقصیٰ کے حوالے سے اتفاق پایا جاتا ہے۔ الفتح نے ہر دور میں اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کو ترجیح دی ہے، جبکہ اسرائیل نے آج تک اپنے وعدوں کا پاس رکھا ہے اور نہ ہی حقیقی امن کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ اسرائیل نے یہودی بستیاں روکنے پر آمادگی ظاہر کی تھی، مگر تاحال بستیوں کی تعمیر جاری ہے، بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ بھی کیا جا رہا ہے۔ اسرائیل نے عالمی تنقید اور عرب دنیا کی مخالفت کے باوجود یہودی بستیوں کی تعمیر کے کام کا اجراء کیا۔ اسرائیل نے مقبوضہ بیت المقدس کی یہودی بستیوں میں مزید مکانات کی تعمیر کے لئے ٹینڈرز جاری کر دیئے ہیں۔ اسرائیلی چینل 10 کی رپورٹ کے مطابق اسرائیل کی وزارت نے گزشتہ ہفتے مشرقی بیت المقدس میں قائم یہودی بستیوں میں مزید 692 مکانات کی تعمیر کے لئے ٹینڈرز طلب کیے ہیں۔ مذکورہ ٹینڈر نوٹس میں وضاحت کی گئی ہے کہ 692 مکانات بیت المقدس میں قائم یہودی بستیوں نیو ویا کوف، پسگات زیو اور بارہوما میں تعمیر کئے جائیں گے۔ اسرائیل بجائے اپنی جارحانہ کارروائیوں پر بند باندھنے

کے انہیں وسعت دیتا جا رہا ہے۔

حماس نے غزہ میں اسرائیلی جارحیت میں اضافے کی وجہ عالمی خاموشی کو قرار دیا ہے۔ اسلامی تحریک مزاحمت حماس کا کہنا ہے کہ "عالمی خاموشی کی وجہ سے اسرائیل غزہ کے خلاف جارحیت جاری رکھے ہوئے ہے۔ مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کے ترجمان فوزی برہوم نے واضح الفاظ میں غزہ کے خلاف صہیونی ناکہ اور جارحیت کی وجہ عالمی خاموشی کو قرار دیا۔ خوزی برہوم نے اس کا ذمہ دار مسلمان حکمرانوں کو بھی ٹھہرایا۔ انہوں نے کہا کہ مسئلہ فلسطین کے لئے مسلمان حکمرانوں کی متحرک نہ ہونے کے باعث اسرائیل کو غزہ کی ناکہ بندی اور جارحانہ کارروائیاں کرنے کی شہہ مل رہی ہے۔ حماس نے حماس نے عرب اور اسلامی ممالک سے ناکہ بندی کے خاتمے کے لئے ٹھوس اقدامات کرنے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ فوزی برہوم نے کہا کہ اسلامی ممالک اسرائیل کے خلاف اپنے تمام کارڈز استعمال کریں۔ غزہ سرحد پر مصر کی جانب سے زیر زمین فولادی دیوار کی تعمیر سے 2 ملین فلسطینیوں کی زندگی متاثر ہوگی۔ دیوار کی تعمیر کے منصوبے کا مقصد حماس اور فلسطینی عوام پر اپنے موقف سے دستبردار ہونے کے لئے دباؤ ڈالنا ہے۔

یہودی بستیوں کی تعمیر اور مسجد اقصیٰ کے حوالے سے اسرائیل کو عرب ممالک اور حماس کی تنقید کا سامنا تو کرنا پڑا ہی ہے، مگر الفتح کا بھی اس معاملے پر اسرائیل کے خلاف ناقدانہ طرز عمل سامنے آیا ہے۔ اس کی وجوہات بہت واضح ہیں۔ ایک طرف تو الفتح کو اسرائیل دوستی کی وجہ سے مسلم ممالک اور عرب دنیا میں ناپسندیدگی برداشت کرنا پڑ رہی ہے۔ دوسرا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور خاص طور پر اسرائیل کے امن مخالف اقدامات نے الفتح پر واضح کر دیا ہے کہ اسرائیل کسی طور پر امن نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ امن معاہدات کی پابندی کو ضروری خیال کرتا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ امن کی خواہش لے کر چلنے والی تنظیم "الفتح" نے اسرائیل کے لئے بہت کچھ کیا حتیٰ کہ صہیونی مملکت کے لئے جاسوسی تک کا فریضہ سرانجام دیا۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال غزہ جارحیت کے دوران الفتح کے کارکنوں نے اسرائیل کی جیت کو یقینی بنانے اور حماس کے مقابلے میں اسے فتح یاب کروانے کے لئے جاسوسی کی۔ مصر کا کردار بھی کچھ اس قسم کا رہا۔ اسرائیل کے لئے اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی "فتح" صہیونی قائدین سے امن معاہدات کو منظور کرا سکی اور نہ ہی کسی بھی پہلو پر فلسطین کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکی۔

اب اسرائیل کی مخالفت میں اضافے نے "الفتح" کو بھی آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اسرائیل کو چہیتا اور لاڈلا ملک بنانے والے یورپی ممالک بالخصوص امریکہ نے بھی اسرائیل کو

یہودی بستیوں کے حوالے سے اپنی روش بدلنے کی تاکید کی ہے، مگر صہیونی قائدین پر ذرا برابر اثر نہیں ہو رہا۔ یورپ اور اسرائیل کے دوست ممالک کے مؤقف میں تبدیلی کو خوف عرب دنیا اور مسلم حلقوں میں خوش آئند تبدیلی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اگر اب بھی ''فتح'' عہدیداروں کے بیانات میں اسرائیل مفاہمت کا عنصر رہتا ہے تو ''الفتح'' نہ صرف فلسطینیوں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے متروک جماعت قرار پائے گی۔

اہل یورپ اور عرب ممالک کو اس امر کا احساس بھی شدت سے ہوا ہے کہ فلسطین کے مسئلے کے حل کیلئے یا مشرق وسطیٰ میں امن کے لئے صرف ''الفتح'' کے ساتھ معاملات طے کرنے سے بات نہیں بنے گی، بلکہ دیگر فلسطینی دھڑوں کو بھی اس مذاکراتی عمل میں شریک کرنا ضروری ہے۔ الفتح کے ساتھ بات کرنے کا مقصد تمام فلسطینیوں کے ساتھ امن معاہدہ نہیں ہوگا، بلکہ صرف فتح تنظیم کے ساتھ مل کر چلنا ہوگا۔ ایسی صورت میں امن معاہدہ ی کوئی بھی سمجھوتہ ناقص ہو کر رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ، امریکہ یا یورپی ممالک جو صرف محمود عباس کو متفقہ صدر تسلیم کرتے تھے اور ان کے ساتھ بات چیت کو ترجیح دیتے تھے، اب حماس اور دیگر فلسطینی جماعتوں کے ساتھ بھی بات چیت کو فوقیت دینے لگے ہیں، کیونکہ انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو چکا ہے کہ حقیقی امن کے لئے اصلی دھڑوں کے ساتھ مفاہمتی راستے پر چلنا بہت ضروری ہے۔

الفتح عہدیداروں کو اب اس امر میں بھی کوئی ابہام نہیں رہا کہ حماس یورپی دنیا اور بالخصوص عالم اسلام میں اپنے وجود کو منوا چکی ہے۔ حماس عالمی سطح پر غیر متنازعہ حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ یقیناً حماس کی دیانتدارانہ جدوجہد ہے، جس میں مزاحمت کے ساتھ مفاہمت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ بشرطیکہ صہیونی قیادت بھی امن وصلح کی حقیقی پالیسی کو اپنائے۔ سعودی عرب کے شاہ کا امن فارمولا بھی حماس کے مؤقف کی تائید تھا جس میں کچھ شرائط کی بنا پر اسرائیل کو تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کی گئی تھی۔ حماس نے بھی کہا تھا کہ اگر اسرائیل 1967ء کی سرحدوں کو تسلیم کر لے، پناہ گزین، مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ حل کر دے اور بیت المقدس کو فلسطین کا دارالخلافہ مان لے تو حماس ان شرائط پر اسرائیلی ریاست کے ساتھ بات چیت کیلئے تیار ہے۔ حماس اپنے مطالبات تسلیم کرنے کی صورت میں اسرائیل کو تسلیم کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کر چکا ہے، جو کہ دراصل شاہ کے امن فارمولے کا حصہ ہے۔ بین الاقوامی سطح پر حماس کی بڑھتی ہوئی تائید نے بھی ''الفتح'' کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ علاوہ ازیں عرب ممالک کی تا حال یہی کوشش ہے کہ حماس اور الفتح میں صلح اور بھائی چارہ کو فروغ دیا جائے، کیونکہ جب تک مسلمان اپنے حقوق کے لئے اکٹھے نہیں ہوں گے، اس وقت تک وہ اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اسرائیل غزہ سے ہوتا ہوا

اب بیت المقدس تک قابض ہونے کی کوشش میں ہے۔ اس نے بیت المقدس کی ہیئت بدلنے کیلئے نت نئے منصوبے چھیڑ رکھے ہیں۔

وہ اس مقدس زمین کے خدوخال بدل کر اسے مکمل یہودی رنگ دینے کے چکروں میں ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ہیکل سلیمانی نصب کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی کھدائی کا سراغ بھی ملا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں فلسطینیوں کے داخلہ پر پابندی کے قوانین نافذ کئے جا رہے ہیں، تاکہ مظلوم فلسطینیوں کا وہاں عبادت کرنا تو دور کی بات وہاں ان کا داخلہ تک بند کر دیا جائے۔ مسجد اقصیٰ کی پامالی کے واقعات نے بھی فلسطینی دھڑوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، جو کہ کسی بھی تنظیم کیلئے قابل قبول قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

عرب ممالک کی تمام فلسطینی دھڑوں میں یکجہتی اور مفاہمت کی کوششوں کے باعث حماس اور الفتح میں مذاکرات کے کئی ادوار ہو چکے ہیں، جن کا نتیجہ مثبت نکلنے کی توقع ظاہر کی جا رہی ہے۔ اسرائیل کے غزہ میں جنگی جرائم کے ارتکاب کو لے کر بھی اس پر خاصی لے دے ہو رہی ہے۔ گولڈ اسٹون رپورٹ کا تذکرہ نہ کرنا زیادتی ہوگی، جس میں اسرائیل کو صاف صاف غزہ جنگی جرائم کا مرتکب ٹھہرایا گیا ہے۔ اسرائیل نے اس رپورٹ کو رکوانے اور تمام تر ملبہ حماس پر ڈالنے کی بہت کوشش کی تھی، مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ گولڈ رپورٹ کی تائید کر کے اقوام متحدہ نے بھی اس پر تصدیق مہر ثبت کر دی تھی۔

یہودی بستیوں کے حوالے سے اسرائیل اور یورپی یونین کے درمیان بھی تنازعاتی کیفیت پیدا ہوئی۔ اسرائیل نے یورپی یونین کو دھمکی تک دینے سے گریز نہیں کیا اور اسے اپنے کام سے کام رکھنے کا مشورہ بھی دیا مگر اسرائیل اپنے اوپر لگے الزامات سے کیسے دامن بچا سکتا ہے، جبکہ تجزیاتی رپورٹس، مشاہدات اور تحقیقات نے صہیونی ریاست کو دوغلا، جھوٹا اور ظالم ثابت کر دیا ہے۔

غزہ زرعی شعبے کے ماہرین نے انکشاف کیا ہے کہ غزہ کی پٹی پر مسلط جنگ کے دوران زہریلے کیمیائی مواد کے استعمال سے شہر کی زرخیز زمین بنجر علاقوں میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ غزہ کی زرعی زمین میں فاسفورس بارود کے اثرات اور مہلک گیسیں خارج کرنے والے اسلحہ کے استعمال سے کھیت ناقابل کاشت ہو چکے ہیں۔ اسرائیل نے جنگ کے دوران 40 ہزار سے زائد درختوں کو تباہ کیا، جبکہ مجموعی طور پر اس شعبے میں کروڑوں ڈالر کا خسارہ ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق دوران جنگ 8478 کھیت تباہ کیے گئے۔

اسرائیل کے ظلم کی داستانیں جوں جوں منظر پر آتی جا رہی ہیں، اس کا امیج کھل کر سامنے آنا

شروع ہو گیا ہے۔ جھوٹے بیانات یا رنگ آمیزیوں سے اسرائیل کب تک خود کو پاک صاف یا
بیگناہ ثابت کر سکتا ہے۔ اب اگر یورپ یا الفتح کے منہ اس کے خلاف کھلنا شروع ہو گئے ہیں، تو
اسے اس احتساب کی مکافاتی عمل کا حصہ سمجھ کر نہ صرف حوصلے سے قبول کرنا چاہئے، بلکہ اپنے
آپ کو سدھارنا چاہئے۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ اسرائیلی انتہا پسندوں نے بیت المقدس میں مارچ
کا منصوبہ بنایا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس نے اسرائیل کے اس اقدام کی مذمت کی
ہے۔ محمود عباس نے اس سے متعلق میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل القدس کو یہودی
رنگ دینے کیلئے سرگرم ہے۔ مسجد اقصیٰ کے تحفظ کیلئے الفتح کے کارکن زبردست جدوجہد کر رہے
ہیں، لیکن اس کیلئے عرب اور اسلامی ملکوں کی کوششوں کی ضرورت ہے۔

محمود عباس اور الفتح عہدے داروں میں مسجد اقصیٰ کے تحفظ اور یہودی بستیوں کی تعمیر سے
متعلق وہی اندیشے پائے جاتے ہیں، جو کہ فلسطین کی نمائندہ جماعتوں میں ہونے چاہئیں۔ محمود
عباس کی جانب سے اسرائیل کے اقدامات پر تنقید اور مذمت کو صہیونی حلقوں میں اسرائیل دشمنی
سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے اسرائیلی قائدین کے رویے میں اب الفتح کے ساتھ مفاہمت
کے بجائے مخاصمت پائی جاتی ہے، کیونکہ الفتح اب اسرائیل کے ساتھ گٹھ جوڑ کی سیاست کی راہ سے
ہٹتا جا رہا ہے۔ یہی چیز اسرائیل کو کھٹک رہی ہے۔ دوسری طرف اسرائیل کو بھی اس بات کا اچھی
طرح پتہ ہے کہ الفتح فلسطینیوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں۔ اگر وہ الفتح کے ساتھ کوئی معاہدہ کر
بھی لیتا ہے تو وہ کامیابی سے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے اسے یا تو سب دھڑوں کے
ساتھ گفت وشنید کرنا ہوگی، یا پھر اپنی ضد اور پالیسی کو اپنے بل بوتے پر لے کر چلنا ہوگا، جس
میں تمام فلسطینی جماعتوں سے کٹ کر رہنا ہوگا، لیکن کب تک اسرائیل ساری دنیا کو ڈنڈے کے
زور پر چلا سکتا ہے یا پھر ان کو دھمکیاں دے کر ان کی زبان بندی کر سکتا ہے۔ اسرائیل صرف اس
وقت کسی کا حمایتی ہے، جب تک اس کی پالیسیوں کو لے کر چلتے رہیں گے، یا پھر اس کی تائید کریں
گے، جس دن کسی نے اسرائیل کو برا بھلا کہا اس دن سے وہ اسرائیل کے لئے ناپسندیدہ قرار پایا،
جیسا کہ الفتح کے ساتھ اسرائیل کی بدلتی پالیسی سے ظاہر ہو رہا ہے۔

❖♦❖

اسرائیل نے فلسطینیوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ مصر کا غزہ کے ساتھ آہنی باڑ کی تعمیر کا
اقدام بھی صہیونی قیادت کی شہہ پر کیا گیا۔ فلسطینیوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنے والے
اسرائیل کی اپنی آبادی بھی آج کل ایٹمی جنگ کے خوف میں مبتلا ہے۔ ایران کی بڑھتی ہوئی ایٹمی
صلاحیت اور اسرائیل تک مار کرنے والے میزائلوں کے بنانے سے اسرائیل کے عوام مختلف
خدشات میں مبتلا ہوئے گئے ہیں۔ اسرائیل ایران پر حملہ کرتا ہے یا ایران اسرائیل کو جواب دیتا
ہے دونوں صورتوں میں اسرائیلی آبادی کو سانحات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اب کسی بھی ملک کا اپنے ایٹمی پروگرام کو خفیہ رکھنا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
ایران، شمالی کوریا یا کوئی بھی اس معاملے میں تھوڑی بہت پیشرفت کرتا ہے، تو وہ اسرائیل کی نگاہوں
میں آ جاتی ہے۔ جوں جوں ایٹمی ہتھیار یا صلاحیت رکھنے والے ممالک کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا
رہا ہے دنیا میں بسنے والے لوگوں میں خوف بڑھتا جا رہا ہے، جو کہ حقیقی عوامل پر مبنی ہے، کیونکہ دنیا
میں قدرتی آفات اور سانحات ہی کم نہیں، جو کہ انسانوں نے اپنی تباہی کے لئے ایٹمی اسلحے کا
دروازہ کھول دیا ہے۔

ایٹمی توانائی کی دوڑ کو تخلیق وفروغ کے عمل سے گزارنے والے ممالک مثلاً امریکہ، روس،
فرانس، برطانیہ وغیرہ نے اسے ارتقاء کے ان درجوں تک پہنچا دیا ہے، جس کے تصور سے ہی
انسانیت لرزہ خیز ہو جاتی ہے۔ ان ممالک نے ایٹمی صلاحیت کے بل بوتے پر خود کو برتر کر لیا۔
ایٹمی برتری کے باعث یہ دنیا میں اپنا لاگو کردہ چودھراہٹ کا نظام بھی مسلط کرنے پر تل گئے۔ یہ
ایٹمی صلاحیت ہی ہے کہ انہوں نے دنیا کے تمام ممالک کو اپنے زیرنگین رکھنے کا پلان بنایا، تاکہ
سب ان کے اشاروں پر چلیں اور ان کی مرضی کے خلاف کھڑے ہونے والے یا ان کے للکارنے
والے کو نیست ونابود کر دیا جائے۔ دوسروں کے قدرتی وسائل ہتھیانے کی پالیسی بھی ایٹمی طاقت
کی وجہ سے ہے۔ آج عراق یا افغانستان اسی لئے مغربی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں۔

امریکہ نے عین عربوں کے وسط میں اسرائیلی ریاست کی بناڈال کر تمام عربوں کو خوف میں مبتلا کر دیا۔ اسرائیل کو ایٹمی لحاظ سے اتنا طاقتور بنا دیا کہ اسرائیل صرف ایٹمی ہتھیار ہی تیار نہیں کر رہا، بلکہ آج دنیا بھر میں ایٹمی ہتھیار اور اسلحہ بیچ بھی رہا ہے اور اسے اس درجے پر لانے والا کون ہے امریکہ؟ امریکہ نے اسرائیل کو ایٹمی صلاحیت بنا دیا ہے، مگر کب تک؟ اسرائیل کے مقابلے کے لئے مسلمان ممالک نے بھی خود کو ایٹمی صلاحیت سے آراستہ کرنا شروع کر دیا۔ ایران کے ایٹمی صلاحیت اسرائیل کیلئے للکار ہے، جو کہ مسلمان طاقتوں کو دہشت زدہ کرنے کا ردعمل بھی قرار دی جاسکتی ہے۔

ایران کی ایٹمی صلاحیت مغربی اور صہیونی طاقتوں کو کسی طور گوارا نہیں۔ اس لئے کہ ایران ایک اسلامی ملک ہے۔ اسرائیل کے لئے ایٹمی ہتھیار بنانا یا ایٹمی صلاحیت سے مالا مال ہونا تو جائز ہے، مگر ایران یا کسی اور مسلمان ملک کیلئے جائز نہیں، کیونکہ اسرائیل ایک یہودی ملک ہے، مسلم دشمن ملک ہے۔ یہودی جو کہ کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اسرائیل کے لئے یہ سب جائز اور دوست ہے، کیونکہ اسلحہ اور ہتھیار کسی مغربی طاقت کے خلاف نہیں، بلکہ مسلم ممالک کے خلاف چلیں گے۔ اسرائیل کے تمام ہتھیار اور اسلحہ مسلم ممالک پر برسنے کے لئے ہے۔ ابھی تو اس نے غزہ کے مظلوم عوام پر قیامت ڈھا رکھی ہے، مگر وہ ''وسیع تر اسرائیلی ریاست'' کے خواب کو سچ کرنے کیلئے مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک کو بھی ہڑپ کر لینا چاہتا ہے۔ اس کی انٹیلی جنس ایجنسی ''موساد'' عراق، سوڈان اور دیگر مسلم ممالک میں سرگرم ہے۔

اسرائیل کسی بھی ملک کی علیحدگی پسند اور باغی تحریکات کو نہ صرف خوب سرمایہ اور وسائل مہیا کرتا ہے، بلکہ ان کے منصوبے تک خود بنا کر دیتا ہے۔ سوڈان کی مثال سے لیجئے۔ باغی تحریکات کو بنانے والا اسرائیل ہے۔ یہ باغی تحریکیں سوڈان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہے اور انہیں اس کام کے لئے صہیونی قیادت نے کہا ہے۔ مسلم ممالک مغرب اور اسرائیلی سازشوں سے بے خبر نہیں اور انہوں نے خود کو سنبھالنا شروع کر دیا ہے، تاکہ وہ اسرائیل کے حملوں کا جواب دینے کے قابل تو ہوں۔ ایران کا شمار بھی انہی مسلم ممالک میں ہے جن کی ایٹمی صلاحیت کا مقصد خود کو محفوظ رکھنا، توانائی کے ذریعے کا استعمال اور دشمن ممالک کے وار کا مؤثر جواب دینا ہے۔

امریکہ اور اسرائیل ایران کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ بے شمار کوششوں کے باوجود بھی وہ ابھی تک ایران کو اپنے پنجے میں لینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

دوسروں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنے اور ان پر ظلم ڈھانے والی صہیونی قیادت کو ایران کی ایٹمی صلاحیت نے فکر میں مبتلا کر دیا ہے، جبکہ یہودی آبادی دونوں ممالک میں ایٹمی جنگ کے

خدشے کی وجہ سے خوف میں مبتلا ہے۔ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس، چین، ہندوستان، پاکستان کے علاوہ بھی بہت سے ممالک ایٹمی ہتھیاروں کے ممالک ہیں، مگر انہوں نے اس کا برملا اعلان نہیں کیا۔

موجودہ ایٹمی طاقتیں اپنے پروگرام پر بڑی آزادی اور دلیری سے عمل پیرا ہیں۔ اسرائیل بھی بڑی بے باکی کے ساتھ ایٹمی ہتھیاروں کے انبار لگا رہا ہے۔ اس نے بین الاقوامی تفتیش کاروں کی جانب سے ایٹمی ری ایکٹروں کی تفتیش کو مسترد کر دیا ہے اور ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر بھی دستخط نہیں کئے۔ وہ مشرق وسطیٰ میں کسی کو بھی ایٹمی ملک دیکھنا نہیں چاہتا۔ ایران کی ایٹمی صلاحیت کو وہ علاقے کے لئے خطرہ قرار دیتا ہے۔ خود وہ اپنے پروگرام کو تیزی سے بڑھا رہا ہے، جبکہ ایران کا پروگرام روک دینے کا خواہاں ہے۔ خود وہ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کی تحقیقات کو مسترد کر دیتا ہے اور ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ پر بھی دستخط کرنے سے انکار دیتا ہے، جبکہ ایران سے ان دونوں باتوں کی توقع رکھتا ہے۔ یہ اسرائیل کی دوغلی اور ناجائز پالیسی ہے۔ اسی پالیسی نے ایران کو ایٹمی صلاحیت کا مالک بننے پر مجبور کیا۔

ایران کی ایٹمی طاقت کے متعلق جھوٹا پروپیگنڈا اسرائیل کا وطیرہ بن چکا ہے۔ ایران کے بارے میں امریکہ اور اسرائیل مشرق وسطیٰ کے ممالک کو گمراہ کرتے رہتے ہیں کہ ایران ان کے لئے خطرہ ہے۔ ایران سے بچاؤ کے لئے وہ امریکہ کی مدد لیں اور اسرائیل کے حمایتی اور طرف دار بن جائیں۔ عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری عمرو موسیٰ نے گزشتہ دنوں بین الاقوامی اقتصادی فوم کے اجلاس میں امریکہ اور اسرائیل کے اس مؤقف کو یہ کہہ کر یکسر مسترد کر دیا تھا کہ: ''ایران نہیں بلکہ اسرائیل کی ایٹمی صلاحیت مشرق وسطیٰ کے علاقہ کیلئے بڑا خطرہ ہے۔''

تل ابیب یونیورسٹی میں ایرانی تحقیقات مرکز کی رپورٹ میں سکالرز نے انکشاف کیا ہے کہ ایران کی ایٹمی صلاحیت سے اسرائیلی باشندے مایوسی اور خوف میں مبتلا ہیں۔ وہ اسے اپنے لئے خطرے کی گھنٹی سمجھتے ہیں۔ یہ رپورٹ اس رپورٹ کی تصدیق کرتی ہے جو کہ 23 مئی 2009ء کو برطانوی روزنامہ انڈیپینڈنٹ میں شائع ہوئی، جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ صہیونی باشندے ایران کے ایٹمی ہتھیار بنانے سے اضطراب میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ 85 فیصد شہریوں نے کہا کہ وہ اس صورتحال سے تشویش میں مبتلا ہیں اور اسرائیل کی ایک چوتھائی آبادی یعنی 7 ملین مجموعی آبادی میں 1.75 ملین لوگ اسرائیل سے نقل مکانی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ اسرائیلی باشندوں کو یقین ہے کہ ایران اسرائیل جھڑپ کسی دن جنگ میں بدل سکتی ہے۔ ایسے میں انہیں ایک طرف ایران کا خوف ہے اور دوسری طرف فلسطینی تحریکوں کا دھڑکا ہے۔ اسرائیل فلسطین پر قبضہ

کے بعد سے یہاں دھڑا دھڑ یہودیوں کو بسانے میں لگا ہے۔ نئی یہودی تعمیرات میں بھی دنیا بھر کے یہودیوں کو لاکر آباد کیا جا رہا ہے۔ مغربی کنارہ، مقبوضہ بیت المقدس ہر جگہ یہودیوں کو بسانے کا مقصد فلسطینی ریاست کو مکمل طور پر یہودی ریاست ثابت کرنا ہے۔

یہودی باشندوں سے فلسطین کو بھر دینے والے اسرائیل کو اس وقت مایوسی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، جب ایران کے ایٹمی طاقت بننے کے خوف میں مبتلا عوام اسرائیل کو خیر باد کہہ کر اپنے آبائی وطن منتقل ہو جائیں گے۔ ایران کے ایٹمی طاقت بنتے ہی جنگ کے خدشے کی وجہ سے اسرائیل کی آبادی میں بحران پیدا ہو سکتا ہے اور آبادیوں کے تناسب میں زبردست بھونچال آ سکتا ہے۔

تل ابیب سنٹر کے ڈائریکٹر کا کہنا ہے کہ حالیہ استصواب رائے کے نتائج درحقیقت ایران کے ایٹمی پروگرام سے خوفزدہ صورتحال کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایران کا ایٹمی پروگرام فطری طور پر ان کے لئے تشویش کا باعث ہے۔ خاص طور پر جب کہ ایرانی قائدین اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے بیانات دے چکے ہیں۔ ایران سے خوفزدہ ان اسرائیلی باشندوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایران کو حملہ کرنے یا ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہئے۔ 40 فیصد پلانٹ کو بمباری کے ذریعے تباہ کرنے کو ترغیب دی ہے۔ نیتن یاہو نے بھی اپنی انتخابی مہم کے دوران عوام سے کہا تھا کہ وہ ایران کو ایٹمی ہتھیاروں کا مالک بننے سے روکنے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے گا۔

ایٹمی ہتھیار اگر اپنے پاس ہوں تو تحفظ وسلامتی کو یقینی بناتے ہیں اور اگر دشمن کے پاس ہوں تو خوف ودہشت بن کر سر پر سوار ہو جاتے ہیں۔ اسرائیل کی ایٹمی صلاحیت نے جہاں اس کے تحفظ وسلامتی کو یقینی بنایا ہے، وہاں اس کو یہ موقع بھی فراہم کیا ہے کہ وہ مسلم ممالک کو دھمکیاں دے اور ان کے خلاف منصوبے بنائے اور اپنی ایٹمی طاقت سے ان کو ڈراتا ہے۔

قوام متحدہ کے سابق جنرل سیکرٹری کوفی عنان نے اپنے عہدہ سے سبکدوشی کے موقع پر ایٹمی ہتھیاروں سے متعلق کہا تھا: ''دنیا گویا ایسے طیارے کے انجن پر سوئی ہوئی ہے جو کہ زبردست قوت اور برق رفتاری کے ساتھ اڑان بھرنے والا ہے۔ اس وقت ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال طاقت کے طور پر نہیں بلکہ سٹریٹجی، دفاعی وسیلہ اور سیاسی دباؤ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔''

فوجی حل یعنی جنگ بدترین راستہ ہے جس کے ذریعے پورا خطہ آگ کے گولے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ ایران پر فوجی حملہ اس کو تیزی سے ایٹمی ہتھیار بنانے اور ان کے استعمال پر مجبور کر دے گا۔ ٹکراؤ کی پالیسی دونوں ممالک کو تباہی کی طرف لے جائے گی۔ تجزیہ نگاروں کی رائے میں اسرائیل جیسے دشمنوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے مسلمانوں کا ایٹمی صلاحیت کا حصول ضروری

ہے۔ اس کے لئے ان کو پابند کرنے کی پالیسی کے بجائے ان کے ساتھ امن کی راہ اپنائی جائے۔ صہیونی انتظامیہ اور اداروں کو دوسرے ممالک کے شہریوں کو بھی اسی تناظر میں لینا چاہئے، جو کہ وہ اپنے شہریوں کے لئے تصور کرتا ہے۔ ایران کے ایٹمی پروگرام سے خوفزدہ اسرائیلی قیادت کو اگر کسی اور کا خیال نہیں تو کم از کم اپنے شہریوں کا ضرور ہونا چاہئے، جو کہ ایٹمی جنگ کے خوف میں مبتلا ہیں اور اسرائیل کو چھوڑنے پر غور کر رہے ہیں۔

❖♦❖

اقصیٰ اور ربیت المقدس کے حوالے سے نئے نئے انکشافات دراصل صہیونی قیادت کے انہی پرانے عزائم سے جڑے ہوئے ہیں، جس کا مقصد شہر کی ہیئت تبدیل کر کے اسے مکمل یہودی شہر بنانا اور اس کے مدفون خزانوں پر قبضہ کرنا ہے۔ نیتن یاہو حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے اس شہر پر اقتدار وتسلط کے لئے معرکہ آرائی خاصی شدت اختیار کر چکی ہے۔ اسرائیل کی ہر جماعت یا قیادت القدس کو عبرانی و یہودی بنانے کی مہم میں شریک ہے۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ اس شہر سے جلد از جلد عربوں کو نکال باہر کیا جائے۔ اس کے لئے طاقت کا پوری طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایک منصوبے کے تحت شہر کو اکھاڑا، پچھاڑا جا رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ صہیونی قیادت نے اپنے مذموم ارادوں کے لئے اس شہر کو تجربہ گاہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

ماہرین آثار قدیمہ دھڑا دھڑ اس شہر کی کھدائی میں مصروف ہیں اور ان چھپے ہوئے خزانوں کو ڈھونڈنے میں لگے ہوئے ہیں جو کہ اس شہر کے ساتھ منسوب کیے جاتے ہیں۔ اس نظریے کو اس وقت اور زیادہ تقویت ملی، جب یہاں سائنسدانوں کو ایک ضرورت سے زیادہ بڑے سائز کی چپٹی ہوئی کھوپڑی ملی، جو کہ ان کے خیال میں گولائتھ کی ہو سکتی ہے۔ ایک بازنطینی چرچ کے تہہ خانے کی کھدائی کے دوران لکڑی کی چند ایک گچھیاں ملیں، جن کے بارے میں ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ اس صلیب کی باقیات ہیں جس پر عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ لکڑی کے چند سالخوردہ ٹکڑے بھی ملے، اس قسم کی اشیاء کی دریافت کسی خزانے سے کم نہیں۔ فلسطین کے علاقہ مقبوضہ بیت المقدس کو جانے والی ایک شاہراہ دریافت کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ماہرین کے مطابق انہوں نے بیت المقدس سے متصل ایک علاقے میں 4.5 فٹ کھدائی کی، جہاں پر مذکورہ شاہراہ کے آثار ملے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ 15 سو سال قبل عیسائی اس شاہراہ کو بیت المقدس کی زیارت کرنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔

بیت المقدس میں خزانے کی دریافت کے لئے آنے والے ماہرین کا سلسلہ پرانا ہے۔ 19 ویں صدی کے وسط میں برطانوی ماہرین ہاتھ میں کدال اور دوسرے ہاتھ میں بائبل لے کر یہاں

خزانے کا پتہ چلانے کی کوشش کرتے اور مختلف مقامات پر کھدائیاں کرتے۔ اس مقصد کے لئے ثبوت کے طور پر کتاب مقدس کو استعمال کیا جاتا، مگر اب انتہا پسند اسرائیلی حکومت نے بیت المقدس میں جن تعمیراتی منصوبوں، سرنگوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس سے کھدائی کے کام کو تقویت ملی۔ ماہرین اور دیگر قدیم اشیاء اور خزانے سے دلچسپی رکھنے والوں نے اس موقع کو بہتر جانتے ہوئے بیت المقدس میں خزانوں کی کھوج لگانا شروع کر دی۔

کھدائی کا کام شدت پسند یہودی گروپ ایلاد کی زیرنگرانی جاری ہے۔ ان کا انکشاف الاقصیٰ فاؤنڈیشن برائے اوقاف و آثار قدیمہ نے کیا تھا۔ اس رپورٹ میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ ماہرین مسجد اقصیٰ کے نزدیک سرنگوں کی کھدائی شروع کر چکے ہیں۔ شمالی علاقہ سے الاقصیٰ مسجد کی جانب جو سرنگ تعمیر کی جا رہی ہے اس کی طوالت 20 میٹر اور بلندی 3 میٹر ہے۔ اس سرنگ کو سلوان علاقہ میں زیرتعمیر ایک اور سرنگ سے جوڑا جا رہا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے اطراف میں سرنگوں کا نیٹ ورک تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اسرائیلی محکمہ آثار قدیمہ اور شدت پسند یہودی گروپ الاد کی زیر نگرانی مقبوضہ یہودی آبادکار ایک ہفتہ میں 6 دن سرنگ کے لئے کھدائی میں مصروف رہتے ہیں۔ کھدائی کے لئے بھاری مشینوں کا استعمال کیا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں مسجد الاقصیٰ کی بنیادیں متزلزل ہونے کا اندیشہ ہے۔ مسجد اقصیٰ کے بنیادوں کے نیچے اور قرب و جوار میں کھدائی کی کارروائیوں سے مسجد اقصیٰ کی شمالی دیوار میں خطرناک دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ مڈل ایسٹ سٹڈی سنٹر کی رپورٹ کے مطابق مقبوضہ فلسطین میں مسجد اقصیٰ اور اسلامی مقدسات کی تعمیر و مرمت کے ادارے اقصیٰ فاؤنڈیشن نے انکشاف کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی وضوگاہ کی جگہ پر دراڑیں سات میٹر لمبی ہیں۔ ان دراڑوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ شمالی دیوار میں دراڑوں کی وجہ اسرائیلی حکومت کی جانب سے قریبی علاقے باب حطہ میں مسلسل کھدائی کا عمل جاری رکھنا ہے۔ سلوان علاقہ میں دیگر کئی رہائش گاہوں کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

قدیم شہر بیت المقدس پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے کے خفیہ منصوبہ کے تحت اسرائیلی حکومت شہر کے اطراف میں قومی پارکس، سڑکیں اور سیاحتی مقامات تعمیر کر رہی ہے۔ ان تعمیراتی پراجیکٹس میں کھدائی لازمی عمل ہے۔ اس نے ماہرین آثار قدیمہ کو بھی اس تاریخی شہر کے مدفون خزانوں کی بابت اپنا مؤقف جتانے کے لئے موقع فراہم کر دیا ہے۔ تعمیراتی سرگرمیاں اور نوادرات کی تلاش کا کام بیک وقت جاری ہے۔ بیت المقدس کی ہیئت تبدیل کرنے سے اس کی اسلامی شناخت خطرے میں پڑ جائے گی، پھر کھدائی کے دوران دریافت ہونے والی اشیاء کو عیسائیت اور یہودیت کی نشانیاں ثابت کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے، جس میں اس منصوبہ کا اختتام کلی طور پر اس

کو اثرات و شناخت کا حامل ملک ثابت کرنا ہے۔

اسرائیل روزنامہ ''ہارٹز'' کے مطابق منصوبہ کو یروشلم ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور ایلاد گروپ کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کے مالی اخراجات وزیراعظم کے دفتر اور یروشلم کے میئر کی جانب سے برداشت کئے جا رہے ہیں۔ جس کو خفیہ رکھا گیا ہے۔ منصوبے کو راز میں رکھنے کیلئے اس کا تذکرہ تک نہیں کیا جا رہا۔ وزیراعظم ایہود اولمرٹ کو ان کے دور اقتدار کے دوران ایک رپورٹ پیش کی گئی تھی، جس میں قدیم شہر کے اطراف میں علاقہ کو خوبصورت بنانے کے لئے پارکس کی تعمیر کا پراجیکٹ تیار کیا گیا تھا اور اس کا عذر بظاہر یہ پیش کیا گیا تھا کہ اس کا حقیقی مقصد بیت المقدس کو آئندہ اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کے لئے بنیاد مستحکم کرنا ہے۔ اس کے لئے حکومت اسرائیل کی پوری کوشش ہے کہ ان علاقوں پر قبضہ مضبوط کیا جائے جہاں عرب فلسطینیوں کی کثیر آبادی رہائش پذیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بطور خاص ان علاقوں میں تعمیراتی منصوبوں اور مدفون خزانوں کی تلاش کی جا رہی ہے۔ اس کے لئے شہر کے اسلامی آثار و تاریخی مقامات کا تشخص مٹانے کی سازش کی گئی ہے۔

حکومت کی سرکاری دستاویز میں بتایا گیا ہے کہ قدیم شہر میں اسرائیل کی بالادستی قائم کی جانی چاہئے تاکہ آئندہ بیت المقدس کو یہودی مملکت کا دارالحکومت بنانے کے لئے اسرائیلی حکومت دعویٰ کر سکے۔ پراجیکٹ پر عمل درآمد کے لئے نومبر 2007ء میں بلدیہ کی جانب سے منظوری دی جا چکی ہے۔ اس کے لئے اسرائیل کے ایک اہم ترین تاریخی مقام پر جو مقبوضہ ہے اور فلسطینیوں کی ملکیت ہے ایک ایکڑ میں 24 رہائشی عمارتوں کی تعمیر کی جائے گی اور کھیل کود کے میدان کی تعمیر بھی زیرغور ہے۔ اس کے لئے علاقہ میں رہائش پذیر فلسطینیوں کو جبراً بے دخل کیا جائے گا۔ اس پراجیکٹ پر انتہائی رازداری برتی جا رہی ہے اور مسلم وقف یا چرچ اتھارٹی سے اجازت حاصل کرنا تو دور کی بات، اسے مطلع تک کرنا گوارا نہیں کیا گیا۔

ایک اسرائیلی ماہر قانون نے اس پراجیکٹ کو خطرناک قرار دیا ہے۔ ان نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اس پراجیکٹ پر عمل کرنے سے تمام بیت المقدس غیر مستحکم ہو جائے گا، کیونکہ اس سے شہر کی تاریخی اہمیت کو نقصان پہنچے گا۔ اس کی ہیئت مکمل طور پر بدل جائے گی اور یہ اپنے قدیم اور تاریخی حوالوں سے محروم ہو کر رہ جائے گا، جو کہ صرف کتابوں اور دستاویزات میں رقم ہو جائیں گے۔ اسرائیلی حکومت نے ان تمام اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ نئی تعمیرات سے بیت المقدس کے تمام شہریوں کو فائدہ ہوگا کیونکہ اسرائیل کے زیرکنٹرول علاقہ میں واقع مقامات مقدسہ تک تمام عقائد کے ماننے والے شہریوں کو رسائی کی اجازت حاصل ہے۔

مسجد اقصیٰ کے اطراف کھدائیوں کا سلسلہ اسرائیل نے ہیکل سلیمانی کے نام پر چھیڑ رکھا ہے، جبکہ حالیہ دنوں میں مشہور صیہونی ماہر آثار قدیمہ مائیر بن ڈوف نے برملا اعلان کیا تھا کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے یا اس کے اطراف ہیکل سلیمانی کی کوئی نشانی نہیں پائی جاتی۔ مائیر بن ڈوف نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس علاقے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شہنشاہ ہیروڈوس کا ہیکل پایا جاتا تھا، جسے رومیوں نے بعد میں منہدم کر دیا، البتہ صلیبیوں نے خبث باطنی کے سبب 'قبۃ الصخرہ' ' کے لئے صخرۃ ہیکل کی تعبیر استعمال کرنا شروع کر دی۔ یہ رپورٹ مشہور صیہونی ماہر آثار قدیمہ کی 25 سالہ ریسرچ اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ مسجد اقصیٰ کے پورے علاقہ کی مکمل چھان بین کر کے مائیر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس علاقہ میں ہیکل سلیمانی کے وجود کی کوئی نشانی نہیں پائی جاتی۔ ان تمام انکشافات کے باوجود اسرائیل مسجد اقصیٰ کے انہدام کی پالیسی پر پوری طرح کاربند ہے۔ بیت المقدس کے مدفون خزانوں کی تلاش بہت سے مسائل کا سبب بن رہی ہے۔ دائیں بازو کی ایک یہودی آباد کار تنظیم ارڈیو فاؤنڈیشن ایلاد کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ یہ تنظیم گزشتہ چا نو سال سے اس مقدس شہر میں اس علاقوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے، جہاں قدیم خزانوں کی تلاش جاری ہے۔ کھدائی کے اس کام کی نگرانی ایک سابق اسرائیلی فوجی ڈیوڈ بیری کر رہا ہے۔ یہ شخص عرب باشندوں کی نگاہ سے بچنے کے لئے فلسطینی علاقوں میں بھیس بدل کر خفیہ سرگرمیاں سرانجام دیتا ہے۔ ایلاد کو اسرائیلی حکومت کی سرپرستی میں بیت المقدس کی بلدیہ اور خود ساختہ اسرائیلی نوادرات کی اتھارٹی یا آئی اے آئی کی حمایت حاصل ہے۔ آئی اے اے ایلاد کے ساتھ مل کر آثار قدیمہ کے کام کو سرانجام دے رہی ہے۔ ایلاد کو صیہونی تنظیمیں اور ادارے اپنے مذموم منصوبوں کی تکمیل کے لئے فنڈز فراہم کرتے ہیں۔ جن کو صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے۔ یہودیوں کا پلان خود ایلاد کے ڈائریکٹر ڈویلپمنٹ کے انٹرویو سے پتہ چلتا ہے، جس میں وہ بیت المقدس کی تمام سرزمین پر قبضہ کے ارادے کا اظہار کرتے ہیں۔

عرب ذرائع کے مطابق اس مقصد کے لئے سلوان کا علاقہ خاص طور پر یہودیوں کا نشانہ ہے۔ سلوان کے علاقہ میں کھدائی کے دوران نوادرات کی دریافت کے بعد ان کے حوالے سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ بستی بھی یہودیوں کی ملکیت ہے۔ اس امر کا امکان بھی بہت زیادہ پایا جاتا ہے کہ سازشی یہودی اس علاقہ میں کھدائی کے دوران بہت سی چیزوں کی دریافت کا جواز گھڑیں گے۔ اگر واقعتاً یہ اشیاء دریافت نہ ہوئیں، تو بھی ان کو باقاعدہ منصوبہ کے تحت یہاں منتقل کیا جائے گا اور پھر یہ دعویٰ کیا جائے گا کہ یہ اشیاء تاریخی اعتبار سے یہودیوں کے حق ملکیت کے ثبوت کی تائید ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے جن ذرائع پر انحصار کیا جائے گا وہ سب یہودیت سے وابستہ

ہیں۔ مثلاً ایلاد، آئی اے اے، یروشلم ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور اسرائیل حمایت یافتہ ممالک کے ماہرین۔ ایسے میں اس دعویٰ کو ٹھوس بنایا جائے گا کہ ان مدفون خزانوں نے ثابت کر دیا ہے کہ فلسطینیوں کا اس شہر پر حق باطل ہے۔ اگر کسی طور پر مان لیا جائے کہ اس شہر میں قدیم نوادرات خزانے دریافت ہوئے ہیں اور وہ یہودیت سے وابستگی کو بھی ثابت کر رہے ہیں، تو پھر کیا ان قدیم مدفون خزانوں، نوادرات، ہڈیوں اور پتھروں کے لئے اس شہر کو تہس نہس کر کے رکھ دینا چاہئے۔ یہاں بسنے والے انسانوں کو ان کے لئے یہاں سے نکال پھینک دیا جانا چاہئے۔ ان مدفن خزانوں، نوادرات، پتھروں وغیرہ نے انسانوں کی اہمیت کو گھٹا دیا ہے، حالانکہ انسانوں کی اہمیت اور قدر و قیمت ان سے بہت زیادہ ہے۔ انسانی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے یا حقوق انسانی کی رو سے کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ان اشیاء کی خاطر ہنستی بستی بستیاں تباہ کر ڈالے، گھروں کو منہدم کر دے اور ان بستیوں میں رہنے والوں کو دربدر کر دے۔ اسلام عیسائیت اور یہودیت کی آماجگاہ بیت المقدس اس وقت یہودیوں کے نرغے میں ہے، جو کہ مدفون خزانوں کے بہانے اس پورے علاقہ کو اپنے تصرف میں لانا چاہتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے لئے اسے مستقبل کا دارالحکومت قرار دینا ناممکن ہو جائے گا۔

ایلاد کا مشن آثار قدیمہ کے ذریعے تاریخی مقامات پر قبضہ جمانا بھی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر وہ کھدائی کے لئے ان گروہوں کو استعمال کرتی ہے، جو کہ یہودی نظریاتی پالیسی کے معاملے میں شدت پسند ہیں۔ سلوان نامی گاؤں خاص طور پر اسرائیل کا مرکز ہے۔ اسے سٹی آف ڈیوڈ یا شہر داؤد بھی کہا جاتا ہے۔ چٹانوں کی گہرائی میں واقع یہ قدیم شہر بحیرہ مردار کی طرف واقع ہے۔ سلوان کے عرب اپنے علاقے کے معاملے میں بہت وفادار اور جذباتی ہیں۔ ان کے مطابق اس علاقے کے کھنڈرات، تاریخی امارات و مقامات، مدفون اشیاء ان کا حق وراثت ہے۔ یہودی اس حق وراثت کو اپنی جانب منتقل کرنے کے لئے اس پر قبضہ کی کوشش میں ہے۔ اس کے لئے جو استدلال دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ 19 ویں صدی کے وسط میں جب ممتاز برطانوی ماہر چارلس وارن حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشہور عالم خزانہ کی تلاش میں تھا، تو اس نے ایک کاریز دریافت کی تھی، جو ایک زیر زمین چشمے تک جاتی تھی۔ اس دریافت کو لے کر اس شہر کا آبی ذریعہ کاریز یا زیر زمین نالہ تھا، جو چشمہ سے پانی فراہم کرتا تھا۔ اس شہر کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے حضرت داؤد علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔ یہ زیر زمین چشمہ سیلوم کے تالاب میں جا کر پھوٹتا تھا، جو تقریباً پانچ سو فٹ کے فاصلے پر قدیم شہر کی فصیل کے نیچے واقع تھا۔ یہ چشمہ بھی شہر مقدس کو فراہمی آب کا واحد ذریعہ تھا۔ اب اس چشمہ کو لے کر ماہرین قدیمہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ حضرت

داوَد علیہ السلام نے اپنا مرکز چشمہ پر یا اس کے گرد ونواح میں بتایا تھا لہٰذا یہ جگہ یہودیوں کی ملکیت ہے۔ گویا بیت المقدس کے مدفون خزانوں کی بنیاد پر اس شہر پر حق ملکیت جتایا جائے گا اور اس کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا۔ بیت المقدس سازشوں کی زد میں ہے، جس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔ یہ جنگ کسی وقت بھی چھڑ سکتی ہے۔

پاسداران جبل ہیکل نامی انتہا پسند تنظیم بھی اس سلسلے میں ایلاد گروپ کے شانہ بشانہ کھڑی ہے۔ تنظیم جبل ہیکل کا قیام 21 سال قبل عمل میں آیا۔ اس تنظیم نے تو باقاعدہ مسجد اقصیٰ کے انہدام کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ہیکل ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے اس تابوت کو جبل ہیکل کی اس سرنگ میں چھپا دیا ہے، جو مسجد اقصیٰ کے نیچے ہے۔

''جہاد'' نامی یہودی گروپ نے باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے کہ ''اب ہیکل سلیمانی کی تعمیر'' کا وقت آ چکا ہے۔ یہودی تنظیمیں بیت المقدس شہر کو نشانے پر رکھے ہوئے ہیں۔ اپنے بے بنیاد دعووَں اور مذہبی جذبات کے بل بوتے پر مسلمانوں کے جذبات سے کھیلا جا رہا ہے۔ خزانوں کی تلاش پر مامور ماہرین کو باقاعدہ ہدایات دی گئی ہیں کہ انہوں نے کس طرح اس مذموم منصوبے کو انجام کی طرف لے کر جانا ہے۔ بیت المقدس کے چپے چپے کو یہودیت میں تبدیل کرنے کی کوشش جاری ہے۔ مسئلہ صرف سلون تک محدود نہیں، بلکہ اس مقدس شہر کو مکمل یہودی شکل میں ڈھالنا ہے۔ اس کے لئے 2020ء تک مدت مقرر کی گئی ہے۔ بظاہر اس مہم کا نام ''ترقی دینا'' رکھا گیا ہے، لیکن پس پردہ یہ منصوبہ جغرافیائی اعتبار سے اس علاقہ کو یہودیت میں بدل دینا ہے۔ اس کے لئے عربوں کی نسل کشی، ان کو نقل مکانی پر مجبور کرنے کے منصوبوں پر عملدرآمد جاری ہے۔ اسرائیل کا یہ بھی پلان ہے کہ القدس شہر کو مشرق کی طرف سے وسعت دے کر بحر مردار کے ساحل تک پھیلانا ہے۔ اس کے لئے پہلے مطالبہ، معالیہ اودمیم کالونی کو القدس میں شامل کرنے کا پلان ہے، پھر اس کالونی کے گرد امریکہ تک حد فاصل تک دیوار کھڑی کر دی جائے اور آہستہ آہستہ پورے علاقوں کو ضم کر لیا جائے گا۔ اسرائیل بیت المقدس کو اپنی دائمی ملکیت ثابت کرنے کیلئے بے شمار منصوبوں پر عمل پیرا ہے، جن میں ایک قدیم تاریخی نوادرات اور خزانوں کو یہودیت کی نشانیاں ثابت کرنا ہے تاکہ دنیا کے سامنے ان کو حقائق کی صورت میں پیش کیا جائے اور ان خود ساختہ علامات کو فلسطینیوں کیلئے جھٹلانا ممکن نہ رہے۔

❖♦❖

مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے ایک بار پھر اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن مذاکرات کا چرچا ہے۔ عرب وزرائے خارجہ نے اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کے درمیان 9 ماہ کے لئے بالواسطہ

امن مذاکرات شروع کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ امریکی کوششوں کو موقع فراہم کرنے کیلئے عرب وزرائے خارجہ نے اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان 9 ماہ کے لئے بالواسطہ امن مذاکرات کی اجازت دینے کا عندیہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں فلسطینیوں کے اعلیٰ مذاکرات کار صائب ارکات کا کہنا ہے کہ اگر یہ مذاکرات ناکام ہو گئے تو ہم معاملے کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں لے جا کر حل کروانے میں حق بجانب ہوں گے۔ عمان کے وزیر خارجہ یوسف ابن علون نے کا کہنا ہے کہ اسرائیل سے مذاکرات عرب امن منصوبے میں طے کیے جانے والے اصولوں کے بنیاد پر ہی ہوں گے۔ فلسطینی صدر اور عرب لیگ کے پاس مذاکرات کے ضمن میں بہت کم انتخاب ہے، تاہم اس پر کھلی آنکھوں سے غور کیا جانا چاہئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بحث و مباحثے کا حتمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ عرب دنیا امن مذاکرات کو سٹریٹجک ٹول کے طور پر استعمال کرے۔ دوسری جانب حماس کے ترجمان ڈاکٹر سامی ابوزہری نے اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کے درمیان مذاکرات کے دوبارہ شروع کرنے کے فیصلہ کو قومی جرم قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ اعلان دراصل عباس اینڈ پارٹی کے سیاسی دیوالیہ پن کا مظہر ہے۔ حماس کے ترجمان نے محمود عباس اور ان کے ہم خیال ساتھیوں سے کہا کہ وہ فلسطینیوں سے مذاق کرنا بند کریں اور انہیں مزید جہنم میں دھکیلنے سے باز رہیں، کیونکہ قابض اسرائیلیوں سے مذاکرات کا نتیجہ ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ ابوزہری کا کہنا ہے کہ مذاکرات کے بجائے محمود عباس کو فلسطینیوں کی امنگوں کے مطابق عرب حمایت سے مزاحمت اور ثابت قدمی کے قومی مؤقف پر زور دینا چاہئے۔

اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے اپنے بیان میں فلسطین کے ساتھ بالواسطہ مذاکرات کی امید ظاہر کی ہے۔ اس وقت اسرائیل سے مذاکرات کا موضوع عالمی اور عرب میڈیا میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ فلسطین کی مزاحمتی تحریکیں اس کے حق میں نہیں ہیں۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ اسرائیل سے مذاکرات کا نتیجہ کبھی بھی مثبت نہیں نکلا اس لئے ان نام نہاد مذاکرات کا نہ کرنا بہتر ہے۔

فلسطینی علماء بورڈ کے چیئرمین علامہ شیخ حامد کا بھی اس سلسلے میں بیان خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس میں انہوں نے واضح طور پر مذاکرات کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مقبوضہ بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور فلسطین عالم اسلام کی گردنوں پر امانت ہیں، ان سب کا تحفظ عالم اسلام کی ذمہ داری ہے۔ یہودی دشمن کی جانب سے قبلہ اول اور بیت المقدس کے خلاف سازشیں جاری ہیں، جن کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمان عوام اور حکمرانوں کو ٹھوس اقدامات کرنے ہوں گے۔

انہوں نے کہا کہ مسجد اقصیٰ کا تحفظ نام نہاد مذاکرات اور ملاقاتوں سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے عالم اسلام کو یکجا ہو کر فلسطینی مزاحمت اور تحریک آزادی کی حمایت کرنا ہوگی۔ انہوں نے فلسطینی اتھارٹی کو مخاطب کرتے ہوئے اسرائیل سے مذاکرات کو بے سود قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ فلسطین میں عباس ملیشیا اور عرب ممالک میں ان کی پولیس شہریوں کو فلسطینی عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی سے روک رہے ہیں، جو نہایت افسوسناک اقدام ہے۔ قبلہ اول کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کو احتجاجی مظاہروں سے روکنا ظلم اور گناہ ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ تمام عرب اور مسلم ممالک، جنہوں نے اسرائیل سے کسی بھی نوعیت کے تعلقات رکھے ہیں، وہ اسرائیل سے ان تعلقات کو ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اپنے ملک میں تعینات صہیونی سفیروں کو نکال باہر کریں۔

لبنانی پارٹی کے سپیکر نبیہ بیری نے عرب ملکوں سے مطالبہ کیا ہے وہ اسرائیل سے فلسطینی اتھارٹی کے مذاکرات کی حمایت سے متعلق حال ہی میں کیے گئے اپنے فیصلے پر نظرثانی کریں۔ لبنانی سپیکر نے کہا کہ اسرائیل کی جانب سے اسلامی مقدسات کو مسلسل نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مسجد ابراہیمی اور بیت اللحم میں مسجد بلال بن رباح کو یہودی تاریخی ورثہ قرار دینے کے بعد اسرائیل سے مذاکرات نہیں، جنگ کی ضرورت ہے۔ انہوں نے امت مسلمہ اور عرب ملکوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل کے خلاف اس کی سازشوں کی روک تھام کے لئے مضبوط اتحاد قائم کریں۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے والے مسلم اور عرب ملک فلسطین میں اسرائیل کی دہشت گردی اور مقدس مقامات کی بے حرمتی کو بھی دیکھیں۔ عالم اسلام کی خاموشی اور اس سے مذاکرات کی حمایت فلسطین میں اسلامی مقامات کی بے حرمتی پر اسرائیلی جرم پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ •

حماس کے قائد فوزی برہوم نے تنظیم آزادی فلسطین کی جانب سے فلسطینی اتھارٹی کو اسرائیل کے ساتھ بالواسطہ طور پر مذاکرات کے لئے رضامندی کی مذمت کرتے ہوئے اسے تنظیم کے اصولی مؤقف سے انحراف قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس اقدام سے تنہائی کا شکار اسرائیل کو اپنی مشکلات کم کرنے میں مدد ملے گی، جبکہ فلسطینیوں کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ فوزی برہوم کا کہنا ہے کہ اسرائیل سے مذاکرات شروع کرنے کی حمایت کے مسئلہ فلسطین پر دوررس گہرے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اسرائیل فلسطین میں بدترین جنگی جرائم میں مبتلا ہے۔ حال ہی میں حماس کے قائد محمود المبحوح کو شہید کرنے کے بعد اسرائیل کو عالمی سطح پر کڑی تنقید اور تنہائی کا سامنا ہے۔ ایسے میں فلسطینی اتھارٹی کے اسرائیل سے مذاکرات سے محمود المبحوح کی ٹارگٹ کلنگ سے

متعلق عالمی سطح پر ہونے والی تحقیقات بھی متاثر ہوں گی۔

حماس کے سیاسی شعبے کے سربراہ خالد مشعل نے بھی مذاکرات کے عمل پر تنقید کرتے ہوئے اسے بے مقصد قرار دیا۔ انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطینی عوام کسی بھی اسرائیل کے سامنے سرنگوں نہیں ہوں گے اور نہ ہی اسرائیل فلسطینی عوام کو شکست دے سکتا ہے۔ اسرائیل خود زوال پذیر ہے اور اس کا کوئی مستقبل نہیں۔ تہران کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے خالد مشعل نے ایران کی جانب سے فلسطینی عوام کے ساتھ جرأت مندانہ اظہار یکجہتی کی تعریف کی اور کہا کہ ایران کا طرز عمل اپنانے سے ہی اسلامی دنیا دشمن کے سامنے ڈٹ سکتی ہے۔ مشعل نے کہا کہ تمام اسلامی اور عرب ممالک کا دشمن ایک ہے، جس کا مقابلہ کرنے کیلئے تمام ممالک کو اپنی کوششوں کو یکجا کرنا ہوگا۔ اس موقع پر اسلامی جہاد کے قائد عبداللہ شیخ نے بھی فلسطین کی آزادی کے لئے جہاد اور مزاحمت کو واحد راستہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ تمام فلسطینی جماعتوں اور عالم عرب کو اس بات کو سمجھنا ہوگا کہ جہاد، فلسطین کے لئے قربانیوں کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

فلسطینی عوام طویل مدت سے آزادی کے لئے قربانیاں دیتے آئے ہیں اور قربانیوں کا یہ سلسلہ فلسطین کے چپے چپے کی آزادی تک جاری رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ عرب ممالک کو فلسطینی مزاحمت اور جہادی تحریکوں کی تائید کرتے ہوئے ان کے کردار کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اسرائیل کے ساتھ نام نہاد مذاکرات کے تمام تجربات ناکام رہے ہیں کیونکہ اس سے فلسطینی عوام کو کچھ حاصل نہیں ہوا، بلکہ تمام فوائد اسرائیل نے حاصل کیے ہیں۔ ایسے میں یہی بہتر ہے کہ ہمیں اسرائیل کو مزید فوائد فراہم کرنے کے بجائے فلسطینیوں کے مفاد کے لئے کام کرنا چاہیے۔

فلسطینی اتھارٹی اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات کو دراصل امریکہ اور یورپ کی تائید حاصل ہے، جن کا مقصد ان مذاکرات کے ذریعے اسرائیل کے لئے رعاتیں حاصل کرنا اور عرب دنیا کی فہرست میں سے اس کا ممنوعہ ملک کی حیثیت سے اخراج ہے۔ فرانس نے بھی حال ہی میں اپنے ایک بیان میں فلسطین کو آزاد ریاست تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے۔ فرانس کا کہنا ہے مغربی ایشیا میں قیام امن میں پیدا شدہ تعطل کو ختم کرنے کی غرض سے بین الاقوامی برادری فلسطین کی سرحد کے تعین سے قبل اسے آزاد ریاست تسلیم کرتی ہے۔ فرانس کے وزیراعظم نے عمان کے دورے پر کہا کہ فرانس امن مساعی تیز کرنا چاہتا ہے اور جلد از جلد مذاکرات کی بحالی کا خواہاں ہے۔ فلسطین کے اعلیٰ مذاکرات کار صائب ارکات نے فرانس کے اس بیان کا خیر مقدم کیا، جبکہ اسرائیل کے ایک افسر نے نام نہ بتانے کی شرط پر فرانس کی اس تجویز کو سراب قرار دیا۔ صائب ارکات نے خیر مقدمی کلمات میں کہا ہمارا خیال ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ یورپی یونین 1967ء کی

فلسطینی حدوں کے مطابق اسے ایک آزاد ریاست تسلیم کرے۔ ان کی مراد مغربی کنارہ اور غزہ پٹی دونوں کی شمولیت تھی کیونکہ 1967ء کی مغربی ایشیائی جنگ کے وقت یہ دونوں فلسطینی حدوں میں شامل تھے۔ یورپی یونین نے فرانس کی اس تجویز پر اعتراض کیا ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم کے مطابق دونوں طرف کے قائدین کو جرأت مندانہ اقدام کرنا ہوں گے تبھی یہ معاملہ حل ہوسکتا ہے وگرنہ تمام تجاویز سراب کی مانند ہیں۔

اسرائیل ایک طرف تو مذاکرات کے راستے پر چل رہا ہے۔ دوسری طرف وہ مسلمانوں کی مساجد کو یہودی ورثہ قرار دینے کے پلان پر چل رہا ہے۔ امریکہ نے بھی اسرائیل کے اس اقدام کو اشتعال انگیز قرار دیا ہے اور کہا ہے ان اقدامات کو امن مذاکرات کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے جواز کے طور پر استعمال نہیں کیا جانا چاہئے۔ پی جے کرولی نے کہا کہ مشرق وسطیٰ کے متعدد گنجلک اور مشکل معاملات کو یکطرفہ اقدامات کے ذریعے حل نہیں کیا جاسکتا۔ امریکہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان باقاعدہ مذاکرات شروع کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ متنازعہ امور کو مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے۔ ان مذاکرات سے مشرق وسطیٰ امن مذاکرات جلد شروع ہونے سے متعلق بیان کی وضاحت کرتے ہوئے کرولی نے کہا کہ اب حالات پرسکون ہوگئے ہیں اور امن مذاکرات بہت جلد شروع ہوگئے ہیں۔ ترجمان کے مطابق امن مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ اسرائیل اور فلسطین پر منحصر ہے۔ واشنگٹن، لبنان اور شام کو بھی انہی خطوط پر پیشرفت کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ حالات چند دنوں میں بہتر ہوجائیں گے۔ بارک اوباما نے اپنے نائب جوزف بائیڈن کو اسرائیل، فلسطین امن مذاکرات کے احیاء کے لئے تعاون حاصل کرنے کی غرض سے مغربی ایشیا روانہ کیا۔ حالانکہ دونوں فریقین کا مؤقف اس سلسلے میں اُمید افزاء نہیں۔

دونوں فریقین کو مذاکرات کے لئے آمادہ کرنے والے امریکہ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ اسرائیل مذاکرات کی حد تک تو آمادہ ہوجاتا ہے، لیکن اس نے کبھی بھی ان مذاکرات میں حقیقی مسائل کے حل کے لئے توجہ نہیں دی اور نہ ہی سنجیدگی سے مسئلہ فلسطین کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجوہات ہیں کہ حماس اور دیگر فلسطینی مزاحمتی گروپ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کے شدید مخالف ہیں۔ حماس کے وزیراعظم اسمٰعیل ھنیہ نے بھی ان مذاکرات کو ڈھونگ قرار دیا ہے۔ انہوں نے محمود عباس کی مذاکرات کی خواہش کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مذاکرات کے ذریعہ اسرائیل کے جرائم پر پردہ ڈالنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات انہوں نے مجلس قانون ساز کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت اسرائیل کے ساتھ براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس وقت تک مذاکرات کی مخالفت جاری رکھے گی جب تک اسرائیل

فلسطین میں ریاستی دہشت گردی کا سلسلہ روکتے ہوئے مسجد اقصیٰ پر تسلط ختم کرنے اور جارحانہ پالیسی ترک کرنے کا اعلان نہیں کردیتا۔ اسلامی مقدسات کو یہودی ورثہ قرار دینے کے منصوبے پر تمام عرب اور مسلم ممالک کو حرکت میں آجانا چاہئے، کیونکہ یہ مقدسات پورے عالم اسلام کے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تمام عرب ملکوں کے وزرائے خارجہ قاہرہ جمع ہوں اور اسرائیلی اعلان کے مقابلہ میں ٹھوس اور یکساں پالیسی اختیار کریں تاکہ صہیونی جارحیت کا مقابلہ کرتے ہوئے مقدسات اسلامی تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''مجھے افسوس ہے کہ اسرائیل کی جانب سے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے خلاف جاری سازشوں کے مقابلے میں عرب ملکوں نے کچھ نہیں کیا، مگر ان کی حکومت فلسطین میں اسرائیلی جارحیت کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہے اور مسجد اقصیٰ، مسجد ابراہیمی اور مسجد بلال بن رباح سمیت تمام مقدس مقامات کے تحفظ کے لئے ہر ممکن اقدامات کرے گی۔'' انہوں نے عرب لیگ سے مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل سے مذاکرات کی حمایت کے بجائے فلسطین میں اسلامی مقدس مقامات کی بے حرمتی کا نوٹس لیں۔

امریکی نمائندے جارج مچل نے مذاکرات کے سلسلے میں اسرائیل وزیر دفاع ایہود باراک سے ملاقات کی۔ امریکی نمائندے نے ایہود باراک سے تل ابیب میں ان کے گھر جاکر ملاقات کی۔ ڈیڑھ گھنٹے جاری رہنے والی ملاقات میں مشرق وسطیٰ مذاکرات شروع کرنے بارے تبادلہ خیال کیا گیا۔ ہیلری، جارج مچل، جوزف بائیڈن کے اسرائیل کے دورے مذاکرات کے عمل کے دوبارہ آغاز کرنے کے لئے ہیں۔ گزشتہ سال غزہ میں اسرائیلی جارحیت کے باعث مشرق وسطیٰ مذاکرات کا جاری عمل معطل ہوگیا تھا۔ امریکی یا اسرائیلی پالیسیوں میں مذاکرات کے عملی احیاء کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا، نہ ہی ان مذاکرات سے مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے کوئی اُمید کی جاسکتی ہے۔ امریکہ میں طاقتور یہودی لابی بیٹھی ہے۔ امریکہ میں برسر اقتدار سیاستدانوں میں بھی صہیونی طبقہ اکثریت سے ہے، جو کہ پوری طرح صہیونی مفادات کے لئے سرگرم ہے۔ اسرائیل کے کثیر الاشاعتی عبرانی اخبار ''یدیعوت احرونوت'' نے انکشاف کیا ہے کہ جوزف بائیڈن غیر یہودی ہونے کے باوجود صہیونی ہیں۔ نیتن یاہو نے جوزف بائیڈن کے اس اعتراف کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں اسرائیل کا بہترین دوست قرار دیا ہے۔ ایسے میں محمود عباس صدر فلسطینی اتھارٹی کی جانب سے اسرائیل سے مذاکرات کی تیاری ایک ایسے وقت میں ہورہی ہے جبکہ اسرائیل اسلامی مقدمات کو تحویل میں لے رہا ہے۔ فلسطین کے تاریخی شہروں کو تباہ کررہا ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس اور مغربی کنارے میں یہودی تعمیرات جاری رکھے ہوئے ہے۔ اسرائیل کے یہی فلسطین مخالف اقدامات مذاکرات کی کامیابی کو ناممکن بنادیتے ہیں۔

❖◆❖

اسرائیل امن کی بات تو کرسکتا ہے، مگر عملی طور پر اس کے لئے امن کے راستے پر چلنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ مسلمانوں کا وجود کسی طور پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے فلسطینیوں پر قیامت ڈھا رکھی ہے اور وہ بیت المقدس سمیت تمام فلسطین کو ہڑپ کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ اس راہ میں جو بھی اس کی مخالفت یا اس کے خلاف مزاحمت کرتا ہے، وہ اس کو ہی مٹانے کے درپے ہو جاتا ہے۔

حماس کی طرح لبنان کی حزب اللہ سے بھی اسرائیل مخالف ہے اور حزب اللہ کے خاتمے کے لئے وہ لبنان کے خلاف جنگ چھیڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اسرائیل ایران پر حملہ کرنا چاہتا ہے، مگر اس ارادے میں حائل مشکلات کا اسے اچھی طرح ادراک ہے۔ نیتن یاہو حکومت اس وقت بحرانوں میں گھری ہوئی ہے۔ حال ہی میں حماس لیڈر کے دبئی میں قتل نے موساد کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت کو جس طرح سے دنیا کے سامنے بے نقاب کر دیا ہے، اس پر بھی نیتن یاہو حکومت کو مسائل کا سامنا ہے۔

برطانیہ، آسٹریلیا کو بھی ان کے ممالک کی سفری دستاویزات کے استعمال پر شکایت ہے۔ متحدہ عرب امارات کی حکومت نے تمام یہودیوں کے داخلے پر پابندی لگا دی ہے۔ حماس کو حزب اللہ کی پوری حمایت حاصل ہے۔ حزب اللہ کے خلاف اسرائیل پہلے بھی جنگ ہار چکا ہے۔ حزب اللہ کی قوت اسرائیل کو للکار رہی ہے۔ اسرائیل کا الزام ہے کہ حزب اللہ کو ایران سے بھی مدد حاصل ہے۔ ایران پر حملہ کرنے میں بہت سی قباحتیں مانع ہیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیاں اسرائیل کو متنبہ کر چکی ہیں کہ اسے ایران پر حملے سے باز رہنا چاہئے۔ اگر اس پر فوجی یا سیاسی وار کیا گیا تو اس کے برے نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ خود اسرائیل کے فوجی اداروں کو یقین نہیں کہ وہ بغیر کسی نقصان کے ایران پر حملے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ فضائی راستوں کے انتخاب میں بھی اسے دشواری کا سامنا ہے، پھر ایران اس محاذ میں اکیلا نہیں اسے بہت سے اسلامی ملکوں کی تائید و حمایت حاصل ہے۔ ایسے میں اسرائیلی قیادت کے سامنے ایران کے بجائے لبنان پر حملہ کرنے کا آپشن رہ جاتا ہے، جس کی تائید اسرائیل کی انٹیلی جنس ایجنسیاں اور فوجی ادارے بھی کر رہے ہیں، کیونکہ لبنان ایران کی طرح فوجی ایٹمی قوت نہیں۔ اس کے وسائل کا ایران کے وسائل سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسرائیل کچھ عرصہ سے برابر لبنان کو دھمکیاں دے رہا ہے کہ وہ حزب اللہ کے خلاف کارروائی کرے گا اور لبنان حکومت کی جانب سے کسی روک ٹوک کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔
لبنان میں حزب اللہ شیعہ مسلمانوں کی ایک انتہائی طاقتور سیاسی اور فوجی تنظیم خیال کی جاتی ہے۔

ایران کی پشت پناہی سے 1980ء میں تشکیل پانے والی اس جماعت نے لبنان سے اسرائیلی فوجی دستوں کے انخلاء کے لئے جدوجہد کی۔ اس تنظیم کو مئی 2000ء میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی۔ اس عمل کے پس منظر میں اس جماعت کی عسکری شاخ اسلامی مزاحمت یا (Islamic Resistance) کا ہاتھ تھا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لبنان کی کثیر المذہبی ریاست کی جگہ ایرانی طرز کی اسلامی ریاست بنائے مگر بعد میں یہ خیال ترک کر دیا گیا، مگر حزب اللہ کو ایران کا تعاون پوری طرح حاصل رہا اور اب بھی حزب اللہ کو مالی اور عسکری مدد حاصل ہے۔

لبنان میں شیعہ اکثریت میں ہیں اور یہ تحریک لبنان میں آباد شیعہ فرقے کی نمائندگی کرتی ہے۔ لبنان سے اسرائیلی فوجی دستوں کے انخلاء سے اس تنظیم نے عام لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا لی۔ اب لبنان کی پارلیمان میں اس جماعت کے امیدواروں کو واضح اکثریت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ہی سماجی، معاشرتی اور طبی خدمات کے حوالے سے بھی اس تنظیم نے لوگوں میں مقبولیت حاصل کر لی۔ اس جماعت کا اپنا ٹی وی اسٹیشن ''المینار'' کے نام سے قائم ہے۔

اس جماعت کے خلاف اقوام متحدہ نے 2009ء میں ایک قرارداد بھی منظور کی، جس میں لبنان سے غیر ملکی فوج کے انخلاء اور مسلم گروہوں سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا گیا۔ لبنان سے اسرائیلی فوج کے انخلاء کے بعد یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ حزب اللہ کا مسلح دھڑا لبنانی فوج میں شامل ہو جائے گا اور سیاسی اور سماجی کاموں کو ترجیح دی جائے گی، لیکن سیاسی کامیابی کے حصول کے باوجود حزب اللہ خود کو مزاحمتی تحریک کا نام دیتی ہے۔ اس کی مزاحمت نہ صرف لبنانیوں، بلکہ پورے خطے میں غیر ملکی افواج یا بیرونی قبضے کے خلاف ہے۔ اسلامی مزاحمت کے نام سے تنظیم کی عسکری شاخ اسرائیل اور لبنان کے مشترکہ سرحد علاقے میں اب بھی اپنی کارروائیوں میں مصروف ہے، جو کہ اسرائیل کو بری طرح کھٹک رہی ہے۔ سب سے زیادہ تناؤ ''شیبا فارمز'' کے علاقہ میں پایا جاتا ہے۔ حزب اللہ کا کہنا ہے کہ شہبا فارمز کا علاقہ لبنان میں شامل ہے، لیکن اسرائیل کا مؤقف ہے کہ یہ فارمز شامی سرحد کے قریب واقع ہے اس لئے یہ گولڈن ہائٹس کا حصہ ہیں، جس پر 1967ء سے اسرائیل قابض ہے۔

حزب اللہ کو شام اور ایران دونوں کی حمایت حاصل ہے اور وہ لبنان میں دمشق کے مفادات کا تحفظ بھی کرتی ہے۔ شام کی حکومت اسرائیل کے ساتھ گولان ہائٹس کے تنازع کے پیش منظر میں حزب اللہ کو بطور ایک کارڈ کے استعمال کرتی ہے۔ لبنان سے 1400 شامی فوج کے انخلاء کے لئے حزب اللہ پر بھی دباؤ ڈالا جاتا رہا۔ 2005ء میں رفیق حریری کے قتل کے بعد سے لبنان اندرونی سیاسی کشمکش کا شکار ہو گیا۔ رفیق حریری کے قتل کا الزام شام پر لگایا جاتا رہا۔ لبنانی حکومت

مخالف جماعتوں نے حزب اللہ کو ہم خیال بنانے کے لئے مذاکرات پر زور دیا۔ لبنان میں سیاسی کشمکش یا بحران کے لئے بھی حزب اللہ کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ شام کی حکومت کے خلاف مظاہروں کے برعکس حزب اللہ نے شامی حکومت کی حمایت میں مظاہرے کر کے ثابت کیا کہ اسے لوگوں کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔

حزب اللہ حماس کے مؤقف کی حمایت کرتی ہے۔ حزب اللہ کا واشگاف الفاظ میں کہنا ہے کہ فلسطین مسلمانوں کی سرزمین ہے اور اسرائیل کو وہاں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اسرائیل کو حزب اللہ جنگ میں شدید ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جنگ کے بعد کافی عرصہ تک حالات پرسکون رہے کہ اسرائیل نے حزب اللہ کے اعلیٰ کمانڈر عماد مغنیہ کو قتل کر کے مخالفت کے شعلوں کو پھر ہوا دی۔ اسرائیل صرف حزب اللہ کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ ایران کو بھی میدان جنگ میں گھسیٹنا چاہتا ہے۔ حزب اللہ کے ساتھ جنگ میں اسرائیل کو حزب اللہ کی طاقت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ ایسے میں آنے والی لبنان اسرائیل جنگ تباہ کن ہونے کے ساتھ ساتھ طویل المدتی بھی ہو سکتی ہے اور خلیج کا علاقہ جو فلسطین اور عراق کے باعث پہلے ہی تباہی سے دوچار ہے، مزید تباہ حالی کی طرف جا سکتا ہے۔ عماد مغنیہ کی ہلاکت پر حزب اللہ نے اسرائیل کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کہا تھا کہ اگر صہیونی جنگ چاہتے ہیں تو ہم جنگ کے لئے تیار ہیں۔ اگر وہ کھلی جنگ کے خواہاں ہیں تو ہم کھلی جنگ کے لئے بھی تیار ہیں۔ عماد مغنیہ کے جنازہ میں خطاب کرتے ہوئے حزب اللہ کے چیف نے کہا تھا کہ 2006ء میں حزب اللہ کے ساتھ اسرائیل کی جنگ کا ابھی اختتام نہیں ہوا ہے بلکہ لڑائی جاری ہے، جس کے لئے ہم تیار رہیں گے۔

حزب اللہ کو اسرائیل اپنے خلاف بہت بڑا خطرہ سمجھتا ہے اور وہ لبنان پر فوجی ضرب لگا سکتا ہے۔ اگر اس نے حزب اللہ کے خلاف اپنی کارروائی شروع کی، تو حزب اللہ کے زیر زمین ڈھانچے کو تباہ کرنا اس کا مشن ہوگا، کیونکہ اسرائیل سمجھتا ہے کہ حکومت لبنان حزب اللہ کو سپورٹ کر رہی ہے اور اس کے لئے ڈھال کا کام سرانجام دے رہی ہے۔

گزشتہ دنوں مقبول وزیراعظم رفیق حریری کی پانچویں برسی کے موقع پر لبنان کے وزیراعظم سعد حریری کا بیان عالمی سطح اور بالخصوص اسرائیل کے لئے توجہ کا باعث رہا۔ اس خطاب میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ "سب سے پہلے لبنان" اس نعرہ کا مطلب ان کے وضاحتی بیان میں یہ تھا کہ لبنان کی سالمیت کو سب سے پہلے مقدم رکھا جائے گا اور اسرائیل کے خلاف لبنان کے تمام دھڑے اپنے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے متحد ہو کر چلیں گے۔

لبنانی صدر میشال سلیمان کو ان کے دورہ واشنگٹن کے موقع پر براہ راست دھمکی دی گئی کہ

"اسرائیل لبنان پر فوجی ضرب لگانے سے نہیں چوکے گا اور حزب اللہ کی وجہ سے اس کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔" ان دھمکی آمیز پیغامات کو لبنانی صدر مشال سلیمان اور وزیراعظم رفیق حریری کو یکساں سنوایا گیا۔ حتیٰ کہ ترکی نے بھی لبنان کو ہوشیار اور تیار رہنے کا مشورہ دیا۔

ذرائع کے مطابق اسرائیل حزب اللہ کے خلاف جنگ کی مکمل تیاری کر چکا ہے اور اس کے لئے اسرائیل نے اپنے میزائل شکن نظام کو بھی ترقی دی ہے۔ اسرائیل فضائی برتری کے لئے بھی کوشاں ہے۔ اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ شام کو ایسا ہوائی ہتھیار یہ صلاحیت حاصل نہ کرنے دی جائے جو کہ وہ خود بھی اسرائیل کے خلاف استعمال کرے اور حزب اللہ کو بھی مہیا کرے۔ بری فوج کے معاملے میں بھی اسرائیل نے اپنے ہتھیاروں کو ترقی دی ہے۔ اس نے بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں کو اس طرح سے تیار کیا ہے کہ وہ ٹینک شکن میزائل کا سامنا کر سکیں۔

اسرائیل کو احساس ہے کہ اپنے جاسوسی نظام کو ترقی دیئے بغیر وہ مزاحمتی تحریکوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ اس لئے اس نے موساد کو پوری طرح الرٹ کر رکھا ہے۔ اسرائیل کا یہی خیال ہے کہ آئندہ وہ اپنے خلاف کسی بھی جنگ اور فوجی کارروائی سے قبل ہی حزب اللہ کی کمر توڑ کر رکھ دے۔ یعنی پہلے اس کے میزائل سسٹم کو تباہ کرے، پھر اس کے مراکز اور قیادت کو نشانہ بنائے اور آخر میں اس کے تمام وسائل کو ٹھپ کر کے رکھ دے۔ یہ ساری تیاری اس کی حزب اللہ سے بدلہ لینے کے لئے بھی ہے۔

حزب اللہ اسرائیل کے خلاف بھرپور مزاحمت کی تیاریوں میں ہے۔ حزب اللہ نے مصر کو بھی رفحہ کراسنگ کے معاملے پر دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے رفحہ کراسنگ نہیں کھولی تو اس کا ردعمل سخت ہو جائے گا۔ اسرائیل کی پوری کوشش رہی ہے کہ لندن کی امریکہ نواز حکومت کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ لبنانی سرزمین کو اسرائیل کے خلاف استعمال نہ ہونے کی ضمانت دے۔

دوسری طرف لبنان حکومت اور حزب اللہ بھی اسرائیل کی تیاریوں سے غافل نہیں ہے۔ اس نے خود کو پہلے سے کہیں زیادہ ہتھیاروں سے لیس کیا ہے۔ اس نے فضائی دفاع کا سسٹم تیار کیا ہے جس کے ذریعہ وہ جاسوس طیاروں پر نظر رکھ سکتا ہے اور ان کی نقل و حرکت کو معطل کر سکتا ہے۔ ہیلی کاپٹروں کے استعمال کو ناکارہ بنا سکتا ہے اور راڈار میں مداخلت کرتے ہوئے اس کی کارکردگی کو بے فیض بنا سکتا ہے۔ حزب اللہ کے لاکھوں جنگجو ہیں جنہیں ایران میں تربیت دی گئی ہے۔ الوطن العربی سے گفتگو کرتے ہوئے فوجی ماہرین نے کہا ہے کہ اسرائیلی افواج خشکی کے راستے میں مغربی حصے سے لبنان میں داخل ہونے کی کوشش کرے گی تاکہ وہ وسطی علاقے تک پہنچ کر جنوبی حصے کو شمالی حصہ سے کاٹ سکے، پھر مغربی حصے پر قبضہ کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس

صورتحال پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا، مگر حزب اللہ کے خلاف کوئی بھی آپریشن اسرائیل کو سفارتی اور جنگی لحاظ سے مشکل میں ڈال سکتا ہے۔ جنوبی لبنان میں اس علاقے کے پہاڑی اور پتھریلے محل وقوع کے باعث حزب اللہ کے خلاف کارپٹ بمباری کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن نہیں، کیونکہ اس علاقے میں اسرائیلی بکتر بند دستے نہیں آسکتے۔ حزب اللہ کا کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم اس قدر مربوط اور طاقتور ہے کہ اسرائیلی انٹیلی جنس اور عسکری طاقت اس سے بخوبی آگاہ ہے۔

اسرائیلی حکام کی جانب سے حزب اللہ کے خلاف بھی حملوں کا نیا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔ حزب اللہ بھی اسرائیلی تکنیک کو اچھی طرح جانتی ہے۔ حزب اللہ لیڈر حسن نصر اللہ نے اپنے خطاب میں کہا ہے کہ اسرائیل کی جانب سے کسی بھی مہم جوئی کی حرکت اس کے لئے موت کا پیغام ہو گی۔ حزب اللہ کی عسکری قیادت اسرائیلی جارحیت کی صورت میں چند منٹوں میں حرکت میں آ جائے گی اور اسرائیل پر بیک وقت ہزاروں راکٹ حملے کے لئے لپکیں گے۔ حزب اللہ نے جدید آلات، کیمروں اور جاسوسی آلات سمیت الیکٹرانک دھماکہ خیز ڈیوائسز کا کامیابی سے استعمال کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔

اسرائیل کو بیک وقت ایران، شام اور حزب اللہ کا خوف ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہی وار میں تینوں سے نبٹنے کے لئے فوجی کارروائی کا ارادہ رکھتی ہے، مگر نتائج اس کی توقع کے برعکس بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔

❖♦❖

ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ نے اسرائیل کے جنگ جرائم کی توثیق کر دی ہے، جس میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اسرائیل اپنے الزامات کا دفاع کرنے میں پوری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ حماس اور اسرائیل دونوں پر غزہ جنگ کے حوالے سے جنگی جرائم کا الزام تھا اور اس سلسلے میں اقوام متحدہ نے ایک تحقیقاتی کمیشن تشکیل دیا تھا اور دونوں فریقین کو ٹیم کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے کہا تھا۔

اسرائیل نے گولڈ سٹون کی سربراہی میں تشکیل دی گئی اس ٹیم کے ساتھ عدم تعاون پر مبنی رویہ رکھا، جس کی شکایت گولڈ سٹون نے کی تھی، مگر اس کے باوجود اسرائیل پر اس کا ذرا برابر اثر نہیں ہوا اور مسلسل جنگی جرائم کے الزام کو جھٹلاتا رہا حتیٰ کہ اس نے اقوام متحدہ کی ٹیم کو جانبدارانہ قرار دے دیا اور اقوام متحدہ پر بھی تنقید کرنے سے نہیں چونکا۔

اب اس رپورٹ نے ثابت کر دیا ہے کہ اسرائیل واضح طور پر غزہ آپریشن میں جنگی جرائم کا مرتکب ہوا ہے۔ غیر جانبدارانہ تحقیقات نے اسرائیل کے جرائم کا سارا پول کھول کر رکھ دیا ہے اور

اپنے دفاع میں اس کے پاس اب کہنے کو کچھ بھی نہیں رہا۔ دوسرے لفظوں میں وہ خود کو اس الزام سے بری کرنے میں پوری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ اس رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس 22 روزہ اسرائیلی جارحیت میں 1400 فلسطینی ہلاک ہو گئے، جبکہ اس کے مقابلے میں صرف 13 اسرائیلی ہلاک ہوئے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے نومبر میں اسرائیل اور فلسطینی گروپوں دونوں کو بین الاقوامی قوانین کے تحت جنگی جرائم کی تحقیقات کیلئے سر رچرڈ گولڈ سٹون کی قیادت میں مشتمل ٹیم کے سامنے صفائی پیش کرنے کے لئے کہا تھا، مگر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے یہ بیان دے کر اس مسئلے کو اس وقت مشکوک بنا دیا، جب انہوں نے کہا کہ ابھی تک وہ یہ تعین نہیں کر پائے کہ دونوں طرف سے جنگی جرائم سرزد ہوئے ہیں یا نہیں۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے اس رپورٹ کو نامکمل قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ فریقین کی غزہ نتائج سے متعلق رپورٹ مکمل نہیں۔ اس تنازع پر فیصلہ کرنا ناممکن ہے، کیونکہ اسرائیل کی اس حوالے سے تحقیقات جاری ہیں، جبکہ فلسطین نے کچھ عرصہ قبل تحقیقات شروع کی ہیں۔ یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ فریقین نے اقوام متحدہ کی قرارداد پر عملدرآمد کیا ہے یا نہیں۔ اقوام متحدہ نے اسرائیل اور حماس دونوں سے مطالبہ کیا تھا کہ 2008ء میں ہونے والے 22 روزہ اسرائیلی آپریشن کی آزادانہ تحقیقات کریں۔ دونوں فریقوں نے رواں برس جنوری میں اقوام متحدہ کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی۔

اسرائیلی حکومت کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس نے اپنے دو افسران کو آپریشن کے دوران ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے پر سزا دی تھی۔ جنگی جرائم سے متعلق سرکاری وکیل گولڈ سٹون نے اپنی رپورٹ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ آپریشن میں فریقین کی جانب سے جرائم کا ارتکاب کیا گیا تھا۔ گولڈ سٹون نے اسرائیل پر شہری آبادی کو جان بوجھ کر نشانہ بنانے کا الزام عائد کیا تھا۔ اسرائیل نے سختی سے گولڈ سٹون رپورٹ کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس میں حقائق مسخ کئے گئے ہیں، لیکن حال ہی میں اقوام متحدہ سربراہ کو اسرائیل نے 46 صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کی، جس میں اس نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی سے انکار کیا، لیکن اس جنگ کے نتیجے میں ہونے والے سانحات کا اور گنجان آباد علاقوں میں بمباری کا اعتراف کیا۔ اسرائیل کی اس تیار کردہ رپورٹ میں اسرائیل نے کہا کہ اس کے دو سینئر افسران نے حکومتی قواعد وضوابط کے خلاف غزہ پر حملہ کے دوران فاسفورس استعمال کیا۔ حماس نے بھی اپنے دفاع میں اقوام متحدہ کو رپورٹ پیش کی، جس میں یہ بھی کہا گیا کہ اس معاملے کی تحقیقات کیلئے کمیشن کی رپورٹ کو بھی مدنظر رکھا جائے۔

دونوں فریقین کی پیش کردہ رپورٹس سے ہٹ کر گولڈسٹون رپورٹ اور اب ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ نے اسرائیل کو جنگی جرائم کا مرتکب ٹھہرا دیا ہے۔ حقیقت ساری دنیا کو پتہ ہے کہ اسرائیل نے غزہ پر ناجائز حملہ کیا اور اس 22 روزہ جارحیت میں اس نے ظالم کی انتہا کر دی۔ اس جنگ میں اسرائیل کے مدمقابل حماس کا کردار دفاعی ہی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ اسرائیل کے پاس ترقی یافتہ ہتھیار اور اسلحہ تھے، جس کا استعمال امریکہ اپنی جنگی مہم میں کیا کرتا ہے۔ اسرائیل نے ان ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کیا، بلکہ وائٹ فاسفورس، افزودہ یورینیم اور دیگر کیمیکل سے تیار کردہ بین الاقوامی سطح پر ممنوع ہتھیاروں کا استعمال بھی بڑے پیمانے پر کیا۔ صرف یہی نہیں اس نے اپنے ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے لئے غزہ کو تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کیا وہ ان خطرناک مادوں کا استعمال بے دریغ جنگ میں کرتا رہا اور اس پر ستم یہ کہ اس نے تمام انسانی قوانین کی دھجیاں اڑاتے ہوئے آبادیوں اور شہری اداروں کو اس کا نشانہ بنایا حتیٰ کہ ہسپتالوں کو سکولوں کو بھی نہیں بخشا۔ اس نے کھلے عام مساجد، اقوام متحدہ کے دفاتر، ایمبولینس گاڑیوں، سکولوں اور پناہ لینے والے کے کیمپوں پر بمباری کی۔ میڈیا نے اسرائیل کے جرائم جرائم پر پردہ ڈالے رکھا اور اس کو حقیقت سے کم بتایا۔

اسرائیل نے غزہ میں کارروائی کا منصوبہ بہت پہلے سے بنا رکھا تھا کیونکہ اس نے بارہا یہ بیان بھی دیا تھا کہ حماس قیادت اور کارکنوں کے خاتمے کیلئے وہ غزہ پر حملہ سے دریغ نہیں کرے گا۔ اس پلان میں یہ بھی شامل تھا کہ غزہ پر فوج کشی کے دوران عالمی میڈیا کے کسی بھی نمائندے کو غزہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جائے گی اور ہوا بھی یہی کہ غزہ میں اسرائیلی دہشت گردی کے دوران عالمی بالخصوص عرب اور مغربی میڈیا کی کسی بھی ٹیم یا کسی بھی فرد واحد کو رپورٹنگ یا کوریج کی اجازت نہیں دی گئی۔

اسرائیلی جارحیت کے دوران انتہائی حساس اور مہلک کیمیائی اور سمارٹ بموں سمیت یورینیم افزودہ اور فاسفورس بم یوبی ٹریپ اور بعض مقامات پر آگ لگانے والے نیپام بموں کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ ایک حکمت عملی کے تحت بالخصوص عرب میڈیا کو محاذ جنگ سے دور رکھا گیا۔ اس حوالے سے جو مؤقف انہوں نے اختیار کیا تھا وہ یہ تھا کہ حماس کے خلاف کارروائی کے دوران صحافیوں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اس اندیشے کو سچ ثابت کرنے کیلئے اسرائیل نے میڈیا سنٹر پر حملے بھی کئے، جس سے تین صحافی شدید زخمی ہوئے۔

عالمی صحافیوں کو غزہ میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی اور ان کو جبراً روکا گیا۔ جنہوں نے اسرائیلی احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے داخلے کی کوشش کی، ان کے کیمرے اور آلات

ضبط کر لئے گئے۔ غزہ آپریشن کی رپورٹنگ کے لئے اسرائیل نے اپنے طور پر ایک میڈیا سیل بنایا، جو کہ اسرائیلی شہر سیدورت میں بنایا گیا تا کہ اسرائیل کے جرائم کا الزام حماس کے سر رکھا جائے۔ اسرائیلی صحافیوں کو عالمی سطح پر انگریزی صحافتی زبان کی تربیت دی گئی کہ حماس کی کارروائی اور راکٹ حملوں کو اجاگر کیا جائے۔ اس طرح اسرائیل کی ہر سطح پر یہی کوشش رہی کہ وہ اپنے جرائم پر پردہ ڈالے رکھے۔ امریکی میڈیا نے اس سلسلے میں جانبداری سے کام لے کر اسرائیل کا بھرپور ساتھ دیا اور کہا کہ جو اسرائیل کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ اس طرح اصل حقائق سے عوام کو بے خبر رکھنے کی کوشش کی گئی، مگر کہتے ہیں نہ کہ ظلم کو دبانا اور چھپانا بہت مشکل ہے۔

اسرائیل کوشش کے باوجود اپنے جنگی جرائم کو میڈیا اور عوام سے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ فلسطینی عوام پر ڈھائے جانے والی قیامتیں دلدوز مناظر دنیا کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکے۔ بین الاقوامی قانون کے پروفیسر اور مجلس شوریٰ کے قانون ساز کمیٹی کے چیئرمین نے کہا کہ جنگی جرائم کی بین الاقوامی قوانین کی رو سے تعریف بالکل واضح اور بے بنیاد ہے۔ نسل کشی کرنا، بڑے پیمانے پر قتل عام کرنا، نسل پرستی پر مبنی فریق مخالف کا صفایا کرنا اور ایسے جنگی آلات، ہتھیار اور مادے استعمال کرنا، جو بین الاقوامی سطح پر ممنوع ہیں۔

اسرائیل نے جو کچھ کیا وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف بین الاقوامی کریمنل کورٹ میں مقدمہ چلایا جائے، کیونکہ اس نے بین الاقوامی انسانی قوانین کو توڑا اور بین الاقوامی ضابطوں اور چارٹر کو پامال کیا ہے۔ اس طرح کا مقدمہ ہر ایک پر چلایا جا سکتا ہے، خواہ اس ملک نے ان قوانین و چارٹروں پر دستخط کئے ہوں یا نہیں۔ ان پر عام بین الاقوامی قوانین کے توڑنے کی پاداش میں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ اس قانون کے دائرے میں آتا ہے، جو قانون امن و جنگ کی صورت میں بین الاقوامی تعلقات کی حفاظت کرتا ہے۔

حماس کے جہاد کی سزا غزہ کے باسیوں کو دینا کہاں کا انصاف ہے۔ غزہ کے بے گناہ شہریوں کے خلاف اسرائیل نے جس طرح کے حملے کئے اور جو ممنوع ہتھیار استعمال کئے، وہ جنگی جرائم کی بدترین صورت تھی۔ حقوق انسانی کی تنظیموں کو ایسے ناقابل تردید ثبوت و شواہد مل چکے ہیں، جو کہ سراسر اسرائیل کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔ ماہرین اور بین الاقوامی قانون دانوں کی رائے کے مطابق اسرائیل پر قانونی اعتبار سے مقدمہ چلایا جا سکتا ہے، مگر عملی طور پر اسرائیل حمایتیوں کی وجہ سے ان کی توقع کم ہی ہے۔ عرب ایڈووکیٹ یونین کے چیئرمین عاشور اسرائیل کے خلاف ضروری قانونی اقدامات کو اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”صہیونی حکومتی ذمہ داروں کو ملزم کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کیلئے تمام دلائل و شواہد کو اکٹھا کیا جائے۔ اس دستاویز کی حفاظت

کرتے ہوئے اسے انٹرنیشنل کریمنل کورٹ میں پیش کیا جائے تا کہ اصلی تصویر دنیا کو دکھائی جا سکے۔عرب لیگ کو بھی اس ذمہ داری کو نبھانا چاہئے اور اسرائیل کی اس الزام سے بچنے کی تمام تر کوششوں کو ناکام کر دینا چاہئے۔"

حماس کا اسرائیل کے جنگی جرائم کے ثبوتوں کے متعلق کہنا ہے کہ غزہ میں اسرائیل کے انسانی جرائم کے ثبوتوں کی ضرورت نہیں۔ اسرائیلی فوج نے کیمروں کی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں فلسطینی بچوں، خواتین اور بوڑھوں کو بین الاقوامی ممنوعہ اسلحہ اور سفید فاسفورس کے ذریعے جلا دیا، جبکہ اسرائیل نے گولڈسٹون رپورٹ کے جواب میں جو رپورٹ پیش کی ہے، اس میں کسی قسم کی معذرت شامل نہیں۔ رپورٹ میں اسرائیلی جارحیت اور اس کے جواب میں جو مزاحمتی ردعمل ہوا اسے مکمل طور پر پیش کیا گیا۔

اسرائیل کے جنگی جرائم کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف اسرائیل کے حمایتی ممالک ہی کر سکتے ہیں، جن میں امریکہ سرفہرست ہے۔ امریکہ نے مسلسل اسرائیل کے گناہوں سے چشم پوشی کر رکھی ہے۔ اسرائیلی فوج نے چوتھے جنیوا کنونشن کے تحت انسانی قوانین کی بھی خلاف ورزی کی جس میں واضح طور پر عام شہری آبادیوں کو نشانہ بنانے اور ہسپتالوں یا طبی کیمپوں پر حملے سے منع کیا گیا ہے۔ 1948ء میں اپنی تخلیق کے بعد سے پہلی دفعہ اسرائیل کو سنجیدہ جنگی جرائم کے الزامات کا سامنا ہے۔ جنگ میں تمام ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑا کر رکھ دینا کسی طور پر جائز نہیں حتیٰ کہ جنگ کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں، جن کی اسرائیل بار بار خلاف ورزی کر چکا ہے۔

غزہ میں تقریباً 900 غلطیاں کی گئیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اور رپورٹس یکے بعد دیگرے سامنے آتی جاتی ہیں تو یہ راز سامنے آتا جاتا ہے کہ کئی غلطیاں بین الاقوامی اور باقاعدہ منصوبہ بند تھیں۔ جہاں تک بات ہے فوجی کمانڈروں کی کہ انہوں نے ممنوعہ ہتھیار یا مادے کا استعمال کیا تو اس پر یقین کرنا اس لئے ممکن نہیں کہ فوجی کمانڈرز یا سپاہی حکومتی یا سرکاری احکامات کے بغیر کس طرح ان کا استعمال کر سکتے تھے، جبکہ یہ سب ایک دفعہ میں واقعہ نہیں ہوا بلکہ بتدریج کیا گیا۔ سرکاری رضامندی اس میں شامل تھی۔

بعدازاں روزنامہ گارڈین کی رپورٹ کے مطابق فلسطین کے خلاف غیرانسانی طریقوں کا استعمال کیا گیا۔ گارڈین نے دو فلسطینی بھائیوں کے بیانات کو بھی قلمبند کیا۔ علی اور نافظ نے بتایا کہ کس طرح ان کو گن پوائنٹ پر ان کے گھر سے لے جایا گیا اور اسرائیلی فوج نے انہیں فلسطینیوں کے گھروں میں تلاشی کیلئے بھیجا اور ہمیں ٹینکوں کے سامنے کھڑا کیا گیا تا کہ حماس کی فائرنگ سے وہ نشانہ بننے سے بچ جائیں اور اس کا شکار سب سے پہلے ہم ہوں۔

اسرائیل کے جرائم بے شمار ہیں، جن کی تفصیلات میڈیا میں آ چکی ہیں۔ ترک وزیراعظم کا بیان اس سلسلے میں تمام مسلم ممالک کے دل کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے، جس میں طیب اردگان نے کہا کہ اسرائیل نے رواں سال کے آغاز میں غزہ جنگ کے دوران بدترین ریاستی دہشت گردی اور جنگی جرائم کا ارتکاب کیا، جس پر اسے سزا ضرور ملنی چاہئے۔ انہوں نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ان کا ملک غزہ میں اسرائیل کے جنگی جرائم کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کی تیار کردہ گولڈسٹون رپورٹ کی روشنی میں تل ابیب کے خلاف کارروائی کے حق میں ہے اور اسرائیل کے خلاف اس رپورٹ کی حمایت کرے گا۔

علاوہ ازیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسرائیلی جرائم کے باعث وہ اسرائیلی قائدین کے ساتھ بیٹھنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اسرائیلی میڈیا "برائی کا محور" ہے۔ اسرائیلی میڈیا نے ترک وزیراعظم کے اس بیان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ طیب اردگان ایرانی صدر کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ نے گولڈسٹون پورٹ کی توثیق کر کے اسرائیل کو مجرم ثابت کر دیا ہے۔ حماس نے اس رپورٹ پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل اقوام متحدہ کے تحقیقاتی کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اس لئے گولڈسٹون رپورٹ کی اس تجویز پر عمل کو یقینی بنانا چاہئے، جس میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو تجویز کیا گیا تھا کہ غزہ میں جنگ کی جرائم کی قابل قدر تحقیقات میں ناکامی کے بعد معاملہ مزید کارروائی کے لئے ہیگ میں قائم بین الاقوامی فوجداری عدالت کو بھیج دیا جائے۔

❖♦❖

حال ہی میں ریوٹ انسٹی ٹیوٹ کی ایک رپورٹ میں عالمی سطح پر اسرائیل کے منفی تاثر اور اس کی پالیسیوں پر تنقید کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تل ابیب سے تعلق رکھنے والے سکیورٹی اور سوشیو اکنامک تھنک ٹینک نے وزراء کو اس مسئلے سے سنجیدگی کے ساتھ نبٹنے کیلئے کہا ہے۔

اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عالمی سطح پر اسرائیل کے وقار کو کافی دھچکا لگا ہے۔ دنیا بھر میں اسرائیل مخالف مہم میں اضافہ ہو رہا ہے جو کہ صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی زور و شور سے جاری ہے۔ جب اسرائیلی ایتھلیٹ باہر کے ممالک میں مقابلے کے لئے جاتے ہیں تو انہیں اسرائیل مخالف مظاہروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ اب یورپ میں بھی اسرائیل کی مصنوعات کے بائیکاٹ کا رجحان فروغ پا رہا ہے اور اسرائیلی رہنماؤں کو لندن دورہ کے دوران گرفتاری کی دھمکیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

اس تھنک ٹینک کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے خلاف دنیا بھر میں بڑے پیمانے پر حکومتی مہم چلائی

جا رہی ہے۔ اسرائیل کی شخصیات اور اداروں دونوں کے گرد اس کا جال بنا جا رہا ہے۔ یہ دائرہ کار اب یورپی ممالک تک پھیلتا جا رہا ہے۔ رپورٹ نے اس نیٹ ورک میں لندن، برسلز، مرڈ، یورنٹو، سان فرانسسکو، برکلے، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کو بھی شامل کیا ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل کی کردار کشی کرنے والوں میں نوجوان، انارکی، تارکین وطن اور نسل پرست سیاسی متحرکین شامل ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد زیادہ تو نہیں ہے، مگر ان کی چلائی ہوئی مہم بہت تاثر انگیز ہے۔ یہ عوامی مہمات اور میڈیا کوریج کے ذریعے اسرائیل کے خلاف منفی تاثر ابھارنے کا اہم ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ افراد اسرائیل کی پالیسیوں پر تنقید کرنے والے عالمی اداروں کے ساتھ بھی مکمل تعاون کرتے ہیں۔ ایمنسٹی اور ہیومن رائٹس واچ جیسے اداروں کے ساتھ تعاون واضح مثال ہے۔

یہ یورپ میں متحرک فلسطینی گروہوں کو بھی ان اداروں سے رجوع کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس نیٹ ورک میں اکثریت میں فلسطینی، عرب یا مسلمان نہیں بلکہ یورپین اور شمالی امریکہ کے بائیں بازو کے کارکن شامل ہیں، جو کہ اسرائیل کو ایک قابض اور جابر ریاست تصور کرتے ہیں۔ یہ نیٹ ورک اس لڑائی کو جنوبی افریقہ کے کامیاب ماڈل کی طرز پر دیکھتا ہے۔ یہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اسے ایک ریاستی ماڈل کے طور پر قائم کیا جا سکتا ہے۔ رپورٹ کا کہنا ہے کہ یہ اس نیٹ ورک میں شامل تمام گروپ علامات اور ہیروز کو پیش کرتے ہیں جیسا کہ فلسطینی لڑکے محمود الدرا امریکن امن سرگرم ممبر ریچل کورے اور مشترکہ اجلاس جیسا کہ ڈربن کانفرنس لندن میں اسرائیلی سفیر رون پروسر کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے سفیروں کو اس نیٹ ورک کو توڑنے میں کافی مشکلات کا سامنا ہے، کیونکہ اس میں مسلم طبقہ بائیں بازو کے نسل پرست، بااثر شخصیات، انگلش بولنے والے ماہرین اور لندن سے تعلیم یافتہ بین الاقوامی یونیورسٹی سنٹرز کے اراکین شامل ہیں۔

رون پروسر برطانوی میڈیا اور یونیورسٹی کے سیمینار میں شرکت کرتے رہتے ہیں، جن کا بنیادی مقصد اسرائیل کے متعلق پھیلائے گئے منفی تاثر کا خاتمہ ہے۔ پروسر کا اکثر و بیشتر اسرائیلی عوام کو کہنا ہے کہ وہ اپنے سماجی دائرہ کار کو بڑھائیں۔ ریوٹ نے اپنی رپورٹ میں اسرائیل کو اپنے منفی تاثر کو زائل کرنے میں ناکام قرار دیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اسرائیل انتظامیہ سفارتی سطح پر توجہ دینے کے بجائے فوجی انداز سے حل پر زور دیتی ہے۔ اس رپورٹ میں اسرائیل کی وزارت خارجہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ وزارت خارجہ اس صدی کے چیلنجز سے نبٹنے کیلئے تیار نہیں۔ ان کے پاس نہ تو بجٹ ہے اور نہ ہی مناسب سفارتی تربیت، جو کہ اس طرح کے مسائل سے نبٹنے میں مددگار ہو۔

ریوٹ تھنک ٹینک نے اسرائیلی قیادت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ نیٹ ورک کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنا خصوص نیٹ ورک تیار کرے، جس میں اسرائیلی سفارت خانوں کا کردار فرنٹ پوزیشن پر ہو۔ انٹیلی جنس سروس اس نیٹ ورک کے تحت قائم کیے گئے اداروں کی نگرانی کرے اور ان کے کام کرنے کے طریق کار کو چیک کرے۔ کابینہ کو بھی اسرائیل مخالف گروپوں کی حکومتی مہم کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور اس کا توڑ مذمت یا مسخ کرنے کی پالیسی پر ہی استوار ہونا چاہئے، جیسا کہ واشنگٹن میں اسرائیل کی ایمبیسی بائیں بازو کی لابی جے سٹریٹ کا کرتی ہے، کیونکہ بائیکاٹ سے وہ لوگ اسرائیل کی مذمت یا کردار کشی کرنے والی ٹیم کا حصہ بن جاتے ہیں، جو کہ اسرائیل کے لئے مزید مسائل کا باعث بنتا ہے۔

ریوٹ تھنک ٹینک نے تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی رپورٹ تیار کی ہے کہ اسرائیل کی پالیسیوں پر مسلسل تنقید اب عالمی سطح پر فروغ پذیر ہے، جس میں کسی جھوٹ کا عنصر نہیں پایا جاتا، بلکہ اسرائیل کا اپنا کیا دھرا ہی ہے، جو کہ سامنے آ رہا ہے۔ اسرائیل کا جارحانہ رویہ اور اس کی پالیسیاں دنیا کی نگاہوں سے ڈھکی چھپی نہیں۔ سچ کب تک چھپایا جا سکتا ہے۔ اسرائیل کی ڈھٹائی نے عالمی اداروں کو بولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یورپی یونین، برطانیہ، گولڈسٹون، رپورٹ غزہ جنگی جرائم، تحقیقات اب اسرائیل کے دوست بھی اس کے خلاف زبان کھولنے لگے ہیں۔

اس سلسلے میں اسرائیل کے خلاف مختلف اداروں اور شخصیات کی جانب سے بیانات یا آراء کو سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسرائیل جائز تنقید سے کسی طور پر اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔ فلسطین میں انسانی حقوق کی صورتحال کے لئے اقوام متحدہ کے خصوصی مندوب رجرڈ فاک کا بیان بھی قابل غور ہے، جو کہ انہوں نے حال ہی میں دیا، جس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ غزہ کا محاصرہ ختم کرانے کیلئے اسرائیل کو اقتصادی پابندیوں کی دھمکی دی جائے۔ اقوام متحدہ ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسرائیل سفارت کاری کی زبان نہیں سمجھتا اور وہ غزہ میں تباہ کن جنگی کارروائی کے بعد وہاں کے 15 لاکھ مکینوں کی روزمرہ زندگی کو معمول پر لانے کی اجازت نہیں دے رہا چونکہ اسرائیل غزہ کے محاصرہ کو سفارتکاری کے ذریعہ ختم کرانے کی کوششوں کو محاصرہ جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی تصور کر رہا ہے۔ اس لئے سفارتکاری کے بجائے سخت اقتصادی پابندیوں کی دھمکیاں ہی اس پر کارگر ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ غزہ کے محاصرے کو سیاسی طریقوں سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اسرائیلی حکام نے اس سلسلہ میں مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کے چار فریقوں اقوام متحدہ یورپی یونین، امریکہ اور روس کی طرف سے متعدد بار کی گئی اپیلوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ غزہ میں کام کرنے

والے اقوام متحدہ کے امدادی ادارے یواین ریلیف اینڈ ورکس ایجنسی پیلسٹائن ریفیوجیز (یواین آر ڈبلیو اے) کی طرف سے جاری کردہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ غزہ میں 22 روزہ اسرائیلی فوجی کارروائی کے دوران 60 ہزار گھروں کو نقصان پہنچا۔ یواین آر ڈبلیو اے کے ترجمان کرس گنز نے بتایا کہ اسرائیلی حکام کسی بھی قسم کے تعمیراتی سامان کو غزہ میں لانے کی اجازت نہیں دے رہا۔ اس لئے ان مکانوں کی تعمیرنو مرمت یا مرمت ابھی تک نہیں ہو سکی۔ اسرائیلی محاصرے نے غزہ کے مکینوں کو پتھر کے دور سے بھی پہلے مٹی کے دور میں پہنچا دیا ہے۔

یورپ میں یہودیوں کی تنظیم نے غزہ کے خلاف اسرائیلی جارحیت کے حوالے سے صیہونی رہنماؤں کو عدالت کے کٹہرے میں لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ سویڈن میں یورپی یہودیوں کی امن کے حوالے سے قائم تنظیم کے سربراہ فیلر نے غزہ جنگ کے ایک سال مکمل ہونے کے حوالے سے بیان میں فلسطینیوں سے اظہار یکجہتی کیا ہے۔ ایک اور واقعہ بھی اسرائیل پر تنقید کے سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ سابق اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ کے امریکہ میں آمد پر ان کے خلاف شکاگو میں شدید احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ مظاہروں کا اہتمام امریکہ میں مقیم فلسطینی، عرب، مسلمان شہریوں اور انسانی حقوق تنظیموں نے کیا تھا۔ اس احتجاجی مظاہرے میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ مظاہرین کے ہاتھ میں کارڈز اور بینرز پر لکھا تھا۔ "ایہود اولمرٹ جنگی مجرم" مظاہرین نے ایہود کے خلاف زبردست نعرے بازی کرتے ہوئے انہیں امریکہ سے نکل جانے کو کہا۔ شکاگو یونیورسٹی میں مظاہرین نے یونیورسٹی ہال میں ایہود کو پکڑنے کی کوشش کی، تاکہ ان کو گرفتار کیا جائے۔ سابق اسرائیلی وزیراعظم امریکی دورے کے دوران شکاگو یونیورسٹی میں دنیا میں قیام امن کے موضوع پر تقریر کر رہے تھے۔ ایک طالب علم نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ایہود خود ایک جنگی مجرم ہیں۔ ان کی اصل جگہ شکاگو یونیورسٹی نہیں، بلکہ انہیں عالمی عدالت انصاف میں جانا چاہئے اور ثابت کریں کہ ان کا مفہوم کیا ہے؟ کیلیفورنیا میں سان فرانسسکو شہر میں بھی ان کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے گئے، جو کہ اسرائیل پر تنقید کے زمرے میں آتے ہیں۔

"ایمنسٹی انٹرنیشنل" انسانی حقوق کی تنظیم نے اپنی رپورٹ میں واضح الفاظ میں اسرائیل پر الزام لگایا ہے کہ اسرائیل فلسطینیوں کو صاف پانی تک رسائی میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کا کہنا ہے کہ پانی تک رسائی سے متعلق اسرائیلی پابندیاں مقبوضہ عرب اردن میں فلسطینیوں کے خلاف امتیازی سلوک پر مبنی ہیں۔ تنظیم کا کہنا ہے کہ غزہ میں مسلسل محاصرے نے آب رسانی اور سیوریج کے نظام کو بحرانی مقام پر پہنچا دیا ہے۔ فلسطینیوں کو روزانہ 20 لٹر پانی ملتا ہے، جو ہنگامی حالات میں سفارش کردہ کم از کم مقدار ہے۔ اسرائیل نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کی امن

رپورٹ کو غلط قرار دیا ہے۔ صرف انسانی حقوق کی تنظیمیں ہی نہیں بلکہ بی بی سی نے بھی ایسی رپورٹس جاری کی ہیں، جن میں اسرائیل کے مظالم کا پول کھولا گیا اور مظلوم فلسطینیوں کی حالت زار کو بیان کیا گیا ہے۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق بیروت شہر کے مرکزی حصہ سے جنوبی مضافات میں قائم شاتیلا کیمپ پہنچنے میں مشکل سے 20 منٹ لگتے ہیں۔ ایک بار آپ پناہ گزین کیمپ میں داخل ہو جائیں تو بیروت اور اس جگہ کے درمیان زمین آسمان کا فرق لگتا ہے۔ شاتیلا کیمپ میں بنیادی طور پر کچی پکی تین چار منزلہ عمارتوں میں 15 ہزار کے لگ بھگ لوگ رہتے ہیں۔ یہاں کے تعلیم یافتہ نوجوان ڈھنگ کی ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ بجلی کا بحران، صاف پانی کی قلت، شاتیلا کیمپ میں بے وطن فلسطینیوں کی یہ تیسری نسل ہے جو اس امید کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہے کہ ایک دن انہیں اپنے بڑوں کی سرزمین پر واپسی کا حق ضرور ملے گا۔

یورپی یونین نے بھی گزشتہ مہینوں میں اسرائیل کو اپنی جارحیت روکنے کا مشورہ دیا۔ اسرائیل نے یورپی یونین کا غزہ کے جنگی جرائم پر مبنی رپورٹ کی تائید کا سخت برا منایا اور یورپی یونین کو دھمکیاں دیں کہ اگر اس نے غزہ میں اسرائیلی جنگی جرائم کے حوالے سے اقوام متحدہ رپورٹ کی حمایت ترک نہ کی، تو اسے افغانستان اور عراق میں اپنی کارروائیوں پر مشکل صورتحال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اسرائیلی اخبار "ہارٹز" نے اسرائیلی عہدے دار کا نام لئے بغیر یہ بیان شائع کیا کہ اگر برطانیہ نے غزہ میں تحقیقات کرنے والے گولڈسٹون کی تجاویز کی حمایت ترک نہ کی تو وہ بھی جوابی طور پر افغانستان اور عراق میں برطانوی کارروائی کو سامنے لا کر اس کے ہاتھ باندھ دے گا۔ اقوام متحدہ میں برطانوی سفیر نے گولڈسٹون رپورٹ کے بہت سے حصوں کو درست قرار دیا تھا، جن میں اسرائیلی جنگی جرائم کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اسرائیل پر آج جو تنقید ہو رہی ہے، وہ دراصل اس کی اپنی حرکتوں کا نتیجہ ہے۔ لبنان، اسرائیل اور فلسطین کے دورے پر آنے والے بلجیم کے وزیر چارلس مچل کو اسرائیل نے غزہ میں داخلے سے روک دیا، جس پر بلجیم کے وزیر برائے عالمی ترقی نے کہا کہ انہیں غزہ جانے سے روکنا درست نہیں، کیونکہ ان کا ملک وہاں متعدد منصوبوں پر کام کر رہا ہے۔ اسرائیل کے رویہ نے ہی اسے دنیا میں تنقید کا نشانہ بنا دیا ہے۔ اسرائیل کے مشرقی بیت المقدس میں نئے تعمیراتی منصوبوں کی بھی امریکہ، یورپی یونین نے شدید مذمت کی مگر اسرائیل نے پروانہ کرتے ہوئے منصوبہ پر کام جاری رکھا۔ اسرائیل نے 1967ء میں مشرقی بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا، بعد میں اسے اپنا حصہ قرار دے دیا تا ہم عالمی برادری نے اس الحاق کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

غزہ میں اسرائیلی دہشت گردی پر تنقید میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ احتجاجی جلوس، حقوق انسانی تنظیموں کی رپورٹس، خبریں، احتجاج سب اسرائیل کے مظالم کے باعث رونما ہو رہے ہیں جس پر قابو پانے کے لئے اسرائیل کا رویہ مفاہمتی ہونے کے بجائے مزید جارحانہ ہوتا جا رہا ہے۔

❖♦❖

غزہ کے علاقے میں جس وقت اسرائیلی صیہونی جنگی طیارے اور ہیلی کاپٹر میزائلوں کے ذریعے نہتے فلسطینیوں کو خاک اور خون میں لوٹا رہے تھے معصوم فلسطینی بچے، عورتیں اور دیگر افراد موت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ اس وقت عالمی دہشت گردی کا بیس کیمپ اقوام متحدہ خاموش تھا۔ عالمی سطح پر انسانیت کے ساتھ ایک مرتبہ پھر مذاق شروع کر دیا گیا، جو کچھ اس طرح تھا کہ ان حملوں کے فوراً بعد امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس کا بیان سامنے آتا ہے، جس میں وہ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی ختم کرنے کی ذمہ داری حماس پر ڈالتی ہیں۔ کیا فلسطین اور حماس دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طویل عرصے بعد اب عالمی صیہونی مقاصد کے لئے ایک اور نئی اصطلاح ”نان اسٹیٹ ایکٹر“ تواتر سے سامنے لائی جا رہی ہے۔ حماس کو بھی نان اسٹیٹ ایکٹر قرار دینے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ پھر فلسطین کون ہے؟ کیا صیہونیت نواز بہائی عقیدے کا حامل کٹھ پتلی محمود عباس جس کا کردار فلسطین میں کسی افغان کرزئی سے کم نہیں ہے، جس نے یاسر عرفات کے سازشی قتل کے بعد الفتح پر قبضہ جمایا اور مقبوضہ فلسطین کی سب سے بڑی اسلامی تحریک اور آزادی فلسطین کی واحد داعی ”حماس“ کی مخبریاں شروع کر دیں۔ الفتح کو عملاً اسرائیلی موساد کا ایک یونٹ بنا دینے والے محمود عباس اور الفتح کے سکیورٹی چیف محمود دحلان نے لاکھوں ڈالر کے عوض قضیہ فلسطین کو صیہونیوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔

غزہ پر اسرائیلی دہشت گردی کا منصوبہ بہت پہلے بنا لیا گیا تھا۔ اس لئے بہت پہلے سے غزہ کا محاصرہ کر کے اسے ہر قسم کی سپلائی روک دی گئی تھی اور اس حوالے سے حماس کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا تھا کہ اس کی جانب سے کارروائیوں کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد غزہ میں محصور فلسطینیوں کیلئے غذا، دوائیوں اور تیل کی سپلائی بند کر دی گئی تا کہ یہاں سے کوئی بڑا ردعمل سامنے آ سکے اور اسے بہانہ بنا کر صیہونی دہشت گردی کیلئے عالمی جواز گھڑا جا سکے۔ اس سارے ڈرامے میں نام نہاد فلسطینی اتھارٹی اور الفتح نے انتہائی شرمناک کردار ادا کیا اور بین الاقوامی فورم پر اسرائیل کی اس کارروائی کے خلاف آواز تک بلند نہ کی۔ یوں اسرائیل اور حماس کے درمیان ایک مرتبہ پھر سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ ایسا اس لئے بھی کیا جا رہا تھا کہ عنقریب اسرائیل میں ہونے والے انتخابات میں انتہا پسند صیہونیوں کو کامیابی حاصل کرنے کیلئے وقت مل جائے۔ یہی وجہ ہے

کہ غزہ پر حملے کے فوراً بعد اسرائیلی انتخابات لڑنے والی تمام جماعتوں نے ”انتخابات مؤخر“ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان میں سب سے پہلی صیہونی دہشت گرد وزیر دفاع ایہود باراک کی جماعت نے کی۔ ایہود باراک کے دفتر سے جاری ہونے والے اعلامئے میں کہا گیا ہے کہ ”چونکہ ملک کے جنوبی حصے میں جنگی کیفیت پیدا ہو چکی ہے، اس لئے وزیر دفاع کا انتخابی عمل سے زیادہ جنگی سرگرمیوں پر توجہ دینا زیادہ ضروری ہے۔“

عالم عرب کے سفارتی ذرائع کے مطابق مصری انٹیلی جنس چیف بریگیڈیئر عمرو سلیمان نے علاقے کی اہم عرب حکومتوں کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ اسرائیل غزہ کے علاقے پر محدود حملہ کرنے جا رہا ہے تا کہ حماس پر جنگ بندی کیلئے دباؤ ڈالا جا سکے اور اسرائیلی فارمولے کے تحت اسے غیر مشروط کی جانب راغب کیا جا سکے۔ عرب ذرائع کے مطابق مصری انٹیلی جنس کے سربراہ عمرو سلیمان نے اسرائیلی وزیر خارجہ تسیبی لیفینی پر زور دیا تھا کہ اسرائیلی حملے میں فلسطینی شہریوں کی بڑی تعداد ہلاک ہو سکتی ہے اور بعد میں ان شہداء کی تصاویر عرب دارالحکومتوں کی سڑکوں پر عرب میں آگ لگا سکتی ہیں۔ حماس کے قریبی ذرائع نے ڈاکٹر محمود الزہار کے حوالے سے خبر دی ہے کہ مصر نے حملے سے ایک رات قبل حماس کی قیادت کو یقین دلایا تھا کہ اسرائیل مذاکرات کیلئے راضی ہے اور قاہرہ کی مرضی کے بغیر وہ غزہ کے علاقے پر حملہ نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ جب حماس کو اپنے ذرائع سے اسرائیلی حملے کے حوالے سے چوکس رہنے کی اطلاعات موصول ہوئیں تو مصری حکام انہیں یقین دلا رہے تھے کہ ہفتے کا دن اسرائیل میں مذہبی عبادات کیلئے چھٹی کا دن ہوتا ہے، اس لئے اس دن حملہ نہیں ہوگا، لیکن اس کے باوجود حماس نے غزہ میں موجود اپنے زیر انتظام وزارت داخلہ کی عمارات میں سے اہم افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل ہونے کا اشارہ دے دیا تھا۔

اسرائیلی حملے کے حوالے سے حماس کے قریبی ذرائع نے ڈاکٹر الزھار کے حوالے سے خبر دی ہے کہ مصر اسرائیلی حملے میں حماس کو دھوکہ دینے میں ملوث ہے۔ کیونکہ جمعرات کو قاہرہ میں اسرائیلی وزیر خارجہ لیفینی اور حسنی مبارک کے درمیان ملاقات کے دوران اسرائیلی وزیر خارجہ نے کہا تھا کہ اسرائیل غزہ پر حملہ نہیں کرے گا، لیکن اسرائیل نے اپنی روایتی دہشت گردی کا ثبوت دیتے ہوئے غزہ کے علاقے پر حملہ کر دیا، جس کے جواب میں مغربی کنارے کے عرب فلسطینی علاقوں میں لوگوں نے اسرائیل اور اس کے عرب حلیفوں کے خلاف سخت مظاہرے شروع کر دیئے ہیں۔

عالم عرب میں اگر ایک طرف اسرائیل کے خلاف دوبارہ نفرت کا اظہار کیا جا رہا ہے، تو دوسری جانب عرب حکمرانوں پر بھی سخت تنقید کی جا رہی ہے، اور انہیں اسرائیلی حکمرانوں سے بھی زیادہ غاصب اور وطن فروش کہا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں مصرف صدر حسنی مبارک اور مصری انٹیلی

جنس کے سربراہ عمر وسلیمان کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ بعض عرب ذرائع کا دعویٰ ہے کہ مصری انٹیلی جنس چیف کی حیثیت سی آئی اے اور اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے زیر اثر رہ کر کام کرتا ہے، اس بات کو تقویت اس وجہ سے بھی ملتی ہے کہ خود مصر کا صدر حسنی مبارک عالم عرب کے عوام میں امریکہ کا سب سے بڑا ایجنٹ تصور کیا جاتا ہے، جس ملک کے صدر کی امریکہ نوازی کا یہ حال ہو، اس ملک کی خفیہ ایجنسی کے سربراہ سے کس قسم کے کردار کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس لئے عمر وسلیمان کا کردار اس حملے میں اتنا ہی تصور کیا جا رہا ہے، جتنا اس میں اسرائیلی دہشت گردوں کا ہے۔ جب معاملات یہاں تک پہنچ چکے ہوں تو عرب لیگ کا اجلاس اس سلسلے میں کیا کردار ادا کرے گا؟ عالم عرب کی عرب لیگ اور تمام عالم اسلام کی مشترکہ تنظیم او آئی سی اب تک کیا کرتے رہے ہیں۔ ان کی پچھلی تاریخ پر نگاہ دوڑائی جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ یہ تمام پلیٹ فارم اچھے مقاصد کیلئے تشکیل دیئے گئے تھے، لیکن بعد کے حکمرانوں نے انہیں اپنے عوام کو بے وقوف بنانے کیلئے استعمال کیا ہے۔ ان ہی پلیٹ فارموں کی آڑ میں مسلم امہ کے خلاف جنگی جرائم کا ارتکاب کیا جاتا رہا ہے۔ سلامتی کونسل جو عالمی کفن چوروں کا اڈا ہے، وہ اسرائیل پر جنگ بندی کی قرارداد منظور کر رہا ہے، لیکن اسرائیل کے سامنے اس کی اوقات کسی طور بھی ایک تابع فرمان ادارے سے زیادہ نہیں ہے۔ جس سلامتی کونسل کے صدر کو خود اسرائیل قتل کی دھمکی دے رہا ہو، اس قرارداد کو اسرائیل کیا وقعت دے گا؟

امریکہ اور اسرائیل کی دہشت گردی کا جواب امن مذاکرات میں نہیں بلکہ مسلح جدوجہد میں ہے۔ آج تک جن جن مسلم علاقوں میں جدوجہد کو چھوڑ کر مذاکرات کی بات کی گئی ہے وہاں امت مسلمہ نے ہمیشہ خسارہ اٹھایا ہے۔ مذاکرات کا نام دراصل عالمی صہیونی عزائم کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب تک فلسطینی صہیونی دہشت گرد ریاست کے خلاف مسلح جدوجہد کرتے رہے اس وقت تک اسرائیل اور اس کے مغربی اتحادی مشرق وسطیٰ میں اپنے شیطانی مقاصد حاصل نہیں کر سکے تھے، لیکن جیسے ہی یاسر عرفات کو مذاکرات کی میز کی سوجھی اس کے بعد سے مسئلہ فلسطین کھٹائی میں پڑا چلا گیا، بلکہ نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ بڑے بڑے عرب ممالک نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات کے حوالے سے سوچنا شروع کر دیا۔ مقبوضہ فلسطین کا حل صہیونی دہشت گردی سے نجات میں ہے اور یہ نجات صرف اور صرف مسلح جدوجہد میں ہی ہے۔ اس حوالے سے عراقی اور افغان مجاہدین کی مثال سب کے سامنے ہے۔ یہ افغان مجاہدین اور عراقی مجاہدین ہی ہیں، جنہوں نے امریکہ کو اقتصادی دیوالیہ تک پہنچا دیا ہے۔ فلسطین کے گرد واقع عرب ریاستیں جن میں مصر اور اردن قابل ذکر ہیں اگر صہیونی ایجنٹوں کے ہاتھوں میں نہ جا چکی ہوتیں

اور فلسطینی مجاہدین کو لاجسٹک سپورٹ مہیا ہوتی رہتی تو اسرائیل کبھی اتنی دیدہ دلیری سے معصوم فلسطینی شہریوں کو نشانہ نہ بناتا۔

❖◆❖

امریکی انتظامیہ کے یہودی تعمیرات کے حوالے سے سخت بیانات سامنے آنے پر یہ تاثر لیا جا رہا تھا کہ امریکی صدر بارک اوباما کی اسرائیل نواز پالیسی میں کچھ بدلاؤ آیا ہے، جسے تحریک آزادی فلسطین کے تناظر میں بجا طور پر مثبت قدم قرار جا رہا تھا، مگر اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کے دورہ امریکہ نے دونوں ممالک کی فلسطین کے متعلق دورخی پالیسی کو ایک بار پھر واضح کر دیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ فلسطین کے بارے میں اسرائیل کی پالیسی مکمل طور پر امریکی حمایت یافتہ ہے، جس کا اعادہ متعدد بار امریکی صدر اور خارجہ سیکرٹری ہیلری کلنٹن نے کیا ہے۔

تجزیہ نگاروں کے مطابق اس بات کا یقین ضروری ہے کہ اوباما اسرائیل کے سامنے بے بس ہیں یا پھر اوباما اسرائیل کے با اعتماد دوست ہیں۔ ایک مسلمان کی اولاد ہونے کے ناطے اوباما کے عہدہ صدارت پر بیٹھنے کے بعد اسرائیلی انتظامیہ نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اوباما یہودیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی حمایت کریں گے جبکہ اوباما نے اپنے انتخابی عمل کے دوران ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ نہ صرف اچھے تعلقات کا تسلسل جاری رکھیں گے، بلکہ بش کی پالیسیوں کو لے کر آگے بڑھیں گے۔ اوباما نے اسرائیلیوں کے اچھے دوست ہونے اور مربی ہونے کا کردار بہ حسن وخوبی ادا کیا ہے۔ یہ اسرائیل کی واضح اور کھلی حمایت کی یقین دہانی ہی تھی کہ امریکی صہیونیوں کی تنظیم کے 78 فیصد افراد نے جان میک کین کے بجائے بارک حسین اوباما کو ووٹ دیا۔ بعد ازاں بارک اوباما نے وائٹ ہاؤس کے چیف آف سٹاف کے عہدے کے لئے مسلمانوں کے کٹر دشمن راہم ایمانوئل کو منتخب کر کے ہر طرح کے خدشات کو ختم کر دیا۔ راہم ایمانوئل اسرائیلی شدت پسند رہنما ڈاکٹر بنجمن ایمانوئل کے صاحبزادے ہیں۔

اوباما نے اپنے قریبی عہدے داروں اور مشیروں کے لئے صہیونیوں کا انتخاب کر کے اپنی اسرائیل نوازی کا پورا ثبوت دیا۔ حتیٰ کہ اوباما کے نمائندے ڈینس روز نے میڈیا کے نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ بارک حسین اوباما اپنے انتخاب سے قبل یقین دہانی کروا چکے ہیں کہ وہ غزہ سے لے کر تہران تک اسرائیل کا تحفظ کریں گے۔ یہودی تنظیموں کے قریب رہنے والے بارک اوباما نے اگر یہودی تعمیرات کے حوالے سے کچھ سخت بیانات دے دیئے ہیں تو ان کو امریکی پالیسی کی تبدیلی یا اسرائیلی مخالفت سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی اسے وقتی ناراضگی کہا جا سکتا ہے۔ درحقیقت یہ امریکہ کی منافقانہ اور دوہری پالیسیوں کا حصہ ہے کہ وہ اسرائیل کی

حمایت میں عربوں کو ناراض نہیں کرسکتا۔ امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے عرب ممالک امریکہ کی ضرورت ہیں مگر اس کی بنا پر وہ اپنی ہی اولاد اسرائیل کو عربوں کے سامنے نہیں جھکا سکتا۔

یہ امریکہ ہی ہے کہ جس نے عین عرب ممالک کے وسط میں لا کر یہودیوں کو آباد کیا تا کہ مسلمان کمزور رہیں اور اسرائیل جیسے ممالک کی چیرہ دستیاں عرب ریاستوں کو کبھی اٹھنے یا ایٹمی قوت بننے نہ دیں۔ امریکہ اور اسرائیل کی دوستیاں مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار ہیں۔ ان دوستیوں کی بنیاد عرب مخالفت سے استوار ہوتی ہے اور مسلمانوں کے وجود کے خاتمہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

اسرائیل کی حمایت میں اوباما سابق صدر بش سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ اوباما کی زبان سے عربوں یا فلسطینیوں کی حمایت میں کچھ بیانات کے نکل آنے سے یہ سمجھنا خام خیالی ہے کہ وہ ماضی سے ہٹ کر نئے ایجنڈے یا نئی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں یا مسئلہ فلسطین کے معاملے پر غیر جانبداری کے اصولوں پر چل رہے ہیں۔ 1967ء سے 1970ء تک امریکی بحریہ میں آپریشن کے ذمہ دار اور 1970ء سے 1974ء تک کمانڈر ان چیف رہنے والے اڈمیرل تھامس مور بر کا کہنا ہے کہ کوئی بھی امریکی صدر اسرائیل کا مقابلہ کرنے کی ہمت و صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ سب کو پتہ ہے وہ یہ کہ وائٹ ہاؤس مکمل طور پر یہودی لابی کے قبضے میں ہے۔ جب امریکی خارجہ پالیسی کو کنٹرول کرنے والی ہی صہیونی لابی ہو تو پھر کسی امریکی صدر سے مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے فلسطینیوں کی خواہش کا احترام کر... [illegible] قع بے جا ہے۔

اوباما نے اسرائیل نوازی کا ثبوت ایک بار نہیں متعدد بار دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے سٹیج پر برملا نیتن یاہو کی تعریف کرتے ہوئے امریکہ اور اسرائیل کی دوستی کو عظیم اور قابل فخر سرمایہ قرار دیا۔ اسرائیل کے ساتھ سچی اور پکی دوستی کے دعوے دار کس طرح یہودی تعمیرات، مسجد اقصیٰ اور دیگر اقدامات پر دل سے اسرائیل کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی ذی شعور امریکہ کے ظاہری رویوں کو اسرائیل کی مخالفت پر محمول نہیں کر سکتا۔ امریکی تنقید کے باوجود کالونیوں کی تعمیر و توسیع کے کام کا جاری رہنا اندر کی ساری کہانی کا بھید کھول دیتا ہے۔ امریکہ نے پہلے پہل تو یہی کوشش کی کہ وہ عربوں کی یہودی تعمیرات کے باوجود بھی امن مذاکرات کا حصہ بننے پر آمادہ کرے تا کہ اسرائیل کے لئے خطے میں مکمل طور پر امن و سکون کی فضا پنپ سکے اور وہ حماس سے لاپروا ہو کر لبنان کی حزب اللہ یا ایران سے مقابلہ کر سکے۔

اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کا امریکہ کا تین روزہ دورہ دونوں ممالک کے تعلقات کی

وضاحت کرتا ہے۔ یہ دورہ ایک ایسے وقت میں ہوا، جب یہودی بستیوں کے حوالے سے دونوں ملکوں کے درمیان تناؤ کی کیفیت نے جنم لیا۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو کے دورے کے موقع پر یہودی بستیوں میں اضافہ کی پالیسی کی مخالفت کرتے ہوئے قیام امن کے لئے اسے مشکل راستہ قرار دیا۔ ہلیری نے واشنگٹن میں اسرائیلی لابی گروپ ''اے آئی پی اے سی'' سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے لئے اسرائیل کے سامنے مشکل راستے ہیں لیکن یہ اہم بھی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس ضمن میں نیتن یاہو کو اعتماد کی بحالی کے لئے اقدامات کا ایک واضح خاکہ پیش کرنا ہوگا۔ مشرقی بیت المقدس یا مغربی کنارے میں نئی بستیوں کی تعمیر باہمی اعتماد کو نقصان پہنچائے گی اور ابتدائی مرحلے میں جاری بالواسطہ بات چیت کو باضابطہ مذاکرات تک نہیں پہنچنے دے گی، جو ان کے مطابق دونوں فریقین (اسرائیل اور فلسطین کی ضرورت ہے۔)''

اسرائیلی وزیر اعظم کے اعتماد کو دیکھ لیجئے کہ انہوں نے امریکہ کے دورے سے قبل ہی یہ کہہ دیا تھا کہ ان کا ملک بیت المقدس میں یہودی بستیوں کی تعمیر کو روکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اسرائیل اچھی طرح جانتا ہے کہ بیت المقدس پر فلسطینیوں کا حق ہے۔ عالمی سطح پر بھی بیت المقدس پر اسرائیل کی ملکیت کے دعوے کو تسلیم نہیں کیا جاتا، پھر بھی اسرائیل ہٹ دھرمی سے بیت المقدس کو ہتھیانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ اسرائیل بیت المقدس کے پورے علاقہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیتا ہے، جبکہ فلسطین مشرقی بیت المقدس کو مغربی کنارے اور غزہ پر مشتمل اپنی مستقبل کی ریاست کو دارالحکومت بنانا چاہتا ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے دورہ امریکہ کے موقع پر بجائے یہودی تعمیرات کے منصوبے سے پیچھے ہٹنے کے، وائٹ ہاؤس میں بات چیت کے بعد ایک بار پھر اس منصوبہ کو روبہ عمل لانے کا امکان ظاہر کرتے ہوئے یہاں تک دھمکی دی کہ اگر امریکہ نے نئی بستیوں کی تعمیر روکنے کے مطالبے کی تائید کی تو امن مذاکرات کو ایک سال کے لئے معطل کر دیا جائے گا۔

اسرائیلی وزیر اعظم نے امریکہ میں پہنچ کر یعنی امریکہ کے سر پر سوار ہو کر یہ اعلان کیا کہ بیت المقدس کوئی نئی بستی نہیں ہے۔ یہودی تین ہزار سال سے بیت المقدس میں مکان بناتے چلے آرہے ہیں اور آج بھی تیار بیٹھے ہیں۔ بیت المقدس کوئی نئی آبادی نہیں بلکہ ہمارا دارالحکومت ہے۔

مشرقی بیت المقدس کے نزدیک یہودیوں کے لئے 1600 مکانات کی تعمیر سے اسرائیل اور امریکہ کے درمیان بظاہر ٹکراؤ چل رہا ہے، جس کی وجہ سے امریکہ نے اسرائیل کو مذاکرات

کے تعطل یا خاتمے کا الزام بھی دیا، جسے کہ اسرائیلی وزیراعظم نے امریکہ میں اسرائیل نواز لابی گروپ سے خطاب کرتے ہوئے قطعی طور پر مسترد کردیا۔

ماہرین کے مطابق اسرائیلی وزیراعظم کا دورہ امریکہ دونوں کے درمیان تعلقات کو پھر سے مثبت اور خوشگوار سمت میں لانے کے لئے ترتیب دیا گیا۔ اس ضمن میں اسرائیلی وزیراعظم کی امریکہ کی یہودی لابی سے ملاقات دراصل امریکی انتظامیہ پر دباؤ ڈالنے کے مقصد سے تھی۔ اس موقع پر ہلیری کلنٹن کے بیان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، جس میں امریکی وزیرخارجہ نے واضح طور پر کہا کہ ''ہم چٹان کی طرح اسرائیل کے ساتھ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔'' حالانکہ اس بیان سے قبل امریکی یہودی لابی سے ہلیری کے خطاب کو اسرائیل کے لئے نصیحت آموز قرار دیا جارہا تھا، جس میں ہلیری نے اسرائیل کو سمجھاتے ہوئے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ ''جوں کا توں موقف تمام فریقین کے لئے ناقابل قبول ہے۔''

یہ صرف تشدد اور ناقابل تعبیر خواہشات کا موجب ہے۔ یہ امریکہ کا فرض ہے کہ وہ سچائی سے کہہ دے۔ ایک ایسے وقت جب اس کی ضرورت ہو۔ فلسطینیوں کے ساتھ تنازعات کے خاتمے کے لئے اسرائیل کے لئے اقدامات ضروری ہیں کیونکہ یہ چیز ایک محفوظ اور جمہوری یہودی مملکت کی حیثیت سے اسرائیل کے طویل معیادی مستقبل کے لئے خطرناک ہے۔ ہلیری نے یہ بھی کہا کہ امریکہ اسلام پسند فلسطینی گروپ حماس سے مطالبہ جاری رکھے گا کہ وہ مزاحمت کا راستہ ترک کرتے ہوئے اسرائیل کو تسلیم کرلے۔''

امریکہ نے ہمیشہ اسرائیل کی حمایت میں بیانات دیئے ہیں اور اقدامات اٹھائے ہیں۔ امریکہ کی اسرائیل نوازی کسی بھی شک وشبے سے بالاتر ہے، مگر اسرائیل نے امریکہ کی مہربانیوں کا احترام کرنا یا رائے پر عمل کرنا تو درکنار کبھی امریکہ کا جھوٹے منہ لحاظ رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس کا مظاہرہ حال ہی میں ایک بار پھر لگایا جاسکتا ہے، جب امریکی نائب صدر جوزف بائیڈن اسرائیل کے دورے پر تھے۔ اسرائیل نے یہودی تعمیرات روکنے کے امریکی مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے خاص طور پر بائیڈن کے دورہ میں 1600 نئے مکانات کی تعمیر کا اعلان کیا، جسے کہ ہلیری کلنٹن نے امریکی توہین قرار دیا۔ اس وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی اور تناؤ کی فضا نے جنم لیا۔

اسرائیل نے نئی یہودی بستیوں کی تعمیر روک دینے کے امریکی مطالبے کو بے جا دباؤ قرار دیا ہے۔ اسرائیل کے ایک سینئر کابینہ کے وزیر کا کہنا ہے کہ اوباما انتظامیہ نے یہودی نوآبادیاتی سرگرمی کو ختم کرنے کے لئے اسرائیل پر جو دباؤ ڈالا ہے، اس سے سخت گیر فلسطینی قائدین کے

حوصلے بلند ہوجائیں گے اور امن مساعی پر ناموافق اثرات مرتب ہوں گے۔'' امریکی بیانات صرف زبانی کلامی حد تک محدود ہیں۔ ان کے کھوکھلے ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسرائیل نے امریکہ کے ساتھ کشیدگی دور کرنے کے بجائے اس کی دھمکیاں دینا شروع کر دی ہیں اور امریکہ اسرائیل تعلقات کے لئے سنگین خطرہ قرار دیا ہے۔ جب کبھی امریکہ نے فلسطینیوں کے موقف میں آواز اٹھائی ہے۔ اسرائیل نے اسے ساتھ ہی انتباہ دے دیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کی حمایت سے باز رہے ورنہ وہ اپنے قریبی دوست اسرائیل کو کھو دے گا۔ اسرائیل کی ناراضگی مول لینا امریکہ کے بس کا روگ بھی نہیں، کیونکہ امریکی انتظامیہ کے تمام پرزے صہیونی لابی کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ اقتدار سے لے کر امریکی اداروں تک کو کنٹرول کرنے والی صہیونی لابی جب چاہے امریکہ کا تیاپانچہ کرسکتی ہے۔ اگر عرب ممالک امریکہ کی قیادت میں ہونے والے امن مذاکرات کا بائیکاٹ نہ کرتے، تو اس بات کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا کہ امریکہ اسرائیل پر تنقید کرے اور اس کے رویے کو قابل احتساب ٹھہرائے۔

امریکی قاصد جارج مچل نے بھی مذاکرات کو بچانے کے لئے اسرائیل اور فلسطینیوں کو تحمل سے کام لینے کی ہدایت کی ہے۔ مچل نے عمان میں فلسطینی صدر محمود عباس کے ساتھ بات چیت کے بعد کہا'' امریکہ اور صدر کی جانب سے میں تمام فریقین پر زور دیتا ہوں کہ وہ صبر وسکون سے کام لیں۔ اس وقت تحمل اور خاموشی کے ایک دور کی ضرورت ہے، جس میں ہم ان کوششوں کو آگے بڑھاسکتے ہیں، جن میں ہم مشغول ہیں۔ بالواسطہ مذاکرات کا بہت جلد دونوں فریقین کے درمیان آغاز ہوگا۔ اس سلسلہ میں گزشتہ 15 ماہ سے کوششیں جاری ہیں۔ یہ مذاکرات ایک ایسے طریقے پر ہوں گے، جس سے ہم یہ امید باندھ سکتے ہیں کہ یہ راست مذاکرات کا سبب بنیں گے۔''

اسرائیل کے جارحانہ رویے اور ہٹ دھرمی نے محمود عباس کو بھی اسرائیل سے کسی حد تک برگشتہ کردیا ہے، جس کا اندازہ الفتح کے بیانات سے ہوتا رہتا ہے۔ یہودی تعمیرات کے حوالے سے محمود عباس نے بھی اسرائیل کو یہی جتلایا ہے کہ جب تک وہ بستیوں کی تعمیرات نہیں روکے گا، اس وقت تک اس سے مذاکرات نہیں کیے جائیں گے۔ فلسطینی خبررساں ادارے رفا نے عباس کے حوالے سے اسرائیلیوں کو واضح کیا بلکہ انتباہ دیا۔'' اس چیز کے لئے زبردستی کریں جو وہ نہیں چاہتے۔'' اوباما نیتن ملاقات مشرق وسطیٰ امن مساعی کے سلسلہ میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کرسکی۔ نیتن یاہو نے اوباما سے ملاقات سے قبل امریکی قانون سازوں سے بات چیت کرتے ہوئے امن مذکرات میں تعطل کا ذمہ دار فلسطینیوں کے مطالبات کو ٹھہرایا۔ بالخصوص یہودی تعمیرات روکنے کے مطالبے کو۔ نیتن یاہو نے ایوان نمائندگان کے ڈپٹی سپیکر نینسی پلوسی اور

کانگریس کے دیگر قائدین کے ساتھ ملاقات میں کہا کہ یہودی تعمیرات روکنے کا مطالبہ غیر واجبی ہے اور ہمیں اس نامعقول مطالبے کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔ مذاکرات کے لئے یہودی تعمیرات روک دینے کی شرط کی وجہ سے ہم مذاکرات کے لئے ایک اور سال کھو دیں گے اور ایک سال کی تاخیر ہوگی۔''

مذاکرات کے تعطل کیلئے فلسطینیوں کو الزام دینے پر فلسطینی عہدے داروں کا کہنا ہے کہ مذاکرات کو مؤخر کرنا فلسطینیوں کی نہیں بلکہ نیتن یاہو کی پالیسی ہے۔ اسرائیلی انتظامیہ کی ضد کی وجہ سے ہی یہ معرض التواء میں ہیں۔ اسرائیل نے ایک طرف مسجد اقصیٰ کے خلاف سازشوں کا سلسلہ چھیڑ رکھا ہے۔ دوسری طرف یہودی تعمیرات میں اضافے کا قدم بھی اٹھا لیا ہے۔ اسرائیل کے جارحانہ اقدامات کے باعث غزہ میں تشدد اور جھڑپوں کا سلسلہ جاری ہے۔ غزہ میں بمباری سے فلسطینیوں، کی شہادت کا سلسلہ جاری ہے۔ صہیونی فوج کی فائرنگ سے 6 فلسطینی زخمی اور ایک شہید ہوگیا جبکہ ایک دوسرے واقعہ میں صہیونی فوج کی فائرنگ سے ایک بچے کی پیٹھ میں گولیاں لگیں، جس کے باعث وہ شدید زخمی حالت میں ہسپتال میں داخل ہے۔

غرضیکہ مقبوضہ بیت المقدس کے بارے میں اسرائیل کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ یہ پالیسی بدستور وہی ہے، جو کہ گزشتہ 42 برسوں میں اس کی تمام حکومتوں نے اپنائے رکھی۔ اسرائیل کے بیت المقدس کو یہودی ورثہ قرار دے کر ہتھیانے، مسجد اقصیٰ کے خلاف سازشوں اور یہودی تعمیرات کو جاری رکھنے کے اقدامات سے امن کوششوں کو شدید دھچکا لگا ہے۔ اسرائیل نے الاقصیٰ کمپاؤنڈ میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی ہیں اور یہ نہیں بتایا کہ یہ پابندیاں کب تک رہیں گی۔ اسرئیل کی سازشوں کے تحت نت نئے انکشافات نے عرب دنیا کو ٹھوس لائحہ عمل اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اسرائیل اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں، حالانکہ اس کا غیر مفاہمتی رویہ خود اس کے اپنے وجود کے لئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔

❖◆❖

حقوق انسانی کی پامالی پر دنیا بھر سے مذمت کا سامنا کرنے والے اسرائیل کو حماس کا وجود بری طرح کھٹک رہا ہے، کیونکہ اس کے خیال میں یہ حماس ہی ہے، جس کی وجہ سے اس کی ظالمانہ کارروائیاں اور سازشیں نہ صرف کھل کر دنیا کے سامنے آ رہی ہیں، بلکہ عالم اُمہ بیت المقدس کے دفاع کے لئے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی ضرورت محسوس کرنے لگی ہے۔ حماس کے خلاف اسرائیل کی کارروائیوں میں اضافہ دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ صہیونی قیادت ہاتھ دھو کر حماس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور اس کے وجود کے خاتمہ پر تلی ہوئی ہے، کیونکہ حماس واحد مزاحمتی تحریک

ہے، جس نے اپنے اثر درسوخ سے خود کو فلسطین کی واحد نمائندہ جماعت ثابت کر دیا ہے۔

دبئی میں حماس رہنما کے قتل پر اسرائیل کی ساکھ عالمی سطح پر متاثر ہوئی ہے اور اسے یورپی ممالک کی جانب سے تنقید کا بھی سامنا ہے، مگر اس کے باوجود اسرائیل حماس کے خلاف کارروائیوں سے باز نہیں آ رہا اور اس کے وجود کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔ حالیہ کارروائی میں اسرائیل کے جنگی جہازوں نے غزہ کی پٹی پر 13 فضائی حملے کیے۔ ان فضائی حملوں میں حماس کے عسکری شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی عمارتوں، ورکشاپوں، فارموں اور اسلحہ کے 4 کارخانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ غزہ میں ایک ڈاکٹر کے مطابق ان حملوں میں 4 بچوں کو جن میں ایک کمسن بھی شامل تھا، معمولی زخم آئے۔ اسرائیل کے نائب وزیراعظم سیلوا شالوم نے اس حملے کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ اگر اسرائیل کے خلاف راکٹ حملوں کا سلسلہ نہ روکا گیا تو ہم فوجی آپریشن کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے حماس کے خلاف مزید اہم کارروائی کریں گے۔

اسرائیل کی بیت المقدس پر تصرف کیلئے سازشیں عروج پر ہیں۔ اُدھر الفتح کے فلسطینی وزیراعظم فلسطینی ریاست کے خواب کی تعمیل کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔ فلسطینی وزیراعظم سلام فیاض کا کہنا ہے کہ اگست 2011ء تک فلسطینی ریاست کا قیام عمل میں آ جائے گا اور یہ عالمی برادری کیلئے بھی انتہائی مسرت کا دن ہوگا۔ انہوں نے معروف اسرائیلی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ ہم باقیات کی ریاست نہیں، ہم اسرائیلی ریاست کے ساتھ اپنی پیدائش کے ملک میں آزادی اور وقار کے ساتھ رہنے کا حق استعمال کرنے کے خواہشمند ہیں۔'' اسرائیل کی دست درازیاں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ وہ بیت المقدس کو تاریخی ورثہ قرار دے کر ہتھیانے کے لئے چالیں چل رہا ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ بیت المقدس اور مسلمانوں کی تاریخی عمارات کو قومیانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ مسجد ابراہیم کو قومی ورثہ قرار دینا بھی اسرائیل کی ایک کڑی ہے۔ مغربی کنارے کے شہر الخلیل میں خوشیاں بھی منائی ہیں۔ اس سے قبل اسرائیل نے الخلیل شہر میں یہودی تہوار عیدالفصح منانے کے لئے مسجد ابراہیمی بند کروا دی۔ قابض اسرائیل نے فجر سے لے کر جمعہ تک مسجد ابراہیمی میں مسلمانوں کو ادائیگی نماز سے روکنا شروع کر دیا۔ یہودی فوج مسجد کی راہداریوں میں کھڑی ہوگئی۔ صہیونی تنظیموں نے یہودیوں کو مسجد ابراہیمی کے اندر منعقد کی جانے والی دوروزہ تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔

اسرائیل دنیا بھر میں اپنے پر ہونے والی مذمت کے لئے اپنا جائزہ لینے یا احتساب کے بجائے حماس کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ حماس کا پروپیگنڈا ہے کہ آج حقوق انسانی کی تنظیمیں اسرائیل کے کردار پر نکتہ چینی کر رہی ہیں۔ دنیا کو اگر فلسطینیوں پر ہونے والے

مظالم کا ادراک ہونے لگا ہے تو اس کے لئے حماس کو نشانہ بنانا اپنی دشمنی نکالنا ہے یا اس کا گلا دبانا ہے، تا کہ وہ اپنے اور فلسطینیوں کے حقوق کے لئے آواز نہ اٹھائے۔ یہ اس کی موثر آواز ہی ہے کہ آج لیبیا، ایران، یمن سے اسلامی ممالک کی یکجائی کے لئے آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ لیبیا کے لیڈر قذافی کے بعد یمن کے صدر عبداللہ صالح نے بھی یورپی یونین کی طرز پر یونین آف عرب نیشنز کے قیام کی تجویز پیش کی ہے۔ عرب لیگ کے سربراہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مسلم یونین کا قیام اسرائیلی رعونت کا ٹھوس جواب ہوگا۔ اس سے نہ صرف عربوں کا دفاع مضبوط ہوگا، بلکہ اسرائیل کے ساتھ معاملات نبٹانے کے لئے یہ موثر پلیٹ فارم ثابت ہوگا۔

یہ حماس کی مزاحمتی تحریک اور عالم اسلام کی بیداری ہی ہے کہ اسرائیل کو مختلف محاذوں پر سخت دباؤ کا سامنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسرائیل جو کہ غزہ میں کسی کو داخلے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور اس نے غزہ کے گرد سخت محاصرہ کر رکھا تھا، یہ دباؤ ہی ہے کہ گزشتہ دنوں اس نے غزہ میں کپڑوں اور جوتوں سے بھرے 5 ٹرکوں کو داخلے کی اجازت دے دی۔ اس کی تصدیق فلسطینی اتھارٹی اور بارڈر حکام نے بھی کی ہے۔ یہ ٹرک سامان لے کر غزہ شہر پہنچ گئے۔ اسرائیل کے ایک اعلیٰ فوجی افسر نے یہ بھی رپورٹ کیا کہ حماس کے زیر کنٹرول غزہ کی پٹی میں زیر تعمیر سیوریج منصوبے کے لئے سیمنٹ کی محدود پیمانے پر منتقلی کی اجازت دی جائے گی۔ اس آفیسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ یہ فیصلہ وزیر دفاع ایہود بارک نے کیا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حماس کے بارے میں اسرائیل کی پالیسی تبدیل ہوگئی ہے۔ ایہود بارک نے یہ اجازت صرف اس لئے دی ہے، کیونکہ یہ منصوبہ اقوام متحدہ کے تعاون سے زیر تعمیر ہے، جس کا مقصد گندے پانی کی نکاسی کو ممکن بنانا ہے۔ اقوام متحدہ کے زیر کمانڈ چلنے والے ترقیاتی منصوبوں کے لئے تعاون کرنا اسرائیل کی مجبوری ہے، جسے حماس کے بارے میں اس کے رویے سے لچک پر تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

حماس لیڈر کے قتل پر مغربی ممالک کے رویہ سے یہ اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں کہ اب حماس کے وجود کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جانے لگا ہے ورنہ آسٹریلیا سے اسرائیلی سفارت کار کا اخراج اور برطانیہ کی اسرائیل سے باز پرس کبھی بھی متوقع نہ ہوتی۔ یہی چیز اسرائیل کو برداشت نہیں کہ کل تک جس حماس کو مغرب دہشت گرد گردانتا تھا اور اس سے مذاکرات تو دور کی بات، اس کا حوالہ دینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ آج اسی حماس سے وہ مذاکرات کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگا ہے۔ حماس لیڈر کے قتل کیلئے اسرائیلی ایجنسی موساد کے ایجنٹوں کے پاسپورٹ استعمال کرنے پر مغرب کا ردعمل حماس کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ حماس کا موقف جائز اور برحق ہے۔ اس کی مزاحمت کسی کا حق غصب کرنے کے لئے نہیں، بلکہ اپنے اور فلسطینیوں کے حقوق کے حصول کے لئے ہے۔

حماس تحریک نعروں کے بجائے عملی اقدامات پر یقین رکھتی ہے۔ حماس کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل جارحانہ کارروائیوں سے اپنا ہاتھ روک رکھے۔ حماس کے سیاسی شعبے کے رکن محمد نزال نے بھی عرب سربراہ کانفرنس سے یہی مطالبہ کیا کہ وہ فلسطین میں اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی، مسجد اقصیٰ پر حملوں، غزہ کی معاشی ناکہ بندی اور بیت المقدس میں یہودی آبادکاری روکنے کیلئے عملی اقدامات کریں۔ حماس کے قائد نے یہ بیان دمشق میں مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے تحفظ کیلئے نکالے گئے جلوس سے خطاب کرتے ہوئے دیا۔ انہوں نے عرب ممالک پر زور دیا کہ اب نعروں کے بجائے عملی اقدامات کا وقت آ چکا ہے۔ عرب سربراہان کو سخت فیصلے کرنا ہوں گے، کیونکہ فلسطین میں قیام امن، اسرائیلی دہشت گردی اور مسجد اقصیٰ کے حوالے سے عرب ممالک کی خاموشی صہیونیوں کی پالیسی کو حوصلہ فراہم کرتی رہی ہے۔ عرب ممالک کی کم از کم فوری پالیسی اس کے ساتھ قائم سفارتی، اقتصادی اور معاشی تعلقات کا خاتمہ ہے۔

عرب لیگ کانفرنس کے انعقاد سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اب الفتح کے بجائے حماس کو اہمیت دی جانے لگی ہے۔ عرب سربراہ کانفرنس کے دوران فلسطینی اتھارٹی کے متنازعہ صدر محمود عباس اور کانفرنس کی میزبانی کرنے والے لیبیائی صدر کرنل قذافی کے درمیان سخت کشیدگی بھی اسی بات کی دلیل ہے۔ محمود عباس کا نہ صرف لیبیا کے صدر نے استقبال نہیں کیا، بلکہ انہوں نے واضح طور پر کہا کہ محمود عباس اکیلے فلسطینی عوام کے نمائندہ نہیں ہو سکتے۔ کسی ایک شخص کو فلسطینی عوام کا نمائندہ نہیں کہا جا سکتا۔ محمود عباس کی اس کانفرنس میں حماس پر تنقید کا بھی سخت برا منایا گیا۔ محمود عباس نے حماس کو فلسطین میں مفاہمت کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا اور یہ الزام بھی عائد کیا کہ حماس نے مصر کی مفاہمتی یادداشت پر دستخط نہ کر کے فلسطینی عوام میں مایوسی پیدا کی۔ محمود عباس کے حماس کے خلاف بیان کا امیر قطر شیخ حماد بن خلیفہ الثانی اور عمر قذافی نے سخت برا منایا۔

صہیونی حکام نے متحدہ القدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا ہے۔ فلسطین فلسطینیوں کی سرزمین ہے۔ اس پر کسی یہودی کا حق نہیں۔ فلسطینیوں کو اپنی مادر ملت میں واپسی کا پورا حق حاصل ہے۔ فلسطینیوں کو ان کی زمین پر واپسی کا حق دینے کے بجائے اسرائیل فلسطین پر اپنے قبضے کو طول دینے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔

نیتن یاہو کا دعویٰ ہے کہ بیت المقدس مقبوضہ آبادی نہیں بلکہ ہمارا دارالحکومت ہے۔ اس لئے وہاں تعمیرات جائز ہیں۔ مستقبل میں ہونے والے کسی بھی معاہدے میں بیت المقدس کی یہودی آبادیاں اسرائیل کا ہی حصہ رہیں گی۔ اس لئے وہاں تعمیرات کسی معاہدے کی خلاف ورزی

نہیں۔ اسرائیل کے وزیراعظم نے واشنگٹن میں امریکن اسرائیل پبلک افیئرز کمیٹی کی سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فلسطینی رہنما محمود عباس کو مذاکرات کی دعوت دیتے ہوئے ایک بار پھر حق دوستی ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ محمود عباس آئیں اور امن کے حصول کیلئے بات چیت کریں۔ اس خطاب میں نیتن یاہو نے جہاں محمود عباس کو مذاکرات کی دعوت دی، وہاں انہوں نے امریکہ اسرائیل تعلقات کے سوال پر اسرائیل سے نااتفاقی کے باوجود امریکہ اسرائیل کی سلامتی کی مکمل حمایت کرتا رہے گا۔ اسرائیل امریکہ دوستی دیرپا ہے کیونکہ واشنگٹن کی تمام حکومتوں نے اسرائیل سلامتی پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ حماس نے ہر پلیٹ فارم پر فلسطینیوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی ہے اور متنازعہ امور کو بہ احسن طریقے سے اٹھایا ہے۔ امریکہ اور اسرائیل کا حماس کے بارے میں معیار دہرا ہے۔ حماس کے قیدیوں کو اسرائیل نے رہا کرنے کے بجائے الفتح کے قیدیوں کو رہا کیا اور حماس کے قیدیوں کی گرفتاری کا سلسلہ تاحال جاری رکھا ہے۔ اسرائیل حماس سے اپنے قیدی گیلاد شالیط کی رہائی کا خواہاں ہے، لیکن وہ گیلاد کی رہائی کے بدلے میں حماس کے قیدیوں کو رہا کرنے کے لئے رضامند نہیں۔

حماس نے اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کمیٹی میں اسرائیلی جنگی قیدی گیلاد کے والد ناعوم شالیت کو تقریر کی اجازت دینے اور ہزاروں فلسطینی قیدیوں کے معاملے کو نظرانداز کرنے پر اقوام متحدہ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ حماس کا بیان میں کہنا ہے کہ اقوام متحدہ میں انسانی حقوق کی برابری کی بنیاد پر دیکھے جانے کا قانون اور اصول موجود ہے، جبکہ فلسطینیوں کے معاملے کو نظرانداز کرنے سے عالمی دارے کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ گیلاد کے والد کو اقوام متحدہ میں تقریر کی اجازت دینے کا مطلب ہے کہ اب ان 11 ہزار فلسطینی قیدیوں کے نمائندگان اور وکلاء کو بھی تقریر کی اجازت دی جائے۔ اقوام متحدہ کا پلیٹ فارم سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ کسی ایک کو موقع فراہم کرنا خود ادارے کے اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ اسرائیل یا مغربی دنیا کا الفتح اور حماس کے قیدیوں میں تفریق کا مطلب واضح ہے کہ الفتح اسرائیل کی چہیتی جماعت ہے۔ الفتح کے قائدور کارکن اسرائیل کے لئے جاسوسی کا فرض بھی سرانجام دیتے ہیں۔ الفتح کے بارے میں عرب دنیا کو جو تھوڑا بہت گمان تھا کہ یہ واقعی فلسطینیوں کی سچی خیرخواہ جماعت ہے، وہ بھی اب ختم ہو گیا ہے کیونکہ الفتح کے رویوں اور اسرائیل کے ساتھ اس کے روابط نے سب کچھ واضح کر دیا ہے۔

حماس کی جدوجہد مثالی ہے۔ حماس کے سیاسی شعبے کے سربراہ خالد مشعل نے عرب ممالک کے قائدین اور سربراہوں کو صیہونی ریاست کے بارے میں نئی حکمت عملی مرتب کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ بات انہوں نے الجزیرہ ٹیلی ویژن سے بات چیت کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ

ہم زمین پر اسرائیلی مظالم کا شکار ہیں۔ سیاسی طور پر عرب اور فلسطینی الگ الگ ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے گرد سرنگوں کی کھدائی کے بعد مقدس مقامات کے زیرزمین سرنگوں کا جال بنا دیا گیا ہے۔ بیت المقدس اور فلسطین اس وقت تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں۔ حماس نے ماریطانیہ کی طرف سے اسرائیلی سفارت خانہ بند کرنے اور اسرائیل کے ساتھ ہر قسم کے سفارتی تعلقات منقطع کرنے کے اقدام کی ستائش کرتے ہوئے اسے تمام عرب ممالک کے لئے مثالی قرار دیا۔ حماس کی مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے پرزور حمایت اور وکالت جاری ہے۔ اسرائیل حماس کے خاتمہ سے اپنے لئے تمام راہیں صاف کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ جو چاہے کرے۔ اس کے راستے میں کوئی روڑے اٹکانے والا نہ ہو۔

❖♦❖

امریکہ اور اسرائیل نے ایک بار پھر حماس کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کیلئے امریکی صدر جارج بش نے اپنے عہدہ صدارت کی مدت ختم ہونے سے قبل حماس حکومت کے خاتمے کی منظوری دے دی تھی۔ غزہ میں حماس کی حکومت امریکہ اور اسرائیل دونوں کو کھٹکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے حماس کی قیادت، کارکنوں کو شہید کیا گیا۔ غزہ کی پٹی پر آباد معصوم اور نہتے شہریوں کو نشانہ بنایا گیا، مگر حماس حکومت کا خاتمہ پھر بھی ممکن نہ ہو سکا۔ اب صدر بش کو عہدہ صدارت کی مدت ختم ہونے سے پہلے پہلے جن کارناموں کو اپنے سر لینے کا خیال سوجھا ہے، ان میں حماس قیادت کا خاتمہ اور غزہ کی پٹی کا قبضہ لینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر بش نے اسرائیلی حکام سے مشاورت کے بعد اس منصوبے کی منظوری دے دی ہے اور طے کیا ہے کہ 2006ء میں غزہ میں برسراقتدار آنے والی اسرائیلی مخالف اسلامی مزاحمتی تحریک (حماس) سے اقتدار واپس لینا ہے۔ اس خفیہ منصوبے کے تحت وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس اور قومی سلامتی کے مشیر الیان ابراہم کو منصوبے پر عملدرآمد کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں اسرائیل اور فلسطینی صدر محمود عباس کو زیر کمانڈ ملیشیا کو بھاری اسلحہ سے لیس کرنا اور حماس حکومت کا تختہ الٹنا ہے۔ امریکہ کے اسرائیل کے اس منصوبے کی منظوری کے آثار تو اس وقت ہی نظر آنے شروع ہو گئے تھے جب ڈک چینی نے دورہ مشرق وسطیٰ میں کھلم کھلا اسرائیل کی حمایت کا اعلان کیا۔ اسرائیل کے ساتھ دوستی اور محبت کے رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے ڈک چینی کا یہ بیان عالمی سطح پر فلسطینی اور جہادی تنظیموں کیلئے توجہ کا باعث بنا، جوکہ انہوں نے اسرائیل کی سلامتی اور تحفظ کو مقدم جاننے کے سلسلہ میں دیا تھا۔ ڈاک چینی نے اسرائیلی وزیراعظم کے ساتھ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسرائیل کی سلامتی کے لئے امریکہ کے عزم کو کوئی ہلا نہیں سکتا۔ امریکہ اسرائیل پر ایسے اقدامات کرنے کیلئے دباؤ نہیں ڈالے

گا، جو اسرائیل کی سلامتی کے لئے خطرناک ہوں۔ ڈک چینی نے اسرائیل کی حمایت کا بغیر کسی شرط کے اعادہ کرتے ہوئے دراصل امریکہ کی بدنیتی کو واضح کر دیا تھا کہ امریکہ مسئلہ فلسطین کے حقیقی حل کا خواہاں نہیں۔ روڈ میپ یا کوئی بھی امن منصوبہ کبھی بھی فلسطینیوں کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ ان تمام امریکی یا اسرائیلی منصوبوں کا مقصد صرف اسرائیل کے تحفظ اور سلامتی کو یقینی بنانا ہے اور اسرائیل کے مفادات کی حفاظت کرنا ہے۔ بش کی امن کانفرنس کے نتائج امن کی صورت میں تو نہیں نکل سکے تھے، مگر مزید صیہونی بستیوں کی تعمیر ضرور شروع ہو گئی۔ ان صیہونی توسیع پسندانہ عزائم پر امریکہ نے وقتی طور پر مذمتی بیان جاری کئے، مگر در پردہ وہ اسرائیل کے تمام منصوبوں کیا حمایتی ہے۔ چاہے وہ حماس حکومت کا خاتمہ ہو یا مزید صیہونی بستیوں کی تعمیر کا منصوبہ یا پھر غزہ کے معصوم شہریوں کا بیدردی سے قتل عام۔ امریکہ نے حماس کے راکٹ حملوں کے خلاف اسرائیل کی جانب سے دفاع کی بھی حمایت کی، جس پر حماس نے ڈک چینی کے اس بیان کو اشتعال انگیز قرار دیا اور کہا کہ اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ امریکہ فلسطینی عوام کے خلاف جنگ میں اسرائیل کا ساتھی ہے۔ یہ امریکہ کی اسرائیل کیلئے اندھا دھند حمایت ہی ہے کہ اب اسرائیل نے حماس حکومت کے خاتمے کیلئے بیت المقدس میں بڑے پیمانے پر فوجی مشقیں شروع کر دی ہیں۔ ماضی میں ہونے والی فوجی مشقوں میں اپنی نوعیت کی یہ سب سے بڑی مشقیں ہیں، جن میں باضابطہ فوج کے علاوہ رضا کار فوج کے یونٹس بھی حصہ لے رہے ہیں۔ یہ فوجی مشقیں کئی مراحل میں جاری رہیں گی۔ پہلے مرحلے میں پیادہ فوج، چھاپہ مار دستے انجینئرنگ اور توپخانے سے متعلقہ یونٹس حصہ لے رہے ہیں۔ ان فوجی مشقوں میں مجاہدین کے راکٹ تباہ کرنے، سرنگیں تلاش کرنے اور اسلحہ کے ذخیروں کو تباہ کرنے کی تربیت فراہم کی جائے گی۔ مشقوں کے دوسرے مرحلے میں فضائیہ کے منتخب یونٹوں کو تربیت فراہم کی جائے گی۔ اس وسیع پیمانے پر فوجی مشقوں کا مقصد غزہ میں اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کی حکومت کا تختہ الٹنے کی تیاریاں ہیں۔ امریکہ کے اسرائیلی منصوبے کی منظوری کے بعد اسرائیل کی عملی تیاریاں حماس کے خاتمے ہی کی کڑی ہیں۔ یہ امریکہ کی شہ ہی ہے کہ اولمرٹ یہ بیان دیتے ہیں کہ غزہ کی پٹی پر بمباری سے شہید ہونے والے معصوم لوگوں اور بچوں کا انہیں کوئی افسوس نہیں، اس کی وجہ وہ حماس کے راکٹ حملوں کو بتاتے ہیں۔

اولمرٹ کا کہنا ہے کہ فلسطینی راکٹوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے بمباری ناگزیر ہے اور اگر اس بمباری میں بچے ہلاک ہوتے ہیں تو اس پر انہیں کوئی دکھ نہیں۔ بمباری روکنے کیلئے کسی بیرونی دباؤ کو خاطر میں نہیں لائیں گے، بلکہ اسرائیلی تحفظ کے لئے حملے جاری رکھے جائیں گے۔

امریکہ کی کھلم کھلا اسرائیل کی حمایت کا اعلان اور اسرائیلیوں کی غزہ کی پٹی پر آباد بے گناہ

شہریوں کو نشانہ بنانے کی ظالمانہ کارروائیاں ہی ہیں کہ گزشتہ دنوں الفتح کے صدر محمود عباس نے اسرائیل کو اپنا رویہ تبدیل کرنے کا بیان دیا۔ الفتح اور حماس میں بات چیت اور مفاہمت کا امکان پیدا ہوا اور دونوں نے اس سلسلے میں ایک معاہدے پر دستخط بھی کیے ہیں۔ حماس اور الفتح کے درمیان گشتہ سال سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ حماس کو انتخابات میں واضح اکثریت کے باوجود جب الفتح کے ساتھ مل کر حکومت بنانے پر مجبور کیا گیا تو اس نے زبردستی غزہ کی پٹی پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران ہونے والی لڑائی میں درجنوں فلسطینی بھی ہلاک ہوئے۔ فلسطینی عوام کی اکثریت حماس اور الفتح کو دوست دیکھنا چاہتی ہے۔ ان دونوں دھڑوں کی آپس میں لڑائی سے فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کو بھی کافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ یمنی حکومت کی ثالثی کے نتیجے میں اب دونوں دھڑے مذاکرات پر تو راضی ہو گئے ہیں، مگر عملی دوست کا پتہ وقت کے ساتھ ساتھ چلے گا۔

محمود عباس نے اسرائیل کے ظالمانہ رویے کو امن کوششوں کی ناکامی کا جواز قرار دیا۔ ڈک چینی نے دورہ مشرق وسطیٰ میں ایک طرف تو اسرائیل کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا، دوسری طرف یہ بھی کہا کہ فلسطینی رہنماؤں کو امریکہ کی نیت نیتی کا یقین ہونا چاہئے۔ ہم اس تنازع کا پرامن حل چاہتے ہیں اور اس حوالے سے ہونے والی دہشت گردی کا خاتمہ بھی، جس نے اسرائیلیوں کو اتنی تکلیف میں مبتلا کیا اور ہم فلسطینی عوام کے لئے بھی زندگی کی نئی شروعات کے خواہش مند ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسرائیلی قوم نے امن کی خاطر بڑی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ڈک چینی کے اس تبصرے میں فلسطین کی آزادی کی خواہش سازش، منافقت اور بدعنوانی میں لپٹی ہوئی تھی۔ امن کی قربانیوں کا اعزاز فلسطینی عوام کو دینے کے بجائے انہوں نے اسرائیلی قوم کو دیا، جو کہ امن کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لئے مشہور ہے۔ ان کا امن فلسطینیوں پر مظالم سے شروع ہوتا ہے اور اس پر ہی وہ خاتمے کیلئے منصوبہ بنا رہے ہیں، تاکہ جب حماس کا خاتمہ کر لیا جائے تو پھر فخریہ امریکہ اور اسرائیل یہ اعلان کر سکیں کہ انہوں نے امن کے قیام کے لئے کتنے فلسطینی مجاہدوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ یعنی حماس کے خاتمے کے بعد وہ امن کی نوید سنائیں۔ نومبر 2006ء میں بھی امریکی اور اسرائیلی انتظامیہ نے حماس حکومت کے خاتمے کیلئے پلان بنایا۔ اسرائیلی ٹی وی پر عبرانی زبان میں ایک دستاویزی فلم میں بھی دکھایا گیا کہ امریکہ اور اسرائیل نے پلان بنایا کہ 2007ء کے اختتام سے قبل حماس حکومت گرا دی جائے۔ ایسا فلسطینی سیاسی منظر نامہ تیار کیا جائے کہ حماس دوبارہ انتخابات میں حصہ نہ لے سکے یا منتخب نہ ہو سکے۔ اس مقصد کیلئے فلسطینی اتھارٹی اور صدر محمود عباس کا تعاون حاصل کیا جائے۔ سیاسی اور فوجی اقدامات کے علاوہ

فلسطینی سکیورٹی ایجنسیوں کا استعمال کیا جائے گا۔ 16 دسمبر 2006ء کو محمود عباس نے رملہ میں اپنے ایک خطاب میں غیر متوقع طور پر اعلان کر کے حمایت پر کڑی ضرب لگائی کہ قبل از وقت فلسطینی پارلیمانی وصدارتی انتخابات کرائے جائیں گے اور حماس کو انتخابات سے کلی طور پر باہر رکھا جائے گا۔ پھر اسماعیل ہانیہ پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔ حماس نے جواب میں مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک زبردست تصادم دونوں فلسطینی دھڑوں کے درمیان شروع ہو گیا۔

امریکی انتظامیہ نے بھی محمود عباس سکیورٹی دستوں کو 86 ملین ڈالر کی امداد فراہم کی اور اس کیلئے بش کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے جو اس نے دیا تھا کہ امریکہ کا مقصد مغربی کنارے میں غزہ میں دہشت گردوں کا نیٹ ورک توڑنا ہے۔ اس لئے محمود عباس کی مدد کی جارہی ہے۔ اس دوران الفتح کے سابق سیکرٹری احمد ہلاس اور صدر عباس کے سکیورٹی مشیر احمد دہلان محمود عباس کے خلاف سامنے آئے۔ ان کا مؤقف تھا کہ الفتح اسرائیل اور امریکی منصوبے کا حصہ بن رہی ہے۔ ان کے اس مؤقف کی بنا پر ان کو برطرف کر دیا گیا۔ سعودی حکومت نے دونوں فریقوں کو ایک معاہدے پر رضا مند کر لیا، جو کہ فوجی حکومت کی تشکیل تھا اور دونوں دھڑے فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن کی تنظیم نو پر آمادہ ہو گئے۔

محمود عباس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے معاہدہ پھر دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس کے پس منظر میں بھی امریکہ تھا، جس نے محمود عباس اور ان کی ایجنسیوں پر 'مکہ معاہدے' سے روگردانی پر زور دیا۔ فلسطینی دھڑوں میں لڑائی دوسری سٹیج پر داخل ہو گئی۔ حماس کی ہانیہ حکومت غیر قانونی قرار دیتے ہوئے برطرف کر دی اور سلام فائد کو نئی حکومت کی سربراہی دے دی گئی۔ اس دور میں حماس کو ختم کرنے کیلئے بہت چارہ جوئیاں کی گئیں۔ حماس کے کارکنوں کو گرفتار کیا گیا، ان کے دفاتر بند کر دیئے گئے۔ جب حماس نے غزہ کا کنٹرول سنبھال لیا، تو اسرائیل اور امریکہ نے حماس کے ساتھ دوبارہ مذاکرات کرنے کی صورت میں محمود عباس کے ساتھ تعلقات ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

عالمی برادری نے محمود عباس کے فیصلوں پر تائید کرتے ہوئے واضح تفریق کا اعلان کر دیا۔ اناپولس میں ہونے والی روڈ میپ میں محمود کو فوقیت دی گئی۔ دوسرے فلسطینی دھڑوں اور حماس کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔ روڈ میپ پر متفقہ بات چیت ہو گئی، جس میں دیگر نکات تو موضوع بحث رہے، مگر پہلی مرحلہ منظر عام پر لانے سے گریز کیا گیا۔ روڈ میپ کا پہلا مرحلہ تھا کہ قانونی مزاحمتی تحریکوں کی دہشت گردی کا انفراسٹرکچر توڑ دیا جائے، انہیں غیر مسلح کیا جائے اور اسرائیل کی مخالفت کو روک دیا جائے۔ اس پہلے مرحلے میں ہی الفتح کے حماس کے ساتھ بات چیت کے امکانات کو صفر کر دیا گیا۔ 2008ء میں ایک بار پھر اسرائیل غزہ کی پٹی میں وسیع پیمانے پر فوجی مہم کا

آغاز کرنے والا ہے۔ اسرائیل نے اس کے لئے تیاری شروع کر دی ہے۔ اسرائیل کو خوف بھی ہے کہ کامیابی حاصل کرنا آسان نہیں۔ لبنان میں حزب اللہ کے ساتھ مقابلے میں انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا۔ اسی لئے اب اسرائیل فوجی مشقوں کو اسی انداز سے کرنے کا پلان بنا رہا ہے۔ حماس کے حربی اور تنظیمی انفراسٹرکچر پر کاری ضرب لگا کر ان کی حکومت کے خاتمے کے لئے تیاریاں شروع ہیں۔ حماس کی حربی صلاحیت کے خاتمے کے بعد اسرائیل غزہ کا قبضہ نیٹو یا یورپی یونین کے سپرد کرے گا جو کہ بعد ازاں اسرائیل اور امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والی فلسطینی اتھارٹی کو منتقل ہو جائے گا۔ ان منصوبوں کی کامیابی کی گارنٹی دینا مشکل ہے، مگر اسرائیل کیلئے مزاحمت کا خاتمہ ناممکن ہے۔ غزہ کی پٹی پر اسرائیل کا 38 سال قبضہ رہا۔ حماس کے قبضہ کے باوجود اس کے بری، فضائی راستوں، سامان، مال رسد وغیرہ پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ حماس خاتمے کے بعد شہریوں کی ذمہ داری اسرائیل کو منتقل ہو جائے گی، جو کہ وہاں بلا دریغ شہریوں کے حقوق غصب کرے گی۔ اسرائیلی قبضے کے بعد محمود عباس کو غاصب قوت کا ساتھی سمجھا جائے گا۔ 2008ء میں اسرائیلی پارلیمانی انتخابات صورت حال کو مزید پیچیدہ کر دیں گے، جس میں دائیں بازو کی کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ یہ بذات خود عباس اور عرب حکومتوں کی حمایت کے امکانات کو کم کر دے گا۔ حماس کی کامیابی اگر ہوتی ہے تو اسرائیل کو حماس سے مذاکرات کرنے پڑیں گے۔

حماس کو اپنی بھرپور سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا کے سامنے آنا چاہئے۔ فلسطینیوں کی نمائندہ قیادت بن کر سامنے آنے سے اس سے مذاکرات کا راستہ کھلے گا۔ مشرق وسطیٰ کی صورت حال اس وقت بہت پیچیدہ ہے۔ ایہود اولمرٹ کو صرف حماس ہی نہیں بلکہ شام اور لبنان میں حزب اللہ پر بھی نظر رکھنا ہے۔

بی بی سی کے نامہ نگار ٹم فرینک کا کہنا ہے کہ اسرائیلی اور فلسطینی عوام امن معاہدے میں کسی پیشرفت کے حوالے سے پرامید نہیں۔ انہیں اس سلسلے میں شکوک وشبہات ہیں۔ خطے میں امن کیلئے عوام کسی فوری معاہدے کے بارے میں پریقین نہیں، پھر ڈک چینی کا اسرائیل کی حمایت کا اعلان امریکہ کا اسرائیل سے حماس کے خاتمے کی منظوری دینا اور اسرائیل کا اس ضمن میں تیاریوں کا آغاز، امن کی نوید لے کر آنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ظلم وجبر کی علامتیں ہیں۔

❖♦❖

آزادی فلسطین کے لئے پرعزم حماس نے اپنی جدوجہد سے خود کو فلسطینیوں کی نمائندہ قیادت ثابت کر دیا ہے۔ حماس کے بارے میں مغرب کا پھیلا ہوا پروپیگنڈا مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے، جس کے ذریعے اس نے حماس کو دہشت گرد تنظیم ثابت کرنے کی پوری کوشش کی۔ فلسطین

اتھارٹی کا بھی زور اسی بات پر رہا کہ "الفتح"، فلسطینیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے صرف اور صرف الفتح کو اعتماد میں لیا جائے اور اس سے ہی مذاکرات کیے جائیں۔ جب تک الفتح کے بھید چھپے ہوئے تھے، اس وقت تک تو عالم عرب بھی "الفتح" اور محمود عباس کو سر آنکھوں پر بٹھاتا رہا اور بات چیت یا گفت وشنید کے لئے اسے ہی ترجیح دیتا رہا، مگر اب جبکہ الفتح اور اس کی قیادت کی فلسطینیوں سے خیر خواہی یا صہیونیوں سے روابط کھل کر سامنے آ چکے ہیں تو حماس کو الفتح پر فوقیت دی جانے لگی ہے۔ اس کے لئے کریڈٹ حماس کو بھی جاتا ہے، جس نے سچائی، دیانتداری سے اپنے وجود کو منوایا۔ اب مغرب اور عالم عرب میں اس کی مصدقہ حیثیت تسلیم کی جا چکی ہے۔ حماس نے عسکری اور سماجی شعبہ جات میں بہترین صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔

حماس کے قائدین نے تمام عالم عرب اور یورپی دنیا سے اپنے روابط اور تعلقات کو مضبوط کرنے کی طرف توجہ دی ہے۔ خالد مشعل اور دیگر قائدین نے ایران اور قطر کا دورہ بھی کیا۔ حماس کے سیاسی شعبہ کے سربراہ خالد مشعل کی قیادت میں تنظیم کی اعلیٰ سطح کے وفد نے امیر قطر شیخ حماد بن خلیفہ الثانی سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات قطر کے دارالحکومت دوحہ میں شاہی محل میں ہوئی۔ اس ملاقات میں فلسطین کی داخلی صورتحال، بیت المقدس میں یہودی آبادی، مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کے حملے اور فلسطینی اتھارٹی کی جانب سے اسرائیل کے ساتھ بے سود مذاکرات سمیت دیگر باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا۔ امیر قطر نے کہا کہ وہ ہمیشہ فلسطینیوں کی ہر ممکن مدد وحمایت کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی ان کی غیر مشروط حمایت جاری رکھیں گے۔

انہوں نے کہا کہ بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور فلسطینی صرف فلسطینیوں کے مسائل نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ اور عرب ممالک کے اجتماعی مسائل ہیں۔ ان کے حل کیلئے پوری امت کو یکجہتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ملاقات میں حماس کے قائد خالد مشعل نے امیر قطر کی جانب سے مسئلہ فلسطین اور فلسطینیوں کی حمایت جاری رکھنے کے عزم کا خیر مقدم کیا۔ خالد مشعل نے امیر قطر پر زور دیا کہ وہ عرب ممالک کے ساتھ مل کر غزہ کی معاشی ناکہ بندی ختم کرانے کے لئے کوششیں کریں۔ ملاقات کے دوران حماس کے سیاسی شعبہ کے نائب صدر ڈاکٹر سوسی ابومرزوق، سیاسی شعبہ کے رکن عزت رشق اور محمد نصر بھی خالد مشعل کے ہمراہ تھے۔

حماس اسرائیل کے خلاف ہر محاذ پر لڑنے کو تیار ہے۔ حماس قیادت سمجھداری سے اسرائیل اور اس کے مذموم ارادوں کو دنیا کے سامنے بے نقاب کر رہی ہے۔ اس نے فتح کے دوغلے کردار کو بھی آشکارا کر دیا ہے۔ حماس کے اسی عزم کو اسرائیل توڑنے کے درپے ہے۔ گزشتہ ماہ خالد مشعل

نے اسرائیل کے خلاف ہر محاذ پر اپنی جماعت کو تیار قرار دیا تھا۔ خالد مشعل نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ وہ اسرائیل کے خلاف ہر محاذ پر لڑنے کو تیار ہیں۔ جنگ سمیت تمام راستے حماس کے سامنے موجود ہیں اور ہم اپنے بنیادی حقوق کے لئے مزاحمت کا پرچم تھامے رکھیں گے۔ دمشق میں فلسطینی قومی کانفرنس کے بعد میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ: "تمام تر امکانات کے باوجود صہیونی دشمن کے ساتھ کھلی جنگ کے لئے تیار ہیں۔ اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لئے ہر قسم کی جارحیت کا مزاحمت سے جواب دیں گے اور اس سلسلہ میں کوئی رعایت نہیں رکھیں گے۔"

حماس تمام فلسطینی جماعتوں کے درمیان مذاکرات کی حمایت کرتی ہے، لیکن بعض جماعتوں کی جانب سے آج ہم پر اسرائیل اور امریکہ کی مرضی کے فیصلے مسلط کرتے ہوئے مزاحمت ترک کرنے اور قومی اصولوں سے دستبرداری کیلئے دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر فلسطینی عوام کے بنیادی حقوق پر سودے بازی کی شرط پر مفاہمت کی جانی ہے تو اس سے موجودہ حالات میں رہنا بہتر ہے، کیونکہ موجودہ حالات میں ہم کم از کم فلسطینی عوام کے بنیادی حقوق کی سودے بازی تو نہیں کر رہے۔ فلسطینی قومی کانفرنس میں شریک تمام فلسطینی گروپوں نے مغربی کنارہ پر محمود عباس کی اتھارٹی کی طرف سے تحریک مزاحمت کو کچلنے کی شدید مذمت کرتے ہوئے فتح سے مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل سے جاری فوجی تعاون ختم کرنے کا فوری اعلان کریں۔

حماس کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے اسرائیل اور مغربی قیادت اسے سیاسی میدان سے دور رکھنے کیلئے چال بن رہی ہے، کیونکہ سیاسی طور پر حماس کی بالادستی فتح کو کمزور کر دے گی، جو کہ مغرب اور صہیونی قیادت کی دست راست ہے۔ حماس کو سیاسی طور پر باہر رکھنا مغربی قائدین کا مشترکہ منصوبہ ہے۔ حماس کا منشور مغرب اور اسرائیل کیلئے ناقابل برداشت ہے، کیونکہ اس میں فلسطینیوں کے جائز حقوق کا مطالبہ کیا گیا ہے، جسے دنیا تو دور کی بات، صہیونی قائدین سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

☆...... 1967ء میں مقبوضہ فلسطینی زمین سے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق صہیونیوں کی واپسی۔

☆...... فلسطینی پناہ گزینوں کی ان کے گھروں میں واپسی، جہاں سے ان کو بے دخل کیا گیا تھا۔

☆...... مغربی کنارے یا بیت المقدس میں نوتعمیر شدہ یہودی بستیوں کا خاتمہ۔ یہ ناجائز تعمیرات دو ہزار کلومیٹر مربع میں سے چالیس فیصد پر قبضہ جما چکی ہیں اور ان میں صرف مقبوضہ

قدس میں پانچ لاکھ یہودی رہتے ہیں۔

☆......فلسطین کا دارالحکومت بیت المقدس غیر متنازعہ طور پر تسلیم کیا جائے۔ صیہونی آزاد و خودمختار فلسطین پر آمادہ نہیں۔ امریکہ یا نیتن یاہو کے منصوبے کا خلاصہ ایک ہی ہے۔

☆......تعمیر شدہ یہودی تعمیرات یا بستیاں برقرار رہیں گی، ان کو چھیڑا نہیں جائے گا۔

☆......پناہ گزینوں کی وطن واپسی ممکن نہیں۔

☆......قدس شریف سے صرف نظر کیا جائے گا۔

☆......اسرائیل کے تحفظ کو اولین ترجیح دی جائے گی۔

امریکہ اور اسرائیل اسی مشترکہ منصوبے کو لے کر چل رہے ہیں۔ یہودی بستیوں کو روکنا تو درکنار، ان میں مسلسل اضافہ جاری ہے۔ مہاجرین کے بارے میں ان کو فلسطین میں واپس آباد کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ قدس شریف شہر میں مختلف تعمیراتی سرگرمیوں کو اس طرح سے پھیلایا گیا ہے کہ شہر کی ہیئت اور منصوبہ بندی ہی تبدیل ہو جائے گی۔ حماس کو تسلیم کرنے کے عوض اس سے اسرائیل کے تحفظ کی ضمانت لی جائے گی۔

اب ان مشترکہ نکات کے علاوہ آزاد و خودمختار فلسطین کی بات ہو جائے، جسے کہ اسرائیل لولی لنگڑی صورت میں قبول کرنے میں آمادہ ہے۔

☆......فلسطینی مملکت غیر مسلح ہو، اسے فوج یا اسلحہ رکھنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

☆......اسے اقتدار حاصل نہیں ہوگا اس کے متعلق تمام تر فیصلے اسرائیلی کابینہ کرے گی۔

☆......فلسطین کو اسرائیل کو یہودی مملکت کے طور پر تسلیم کرنا ہوگا۔

☆......فلسطین کے تمام حصے باہم متصل نہ ہوں۔

امریکہ اور اسرائیل کا ان امور پر پورا اتفاق ہے۔ وہ اپنے سازشی مقاصد کے لئے حماس سے مذاکرات یا مفاہمت کی چال تو چلتے ہیں، مگر دل سے اسے یا اس کی شرائط کو قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں۔ اگر امریکہ یا اسرائیل حماس کو مجبوراً اہمیت دے رہے ہیں، تو اس کے پیش نظر بھی ان کے اپنے مفادات ہیں۔ جس میں افغانستان وعراق میں امریکی فوج کی کارروائیوں کے لئے عالم اسلام کی حمایت حاصل کرنا شامل ہے۔

لبنان میں حزب اللہ کو کمزور کرنا اور ایران کی جوہری صلاحیت کو تباہ کرنا، شام کو لبنان اور ایران مخالفت پر آمادہ کرنا، تاکہ وہ ایران، حزب اللہ اور حماس کے خلاف امریکہ اور اسرائیل کا ساتھ دے۔

امریکہ اور صیہونی قیادت کو اب جب اپنے تمام وار ناکام ہوتے نظر آرہے ہیں، تو اس نے

نیا منصوبہ بنانا شروع کر دیا ہے، جو کہ حماس کو انتخابات کے ذریعے سیاست سے باہر کرنے کا منصوبہ ہے۔ اوباما نے مثبت زبان میں فلسطینی مزاحمت کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ جنوری 2010ء میں صدارتی لیجسلیٹو انتخابات کرانے کے لئے محمود عباس اتھارٹی کے ساتھ مصالحت کر لے، پھر انتخابات میں دھاندلی کے ذریعے یا فلسطینیوں پر دباؤ کے ذریعے حماس کو حکومت اور مجلس قانون ساز سے نکالنا آسان ہو جائے۔ حماس پر دباؤ بھی اسی مقصد کے لئے ڈالا جا رہا ہے، کہ وہ امریکی نظریات کو قبول کرے۔ حماس کے رویے میں لچک نہ دیکھتے ہوئے امریکہ اور اسرائیل نے حماس کے خلاف کارروائیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ حماس ارکان کی گرفتاریوں اور ان کے خلاف ہلاکت خیز واقعات میں تیزی مغربی صیہونی قیادت کے ارادوں کو بے نقاب کر رہی ہے۔ حماس کے اب تک 925 لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ 225 رفاہی ادارے بند کئے جا چکے ہیں۔ حماس ارکان کے خلاف تشدد، قتل اور ان کی گرفتاری اسرائیل کی پہلی ترجیح ہے۔ غزہ پر آئے دن حملے بھی اس مقصد کی کڑی ہیں۔ موساد اور سی آئی اے دونوں ہاتھ دھو کر حماس کے پیچھے پڑے ہیں۔ دبئی میں حماس کمانڈر کا قتل بھی اس کا واضح ثبوت ہے۔ حماس پر یہ سب دباؤ ڈالنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ مغربی صیہونی قیادت کے مصالحتی یا مفاہمتی فارمولے پر چون و چرا نہ کرے اور آنکھیں بند کیے بغیر اس کو تسلیم کر لے۔

حماس نے ہمیشہ نیتن یاہو یا اوباما کی تقریروں کے جواب میں ردعمل ظاہر کر کے ان کو بتلا دیا ہے کہ حماس قیادت اپنے مشن پر کاربند ہے۔ اس کی آنکھیں اور کان پوری طرح کھلے ہیں۔ وہ کبھی اور کسی قیمت پر بھی آزادی تحریک فلسطین کا سودا کرنے یا اپنے عزم سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں۔

مغربی صیہونی قیادت کبھی قاہرہ تو کبھی دمشق میں مذاکرات کا ڈھونگ رچا کر ان کو پھنسانے کیلئے پتے پھینکتی رہتی ہے۔ امریکہ حماس کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنی سیاسی حیثیت کو کھو کر محمود عباس کے ساتھ سمجھوتہ کے لئے تیار ہو جائے تاکہ فلسطین میں انتخابات کی راہ کسی طرح ہموار کی جائے۔ حماس کی آمادگی انتخابات کے انعقاد کو آسان اور ممکن بنا دے گی، پھر آنے والے دنوں میں انتخابات میں حماس کا بالکل صفایا کر دیا جائے۔ جب انتخابات کا انعقاد ہو تو بوگس ووٹنگ کے ذریعے حماس کو بالکل کنارہ پر لگا دیا جائے۔ انتخابات میں حماس کی شکست پر اسے اس طرح سے بے دست و پا کیا جائے کہ اس کے پاس سوائے سر جھکانے کے اور کوئی راستہ نہ رہے۔

اسرائیل روز فلسطینیوں کے خلاف نت نئے منصوبے بناتا ہے۔ حال ہی میں اسرائیلی فوج نے ایک نیا حکم نامہ جاری کیا ہے، جس کے تحت مقبوضہ مغربی کنارے میں بغیر پرمٹ رہائش پذیر

ہزاروں فلسطینیوں کی بیدخلی کی راہ ہموار ہوگی۔ حکم نامہ کے تحت ایسے افراد کے خلاف فوجداری مقدمات بھی قائم کیے جاسکیں گے۔ اس بات کا انکشاف تل ابیب سے شائع ہونے والے اخبار ''ہارٹز'' نے اپنی ایک پورٹ میں کیا ہے۔ اخبار کے مطابق مغربی کنارہ میں دراندازی روکنے سے متعلق فوجی حکم کا اسرائیل کے جاری کردہ شناختی کارڈ نہ رکھنے والے رہائش پذیر فلسطینیوں پر بھی اطلاق کیا جاسکے گا۔ فلسطینی اتھارٹی کے زیرنگرانی علاقہ میں کام کرنے والے اسرائیلیوں اور غیر ملکیوں کو بھی اسی فوج حکم کے تحت علاقہ سے بے دخل کیا جاسکے گا۔

اخبار کے مطابق یہ فیصلہ اسرائیلی فوج کی فیلڈ کمان کے کہنے پر کیا گیا ہے۔ صہیونی فوج نے یقین دلایا ہے کہ دراندازی روکنے کے لئے متعارف کرائے جانے والے اس حکم نامہ مین ضروری ترامیم کی جائیں گی۔ اسرائیلی مسلح فوج اس حکم پر عمل کے لئے تیار ہے، جس کا اطلاق اسرائیلیوں پر نہیں ہوتا، بلکہ اس کی زد ان افراد پر پڑتی ہے، جو وقتی طور پر غیر قانونی طور پر رہائش اختیار کرتے ہیں۔ اخبار نے اس حکم سے متعلق مزید کوئی تفصیل نہیں بتائی۔ اخبار کا کہنا ہے کہ جب تک فوج کو اس حکم پر عملدرآمد کا پورا اختیار نہیں ملتا، اسرائیلی دیوانی عدالتیں بے دخلی کے احکامات پر عملدرآمد نہیں کرسکتیں۔ اسرائیل میں انسانی حقوق اور بالخصوص حق منتقلی کے تحفظ کی خاطر کام کرنے والی تنظیم ہاموکیڈ نے فوج سے اس حکم کی منسوخی کا مطالبہ کیا ہے۔ تنظیم نے ایک بیان میں کہا ہے کہ فوجی حکم نامہ میں اس بات کی وضاحت نہیں ملتی کہ اس کا اطلاق کن لوگوں پر ہوگا۔ مغربی کنارے میں رہنے والی اکثریت کو کبھی بھی رہائش سے متعلق ایسی اجازت لینے کا ماضی میں پابند نہیں بنایا گیا۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ جس شخص کے بارے میں فوجی کمانڈر یہ کہہ دے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں، اسے تین سال سے 7 برس کی سزا دی جاسکے گی۔ چاہے وہ فرد اسرائیلی شہری ہو یا پھر دنیا کے کسی بھی ملک سے تعلق رکھتا ہو۔ یاد رہے کہ 1967ء کی عرب، اسرائیل جنگ کے بعد مغربی کنارہ اور مقبوضہ مشرقی بیت المقدس کا علاقہ اسرائیل کے زیر قبضہ چلا گیا۔ صہیونی فوج مغربی کنارے کے بارے میں خصوصی احکامات جاری کرنے کا اختیار رکھتی ہے، تاہم تل ابیب حکومت اور صہیونی عدالتوں کو ایسے احکامات کو کالعدم قرار دینے کا اختیار موجود ہے۔ درحقیقت اس حکم نامہ کے ذریعے اسرائیل فلسطینیوں اور انسانی حقوق کی تنظیم کے کارکنوں کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے، جو اس کے خیال میں فلسطینیوں کی حمایت کررہی ہے۔

❖♦❖